اثمار الهداية

على الهداية

ھدایہ ثانی

۵۱۱ھ - ۵۹۳ھ

چوتھی جلد

اس شرح میں ہر ہر مسئلے کے لئے تین تین حدیثیں ہیں

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

ناشر

مکتبہ ثمیر، مانچیسٹر، انگلینڈ

Mobile (0044)7459131157

نام کتاب .... اثمار الهدایہ
نام شارح .... مولانا ثمیر الدین قاسمی
ناشر.......................................مکتبہ ثمیر، مانچسٹر، انگلینڈ
باہتمام .... مولانا ابوالحسن قاسمی ، نیانگر
نگران ....مولانا مسلم قاسمی سینپوری
طباعت بار اول .... نومبر ۲۰۰۸ء
کمپیوٹر کمپوزنگ .... مولانا ثمیر الدین قاسمی
سیٹنگ .... حافظ زکی ، باٹلی
قیمت پانچ جلدیں ....۳۰ پونڈ

شارح کا پتہ
Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL
E samiruddinqasmi@gmail.com
mobile (0044)7459131157

انڈیا کا پتہ
مولانا ساجد صاحب
At Post. ghutti
Via Mahagama Dist Godda
Jharkhand-INDIA
Pin 814154
Mobile 0091 6202078366

ملنے کے پتے

شارح کا پتہ
Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL
E samiruddinqasmi@gmail.com
mobile (0044)7459131157

انڈیا کا پتہ

مولانا ابوالحسن، ناظم جامعہ روضۃ العلوم، نیانگر

At Post. Nayanagar,Via Mahagama, Dist Godda

Jharkhand-INDIA ,Pin 814154

Tel 0091 9304 768719

Tel 0091 9308 014992

جناب مولانا مسلم قاسمی صاحب، خطیب مسجد بادل بیگ، نمبر 5005

بازار سرکی والان, حوض قاضی۔ دہلی نمبر 6

انڈیا, پین کوڈ نمبر 110006

فون نمبر 9717158837 0091

جناب مولانا نثار احمد صاحب

ثاقب بک ڈپو، دیوبند, ضلع سہارنپور، یوپی

انڈیا، پین کوڈ نمبر 247554

فون نمبر 09412496688

﴿خصوصیات اثمار الهدایة﴾

(۱) ھدایہ کے ہر مسئلے کے لئے تین حدیث تین حوالے لانے کی کوشش کی گئی ہے، اوراس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے۔

(۲) پھر صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں وہ کس کتاب میں ہے اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے تا کہ صاحب ھدایہ کی حدیث پر اشکال باقی نہ رہے۔ اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے، یا قول صحابی، یا قول تابعی۔

(۳) طلباء کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسئلے کا محاوری اور آسان ترجمہ پیش کیا ہے۔

(۴) کمال یہ ہے کہ عموما ہر ہر مسئلے کو چار مرتبہ سمجھایا ہے، تا کہ طلباء مسئلہ اوراسکی دلیل بھی آسانی سے سمجھ جائیں۔

(۵) مسائل کی تشریح آسان اور سلیس اردو میں کی ہے۔

(۶) وجہ کے تحت ہر مسئلے کی دلیل نقلی قرآن اوراحادیث سے مع حوالہ پیش کی گئی ہے۔

(۷) حسب موقع دلیل عقلی بھی ذکر کر دی گئی ہے۔

(۸) امام شافعیؒ کا مسلک انکی، کتاب الام، کے حوالے سے لکھا گیا اور حدیث کی دلیل بھی وہیں سے ذکر کی گئی ہے۔

(۹) کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۱۰) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

(۱۱) لفظی ابحاث اوراعتراض وجوابات سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے تا کہ طلباء کا ذہن پریشان نہ ہو۔

(۱۲) جو حدیث ہے اس کے لئے 'حدیث' اور جو قول صحابی یا قول تابعی ہے اس کے لئے 'اثر' کا لفظ لکھا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون حدیث ہے اور کون قول صحابی، یا قول تابعی ہے۔

(۱۳) حدیث کے حوالے کے لئے پورا باب لکھا۔ پھر بیروتی، یا پاکستانی کتب خانہ والی کتابوں کا صفحہ نمبر لکھا اور بیروتی یا سعودی کتابوں کا احادیث نمبر لکھ دیا گیا تا کہ حدیث نکالنے میں آسانی ہو۔

(۱۴) پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان بھی لکھ دئے گئے ہیں تا کہ دونوں اوزان میں بآسانی موازنہ کیا جا سکے۔

ہم اثمار الھدایہ ہی کو کیوں پڑھیں ؟

(۱) اس شرح میں ہر مسئلے کے تحت تین حدیثیں، تین حوالے ہیں جس سے دل کو سکون ہو جاتا ہے کہ کس مسئلے کے لئے کون سی حدیث ہے۔

(۲) کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحاح ستہ ہی سے لائی جائے، تا کہ حدیث مضبوط ہوں۔

(۳) صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں اس کی مکمل دو تخریج پیش کی گئی ہے۔

(۴) ایک ایک مسئلے کو چار چار بار مختلف انداز سے سمجھایا ہے، جس سے مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

(۵) بلاوجہ اعتراض و جوابات نہیں لکھا گیا ہے۔

(۶) سمجھانے کا انداز بہت آسان ہے۔

(۷) پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان مثلا گرام وغیرہ کو لکھ دیا گیا ہے، جس سے پرانا اور نیا دونوں وزنوں سے واقفیت ہوتی ہے۔

(۸) امام شافعیؒ کا مسلک انکی کتاب الام سے نقل کیا گیا ہے، اور انکی دلیل بھی صحاح ستہ سے دی گئی ہے۔

فہرست مضامین اثمار الهد ایۃ جلد رابع

﴿کتاب النکاح﴾

قال (۱۴۸۱)النکاح ینعقد بالایجاب والقبول بلفظین یعبر بھما عن الماضی ﴾

﴿کتاب النکاح ﴾

ضروری نوٹ: نماز، زکوۃ، روزہ، اور حج خالص عبادات ہے، ان سے فارغ ہوئے تو مصنف نے قدوری کے متن کے خلاف نکاح کو شروع کیا، کیونکہ نکاح ایک اعتبار سے عبادت ہے، اور ایک اعتبار سے بیوی اور شوہر کے درمیان معاملات ہے، چونکہ یہ عبادت بھی ہے اور معاملات بھی اس لئے عبادت کے بعد لائے اور کتاب البیوع جو خالص معاملات ہے اس سے پہلے لائے۔قدوری میں کتاب النکاح، کتاب البیوع کے بعد ہے۔

نکاح کے معنی عقد ہیں یا وطی ہیں۔میاں بیوی شادی کا عقد کرے اس کو نکاح کہتے ہیں۔(۱) اس کا ثبوت اس آیت میں ہے ۔وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنی الا تعولوا. (آیت ۳، سورۃ النساء۴) اس آیت میں نکاح کا ثبوت بھی ہے اور زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے شادی کرسکتا ہے اس کا بھی ثبوت ہے (۲) حدیث میں ہے ۔عن عبد الرحمن بن یزید ... قال لنا رسول اللہ ﷺ یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وِجاء (بخاری شریف، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم ص ۵۸ ۷نمبر ۵۰۶۶ر مسلم شریف، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ ووجد مؤنۃ الخ، ص ۴۴۸ نمبر ۱۴۰۰ر ۳۳۹۸) اس حدیث سے نکاح کرنے کی ترغیب معلوم ہوئی۔

ترجمہ (۱۴۸۱) نکاح منعقد ہوتا ہے ایجاب اور قبول کے ایسے دو لفظوں سے کہ ان دونوں کو تعبیر کیا گیا ہو ماضی سے۔

تشریح : اس عبارت میں دو باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ایک بات تو یہ ہے کہ نکاح عقد ہے اور عقد ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے۔اس لئے نکاح ایجاب اور قبول سے منعقد ہوگا۔

وجہ : (۱) اصول یہ ہے کہ دونوں کی رضامندی ہو تب عقد منعقد ہوگا۔اور دونوں کی رضامندی ایجاب اور قبول سے ظاہر ہوگی۔اس لئے ایجاب اور قبول ہو تب نکاح منعقد ہوگا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمر سے گھوڑا خریدنے کے لئے ایجاب کیا اور حضرت عمرؓ نے قبول کیا جس کے نتیجے میں بیع منعقد ہوئی۔عن ابن عمر قال کنا مع النبی ﷺ فی سفر فکنت علی بکر صعب لعمر ... فقال النبی ﷺ لعمر بعنیہ قال ھو لک یا رسول اللہ. (بخاری شریف، باب اذا اشتری شیئا فوھب من ساعتہ قبل ان یتفرقا ص ۲۸۴ نمبر ۲۱۱۵) اس حدیث میں حضورؐ نے بعنیہ کہہ کر ایجاب کیا اور حضرت عمرؓ نے ھو لک یا رسول اللہ ! کہہ کر قبول کیا۔اس لئے کسی بھی عقد میں ایجاب اور قبول ضروری ہیں (۳) خود نکاح میں

ل لان الصيغة وان كانت للاخبار وضعا فقد جعلت للانشاء شرعا دفعاً للحاجة

ایجاب اورقبول کا اشارہ موجود ہے۔ان عمر بن الخطاب حين تأيمت حفصة بنت عمر ... ثم خطبها رسول الله فانكحتها اياه (بخاری شریف، باب عرض الانسان ابنتہ اواختہ علی اہل الخیر، ص ۶۷۷، نمبر ۵۱۲۲) اس حدیث میں حضورؐ نے حضرت حفصہ کو پیغام نکاح دے کر ایجاب کیا اور حضرت عمرؓ نے فانكحتها کہہ کر قبول فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ نکاح ایجاب اور قبول سے منعقد ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ دونوں لفظ فعل ماضی کے ہوں تب نکاح ہوگا۔

وجه : (۱) اصل بات یہ ہے کہ عقد میں بات پکی ہونی چاہئے۔اور وہ فعل ماضی میں ہوگی کیونکہ عربی زبان میں یا فعل ماضی ہے یا فعل مضارع۔اور فعل مضارع کا ترجمہ ہے حال یا استقبال۔پس اگر استقبال کے معنی لیں تو نکاح کرنے کا صرف وعدہ ہوگا باضابطہ نکاح کرنا نہیں ہوگا۔اس لئے بات پکی کرنے کے لئے فعل ماضی کا صیغہ استعمال کرنا چاہئے۔(۲) آیت میں ایجاب اور قبول کے لئے فعل ماضی استعمال کیا گیا ہے، آیت یہ ہے۔ فلما قضى زيد وطرا زوجنا كها (آیت ۳۷، سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت میں زوجنا، فعل ماضی استعمال ہوا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ عقد کے لئے فعل ماضی ہونا چاہئے۔(۳) حدیث میں ایجاب اور قبول کے لئے فعل ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔قال لی العداء بن خالد بن هوذة الا اقرئك كتابا كتبه لی رسول الله ﷺ قال قلت بلى فاخرج لی كتابا، هذا ما اشترى العداء بن خالد بن هوذة من محمد رسول الله اشترى منه عبدا او امة لا داء ولا غائلة ولا خبثة ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کتابۃ الشروط ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۶) اس حدیث میں اشترى فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تاکہ بات پکی ہو۔پھر خرید وفروخت کو لکھ لیا گیا ہے تاکہ دونوں اور پکے ہو جائیں (۴) ایک اور حدیث میں فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ باع حلسا وقدحا وقال من يشترى هذا الحلس والقدح؟ فقال رجل اخذتهما بدرهم. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی بیع من یزید ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۸) اس حدیث میں خریدنے والے نے اخذتهما بدرهم کہا ہے اور فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔اس لئے نکاح میں فعل ماضی استعمال کرنا ضروری ہے۔

اصول: (۱) معاملات میں بات پکی ہونا ضروری ہے (۲) نکاح میں ایجاب اور قبول فعل ماضی کے صیغے سے ادا کرے۔

ترجمه: ل اس لئے کہ ماضی کا صیغہ اگر چہ اخبار کے لئے وضع کیا گیا ہے، لیکن ضرورت کو دور کرنے کے لئے شرعا انشاء کے لئے کیا گیا ہے۔

تشريح : یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ ماضی کا صیغہ تو اس بات کو خبر دینے کے لئے آتا ہے کہ گزرے زمانے میں

(۱۴۸۲) وينعقد بلفظين يعبر باحدهما عن الماضى وبالأخر عن المستقبل مثل ان يقول زوّجنى فيقول زوّجتك ؎ ل لان هذا توكيل بالنكاح والواحد يتولى طرفى النكاح على مانبينه ان شاء الله

ایک بات گزر چکی ہے، اور یہاں نکاح ابھی ہوا نہیں ہے، وہ تو آئندہ ہوگا تو اس کے لئے ماضی کا صیغہ کیسے استعمال کیا جا رہا ہے؟ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ ماضی کا صیغہ اگر چہ گزری ہوئی بات کے لئے آتا ہے لیکن جہاں ضرورت ہے اس کو پوری کرنے کے لئے شرعی طور پر انشاء کے لئے متعین کر دیا گیا ہے، اور یہاں ضرورت یہ ہے کہ بات پکی ہو جائے۔۔انشاء کا ترجمہ ہے، آئندہ کسی ہو نے والے عقد کو بتلانا۔

ترجمه : (۱۴۸۲) یا نکاح منعقد ہوگا ایسے دولفظوں سے جن میں سے ایک کو تعبیر کیا گیا ہو ماضی سے اور دوسرے کو مستقبل سے، مثلا یہ کہے, زوجنی، اور جواب میں دوسرا کہے, زوجتک ،۔میں نے تیرا نکاح کرا دیا۔

تشریح: نکاح منعقد ہونے کے لئے دوسری شکل یہ ہے کہ ایجاب اور قبول دونوں الفاظ ماضی کے نہ ہوں، بلکہ ایک امر کا صیغہ ہو جسکو مستقبل کا صیغہ کہتے ہیں، اور دوسرا فعل ماضی کا صیغہ ہو تب بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ امر کا صیغہ, زوجنی، سے ایک آدمی کو وکیل بنانا ہوتا ہے، اور وہ جب زوجتک ، استعمال کرتا ہے تو یہ ماضی کا صیغہ ہوتا ہے، تو گویا کہ دونوں جانب سے فعل ماضی ہی استعمال ہوئے، اس لئے نکاح ہو جائے گا۔ کیونکہ فعل ماضی سے بات پکی ہوگئی جو مقصود تھا۔

وجه: (۱) اس حدیث میں ہے۔ عن سهل بن سعد قال جاء ت امرأة الى رسول الله ﷺ فقالت انى وهبت من نفسى فقامت طويلا فقال رجل زوجنيها ان لم تكن لك بها حاجة.....فقال زوجنا كها بما معك من القرآن ۔(بخاری شریف باب السلطان ولی لقول النبی ﷺ زوجنا کھا بما معک من القرآن، ص ۹۱۸، نمبر ۵۱۳۵) اس حدیث میں, زوجنیھا ، امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور, زوجناک، فعل ماضی کا صیغہ بھی استعمال کیا ہے (۲) اس حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ عن سهل بن سعد أن امرأة عرضت نفسها على النبى ﷺ فقال له رجل يا رسول الله زوجنيها فقال ما عندك ؟ .... فقال النبى املكنا كها بما معك من القرآن ۔(بخاری شریف، باب عرض المرأة نفسها علی الرجل الصالح، ص ۷۶۷، نمبر ۵۱۲۱) اس حدیث میں, زوجنیھا ، امر کا صیغہ استعمال ہوا اور, املکنا کھا، فعل ماضی کا صیغہ بھی استعمال کیا ہے۔

ترجمه: ل اس لئے کہ یہ نکاح کا وکیل بنانا ہے، اور ایک آدمی نکاح کے دونوں طرف کا وکیل بن سکتا ہے، جیسا کہ ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ, زوجنی کا امر کا صیغہ ہے، اور اس سے اصل میں ایک آدمی کو دونوں جانب سے وکیل بنانا ہے، اور نکاح میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی آدمی دونوں طرف کا وکیل بن جائے، اور جب دونوں طرف کا وکیل بن گیا تو ایک ہی آدمی نے ما

(۱۴۸۳)وينعقد بلفظ النكاح والتزويج والهبة والتمليك والصدقة ﴾

ضی کا صیغہ استعمال کیا تو گویا کہ ایجاب اور قبول دونوں میں ماضی کا صیغہ استعمال ہوگیا، اور نکاح ہو گیا۔ البتہ بیع اور شراء میں دونوں جانب سے ایک آدمی وکیل اور اصیل یا دونوں جانب سے وکیل نہیں بن سکتا۔ اس لئے وہاں ایک ہی آدمی ایجاب اور قبول نہیں کر سکتا ۔جس کی تفصیل کتاب البیوع میں آئے گی۔

ترجمہ :(۱۴۸۳) اور نکاح منعقد ہوتا ہے، لفظ نکاح کے ذریعہ، اور لفظ تزویج، اور ہبہ، اور تملیک، اور صدقہ، کے ذریعہ۔

تشریح : یہاں سے یہ بتاتے ہیں کہ کن کن الفاظ کے استعمال کرنے سے نکاح منعقد ہوگا، اور کس لفظ کے استعمال کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، فرماتے ہیں کہ لفظ ,نکاح، سے لفظ ,تزویج، سے لفظ ,ہبہ، سے لفظ ,تملیک، سے اور لفظ ,صدقہ، سے نکاح منعد ہوجائے گا، مثلا یوں کہے ,نکحتُ، یاتزوجتُ، یا وهبتُ ، یا ملکُتک ، صدقُتک ،تو ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن اعارہ وغیرہ کے الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے۔

وجہ : (۱) یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ہر وہ لفظ جو ملکیت پر دلالت کرتا ہو اس سے نکاح ہو جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک سے پورے جسم کا مالک بنتا ہے اور اس کے تحت بضعہ کا بھی مالک ہوتا ہے اور جماع کا حقدار بنتا ہے اور نکاح سے صرف بضعہ کا مالک ہوتا ہے تو جس لفظ سے پورے جسم کا مالک بنے گا تو اس کے تحت میں اس کے تحت میں بضعہ کا بھی مالک بنے گا تو گویا کہ کل بول کر جز مراد لیا گیا، یا ملک سبب ہے اور اور ملک بضعہ مسبب ہے، تو سبب بول کر مسبب مراد لیا، اور مجاز کے طور پر ایسا کرنا جائز ہے، اس لئے ملک بول کر نکاح مراد لینا جائز ہوگا (۲) چنانچہ حدیث میں ,املکنا کھا، کہا اور اس سے نکاح مراد لیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ایسا لفظ جو ملک پر دلالت کرتا ہو اس سے نکاح مراد لیا جا سکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن سهل بن سعد أن امرأة عرضت نفسها على النبي ﷺ فقال له رجل يا رسول الله زوجنيها فقال ما عندك ؟ .... فقال النبي املكنا كها بما معك من القرآن ۔(بخاری شریف، باب عرض المرأة نفسها على الرجل الصالح، ص ۶۷۷، نمبر ۵۱۲۱) اس حدیث میں ,املكناك، نکاح کے لئے ملک کا لفظ استعمال ہوا ہے۔(۳) اس آیت میں ,نکح، بول کر نکاح مراد کیا۔ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره (آیت ۲۳۰، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں نکاح کے لئے تنکح کا لفظ استعمال ہوا ہے۔(۴) اس آیت میں نکح بول کر نکاح مراد لیا۔ اذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن (آیت ۴۹، سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت میں بھی نکاح کا لفظ استعمال ہوا ہے (۵) اس آیت میں تزویج بول کر نکاح مراد لیا ہے۔ فلما قضى زيد منها وطرا زوجنا كها (آیت ۳۷، سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت میں زوجنا کھا، سے نکاح مراد لیا ہے۔(۶) اس حدیث میں لفظ تزویج سے نکاح مراد لیا ہے، اور ہبہ سے بھی نکاح مراد لیا ہے۔ . عن سهل بن سعد قال جاء ت امرأة الى رسول الله ﷺ فقالت انى وهبت من نفسى فقامت طويلا فقال رجل زوجنيها ان لم تكن لك بها حاجة.....فقال

۱ و قال الشافعیؒ لاینعقد الا بلفظ النکاح والتزویج لان التملیک لیس حقیقةً فیه ولا مجازاً عنه لان التزویج للتلفیق والنکاح للضم ولاضمّ ولا ازدواج بین المالک والمملوک اصلاً

زوجنا کھا بما معک من القرآن ۔(بخاری شریف باب السلطان ولی لقول النبی ﷺ زوجنا کھا بما معک من القرآن، ص ۹۱۸، نمبر ۵۱۳۵) اس حدیث میں ہبہ اور تزویج دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں ۔(۷) اس آیت میں ہبہ بول کر نکاح مراد لیا گیا ہے۔۱ و امرأة مؤمنة ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی أن یستنکحھا خالصة لک من دون المؤمنین (آیت ۵۰، سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت میں نکاح کے لئے وھب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اصول : جو الفاظ ملکیت پر دلالت کرتے ہوں ان سے نکاح ہو جائے گا۔ مجاز کے طریقے پر۔

لغت: بضعہ کا معنی ہے عورت کی شرمگاہ۔ ملک بضعہ جماع کرنے کا حق۔ ملک متعہ: فائدہ اٹھانے کا حق، جماع کا حق۔ ملک رقبہ: گردن کی ملکیت، یعنی پورے جسم کی ملکیت۔ اور باندی پر ملک رقبہ حاصل ہو تو ملک متعہ بھی حاصل ہوتا ہے، یعنی جماع کرنے کا حق بھی ہوتا ہے۔

ترجمہ : ۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ لفظ نکاح اور تزویج کے علاوہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، اس لئے کہ نکاح میں نہ تو حقیقت میں تملیک ہے اور نہ مجاز کے اعتبار سے تملیک ہے، اس لئے کہ تزویج آتا ہے تلفیق (چمٹانا) کے لئے اور نکاح آتا ہے ضم (ملانا) کے لئے اور مالک اور مملوک کے درمیان نہ ضم ہوتا ہے اور ازدواج، چمٹانا ہوتا ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کے یہاں صرف دو الفاظ، نکاح، اور تزویج، کے ذریعہ نکاح ہوگا، باقی لفظ ہبہ، ملک، اور صدقہ کے ذریعہ نکاح نہیں ہوگا، موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔و فی ھذا دلالة علی أن لا یجوز نکاح الا باسم النکاح أو التزویج ، و لا یقع بکلام غیرھما و ان کانت معه نیة التزویج ۔(موسوعة امام شافعیؒ، باب الکلام الذی ینعقد بہ النکاح و مالا ینعقد، ج عاشر، ص ۱۲۵، نمبر ۱۵۶۹۲) اس عبارت میں ہے کہ نکاح اور تزویج کے علاوہ الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

وجہ : (۱) موسوعہ میں انکی دلیل یہ ہے کہ ہبہ صرف حضورؐ کے لئے جائز تھا اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے، کیونکہ خود آیت میں ہے کہ یہ مومنین کے لئے نہیں ہے خالص آپؐ کے لئے ہے، اور جب کسی اور کے لئے جائز نہیں تو ہبہ بول کر نکاح مراد نہیں لیا جا سکتا، آیت یہ ہے۔۱ و امرأة مؤمنة ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی أن یستنکحھا خالصة لک من دون المؤمنین (آیت ۵۰، سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت میں ہبہ کو صرف آپؐ کے لئے خاص کیا اس لئے ہبہ کے لفظ سے نکاح نہیں ہوگا۔(۲) امام شافعیؒ کی دلیل عقلی کا حاصل یہ ہے۔ ملک اور ہبہ اور صدقہ کسی طرح بھی نکاح اور تزویج کے معنی میں نہیں ہیں اسلئے ان الفاظ سے نکاح نہیں ہوگا، اس لئے کہ تزویج کا معنی ہے تلفیق، یعنی چمٹانا، اور نکاح کا معنی ہے ضم، یعنی ملانا اور لفظ ہبہ، ملک اور

۲؎ ولنا ان التمليك سبب لملك المتعة فى محلها بواسطة ملك الرقبة وهو الثابت بالنكاح والسببية طريق المجاز (۱۴۸۴) وينعقد بلفظة البيع ﴾ ا؎ هو الصحيح لوجود طريق المجاز (۱۴۸۵) ولا ينعقد بلفظة الاجارة فى الصحيح ﴾ ا؎ لانه ليس بسبب لملك المتعة

صدقہ کا یہ معنی ہے ہی نہیں اس لئے حقیقت کے اعتبار سے ان میں سے کسی کا معنی تزویج، اور نکاح کا معنی نہیں ہے، اور مجاز کے اعتبار سے بھی ہبہ، ملک، اور صدقہ کا معنی تزویج، اور نکاح کا معنی نہیں ہوسکتا، کیونکہ مالک اور مملوک کے درمیان ملانا اور چمٹانا نہیں ہوتا، اس لئے ملک کے لفظ سے نکاح اور تزویج کا معنی نہیں لیا جاسکتا، اس لئے ان الفاظ سے نکاح نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تملیک متعہ کے محل میں ملک رقبہ کے سبب سے ملک متعہ کا سبب ہے، اور نکاح کے ذریعہ ملک متعہ ثابت ہے، اور سببیت بھی مجاز کا طریقہ ہے۔

تشریح : ملک رقبہ کا معنی ہے پورے جسم کا مالک ہونا، اور ملک متعہ کا معنی ہے فائدہ اٹھانے کا مالک ہونا یعنی جماع کا مالک ہونا، تو اگر باندی کے جسم کا مالک ہوجائے اور وہ شادی شدہ نہ ہو تو مالک جماع کا بھی مالک ہوتا ہے، تو ملک رقبہ کے سبب سے ملکہ متعہ یعنی وطی کا مالک ہوتا ہے تو ملک رقبہ سبب بنا اور ملک متعہ مسبب ہوا، اور سبب ہونا بھی مجاز کا طریقہ ہے، اس لئے وہ الفاظ جو ملک پر دلالت کرتے ہوں وہ بول کر مجازا نکاح مراد لیا جاسکتا ہے۔ اس لئے ہبہ، تملیک اور صدقہ کے الفاظ سے نکاح ہوجائے گا، کیونکہ یہ الفاظ ملکیت پر دلالت کرتے ہیں۔

ترجمہ : (۱۴۸۴) لفظ بیع سے نکاح منعقد ہوجائے گا۔

ترجمہ : ا؎ صحیح روایت یہی ہے مجاز کے طریق کے پائے جانے کی وجہ سے۔

تشریح : حضرت ابوبکر اعمشؒ کی روایت یہ ہے کہ لفظ بیع سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع میں مال کے بدلے میں مال کا مالک بنتا ہے، اور ملک بضعہ مال نہیں ہے، اس لئے ,بعت، کہا تو اس سے نکاح کی نیت کرنے کے باوجود نکاح نہیں ہوگا۔ لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ بیع سے نکاح ہوجائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع میں چاہے مال کے بدلے مال کا مالک بنتا ہے، لیکن پورے جسم کی ملکیت تو ہوتی ہے، اور اس کے تحت میں ملک بضعہ کی بھی ملکیت ہوجائے گی اور مجاز کے طور پر سبب یعنی ملک رقبہ بول کر مسبب یعنی ملک متعہ مراد لی جائے گی۔

لغت : طریق المجاز: کا مطلب ہے کہ ملک رقبہ سبب بول کر مجاز کے طور پر ملک متعہ نکاح مراد لیا جائے، جو مسبب ہے۔

ترجمہ : (۱۴۸۵) صحیح روایت میں اجارہ کے لفظ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ا؎ اس لئے کہ اجارہ ملک متعہ کا سبب نہیں ہے

(۱۴۸۶)ولا بلفظة الاباحة والاحلال والاعارة﴾ ۱؎ لما قلنا (۱۴۸۷) ولا بلفظة الوصية ﴾ ۱؎ لانها توجب الملک مضافاً الی مابعد الموت قال (۱۴۸۸) ولاينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين اورجل وامرأتين عدولا كانوا او غير عدول او محدودين فى القذف ﴾

تشریح : اجرت میں عین چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ اجارہ میں مال کے بدلے نفع کا مالک ہوتا ہے، اور جماع کا حق اجارہ کے طور پر حاصل نہیں کرسکتا، مثلا باندی کو اجرت پر لیا تو اس سے کام تو لے سکتا ہے، لیکن جماع نہیں کرسکتا، کیونکہ جماع کا حق اجرت پر نہیں لیا جا سکتا، وہ صرف نکاح کے ذریعہ، یا باندی کی ملکیت کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اجارہ بول کر سبب کے طور پر ملک متعہ یعنی نکاح مراد نہیں لیا جاسکتا، اس لئے لفظ اجارہ سے نکاح نہیں ہوگا۔

اصول : جن الفاظ سے عین چیز کی ملکیت نہیں ہوتی ہو، صرف نفع کی ملکیت ہوتی ہو ان الفاظ سے بھی نکاح نہیں ہوگا۔

ترجمہ : (۱۴۸۶) لفظ اباحت، لفظ احلال، لفظ اعارہ کے ذریعہ بھی نکاح نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۱؎ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا۔

تشریح : اگر کسی نے کہا کہ میں نے تیرے لئے مباح کیا، یا تجھکو حلال کیا، یا عاریت پر دیا تو ان الفاظ سے بھی نکاح نہیں ہوگا۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ مباح کرنے کا مطلب ہوتا ہے کہ اس چیز کے عین کا مالک نہیں ہو، لیکن اس کے نفع سے فائدہ اٹھا سکتے ہو، اور پہلے گزر چکا ہے کہ ایسا لفظ جو عین کی ملکیت پر دلالت نہ کرے، صرف نفع اٹھانے کی گنجائش ہو تو اس سے نکاح نہیں ہوتا، اس لئے مباح کے لفظ سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ احلال کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ عین چیز کا مالک نہیں ہو، لیکن اس کے نفع سے فائدہ اٹھا سکتے ہو ۔ اور عاریت کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ عین چیز کا مالک نہیں ہو لیکن اس کے نفع سے فائدہ اٹھا سکتے ہو، چونکہ ان تمام الفاظ میں عین چیز کا مالک نہیں ہوتا صرف نفع اٹھا سکتا ہے اس لئے ان تینوں الفاظ سے نکاح نہیں ہوگا۔

ترجمہ : (۱۴۸۷) اور نہ وصیت کے لفظ سے نکاح ہوگا۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ ملک واجب کرتا ہے موت کے بعد۔

تشریح : وصیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عین چیز کا مالک ہوگا لیکن زندگی میں نہیں بلکہ موت کے بعد، چونکہ ملکیت موت کے بعد ہوگی اس لئے وصیت کے لفظ سے بھی نکاح نہیں ہوگا۔

ترجمہ : (۱۴۸۸) نہیں منعقد ہوگا نکاح مسلمانوں کا مگر دو گواہوں کے سامنے جو دونوں آزاد ہوں، بالغ ہوں، عاقل ہوں اور مسلمان ہوں۔ یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، عادل ہوں یا غیر عادل ہوں۔ یا تہمت زنا میں حد لگائے ہوئے ہوں۔

تشریح اس متن میں چار باتیں ذکر کی گئیں ہیں[۱] نکاح کے لئے دو گواہ ضروری ہیں[۲] دونوں گواہ مرد ہوں یا ایک مرد ہو اور دو عورتیں ہوں[۳] عادل ہوں یا فاسق ہوں تب بھی کافی ہے[۴] محدود فی القذف، یعنی زنا کی تہمت میں حد لگی ہوئی ہوں تب بھی چل جائے گا۔ان چار باتوں کی تفصیل پہلے دیکھیں پھر صاحب ھدایہ کی عبارت کی تفصیل ہوگی۔

وجه [۱] نکاح کے لئے دو گواہ ضروری ہیں،(۱) اس کے لئے یہ آیت ہے۔ **واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهدائأن تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرىٰ .** (آیت ۲۸۲ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے پتہ چلا کہ دو مردوں کی گواہی ضروری ہے اور دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی چل جائے گی۔اور رجل کے لفظ سے یہ بھی پتہ چلا کہ بچوں کی گواہی قبول نہیں (۲)۔حدیث میں ہے کہ بغیر گواہ کے نکاح کیا تو وہ زنا ہوگا ،نکاح ہوگا ہی نہیں۔حدیث میں ہے۔**عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال البغايا اللاتی ينكحن انفسهن بغير بينة .** (ترمذی شریف، باب ما جاء لا نکاح الا ببینۃ، ص ۲۰۹، نمبر ۱۱۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر گواہ کے نکاح درست نہیں ہوگا (۳) **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا نكاح الا بولی وشاهدی عدل .** (دار قطنی، کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۱۵۸، نمبر ۳۴۹۲ رسنن للبیہقی، باب لا نکاح الا بشاھد یب عدلین، ج سابع، ص ۲۰۲، نمبر ۱۳۷۱۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نکاح کے لئے دو گواہ ہوں ورنہ نکاح نہیں ہوگا۔

[۲] اور ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تب بھی کافی ہیں ان کی دلیل یہ اثر ہے .**عن عمر بن الخطاب انه اجاز شهادة النساء مع الرجل فی النكاح .** (سنن بیہقی باب لا نکاح الا بشاہدین عدلین، ج سابع، ص ۲۰۵، نمبر ۱۳۷۲۸ رموطا امام محمد، باب النکاح السر، ص ۲۴۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی نکاح اور طلاق میں کافی ہے (۲) اوپر کی آیت میں بھی اس کی صراحت ہے۔

[۳] گواہ عادل ہو یا فاسق ہو نکاح میں دونوں کی گواہی قبول کی جائے اسکے لئے یہ دلیل ہے۔یوں تو عادل ہی کی گواہی قبول کرنی چاہئے۔(۱) کیونکہ آیت میں ہے۔**واشهدوا ذوی عدل منكم واقيموا الشهادة لله ذلكم يوعظ به** (آیت ۲ سورۃ الطلاق ۶۵) (۲) اس آیت میں ہے کہ گواہ عادل ہو۔**يا ايها الذين آمنوا شهادة بينكم اذا حضر احدكم الموت حين الوصية اثنان ذوا عدل منكم** (آیت ۱۰۶ سورۃ المائدہ ۵) اس آیت میں ہے کہ تمہارا دو عادل آدمی ہو۔(۳) اور حدیث میں ہے۔**عن عمر بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله رد شهادة الخائن والخائنة وذی الغمر علی اخيه ورد شهادة القانع لاهل البيت واجازها لغيرهم** (ابوداؤد شریف، باب من ترد شھادتہ، ص ۱۵۱، نمبر ۳۶۰۰) اس سے معلوم ہوا کہ عادل کی گواہی قبول کرنی چاہئے۔اور خائن اور فاسق کی گواہی نہیں قبول کرنی چاہئے۔لیکن نکاح کا معاملہ تھوڑا آسان ہے کہ اکثر و بیشتر گواہ بنتا ہے لیکن قاضی کے سامنے شادی کی گواہی دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔اس لئے فاسق بھی گواہ بن

ل قالؒ اعلم ان الشهادة شرط فی باب النكاح لقوله عليه السلام لا نكاح الا بشهود

جائے تو جائز ہے(۴) حجاج بن یوسف فاسق تھا پھر بھی حاکم بنااور دوسروں کو قاضی بنایا تو جائز ہو گیا اس لئے فاسق کی گواہی جائز ہو جائے گی۔فاسق کا مطلب یہ ہے کہ نماز چھوڑنے یا زکوۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے فاسق ہو تو گواہی مقبول ہے۔(۵) لیکن اگر جھوٹ بولنے کی وجہ سے فاسق ہوا ہو تو اس کی گواہی قابل قبول نہیں۔کیونکہ جھوٹ کی وجہ سے اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔کیونکہ آیت میں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا گیا ہے۔فاجتنبوا الرجس من الاثان واجتنبوا قول الزور (آیت ۳۰ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں جھوٹی گواہی کو شرک کے برابر قرار دیا ہے(۶) حدیث میں ہے۔عن انس قال سئل النبی ﷺ عن الکبائر قال الاشراک بالله وعقوق الوالدين وقتل النفس وشهادة الزور (بخاری شریف، باب ما قیل فی شہادۃ الزور ص ۳۶۳ نمبر ۲۶۵۳) اس حدیث میں بھی جھوٹی گواہی سے منع فرمایا ہے۔

[۴] کسی نے کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کو ثابت نہ کر سکا جس کی وجہ سے اس پر حد قذف لگ گئی ہو ایسے محدود فی القذف گواہوں کی موجودگی میں بھی نکاح ہو جائے گا۔

وجه : آیت میں ہے کہ محدود فی القذف والوں کی گواہی قبول نہ کرو۔آیت یہ ہے والذین یرمون المحصنت ثم لم یأتو باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون. (آیت ۴ سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی قبول نہ کی جائے،ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس کی گواہی قاضی کے سامنے قبول نہیں کی جائے گی،البتہ وہ نکاح میں گواہ بن سکتا ہے اور اس کی گواہی سے نکاح ہو سکتا ہے۔چونکہ عموما ایسا ہوتا ہے کہ نکاح میں لوگ گواہ بنتے ہیں اور زندگی بھر اس کو اس نکاح کی گواہی دینے کی ضرورت نہیں پڑتی،اس لئے گواہ بننا اور بات ہے اور گواہی دینا اور بات ہے۔ (۲) نکاح کے گواہ بننے میں تھوڑی آسانی ہے کیونکہ وہ روزمرہ کا کام ہے۔

ترجمه : ل صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ نکاح کے باب میں شہادت شرط ہے،حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ گواہ کے بغیر نکاح نہیں ہے۔

تشريح : نکاح بغیر گواہ کے نہیں ہوگا،نکاح کے لئے شہادت شرط ہے،صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا نكاح الا بولی وشاهدی عدل ۔(دار قطنی، کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۱۵۸، نمبر ۳۴۹۲ رسنن للبیہقی، باب لا نکاح الا بشاھد یب عدلین، ج سابع، ص ۲۰۲، نمبر ۱۳۷۱۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نکاح کے لئے دو گواہ ہوں ورنہ نکاح نہیں ہوگا۔

۲؎ وهو حجة على مالكؒ فى اشتراط الاعلان دون الشهادة ۳؎ ولا بد من اعتبار الحرية فيها لان العبد لا شهادة له لعدم الولاية ۴؎ ولابد من اعتبار العقل والبلوغ لانه لا ولاية بدونهما

ترجمه : ۲؎ یہ حدیث امام مالکؒ پر حجت ہے اعلان کی شرط لگانے میں نہ کہ گواہ کی۔

تشریح : امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نکاح کے ایجاب قبول کرتے وقت گواہ نہ ہوں پھر بعد میں نکاح ہونے کا اعلان کر دیا جائے تب بھی نکاح صحیح ہو جائے گا، لیکن اوپر والی حدیث میں ہے کہ نکاح کے وقت دو عادل گواہ ہوں اس لئے یہ حدیث امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے۔

ترجمه : ۳؎ گواہ میں آزاد ہونے کا اعتبار کرنا ضروری ہے اس لئے کہ غلام کی گواہی نہیں ہے اس کی ولایت نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : نکاح کے گواہ میں دونوں گواہ آزاد ہوں، غلام کی گواہی نہیں چلے گی۔

وجه : (۱) ایک وجہ یہ ہے گواہ کا مطلب ہے دوسرے پر ایک بات کو لازم کرنا، اور غلام کو اپنے اوپر ہی ولایت نہیں ہے تو دوسرے پر اپنی بات کیسے لازم کرے گا، اس لئے اس کی گواہی کا اعتبار نہیں ہے۔ (۲) اثر میں ہے۔ فقال والله عزوجل يقول، واستشهدوا شهيدين من رجالكم (آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ)۔ افتجوز شهادة العبيد فبين مجاهد ان مطلق الخطاب يتناول الاحرار۔ (سنن للبیہقی، باب من رد شہادۃ العبید ومن قبلہا، ج عاشر، ص ۲۷۲، نمبر ۲۰۶۰۸ / مصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ العبد یعتق والنصرانی یسلم والصبی یبلغ، ج ثامن، ص ۲۶۹، نمبر ۱۵۵۷۰) اس آیت میں ہے کہ تمہارے مرد ہوں جس سے اشارہ ہے کہ آزاد مرد ہو (۳) دوسری روایت میں ہے۔ عن علي والحسن والنخعي والزهري ومجاهد وعطاء لاتجوز شهادة العبيد . (سنن للبیہقی، باب من رد شہادۃ العبید ومن قبلہا، ج عاشر، ص ۲۷۲، نمبر ۲۰۶۰۸ / مصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ العبد یعتق والنصرانی یسلم والصبی یبلغ، ج ثامن، ص ۲۶۹ نمبر ۱۵۵۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام اور باندی کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

ترجمه : ۴؎ گواہ میں عاقل اور بالغ ہونے کا اعتبار کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ عقل اور بلوغ کے بغیر ولایت نہیں ہے۔

تشریح : گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل اور بالغ ہو، اسلئے کہ اگر عاقل یا بالغ نہ ہو تو خود اپنے اوپر اس کی ولایت نہیں ہوتی اس لئے دوسرے پر ولایت کیسے ثابت کر سکے گا۔

وجه : (۱) عن ابن عباسؓ .....يا امير المؤمنين !اما علمتَ أن القلم رفع عن ثلاثة : عن المجنون حتى يبرأ، و عن النائم حتى يستيقظ، و عن الصبى حتى يعقل ؟قال بلى، دوسری روایت میں ہے و عن الصبى حتى يحتلم۔ (ابوداود شریف، باب فی المجنون یسرق أو یصیب حدا، ص ۶۱۹، نمبر ۴۳۹۹ / ۴۴۰۱) اس حدیث میں ہے کہ بچہ بالغ نہ ہو

۵ ولابد من اعتبار الاسلام فی انکحة المسلمین لانه لا شهادة للکافر علی المسلم ۶ ولا یشترط وصف الذکورة حتی ینعقد بحضور رجل وامرأتین

جائے اور مجنون عقلمند نہ ہو جائے اس کو اپنے اوپر ولایت نہیں ہوتی وہ مرفوع القلم ہیں، اس لئے اسکی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔

ترجمہ : ۵ اور مسلمانوں کے نکاح میں گواہوں میں اسلام کا اعتبار کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ کافر کا مسلمان پر شہادت نہیں ہے۔

تشریح : مسلمان مرد نصرانی یا یہودی عورت سے شادی کر رہا ہو تو نصرانی اور یہودی کی گواہی بھی کافی ہو جائے گی، لیکن اگر مسلمان مرد مسلمان عورت سے نکاح کر رہا ہو تو ضروری ہے کہ گواہ مسلمان ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر کی گواہی مسلمانوں کے خلاف میں جائز نہیں ہے۔

وجہ : (۱) و لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا ۔ (آیت ۱۴۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ کافر کا مومن پر کوئی راستہ نہیں یعنی ولایت نہیں اور جب ولایت نہیں تو اس کے خلاف گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ (۲) اس حدیث میں ہے۔ عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لایتوارث اھل ملتین شیء ولا تجوز شھادة ملة علی ملة الا ملة محمد فانھا علی غیرھم (سنن للبیہقی، باب من رد شھادۃ اہل الذمۃ، ج عاشر، ص ۲۷۴، نمبر ۲۰۶۱۶ / مصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ اہل الملل بعضھم علی بعض وشھادۃ المسلم علیہم، ج ثامن، ص ۲۷۷، نمبر ۱۵۶۱۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مذہب والا دوسرے مذہب کے خلاف گواہی نہ دے، اس لئے مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ (۳) اس اثر میں ہے وصیت کے علاوہ کسی اور معاملے میں کافر کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اثر یہ ہے۔ عن شریح قال : لا تجوز شھادة الیھودی و النصرانی الا فی سفر، و لا تجوز الا علی وصیة۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما تجوز فیہ شھادۃ الیھودی والنصرانی، ج رابع، ص ۴۹۵، نمبر ۲۲۴۳۹ / مصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ اھل الکفر علی اھل الاسلام، ج ثامن، ص ۲۸۱، نمبر ۱۵۶۳۰) اس اثر میں ہے کہ غیر مسلم کی گواہی صرف سفر میں جائز ہے اور بھی کوئی نہ ہو تو وصیت میں جائز ہے۔

ترجمہ : ۶ مذکر کے وصف کی شرط نہیں ہے یہاں تک کہ ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے نکاح منعقد ہو جائے گا۔

تشریح : ضروری نہیں ہے کہ نکاح کے گواہ مرد ہی ہوں، بلکہ ایک مرد اور اس کے ساتھ دو عورتیں ہوں تب بھی کافی ہے، کیونکہ اوپر کی آیت میں تھا کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی بھی قابل قبول ہے۔ آیت یہ گزری۔ واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء أن تضل احداھما فتذکر احداھما الاخریٰ. (آیت ۲۸۲ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی چل

۷ وفیہ خلاف الشافعیؒ وستعرف فی الشهادات ان شاء الله ۸ ولا تشترط العدالة حتی ینعقد بحضرة الفاسقین عندنا خلافاً للشافعیؒ له أنّ الشهادة من باب الكرامة والفاسق من اهل الاهانة ۹ ولنا انه من اهل الولایة فیکون من اهل الشهادة وهذا لانه لما لم یحرم الولایة علی نفسه لاسلامه لا یحرم علی غیره لانه من جنسه

جائے گی، اس لئے صرف مرد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ : ۷ اس بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، ان شاء اللہ کتاب الشہادات میں اس کو آپ معلوم کریں گے۔

تشریح : صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ نکاح میں مرد کے ساتھ عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں۔

وجہ: اگر انکا یہ مسلک ہو تو انکی دلیل یہ اثر بنے گا۔ان علی بن ابی طالب قال لاتجوز شهادة النساء فی الطلاق والنکاح والحدود۔ (مصنف عبد الرزاق، باب ھل تجوز شہادۃ النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ؟، ج ثامن، ص ۲۵۴، نمبر ۱۵۴۴۸/ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۹ فی شہادۃ النساء فی الحدود، ج خامس، ص ۵۲۸، نمبر ۲۸۷۰۷/ سنن للبیہقی، باب الشہادۃ فی الطلاق والرجعۃ وما فی معناہما من النکاح والقصاص والحدود، ج عاشر، ص ۲۵۰، نمبر ۲۰۵۲۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت کی گواہی طلاق اور نکاح میں مقبول نہیں لیکن کتاب الام میں کتاب الشہادات کو تلاش کیا تو ایسی کوئی عبارت نہیں ہے جہاں سے اس مسلک کا پتہ چلتا ہو، البتہ یہ ہے کہ صرف عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہے جب تک اس کے ساتھ مرد نہ ہو۔

ترجمہ : ۸ نکاح میں گواہی کے لئے عدالت شرط نہیں یہاں تک کہ ہمارے یہاں دو فاسق کے سامنے منعقد ہو جائے گا، خلاف امام شافعیؒ کے، انکی دلیل یہ ہے کہ گواہی دینا کرامت کے باب میں سے ہے اور فاسق اہانت والوں میں سے ہے۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کے یہاں نکاح کی گواہی کے لئے عادل ہونا شرط نہیں ہے، فاسق آدمی کے سامنے بھی قبول کرے گا تو نکاح ہو جائے گا، اگر چہ عادل ہونا اچھا ہے، اور امام شافعیؒ کے یہاں عادل ہونا شرط ہے، چنانچہ غیر عادل کے سامنے نکاح کرے گا تو نکاح نہیں ہوگا۔ موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ و یشهد علی عقد النکاح شاهدان عدلان ، فان نقص النکاح واحدا من هذا کان فاسدا . (موسوعۃ امام شافعیؒ، باب النکاح بالشہود، ج عاشر، ص ۴۷، نمبر ۱۵۴۰۷) اس عبارت میں ہے کہ نکاح کے لئے بھی عادل گواہ چاہئے۔انکی دلیل اوپر کی وہ آیت اور حدیث ہے جس میں ہے کہ گواہ کے لئے عادل ہونا چاہئے۔دوسری دلیل یہ ہے کہ گواہ بنانے میں اس کی عزت ہے اور ہونا یہ چاہئے کہ فاسق کی توہین کرنی چاہئے تا کہ فسق سے پرہیز کرے اس لئے گواہ بنا کر اس کی عزت نہیں کرنی چاہئے۔

ترجمہ : ۹ ہماری دلیل یہ ہے کہ فاسق اہل ولایت سے ہے اس لئے اہل شہادت میں سے ہوگا، یہ اس لئے ہے کہ اسلام کی وجہ

۱۰؎ و لانه صلح مقلّدا فیصلح مقلدا و کذا شاهداً ۱۱؎ والمحدود فی القذف من اهل الولایة فیکون من اهل الشهادة تحملاً وانما الفائت ثمرة الاداء بالنهی لحریمته ولا یبالی بفواته کما فی شهادة العمیان وابنی العاقدین .

سے اپنی ذات پر ولایت سے محروم نہیں ہوا تو غیر پر بھی محروم نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ غیر بھی اس کا ہم جنس مسلمان ہے۔

تشریح : فاسق نکاح میں گواہ بن سکتا ہے اس کے لئے یہاں دو دلیلیں دے رہے ہیں[۱] پہلی دلیل یہ ہے کہ فاسق مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنی ذات پر ولایت سے محروم نہیں ہوا، وہ بیع، شراء، نکاح وغیرہ کا عقد کر سکتا ہے، اور جب اپنی ذات پر ولایت ہے تو دوسرا آدمی بھی اسی کی جنس سے مسلمان ہے اس لئے اس پر بھی نکاح کرانے کی ولایت ہوگی، اس لئے فاسق نکاح کا گواہ بن سکتا ہے۔

وجه : اس آیت کے اشارے سے فاسق کی گواہی قبول کرنے پر استدلال کیا جا سکتا ہے . یایها الذین ء آمنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نا دمین ۔(آیت ۶، سورۃ الحجرات ۴۹) اس آیت میں ہے کہ فاسق خبر لیکر آئے تو اس کی تحقیق کر لو، اس کے اشارے میں ہے کہ اگر صحیح خبر ہو تو اس کو قبول کر لو، جس سے معلوم ہوا کہ فاسق کی صحیح گواہی قبول کی جا سکتی ہے۔۔ ولایت : کا مطلب یہ ہے کہ اپنے لئے عقد، مثلا بیع شراء، نکاح وغیرہ کر سکتا ہو۔

ترجمه : ۱۰؎ اور اس لئے کہ فاسق صلاحیت رکھتا ہے کہ دوسرے کو قلادہ پہنائے پس خود بھی صاحب قلادہ ہو سکتا ہے اور ایسے گواہ بھی ہو سکتا ہے۔

تشریح : یہاں قلادہ پہنانے کا مطلب ہے کسی کو قاضی بنانا، قاضی بنانے کا قلادہ یعنی ہار پہنانا، فاسق آدمی حاکم بن جائے تو وہ بن سکتا ہے، جیسے حجاج بن یوسف فاسق تھا اور وہ ملک کا حاکم بن گیا تھا، اور فاسق حاکم کسی کو قاضی بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے، اور وہ قاضی گواہی بھی لے گا، پس جب فاسق حاکم دوسرے کو قاضی بنا سکتا ہے تو خود بھی قاضی بن سکتا ہے، اس لئے گواہ بھی بن سکتا ہے، اس لئے کہ قاضی بننا اور گواہ بننا ایک ہی جنس کا معاملہ ہے، بلکہ قاضی ہونا تو بڑا عہدہ ہے، پس جب وہ بن سکتا ہے تو اس سے چھوٹا عہدہ شاہد بننا بدرجہ اولی جائز ہوگا۔ اس لئے وہ نکاح میں گواہ بن سکتا ہے۔

لغت : مقلِدا : قلادۃ سے مشتق ہے، ہار پہننا، یہاں لام کے کسرے کے ساتھ اسم فاعل ہے، دوسرے کو ہار پہنانے والا، یعنی دوسرے کو قاضی بنانے والا۔ مقلَدا : لام کے فتحے کے ساتھ، اسم مفعول ہے، خود قاضی بنایا ہوا، یعنی خود قاضی بننا۔

اصول : جسکو اپنے او پر ولایت ہے وہ نکاح کا گواہ بن سکتا ہے۔

ترجمه : ۱۱؎ اور محدود فی القذف اہل ولایت میں سے ہے اس لئے برداشت کرنے کے لئے اہل شہادت میں سے بھی ہوگا،

صرف گواہی ادا نہیں کر سکے گا، مجرم ہونے کی وجہ سے اللہ نے گواہی قبول کرنے سے روکا ہے، لیکن ادائیگی کے فوت ہونے کا پرواہ نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ اندھوں کی گواہی اور عاقدین کے بیٹوں کی گواہی میں۔

تشریح : جس آدمی نے کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کو چار گواہوں سے ثابت نہ کر سکا، جس کی وجہ سے اسکو حد قذف، یعنی زنا کی تہمت کی حد لگ گئی، اس کو محدود فی القذف کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں آیت میں ہے کہ کبھی بھی اس کی گواہی قبول نہ کرو۔

وجہ : (۱) آیت یہ ہے۔ **والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون o الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور الرحیم** ۔ (آیت ۴/۵، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عائشةؓ قالت : قال رسول الله لاتجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا مجلود حدا ولا مجلودة ولا ذی غمر لاحنة.** (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شهادته، ج ۲، ص ۵۵، نمبر ۲۲۹۸ رسنن للبیہقی، باب من قال لاتقبل شهادته، ج عاشر، ص ۲۶۱، نمبر ۲۰۵۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد لگے ہوئے کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

لیکن صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ نکاح میں محدود فی القذف کی گواہی قبول کی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ محدود فی القذف کو مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنے اوپر ولایت ہے، اس لئے نکاح کا گواہ بن کر دوسرے کا بھی ولی بن سکتا ہے، اس لئے گواہ بن سکتا ہے۔ اب یہاں دو باتیں ہیں [۱] ایک ہے گواہ بننا، [۲] اور دوسرا ہے قاضی کے سامنے گواہی دینا۔ محدود فی القذف گواہ بن تو سکتا ہے، لیکن قاضی کے سامنے گواہی دے نہیں سکتا، کیونکہ آیت میں اس کی گواہی قبول کرنے سے منع فرمایا ہے، **ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون** ۔ (آیت ۵، سورۃ النور ۲۴)۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قاضی گواہی قبول نہ کرے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے کہ زندگی میں نکاح کی گواہی دینے کی ضرورت ہی کب پڑتی ہے۔ اس کی دو مثالیں دیتے ہیں [۱] اندھا نکاح کا گواہ بن جاتا ہے، لیکن اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، [۲] اسی طرح نکاح کرنے والے کا بیٹا نکاح کا گواہ بن سکتا ہے، لیکن قاضی اس کی گواہی قبول نہیں کرے گا، اسی طرح محدود فی القذف نکاح میں گواہ بن سکتا ہے، اور اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس کا پرواہ نہیں کیا جائے گا۔

وجہ : (۱) اندھے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس کے لئے یہ اثر ہے۔ **حدثنا الاسود بن قیس العنزی سمع قومه یقولون، ان علیاؓ رد شهادة اعمی فی سرقة لم یجزها.** (سنن للبیہقی، باب وجوہ العلم بالشہادۃ، ج عاشر، ص ۲۶۶، نمبر ۲۰۵۸۶ رمصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ الاعمی، ج ثامن، ص ۲۵۰، نمبر ۱۵۴۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نابینا کی گواہی مقبول نہیں ہے (۲) اور نکاح کرنے والے کے بیٹے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس کیلئے یہ حدیث ہے۔ **عن عائشة قالت قال رسول**

الله ﷺ لا تجوز شهادة خائن ... ولا القانع اهل البيت لهم ولا ظنين فی ولاء ولا قرابة،قال الفزاری القانع التابع (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شهادته، ج ۲ ص ۵۵، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے کہ قرابت والوں کی گواہی مقبول نہیں (۳) اثر میں ہے. عن ابراهيم قال: اربعة لا تجوز شهادتهم الوالد لولده،والولد لوالده ،والمرأة لزوجها، والزوج لامرأته، والعبد لسيده،والسيد لعبده،والشريک لشريكه فی الشیء اذا کان بينهما ،واما فيما سوی ذلک فشهادته جائزة . (مصنف عبد الرزاق، باب شهادة الاخ لاخيه والابن لابيه والزوج لامرأته، ج ثامن، ص ۲۶۸، نمبر ۱۵۵۶۰ / مصنف ابن ابی شیبة، ۴۲۵ فی شهادة الولد لوالده، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱) اس اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ باپ کی گواہی بیٹے کے لئے اور بیٹے کی گواہی باپ دادا کے لئے مقبول نہیں ہے۔

لغت: تحملا: تحمل کا ترجمہ ہے برداشت کرنا، یہاں مراد ہے کہ گواہی برداشت کر لے، یعنی گواہ بن جائے۔ ثمرة الاداء: گواہی ادا کرنے کا فائدہ، یعنی گواہی ادا نہیں کر سکے گا۔ حریمة: حرام ہے، یعنی محدود فی القذف کی گواہی قبول کرنا آیت کی وجہ سے حرام ہے۔ عمیان: عمی کی جمع ہے، اندھے۔ ابنی عاقدین: عقد کرنے والے، یعنی نکاح کرنے والے کے بیٹے۔

گوہوں کے سات درجے ہیں، اور نکاح کی گواہی چوتھے درجے پر ہے، اس نقشے میں گواہوں کی ترتیب دیکھیں

﴿ گواہوں کی ترتیب ﴾

(۱)	زنا کی گواہی	چار مرد کی گواہی، عورت نہیں	عادل ہوں
(۲)	قتل کی گواہی	دو مرد کی گواہی، عورت نہیں	عادل ہوں
(۳)	معاملات کی گواہی، جیسے بیع شراء	دو مرد۔ یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی	عادل ہوں
(۴)	نکاح کی گواہی	دو مرد۔ یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی	عادل، اور فاسق دونوں کافی ہیں
(۵)	چاند کی گواہی	رمضان کے لئے ایک مرد۔ عید کے لئے دو آدمی	عادل۔ مستور الحال دونوں کافی ہیں
(۶)	عیوب النساء کی گواہی	دو عورتوں کی گواہی۔ مرد نہیں	عادل ہوں
(۷)	وکیل بنانے کی گواہی	ایک غلام کی گواہی بھی کافی ہے	عادل غیر عادل دونوں کافی ہیں
(۸)	ہدیہ ہدایا کی گواہی	بچہ اور باندی کی خبر بھی کافی ہے	عادل غیر عادل دونوں کافی ہیں

(۱۴۸۹) قال وان تزوج مسلم ذمية بشهادة ذميين جاز﴾ ۱؎ عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ ۲؎ وقال محمدؒ وزفرؒ لایجوز لان السماع فی النكاح شهادة ولاشهادة للكافر علی المسلم فكانهما لم یسمعا كلام المسلم

ترجمه :(۱۴۸۹) پس اگر مسلمان نے ذمیہ عورت سے شادی کی دو ذمیوں کی گواہی سے۔

ترجمه : ۱؎ توامام ابوحنیفہ اورامام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔

تشریح اس عبارت میں ذمیہ سے مراد نصرانیہ اور یہودیہ عورت ہے، جو دارالاسلام میں ٹیکس ادا کر کے رہتے ہیں۔تو مطلب یہ ہوا کہ مسلمان نے یہودیہ یا نصرانیہ سے شادی کی دو یہودی یا دو نصرانی کی گواہی سے تو شیخین کے نزدیک نکاح ہو جائے گا۔

وجه (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ ذمی مسلمان کے نقصان کے لئے گواہی دینا چاہے تو قابل قبول نہیں ہے۔آیت میں ہے **ولن یجعل الله للكافرین علی المؤمنین سبیلا** ۔(آیت ۱۴۱ سورۃ النساء۴)اس آیت میں ہے کہ کافر کو مسلمانوں پر کوئی راستہ نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نقصان دینے کے لئے گواہی دے تو قابل قبول نہیں۔لیکن مسلمان کے فائدے کے لئے گواہی دے تو مقبول ہے۔اوراس مسئلے میں یہودیہ یا نصرانیہ عورت کا جسم مسلمان کے قبضے میں آرہا ہے جو مسلمان کے فائدے کی چیز ہے اس لئے یہ گواہی مقبول ہوگی (۲) گویا کہ ذمی نے ذمیہ کے خلاف گواہی دی، کہ اس کے جسم کو مسلمان کے حوالے کروایا۔اور ذمی ذمی کے خلاف گواہی دے تو یہ مقبول ہے۔اس لئے ذمیہ کے نکاح میں دو ذمی گواہ بن جائیں تو نکاح صحیح ہو جائے گا (۳) حدیث میں ہے **عن جابر بن عبد الله ان رسول الله ﷺ اجاز شهادة اهل الكتاب بعضهم علی بعض.** (ابن ماجہ شریف، باب شہادۃ اہل الکتاب بعضھم علی بعض ص ۳۴۰ نمبر ۲۳۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب بعض بعض کے خلاف گواہی دے سکتا ہے۔اوراس صورت میں ذمیہ کے خلاف گواہی دینا ہوااس لئے گواہ بننا جائز ہوگا۔

ترجمه : ۲؎ اورامام محمدؒ اورامام زفرؒ نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے،اس لئے کہ نکاح میں سننا ہی شہادت ہے اور کافر کا مسلمان کے خلاف شہادت جائز نہیں،تو گویا کہ ان دونوں نے مسلمان کی باتیں سنی ہی نہیں۔

تشریح : امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح میں گواہی دینے کی ضرورت بہت کم پڑتی ہے، وہاں تو ایجاب اور قبول کو سننا ہی گواہی ہے اور پیچھے گزر چکا ہے کہ کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف قابل قبول نہیں ہے اس لئے یہودی اور نصرانی کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔اور یوں سمجھا جائے گا کہ گواہوں نے مسلمان کے ایجاب اور قبول کو سنا ہی نہیں،اور نہیں سنا تو نکاح نہیں ہوگا۔

وجه (۱) آیت میں ہے کہ مسلمان کا اپنا گواہ ہو،صرف سفر میں وصیت کرنی ہو اور کوئی مسلمان وہاں نہ ہو تو اس وقت کافر کی گواہی جائز ہے آیت یہ ہے۔ **یا ایها الذین آمنوا شهادة بینكم اذا حضر احدكم الموت حین الوصیة اثنان ذوا عدل**

۳؎ ولهما ان الشهادة شرطت فی النکاح علی اعتبار اثبات الملک لوروده علی محل ذی خطر لا علی اعتبار وجوب المهر اذ لا شهادة تشترط فی لزوم المال وهما شاهدان علیها ۴؎ بخلاف ما اذا لم یسمعا کلام الزوج لان العقد ینعقد بکلامیهما والشهادة شرطت علی العقد

منکم أو آخران من غیر کم ان انتم ضربتم فی الارض فأصابتکم مصیبة الموت (آیت ۱۰۶ سورۃ المائدہ ۵) اس آیت میں ہے کہ اے ایمان والو تمہارے اپنے میں سے دو گواہ ہوں، یعنی مسلمان گواہ ہوں۔اس لئے ذمیہ سے نکاح کے لئے بھی دو مسلمان گواہ ضروری ہیں۔(۲) عن شریح قال : لا تجوز شهادة الیهودی و النصرانی الا فی سفر ، و لا تجوز الا علی وصیة ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ما تجوز فیہ شهادۃ الیھودی والنصرانی، ج رابع، ص ۴۹۵، نمبر ۲۲۴۳۹ رمصنف عبد الرزاق ، باب شهادۃ اھل الکفر علی اھل الاسلام، ج ثامن، ص ۲۸۱، نمبر ۱۵۶۳۰) اس اثر میں ہے کہ غیر مسلم کی گواہی صرف سفر میں جائز ہے اور بھی کوئی نہ ہو تو وصیت میں جائز ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ نکاح میں شہادت کی شرط لگائی گئی ہے ملک بضع کے ثابت کرنے کے اعتبار سے، با عظمت محل پر وارد ہونے کی وجہ سے، مہر کے وجوب کے اعتبار سے نہیں، اس لئے کہ مال واجب ہونے میں شہادت شرط لگائی نہیں جا تی، اس لئے دونوں ذمی ذمیہ کے خلاف گواہ ہیں۔

تشریح : نکاح میں گواہ دو باتوں کے لئے ہوسکتا ہے [۱] عورت کے بضع پر ملکیت کے لئے [۲] یا مرد پر عورت کا مہر ثابت کر نے کے لئے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نکاح میں گواہی کی شرط ملک بضع ثابت کرنے کے لئے ہے، کیونکہ وہ محترم محل ہے مرد پر مہر ثابت کرنے کے لئے نہیں ہے، کیونکہ نکاح کے وقت مہر کا تذکرہ نہ کرے تب بھی نکاح ہو جا تا ہے، حالانکہ اس وقت بھی گواہ ضروری ہے، پس جب گواہ اس لئے ہے کہ عورت پر مرد کا ملک بضع ثابت ہو تو یہ دونوں ذمی گواہ مرد کے فائدے کے لئے ہوئے، اور اوپر گزرا کہ مسلمان کے فائدے کیلئے غیر مسلم گواہ بن سکتا ہے، اس لئے ذمیہ سے نکاح کرتے وقت دو ذمی کی گواہی جائز ہے۔

لغت: محل ذی خطر: ذی خطر، یعنی با عظمت محل، اس سے ملک بضع مراد ہے، یعنی عورت سے جماع کا حق۔ورود: وارد ہونا، آنا۔

ترجمہ : ۴؎ بخلاف جبکہ شوہر کے کلام کو سنا ہی نہیں اس لئے کہ عقد دونوں کے کلام سے منعقد ہوتا ہے، اور شہادت عقد پر شرط ہے۔

تشریح : یہ امام محمد کو جواب ہے کہ، نکاح میاں بیوی دونوں کے کلام یعنی ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے، اور اس عقد پر گواہ ہونا شرط ہے، پس اگر شوہر کے کلام کو گواہ نے سنا ہی نہیں تو نکاح کیسے منعقد ہوگا ؟ اسلئے نہ سننے کی صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوگا،

(۱۴۹۰) ومن امر رجلاً بان يزوّج ابنته الصغيرة فزوجها والاب حاضر بشهادة رجل سواهما جاز النكاح ﴿ ۱﴾ لان الاب يجعل مباشراً لاتحاد المجلس فيكون الوكيل سفيرا ومعبرا فيبقى المزوج شاهداً ۲؎ وان كان الاب غائبا لم يجز لان المجلس يختلف فلايمكن ان يجعل الاب مباشراً

اور یہاں صورت یہ ہے کہ ذمی نے شوہر کے کلام کو سنا ہے، اس لئے سننے کو نہ سننے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اصول : نکاح کا معاملہ بار بار پیش آتا ہے اس لئے اس کی گواہی میں تھوڑا چھوٹ ہے، کہ فاسق اور ذمی کی گواہی سے بھی منعقد ہو جاتا ہے۔

ترجمہ : (۱۴۹۰) کسی نے دوسرے کو اپنی چھوٹی بیٹی کے نکاح کرانے کا حکم دیا، پس اس کا نکاح کرایا اس حال میں کہ باپ حاضر تھا ان دونوں کے علاوہ ایک مرد کی گواہی سے تو نکاح جائز ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ باپ کو نکاح کا عاقد قرار دیا جائے گا مجلس کے متحد ہونے کی وجہ سے، پس وکیل سفیر محض اور اور الفاظ کو تعبیر کرنے والا ہوگا اس لئے نکاح کرانے والا گواہ بن جائے گا۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کسی نہ کسی طرح دو گواہ پورے ہو جائیں تو نکاح منعقد ہو جائے گا، اور دو گواہ پورے نہ ہوں تو نکاح نہیں ہوگا۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلا زید باپ نے اپنی چھوٹی بیٹی کے نکاح کا حکم عمر کو دیا، عمر نے خالد ایک گواہ کے سامنے ساجد سے لڑکی کی شادی کرا دیا، اور اس مجلس میں باپ بھی موجود تھا تو نکاح ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں گو یا کہ باپ خود نکاح کرانے والا ہو گیا، اور عمر [وکیل] گواہ ہو گیا، اور خالد دوسرا گواہ موجود ہے اس لئے دو گواہ ہو گئے، اور ساجد خود نکاح کو قبول کرنے والا ہو گیا، اس لئے نکاح ہو جائے گا۔ اور یوں سمجھا جائے گا کہ عمر [وکیل] نے جو نکاح کا ایجاب کیا ہے وہ صرف باپ کی بات کو نقل کر رہا ہے اور سفیر محض ہے، ورنہ یہ ایجاب اصل میں باپ کی طرف سے ہے۔

وجہ : اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابی هريرة ؓ عن النبی ﷺ قال لا نكاح الا بولی ، و خاطب ، و شاهدی عدل** ۔ (سنن بیہقی، باب لا نکاح الا بشاہدین عدلین، ج سابع، ص ۲۰۳، نمبر ۱۳۷۲۲) اس نکاح میں باپ ولی ہو گیا، ساجد خاطب یعنی نکاح قبول کرنے والا ہوا، اور عمر اور خالد دو گواہ ہو گئے، اس لئے نکاح ہو جائے گا۔

لغت : مباشرا: خود کرنے والا۔ سفیر: بیچ کا آدمی۔ معبر: کسی کی بات کو نقل کرنے والا۔ یہاں باپ کی بات کو نقل کرنے والا ہے۔ مزوج: زوج سے مشتق ہے، نکاح کرانے والا۔

ترجمہ : ۲؎ اور اگر باپ غائب ہو تو نکاح جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ مجلس مختلف ہے تو ممکن نہیں ہے کہ باپ کو خود کرنے والا قرار دیا جائے۔

۳؎وعلی هذا اذا زوج الاب ابنته البالغة بمحضر شاهد واحد ان کانت حاضرة جاز وان کانت غائبة لایجوز .

تشریح: اگر باپ بیٹی کے نکاح کی مجلس میں نہ ہوتو اب نکاح نہیں ہوگا ،اس لئے کہ باپ کے مجلس میں نہ ہونے کی وجہ سے عمر وکیل کی بات باپ کی طرف منتقل نہیں ہوگی ،اور باپ نکاح کرنے والا قرار نہیں دیا جائے گا ،اس لئے عمر وکیل باقی رہا، وہ گواہ نہ بن سکا،اس لئے اب خالد ایک ہی گواہ موجود رہ گیا،اور ایک گواہ میں نکاح نہیں ہوتا اس لئے نکاح نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ اسی قاعدے پر ہے کہ باپ نے اپنی بالغہ بیٹی کی شادی ایک گواہ کی حاضری میں کی ،اگر بیٹی حاضر ہوتو جائز ہے اور اگر غائب ہوتو جائز نہیں ہے۔

تشریح: باپ نے بالغہ بیٹی کی شادی ایک گواہ کی حاضری میں کردی ،اور بیٹی بھی اس مجلس میں موجود ہوتو بیٹی قبول کرنے والی بن جائے گی ،اور باپ کی بات بیٹی کی طرف منتقل ہو جائے گی ، کیونکہ بیٹی بالغہ ہے اس لئے وہ اپنا نکاح خود کرسکتی ہے،اور باپ گواہ بن جائے گا ،اور ایک گواہ پہلے سے تھا،اس طرح دو گواہ ہو گئے ،اس لئے نکاح ہو جائے گا۔اور اگر بیٹی مجلس میں نہ ہوتو نکاح نہیں ہوگا ، کیونکہ باپ نکاح کرنے والا وکیل برقرار رہا،اس لئے ایک ہی گواہ باقی رہا اس لئے نکاح نہیں ہوگا۔

﴿فصل فی بیان المحرمات﴾

محرمات عورتیں ایک نظر میں

نمبر	کس وجہ سے حرام ہیں	کون کون حرام ہیں	اصول ہیں	فروع ہیں
(۱)	نسب کی وجہ سے حرام ہے	ماں، دادی، پر دادی، نانی، پرنانی	اصول ہیں	
		پھوپھی، خالہ		
		بیٹی، پوتی، پر پوتی، نواسی، پرنواسی		فروع ہیں
		بہن		
		بھتیجی، بھانجی		فروع ہیں
(۲)	نکاح کی وجہ سے حرام ہے	ساس	اصول ہے	
		بیوی کی بیٹی		فروع ہے
		بیٹے کی بیوی، پوتے کی بیوی		فروع ہیں
		سوتیلی ماں، سوتیلی دادی		
(۳)	رضاعت کی وجہ سے حرام ہے	رضاعی ماں	اصول ہے	
		رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ، رضاعی بہن	اصول کے فروع ہیں	
		رضاعی بیٹی، رضاعی پوتی		فروع ہیں
(۴)	دو عورتوں کو جمع کرنے سے حرام ہے	دو بہنوں کو جمع کرنا، پھوپھی، اور بھتیجی کو جمع کرنا		
(۵)	آزاد پر باندی کا نکاح کرنا حرام ہے	آزاد پر باندی حرام ہے		
(۶)	غیر کی منکوحہ ہو تو حرام ہے	کسی کی نکاح میں ہو تو اس سے نکاح حرام ہے		
(۷)	اپنی باندی سے نکاح حرام ہے			
(۸)	اپنی سیدہ سے نکاح کرنا حرام ہے			
(۹)	عورت کافرہ ہے اس لئے حرام ہے	تمام کافرہ عورتیں حرام ہیں		

(۱۴۹۱)قال لایحل للرجل ان تزوج بامه ولاجداته من قبل الرجال والنساء ﴾ ۱؎ لقوله تعالی حرمت علیکم امهاتکم وبناتکم ۲؎ والجدّات امهاتٌ اذا الام هو الاصل لغةً او ثبتت حرمتهن بالاجماع. (۱۴۹۲) قالولا ببنته لما تلوناولا ببنت ولده وان سفلت ﴾ ۱؎ للاجماع

ترجمہ : (۱۴۹۱)نہیں حلال ہے آدمی کے لئے یہ کہ شادی کرے اپنی ماں سے نہ اپنی دادی سے مرد کی جانب سے ہو اور عورتوں کی جانب سے ہو۔

ترجمہ : ۱؎ اللہ تعالیٰ کا قول تم پر تمہاری ماں حرام کی گئی ہے اور تمہاری بیٹیاں حرام کی گئیں ہیں۔

تشریح: اپنی ماں، اپنی دادی، اپنی نانی سے شادی کرنا حرام ہے۔ باپ کی طرف سے جو ماں ہوتی ہے اس کو دادی کہتے ہیں اور ماں کی جانب سے جو ماں ہے اس کو نانی کہتے ہیں۔ ان سب سے نکاح حرام ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ھدایہ کی آیت یہ ہے۔ حرمت علیکم امهاتکم وبناتکم واخواتکم و عماتکم و خالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت. (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں چودہ قسم کی عورتوں کے بارے میں ہے کہ ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ ان میں سے ماں بھی ہے۔ اور ماں کے تحت میں دادی اور نانی بھی داخل ہو جائے گی کہ ان سے بھی نکاح حرام ہوگا۔

ترجمہ : ۲؎ اور دادیاں ماں ہیں اس لئے کہ ام کا ترجمہ لغت میں اصل ہے، یا یوں کہئے کہ دادیوں کی حرمت اجماع سے ثابت ہے۔

تشریح : آیت میں ہے کہ ام حرام ہے تو دادی اور نانی کی حرمت کیسے ثابت ہوئی؟ تو اس کے تین جوابات دئے جا رہے ہیں، [۱] ایک تو یہ کہ آیت میں امہات جمع کا صیغہ ہے اور ماں ایک ہی ہوتی ہے اس لئے اس کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ اور مائیں بھی شامل ہیں، اس لئے اور مائیں دادی اور نانی ہی شامل ہونگیں اس لئے وہ بھی حرام ہونگیں۔ [۲] دوسری تحقیق یہ ہے کہ لغت میں ام کا ترجمہ ہے، اصل، اور دادی اور نانی اصل ہیں اس لئے آیت میں دادی نانی شامل ہونگیں۔ [۳] تیسری دلیل یہ ہے کہ دادی اور نانی کی حرمت اجماع سے ثابت ہے، یعنی اس بات پر اجماع ہے کہ دادی اور نانی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

ترجمہ : (۱۴۹۲) اور نہیں حلال ہے مرد کے لئے کہ نکاح کرے اپنی بیٹی کے ساتھ اور نہ اپنی پوتی کے ساتھ اگر چہ نیچے تک ہو۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ انکی حرمت آیت میں منصوص ہے۔

تشریح: اپنی بیٹی، اسی طرح اپنی پوتی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔

وجہ: اوپر کی آیت میں صراحت ہے کہ اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اور بیٹی کے اندر بالا جماع پوتی اور نواسی داخل ہیں۔ جس کی بنا پر ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے چاہے پر پوتی، سر پوتی یا پر نواسی اور سر نواسی کیوں نہ ہوں، اور کتنے ہی نیچے تک ہوں۔

(۱۴۹۳)ولا باختہ ولا ببنات اختہ ولا ببنات اخیہ ولا بعمتہ ولا بخالتہ ﴾ ۱؎ لان حرمتھن منصوص علیھا فی ھذہ الآیۃ (۱۴۹۴)وتدخل فیھا العمات المتفرقات والخالات المتفرقات وبنات الاخوۃ المتفرقین ﴾ ۱؎ لان جھۃ الاسم عامۃ

ترجمہ : (۱۴۹۳) اورنہیں جائز ہے اپنی بہن سے اور نہ اپنی بھانجیوں سے اور نہ اپنی بھتیجیوں سے اور نہ اپنی پھوپی سے اور نہ اپنی خالہ سے۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ ان لوگوں کی حرمت اس آیت میں منصوص ہے

تشریح اپنی بہن، اپنی بھانجی اپنی بھتیجی، اپنی پھوپی اور اپنی خالہ سے شادی کرنا حرام ہے، اس لئے کہ ان عورتوں کی حرمت آیت میں منصوص ہے یعنی آیت سے ثابت ہے۔

وجہ : حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم واخواتکم و عماتکم و خالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت. (آیت ۲۳ سورۃ النساء۴) اس آیت میں ,اوربنات الاخ : بھائی کی بیٹی سے مراد بھتیجی ہے اور , بنات الاخت : بہن کی بیٹی سے مراد بھانجی ہے۔

ترجمہ : (۱۴۹۴) اور اس میں متفرق پھوپھیاں، اور متفرق خالائیں، اور متفرق بھتیجیاں داخل ہیں۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ لفظ عام ہے۔

تشریح : پھوپھی کی تین قسمیں ہیں [۱] باپ کی ماں اور باپ دونوں شریک بہن، جسکو حقیقی پھوپھی کہتے ہیں، [۲] باپ کی صرف باپ شریک بہن، جسکو علاتی پھوپھی کہتے ہیں [۳] باپ کی صرف ماں شریک بہن، جسکو اخیافی پھوپھی کہتے ہیں۔۔ حرمت میں یہ تینوں قسم کی پھوپھیاں شریک ہیں، اس لئے کہ آیت میں لفظ ,عماتکم، ان تینوں کے قسم کے پھوپھیوں کو شامل ہے

خالہ کی تین قسمیں ہیں [۱] ماں کی ماں اور باپ دونوں شریک بہن، جسکو حقیقی خالہ کہتے ہیں، [۲] ماں کی صرف باپ شریک بہن، جسکو علاتی خالہ کہتے ہیں [۳] ماں کی صرف ماں شریک بہن، جسکو اخیافی خالہ کہتے ہیں۔۔ حرمت میں یہ تینوں قسم کی خالائیں شریک ہیں، اس لئے کہ آیت میں لفظ ,خالاتکم، ان تینوں کے قسم کی خالاؤں کو شامل ہے۔

بھتیجی کی تین قسمیں ہیں [۱] ماں اور باپ دونوں شریک بھائی کی بیٹی، جسکو حقیقی بھتیجی کہتے ہیں، [۲] صرف باپ شریک بھائی کی بیٹی، جسکو علاتی بھتیجی کہتے ہیں [۳] صرف ماں شریک بھائی کی بیٹی، جسکو اخیافی بھتیجی کہتے ہیں۔۔ حرمت میں یہ تینوں قسم کی بھتیجیاں شریک ہیں، اس لئے کہ آیت میں لفظ ,بنات الاخ، ان تینوں کی قسم کے بھتیجیوں کو شامل ہے۔

بھانجی کی تین قسمیں ہیں [۱] ماں اور باپ دونوں شریک بہن کی بیٹی، جسکو حقیقی بھانجی کہتے ہیں، [۲] صرف باپ شریک بہن کی بیٹی،

(۱۴۹۵) قال ولا بام امرأته التی دخل بابنتها اولم یدخل ﴾ لقوله تعالی وامهات نسائکم من غیر قید الدخول (۱۴۹۶) ولا ببنت امرأته التی دخل بها ﴾ لثبوت قید الدخول بالنص سواء کانت فی حجره او فی حجر غیره لان ذکر الحجر خرج مخرج العادة لا مخرج الشرط

جسکوعلاتی بھانجی کہتے ہیں[۳] صرف ماں شریک بہن کی بیٹی، جسکواخیافی بھانجی کہتے ہیں۔۔حرمت میں یہ تینوں قسم کی بھانجیاں شریک ہیں، اس لئے کہ آیت میں لفظ، بنات الاخت، ان تینوں قسم کی بھانجیوں کوشامل ہے۔

لغت:۔ بنات الاخوۃ: اخوۃ اخ کی جمع ہے، اس میں بھائی اور بہن دونوں شامل ہیں، اس لئے بنات الاخوۃ میں بھتیجیاں، اور بھانجیاں دونوں شامل ہیں، اور ہرایک کی تین تین قسمیں ہیں جسکا تذکرہ اوپر گزرا، اور آیت کی وجہ سے سب سے نکاح کرنا حرام ہے۔

ترجمه :(۱۴۹۵) اور نہ اپنی ساس سے چاہے اس کی لڑکی سے صحبت کر چکا ہو یا نہ کر چکا ہو۔

ترجمه : ا اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ تمہاری بیوی کی مائیں حرام ہیں، اور آیت میں دخول کی قید نہیں ہے

تشریح: بیٹی سے صحبت کر چکا ہو یا نہ کر چکا ہو دونوں صورتوں میں صرف بیٹی سے شادی ہوئی ہو تو اس کی ماں یعنی اپنی ساس سے شادی کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا۔

وجه: (۱) آیت میں موجود ہے **حرمت علیکم امھاتکم.....وامھات نسائکم.** (آیت ۲۳ سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ اپنی بیویوں کے ماں سے نکاح کرنا حرام ہے (۲) اور آیت میں یہ قید نہیں ہے کہ دخول نہ کیا ہو تو حلال ہے۔ اس لئے بیوی سے دخول نہ بھی کیا ہو تب بھی ساس حرام ہو جائے گی (۳) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عمر بن شعیب ان رسول اللہ ﷺ قال ایما رجل نکح امرأۃ فدخل بھا او لم یدخل بھا فلا یحل لہ نکاح امھا وایما رجل نکح امرأۃ فدخل بھا فلا یحل لہ نکاح ابنتھا وان لم یدخل بھا فلینکح ابنتھا ان شاء** (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی قول اللہ وامھات نسائکم الخ، ج سابع، ص ۲۶۰، نمبر ۱۳۹۱۱) اس حدیث میں ہے کہ چاہے بیٹی سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو ساس سے نکاح حرام ہے۔

ترجمه :(۱۴۹۶) اور نہ اپنی بیوی کی بیٹی کے ساتھ جس سے صحبت کر چکا ہو۔

ترجمه : ا آیت میں دخول کی قید کے ثابت ہونے کی وجہ سے، چاہے اس کی پرورش میں ہو یا اسکے علاوہ کی پرورش میں ہو، اس لئے کہ گود کی قید عادت کے طور پر ذکر کیا ہے، شرط کے طور پر نہیں ہے۔

تشریح : بیوی سے شادی کی لیکن ابھی اس سے صحبت نہیں کی اور اس کو طلاق دے کر اس کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر سکتا ہے۔ البتہ اگر بیوی سے صحبت کر لی تو اب اس کی بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہے اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ چاہے وہ بیٹی اس بیوی

۲ ولهذا اکتفی فی موضع الاحلال بنفی الدخول (۱۴۹۷) قال ولا بامرأۃ ابیه واجداده ﴾ ۱ لقوله تعالی ولا تنکحوا ما نکح آبائکم

کی پرورش میں ہو یا نہ ہو۔آیت ,وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم ، میں جو یہ قید ہے کہ جو سوتیلی بیٹی تمہارے گود میں ہو یہ عادت کے طور پر ذکر ہے، کیونکہ عام طور پر چھوٹی لڑکی ماں کے ساتھ آکر سوتیلے باپ کی پرورش میں ہوتی ہے، ورنہ چاہے گود میں ہو یا نہ ہو اس کی ماں سے صحبت کر لی ہو تو اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں اس کی تصریح ہے کہ بیوی سے صرف نکاح کیا ہو ابھی صحبت نہ کی ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتے ہو۔آیت یہ ہے وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم (آیت ۲۳ سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ بیوی سے صحبت کی ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح حرام ہے۔اور صحبت نہ کی ہو تو اس سے نکاح حلال ہے۔(۲) اس حدیث میں ہے۔عن عمر بن شعیب ان رسول اللہ ﷺ قال ایما رجل نکح امرأۃ فدخل بھا او لم یدخل بھا فلا یحل له نکاح امھا وایما رجل نکح امرأۃ فدخل بھا فلا یحل له نکاح ابنتھا وان لم یدخل بھا فلینکح ابنتھا ان شاء (سنن للبیہقی ،باب ماجاء فی قول اللہ وامھات نسائکم الخ ،ج سابع ،ص ۲۶۰،نمبر ۱۳۹۱۱) اس حدیث میں ہے کہ بیوی سے صحبت نہ کی ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے۔۔حجر : گود، پرورش میں رہنا۔

ترجمہ : ۲ اسی لئے حلال کرنے کے موقع پر دخول کی نفی پر اکتفاء کیا۔

تشریح : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آیت میں یوں فرمایا کہ اگر بیوی سے دخول نہ کیا ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس سے یہ پتہ چلا کہ گود میں ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، ورنہ تو یوں فرماتے کہ دخول نہ کیا ہو اور گود میں بھی نہ ہو تو بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آیت میں گود میں ہونے کی قید عادت کے طور پر ہے، شرط کے طور پر نہیں ہے۔بڑی لڑکی ہو تو وہ حقیقی باپ کے خاندان میں ہوگی ، یا شوہر کے یہاں ہوگی وہ سوتیلے باپ کے یہاں کیسے آئے گی ! آیت پر غور فر مائیں۔فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم (آیت ۲۳ سورۃ النساء۴)۔

ترجمہ : (۱۴۹۷) اور نہیں جائز ہے اپنے باپ کی بیوی سے اور نہ اپنے دادا کی بیوی سے۔

ترجمہ : ۱ تمہارے باپ نے جس سے نکاح کیا اس سے نکاح مت کرو۔

تشریح سوتیلی ماں جس سے باپ نے نکاح کیا ہو اسی طرح اپنی دادی یا سوتیلی دادی جس سے دادا نے شادی کی ہو ان سے نکاح حرام ہے۔

وجہ: (۱) اس آیت میں حرمت کا ثبوت ہے، جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کیا ہے۔ ولا تنکحوا ما نکح آباء کم من

(۱۴۹۸) ولا بامرأة ابنه وبنی اولاده ﴾ ا لقوله تعالی وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم ۲ وذکر الاصلاب لاسقاط اعتبار التبنی لا لاحلال حلیلة ابن من الرضاعة

النساء الا ما قد سلف. (آیت۲۲سورۃ النساء۴) اس آیت میں باپ کی منکوحہ سے نکاح سے منع فرمایا گیا ہے۔اور دادی بھی باپ کے منکوحہ کے تحت بالاجماع حرام ہے (۲) حدیث میں ہے۔**عن یزید بن براء عن ابیه قال لقیت عمی وقد اعتقد رایة فقلت این ترید ؟ قال بعثنی رسول الله ﷺ الی رجل نکح امرأة ابیه اضرب عنقه آخذ ماله** ۔(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی قولہ تعالی ولاتنکحوا ما نکح آباءکم من النساء، ج سابع ،ص۲۶۲،نمبر ۱۳۹۱۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام ہے۔

ترجمه : (۱۴۹۸) اور نہ اپنے بیٹے کی بیوی سے اور نہ پوتوں کی بیویوں سے ۔

ترجمه : ا اللہ تعالی کا قول تمہارے بیٹوں کی بیویاں جو تمہارے نسل سے ہیں

تشریح : بیٹے کی بیوی یعنی اپنی بہو سے نکاح کرنا حرام ہے۔اور اسی طرح پوتوں کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے۔

وجه : (۱) صاحب ہدایہ کی آیت یہ ہے۔**حرمت علیکم امهاتکم ..... وحلائل ابناء کم الذین من اصلابکم** (آیت۲۳سورۃ النساء۴) اس آیت میں فرمایا کہ اپنے بیٹوں کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے۔

ترجمه : ۲ اور آیت میں صلب کا ذکر کرنا متبنی کو ساقط کرنے کے لئے ہے، رضاعی بیٹے کی بیوی کو حلال کرنے کے لئے نہیں۔

تشریح : بیٹوں کی تین قسمیں ہیں [۱] حقیقی بیٹا، جسکو صلبی بیٹا کہتے ہیں، اس کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے [۲] رضاعی بیٹا ، بیوی نے دوسرے کے بیٹے کو دودھ پلایا تو وہ بیٹا باپ کے لئے رضاعی بیٹا ہوا، اس کی بیوی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔[۳] لے پالک بیٹا، جسکو منہ بولا بیٹا کہتے ہیں، اس کی بیوی سے نکاح کرنا حرام نہیں، عرب میں اس کی بیوی سے نکاح کرنا حرام سمجھتے تھے، اس لئے آیت میں اس کی نفی کی کہ صلبی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے، لے پالک بیٹے کی بیوی سے نہیں۔

وجه : (۱) رضاعی بھائی کا حکم حقیقی بھائی کی طرح ہے، اس کے لئے یہ حدیث ہے۔حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ فی بنت حمزة لا تحل لی یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب هی ابنة اخی من الرضاعة** (بخاری شریف، باب الشهادة علی الانساب والرضاع المستفیض والموت القدیم ص ۴۲۸، نمبر ۲۶۴۵) اس حدیث میں ہے کہ نسب سے جو حرام ہوتا ہے، رضاعت سے بھی ہوتا ہے، اور نسبی بیٹے کی بیوی حرام ہے اس لئے رضاعی بیٹے کی بیوی بھی حرام ہوگی ۔(۲) اس آیت میں رضاعی بہن کو حرام قرار دیا تو اسی طرح رضاعی بیٹے کی بیوی بھی حرام ہوگی، آیت یہ ہے۔ **وامهاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة.** (آیت۲۳، سورۃ النساء۴) (۳) اور لے پالک بیٹا کی بیوی سے نکاح حلال ہے اس

(۱۴۹۹)ولا بامه من الرضاعة ولا باخته من الرضاعة ﴾ ۱؎ لقوله تعالی وامهاتکم اللاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة ولقوله علیه السلام یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب

(۱۵۰۰)ولایجمع بین اختین نکاحاً ولا بملک یمین وطیاً ﴾ ۱؎ لقوله تعالی وان تجمعوا بین الاختین

کے لئے یہ آیت ہے. فلما قضی زید منها وطرا زوجنکها لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج أدعیاهم اذا قضی منهن وطرا و کان امر الله مفعولا . (آیت ۳۷،سورۃ الاحزاب ۳۳)اس آیت میں ہے کہ حضور نے لے پالک بیٹے زید کی بیوی سے نکاح کیا، جس سے معلوم ہوا کہ لے پالک بیٹے کی بیوی سے علحدگی کے بعد نکاح جائز ہے(۴) و ما جعل أدعیآء کم أبناء کم ذالکم قولکم بافواهکم و الله یقول الحق و هو یهدی السبیل (آیت ۴،سورۃ الاحزاب ۳۳) لے پالک بیٹے کو اپنے بیٹے کی طرح نہیں بنایا، یعنی اس کی بیوی حرام نہیں ہے۔

لغت: حلائل: حلیلۃ کی جمع ہے، جو عورت حلال ہو، یہاں بیٹے کی بیوی مراد ہے، اسی سے ہے حلیلۃ، بیوی۔ اصلاب: صلب سے مشتق ہے، پیٹھ، مراد ہے پیٹھ سے نکلا ہوا بیٹا، یعنی حقیقی بیٹا۔ التبنی: متبنی بیٹا، منہ بولا بیٹا، لے پالک بیٹا۔

ترجمہ: (۱۴۹۹) اور نہ اپنی رضاعی ماں سے اور نہ اپنی رضاعی بہن سے جائز ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے، تمہاری وہ مائیں جس نے تم کو دودھ پلایا، اور تمہاری رضاعی بہنیں [حلال نہیں ہیں] اور حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے نسب سے جو حرام ہوتے ہیں رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔

تشریح: اس ماں سے جس سے پیدا تو نہ ہوا ہو لیکن بچپنے میں اس سے دودھ پیا ہو اس کو رضاعی ماں کہتے ہیں اس سے بھی نکاح حرام ہے۔ اور رضاعی بہن سے بھی صلبی بہن کی طرح نکاح کرنا حرام ہے۔

وجہ: آیت میں اس کا ثبوت ہے، جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کی ہے. حرمت علیکم أمهاتکم ..... وامهاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے(۲) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ فی بنت حمزة لا تحل لی یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب هی ابنة اخی من الرضاعة . (بخاری شریف، باب الشھادۃ علی الانساب والرضاع المستفیض والموت القدیم ص ۴۲۸، نمبر ۲۶۴۵) اس حدیث سے بھی رضاعی ماں اور بہن کی حرمت ثابت ہوئی۔

ترجمہ: (۱۵۰۰) اور نہ جمع کرے دو بہنوں کو صحبت میں نہ نکاح کے ذریعہ اور نہ ملک یمین کے ذریعہ وطی کر کے۔

ترجمہ: ۱؎ اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ حرام ہے کہ دو بہنوں کو جمع کرو۔

تشریح: دو سگی بہنوں سے نکاح کرے یہ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دو بہنیں باندی تھیں۔ دونوں کو اپنی ملکیت میں لیا تو ایک سے

۲ولقوله عليه السلام من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلايجمعن ماء ہ فی رحم اختين (۱۵۰۱)فان تزوج اخت امة له قد وطيها صح النكاح ﴾

وطی کرسکتا ہے دونوں سے وطی نہیں کرسکتا۔اور اگر دوسرے سے وطی کرنا چاہے تو پہلی کو یا تو ملکیت سے الگ کرے یا پھر اس کی شادی کسی اور سے کرادے اور اس کے بضع سے مکمل طور پر قطع تعلق کرلے تب دوسری سے وطی کرسکتا ہے۔

وجه : (۱) آیت میں دونوں بہنوں کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے. حرمت عليكم أمهاتكم ....وان تجمعوا بين الاختين الا ما قد سلف (آیت ۲۳،سورۃ النساء۴)اس آیت میں دونوں بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے(۲)۔حدیث میں بھی دو بہنوں کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔آپؐ پر آپ کی بیوی ام حبیبہؓ نے اپنی بہن پیش کی تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ میرے لئے حلال نہیں ہے۔اور حدیث کے آخر میں آپ نے فرمایا۔کہ تم لوگ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو میرے اوپر پیش نہ کیا کرو۔حدیث یہ ہے. أن ام حبيبة قالت قلت يا رسول الله انكح اختی بنت أبی سفيان قال ((و تحبين ؟)) قلت نعم ، لست لک بمخلية و أحب من شاركنی فی خير أختی فقال النبی ﷺ ان ذالک لا يحل لی .... فلا تعرضن علی بناتكن و لا اخواتكن (بخاری شریف،باب وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف،ص ۷۶۶،نمبر ۵۱۰۷)اس حدیث میں اپنی بیویوں کو کہا کہ تم لوگ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو میرے اوپر نکاح کے لئے پیش نہ کیا کرو۔کیونکہ دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے۔(۳)اس اثر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دو باندی بہنوں کو بھی وطی کرکے جمع کرنا حرام ہوگا۔عن علی سأله رجل له امتان اختان وطی احداهما ثم اراد ان يطأ الاخری قال لا حتی يخرجها من ملكه. (سنن للبیہقی،باب ماجاء فی تحریم الجمع بین الاختین وبین امرأۃ وابنتھا فی الوطی بملک الیمین ،ج سابع ،ص ۲۶۷،نمبر ۱۳۹۳۸/مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۰ فی الرجل یکون عندہ الاختان مملوکتان فیطأ ھما جمیعا ،ج ثالث ،ص ۴۷۱،نمبر ۱۶۲۴۶)اس اثر میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب تک پہلی کو اپنی ملکیت سے جدا نہ کرے دوسری باندی سے صحبت نہیں کرسکتا۔

ترجمه : ۲ اور حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ دو بہنوں کے رحم میں اپنا پانی جمع نہ کرے۔

تشريح : اس حدیث کا مفہوم اوپر کی حدیث میں گزرا،اور یہ حدیث بھی ہے۔عن الضحاک بن فيروز عن أبيه قال قلت يا رسول الله ! انی اسلمت و تحتی أختان قال طلق أيتهما شئت ۔(ابو داود شریف،باب فی من اسلم وعندہ نساء أکثر من أربع أو أختان،ص ۳۲۴،نمبر ۲۲۴۳)اس حدیث میں ہے کہ دو بہنوں کو جمع نہ کرو۔

ترجمه :(۱۵۰۱)اگر باندی کی بہن سے شادی کیا،اس حال میں کہ باندی سے وطی کیا تھا تب بھی نکاح صحیح ہے۔

﴿ لصدوره من اهله مضافاً الى محله (۱۵۰۲) واذا جاز لايطأ الامة وان كان لم يطأ المنكوحة ﴾ ﴿لان المنكوحة موطوءة حكماً ولا يطأ المنكوحة للجمع الا اذا حرم الموطوئة على نفسه بسبب من الأسباب فحينئذ يطأ المنكوحة لعدم الجمع وطياً

ترجمه : ؎ اس لئے کہ ایجاب اہل سے صادر ہوا ہے اور محل کی طرف منسوب ہوا ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ ان تین اصولوں پر ہے، [۱] اگر باندی ملک میں ہو تو اس سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ اس سے جماع کر لیا، کیونکہ باندی کی شادی کرادی ہو تو اس سے جماع کیسے کر سکتا ہے! اس لئے باندی کا ملک میں ہونا جماع نہیں ہے، [۲] اور شادی کیا ہو تو شادی کرنا ہی جماع کرنا ہے، چاہے حقیقت میں جماع نہ کیا ہو [۳] اور تیسرا اصول یہ ہے کہ باندی دو بہنوں کو ایک ملکیت میں جمع کر سکتا ہے، لیکن دونوں سے جماع نہیں کر سکتا، اگر ایک سے کیا ہو تو دوسری سے نہیں کر سکتا۔ ان تینوں اصولوں کو سامنے رکھ کر صورت مسئلہ یہ ہے کہ پہلے سے ایک باندی ملکیت میں تھی اور اس سے جماع بھی کر لیا تھا اس کے باوجود اس کی بہن سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، لیکن نکاح کرنے کے بعد دونوں باندیوں میں سے کسی سے بھی جماع نہیں کر سکتا، اس لئے کہ منکوحہ سے نکاح کرنا ہی جماع کرنا ہے، اور جو باندی ملک میں ہے اس سے تو جماع کر چکا ہے، اس لئے گویا کہ دونوں باندیوں سے جماع کرنا ہو گیا، اور اصول گزر چکا ہے کہ جماع کے اعتبار سے دونوں بہنوں کو جمع نہیں کر سکتا، اس لئے یا تو مملوکہ باندی کو اپنی ملکیت سے الگ کرے، یا دوسرے سے اس کی شادی کرادے تاکہ مالک اس سے جماع نہ کر سکے، تب جا کر منکوحہ بہن سے جماع کر سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ منکوحہ کو طلاق دے کر الگ کرے تب مملوکہ باندی سے دوبارہ جماع کر سکتا ہے۔ اور اگر مملوکہ باندی سے جماع نہ کیا ہو تو منکوحہ باندی سے جماع کر سکتا ہے، اس لئے کہ باندی کا ملک میں ہونا جماع نہیں ہے۔ اور باندی سے جماع کر چکا ہو تب بھی اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کرنے والا نکاح کا اہل ہے، یعنی عاقل بالغ ہے، اور جس سے نکاح کیا ہے وہ اجنبیہ عورت ہے اور نکاح کا محل ہے، اس لئے نکاح ہو جائے گا۔

ترجمہ : (۱۵۰۲) اور جب نکاح جائز ہوا تو باندی سے وطی نہ کرے، چاہے منکوحہ سے وطی نہ کیا ہو۔

ترجمه : ؎ اس لئے کہ منکوحہ حکم کے اعتبار سے وطی کی ہوئی ہے، اور منکوحہ سے بھی وطی نہ کرے مگر جب کہ وطی کی ہوئی باندی کو کسی سبب سے اپنے اوپر حرام کر دے، تو اس وقت منکوحہ سے وطی کر سکتا ہے کیونکہ وطی کے اعتبار سے جمع کرنا نہیں ہے۔

تشریح : ایک باندی پہلے سے ملک میں تھی اور اس سے وطی بھی کر چکا تھا تو اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہوا، لیکن اب مملوکہ باندی سے وطی نہ کرے اس لئے کہ نکاح کرنا حکما وطی ہے، اس لئے دونوں بہنوں کو وطی کے اعتبار سے جمع کرنا لازم آ گیا، اور منکوحہ سے بھی جماع نہ کرے جب تک کہ باندی سے وطی کرنا حرام نہ کرے، باندی سے وطی حرام کرنے کی ایک شکل یہ ہے کہ باندی کی

۲؎ ویطأ المنکوحة ان لم یکن وطی المملوکة لعدم الجمع وطیاً اذ المرقوقة لیست موطوءة حکماً

(۱۵۰۳)فان تزوج اختین فی عقدتین ولایدری ایتهما اولی فرق بینه وبینهما ﴾ ۱؎ لان نکاح احداهما باطل بیقین ولا وجه الی التعیین لعدم الاولویة ولا الی التنقید مع التجهیل لعدم الفائد اوللضرر فتعین التفریق

شادی کسی دوسرے سے کرادے تو مالک کے لئے اس سے جماع کرنا حرام ہوجائے گا، اب منکوحہ سے جماع کرسکتا ہے، دوسری شکل یہ ہے کہ باندی کو بیچ دے یا آزاد کردے تو اس باندی سے جماع کرنا حرام ہوجائے گا، اب منکوحہ سے جماع کرنا جائز ہوگا۔ سبب من الاسباب، کی یہی شکلیں ہیں۔

وجه : (۱) اس اثر میں ہے کہ دو بہنیں ملک میں رہ سکتیں ہیں، البتہ جماع کے اعتبار سے دونوں کو جمع نہیں کرسکتے، اور یہ بھی ہے کہ ایک کو اپنی ملکیت سے نکال دے تو دوسری سے جماع کرسکتا ہے۔ عن علی سأله رجل له امتان اختان وطی احداهما ثم اراد ان یطأ الاخری قال لا حتی یخرجها من ملکه. (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی تحریم الجمع بین الاختین وبین امرأة وابنتها فی الوطی بملک الیمین، ج سابع، ص ۲۶۷، نمبر ۱۳۹۳۸/ مصنف ابن ابی شیبة ۵۰ فی الرجل یکون عندہ الاختان مملوکتان فیطأ ھما جمیعا، ج ثالث، ص ۴۷۱، نمبر ۱۶۲۴۶) اس اثر میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب تک پہلی کو اپنی ملکیت سے جدا نہ کرے دوسری باندی سے صحبت نہیں کرسکتا۔

ترجمه : ۲؎ اور منکوحہ سے وطی کرسکتا ہے اگر مملوکہ باندی سے وطی نہ کیا ہو، وطی کے اعتبار سے جمع نہ ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ مملوکہ حکم کے اعتبار سے وطی کی ہوئی نہیں ہوتی۔

تشریح : باندی ملکیت میں تھی لیکن اس سے ابھی تک وطی نہیں کی تھی، اور اسکی بہن سے نکاح کیا تو منکوحہ سے وطی کرسکتا ہے، کیونکہ ملکیت میں باندی کے ہونے سے وطی شمار نہیں کی جاتی ہے، اور جب اس سے وطی نہیں ہوئی تو ایک ہی منکوحہ سے وطی ہوئی اس لئے وطی کے اعتبار سے جمع کرنا نہیں ہوا اس لئے جائز ہے۔۔ المرقوقة: رق سے مشتق ہے، مملوکہ باندی۔ مملوکہ حکم کے اعتبار سے وطی کی ہوئی نہیں ہوتی ہے۔

ترجمه : (۱۵۰۳) اگر دو بہنوں سے دو عقدوں میں نکاح کیا، اور یہ معلوم نہیں کہ پہلی کون ہے تو شوہر سے دونوں بہنوں کو جدا کردے۔

ترجمه : ۱؎ اس لئے کہ دونوں میں سے ایک کا نکاح یقیناً باطل ہے، اور تعیین کی کوئی وجہ نہیں کسی کے اولی نہ ہونے کی وجہ سے، اور جہالت کے ساتھ نافذ کرنے کی کوئی وجہ نہیں فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے، یا ضرر کی وجہ سے اس لئے جدا کرنا متعین ہوا۔

(۱۵۰۴) ولهما نصف المهر ﴾ ١ لانه وجب للاولى منهما وانعدمت الاولوية للجهل بالاولوية فينصرف اليهما ٢ وقيل لا بد من دعوى كل واحدة منهما انها الاولىٰ والاصلاح لجهالة المستحقة

تشریح : اس مسئلے کامداراس اصول پر ہے کہ ترجیح کی کوئی وجہ نہ ہوتو جہالت کی وجہ سے دونوں کوتفریق کرادی جائے۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو بہنوں سے دوعقدوں میں شادی کی[دوعقد کی قید اس لئے لگائی کہ اگر ایک ہی عقد میں دونوں کی شادی کی تو اسی وقت دونوں کا نکاح باطل ہو جائے گا،اس لئے کہ نکاح کے اعتبار سے دو بہنوں کوجمع کرنا جائز نہیں ہے]اور یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کسکی شادی پہلے ہوئی ہے[اس لئے کہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں کی شادی پہلے ہوئی ہے تو اس کا نکاح ہوجائے گا اور دوسرے کا باطل ہو گا] تو دونوں میں سے ایک کا نکاح ہوگیا،اور ایک کا یقنی طور پر باطل ہوگا،کیونکہ جمع بین الاختین نہیں کر سکتے،لیکن چونکہ یہ معلوم نہیں ہے کہ کس کا نکاح ہوا،اور کس کا نہیں ہوا،اور کوئی قرینہ بھی نہیں ہے اس لئے دونوں بہنوں کو جدا کر دیا جائے۔اسلئے کہ دونوں نکاح کو نافذ کرنے میں فائدہ نہیں ہے،مثلا قاضی یوں کہے کہ دونوں میں سے ایک کا نکاح صحیح ہے،لیکن یہ معلوم نہیں کہ کسکا صحیح ہے،اس لئے اس عورت سے وطی نہیں کر سکے گا،اور نہ بچہ پیدا کر سکے گا،تو اس صورت میں شوہر کا نقصان ہے،اور شوہر کو نکاح کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔اور عورت کا نقصان یہ ہے کہ دونوں عورتوں کو ایک ہی نفقہ ملے گا کیونکہ ایک ہی کا نکاح صحیح ہے،اور دوسری شادی بھی نہیں کر سکے گی،تو آدھے نفقے کے ساتھ بغیر وطی کے زندگی بھر لٹکے رہنا پڑے گا،اس لئے دونوں کو جدا کردے۔

وجه : (۱)اس اثر میں اس کا ثبوت ہے . عن عطاء قال ان انكح رجلان امرأة لا يدرى أيهما انكح اول ، فنكاحها مردود ، ثم تنكح أيهما شائت ۔(مصنف عبدالرزاق ،باب المرأۃ ینکحھا الرجلان لا یدری ایھما الاول؟۔ج سادس،ص۱۸۴،نمبر۱۰۶۸۰)اس اثر میں ہے کہ کس کا نکاح پہلے تھا معلوم نہیں تو دونوں کا باطل قرار دیا جائے گا۔

ترجمه :(۱۵۰۴) اور دونوں کے لئے آدھا مہر ہے۔

ترجمه : ١ اس لئے کہ مہر ان میں سے پہلی والی کے لئے ہے،اور جہالت کی وجہ سے پہلے ہونے کی ترجیح نہیں ہے اس لئے مہر دونوں کو دیا جائے گا۔

تشریح : یہ طے ہے کہ جس کا نکاح پہلے ہوا ہے اسی کا نکاح صحیح ہوا اور بعد والے کا باطل ہے اسلئے ایک ہی مہر ملے گا،اور چونکہ دخول سے پہلے تفریق ہوئی ہے اس لئے آدھا مہر ملے گا،اور آدھے میں دونوں کو آدھا آدھا ملے گا،یعنی ہر ایک کے ہاتھ میں چوتھائی چوتھائی مہر آئے گا،چونکہ جہالت ہے اور ترجیح دینے کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے آدھے مہر میں دونوں برابر کے حقدار ہونگے۔

ترجمه : ٢ بعض حضرات نے فرمایا کہ دونوں میں سے ہر ایک عورت کا دعوی ہو کہ میں پہلی ہوں،یا مستحقہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے صلح کرلیں۔

(١٥٠٥)ولا يجمع بين المرأة وعمتها او خالتها او ابنة اخيها او ابنة اختها ﴿١لقوله عليه السلام لاتنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها ولاعلى ابنة اخيها ولا على ابنة اختها

تشریح : بعض حضرات کی رائے ہے کہ دونوں عورتیں اس بات کا دعوی کرے کہ میری شادی پہلے ہوئی تھی تب دونوں کو آدھے مہر میں سے آدھا آدھا ملے گا، اور اگر ایک خاموش ہو جائے تو جو خاموش ہو جائے اس کو نہیں ملے گا، سب دوسری کو مل جائے گا، کیونکہ قاضی بغیر دعوی کے اس کو مہر نہیں دے گا، پس یہ جو دونوں کو مہر دینے کی شکل ہے وہ اس وقت ہے جبکہ دونوں دعوی کرے۔ یا پھر دونوں صلح کر لے کہ دونوں کو آدھے میں سے آدھا آدھا دیا جائے تو دونوں کو چوتھائی چوتھائی مل جائے گا۔ کیونکہ ان میں سے مستحق کون ہے وہ مجہول ہے۔

لغت: اولویت: اولی سے مشتق ہے، افضل قابل ترجیح۔ اولی: اول سے مشتق ہے، پہلی۔

ترجمہ : (۱۵۰۵) اور نہ جمع کرے عورت کو اور اس کی پھوپی کو اور اس کی خالہ کو۔ اور نہ اس کی بھانجی کو اور نہ بھتیجی کو۔

ترجمہ : ١ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ عورت کے اوپر اس کی پھوپھی کو نکاح نہ کرو، اور نہ اس کی خالہ کو، اور نہ اس کے بھائی کی بیٹی پر، اور نہ اس کی بہن کی بیٹی پر۔

تشریح: اس عبارت میں ایک ہی مسئلے کو دو مرتبہ بیان کیا ہے، [۱] پہلا مسئلہ یہ ہے کہ بھتیجی پہلے سے نکاح میں ہو اور اس کے اوپر اس کی پھوپھی کو جمع کیا ہو, المرأة و عمتها ،کا مطلب یہی ہے [۲] دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بھانجی پہلے سے نکاح میں ہو اور اس کے اوپر اس کی خالہ کو جمع کیا ہو, او خالتها ،کا یہی مطلب ہے [۳] تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ پھوپھی پہلے سے نکاح میں ہو اور اس کے اوپر اس کی بھتیجی کو جمع کیا ہو , او ابنة اخيها ،کا یہی مطلب ہے [۴] چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ خالہ پہلے سے نکاح میں ہو اور اس کے اوپر اس کی بھانجی کو جمع کیا ہو, او ابنة اختها، کا یہی مطلب ہے۔

وجہ :(۱) حدیث میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ **سمع جابر قال نهى رسول الله ﷺ ان تنكح المرأة على عمتها او خالتها** (بخاری شریف، باب لا تنکح المرأة علی عمتها ص... نمبر ۵۱۰۸ رمسلم شریف، باب تحریم الجمع بین المرأة وعمتها او خالتها فی النکاح ،ص ۴۵۲ ،نمبر ۱۴۰۸ /۳۴۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پھوپی اور خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے ۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لا تنكح المرأة على عمتها و لا العمة على بنت اخيها و لا المرأة على خالتها و لا الخالة على بنت اخيها ، و لا تنكح الكبرى على الصغرى و لا تنكح الصغرى على الكبرى** ۔(ابو داود شریف، باب ما یکرہ أن تجمع بینهن من النساء، ص ۲۹۹، نمبر ۲۰۶۵ رترمذی شریف، باب ما جاء لا تنکح المرأة علی عمتها و لا علی خالتها، ص ۲۷۲، نمبر ۱۱۲۶) اس حدیث میں ہے کہ بھتیجی کو پھوپھی پر، اور پھوپھی کو بھتیجی پر، اور

۲؎ وھذا مشھور یجوز الزیادة علی الکتاب بمثلہ (۱۵۰۶) ولایجمع بین امرأتین لو کانت احداھما رجلاً لم یجز لہ ان یتزوج بالاخریٰ ﴾ ا؎ لان الجمع بینھما یفضی الی القطعیة والقرابة المحرمة للنکاح محرمة للقطع

بھانجی کو خالہ پر اور خالہ کو بھانجی پر جمع نہ کرو۔ (۳) دوسری وجہ یہ ہے کہ بھتیجی اور پھوپی، اسی طرح بہن کی بیٹی اور خالہ کے درمیان محبت ہوتی ہے۔ اگر دونوں کو ایک نکاح میں جمع کر دیں تو سوتن کی فطری دشمنی شروع ہو جائے گی۔ اس لئے ان دونوں کو ایک شوہر کے پاس جمع ہونے سے منع فرمایا۔

ترجمہ : ۲؎ یہ حدیث مشہور ہے، اس لئے اس قسم کی حدیث سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز ہے۔

تشریح : یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ آیت میں صرف یہ ہے کہ جمع بین الاختین، نہ کرو تو پھوپھی اور خالہ کو جمع کرنا حرام کیسے قرار دیا؟ اس کا جواب دیا کہ یہ حرمت اوپر کی حدیث مشہور میں ہے، اور حدیث مشہور ہو تو اس سے آیت کے مفہوم میں اضافہ کیا جا سکتا ہے، اس لئے ان احادیث کی وجہ سے اخت کے مفہوم میں پھوپھی، اور خالہ کو بھی شامل کر لیا اور انکو جمع کرنا بھی حرام قرار دے دیا۔

ترجمہ : (۱۵۰۶) اور نہیں جائز ہے ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا کہ اگر ان دونوں میں سے ایک مرد ہو تو اس کے لئے جائز نہیں ہو کہ دوسرے سے شادی کرے۔

تشریح : یہ عبارت اوپر کے مسئلے کا قاعدہ کلیہ ہے۔ ایسی دو عورتوں کو ایک مرد کے نکاح مین جمع کرنا حرام ہے کہ ان میں سے ایک عورت کو مرد فرض کر لیں تو اس کی شادی دوسری عورت سے حرام ہو۔ مثلاً بھتیجی اور پھوپی میں سے بھتیجی کو مرد فرض کر لیں تو وہ بھتیجا ہوگا۔ اور بھتیجے کا پھوپی سے شادی کرنا حرام ہے۔ اس لئے بھتیجی اور پھوپی کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہوگا۔ اور بھتیجی اور پھوپی میں سے پھوپی کو مرد فرض کر لیں تو وہ چچا ہوگا۔ اور چچا کا بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اسی طرح خالہ اور بھانجی میں سے بھانجی کو مرد فرض کر لیں تو بھانجا ہوگا۔ اور بھانجے کے لئے خالہ سے شادی کرنا حرام ہے۔ اور اگر خالہ کو مرد فرض کر لیں تو وہ ماموں ہوگا۔ اور ماموں کے لئے بھانجی سے شادی کرنا حرام ہے۔ اس لئے خالہ اور بھانجی کو ایک شوہر کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

وجہ: حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ اسی بنیاد پر مصنف نے یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے۔

ترجمہ : ا؎ اس لئے کہ دونوں کو جمع کرنا قطع رحم کی طرف پہنچائے گا۔ اور جو قرابت نکاح کو حرام کرنے والی ہے وہی قطع رحم کو حرام کرنے والی ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے دونوں سوتن بنیں گیں، اور سوتنوں میں

۲؎ ولو کانت المحرمیة بینهما بسبب الرضاع تحرم لما روینا من قبل (۱۵۰۷) ولابأس بان یجمع بین امرأة وبنت زوج کان لها من قبل ؎۱ لانه لا قرابة بینهما ولا رضاع

عموما دشمنی ہوتی ہے، تو ذی محرم قرابت دشمنی کا سبب بنی، اور قرابت میں دشمنی حرام ہے اس لئے اس نکاح کو ہی حرام قرار دیا جائے۔

ترجمہ : ۲؎ اگر دونوں کے درمیاں حرمت رضاعت کے سبب سے ہو تو بھی حرام ہوگا، اس حدیث کی بنا پر جو ہم نے پہلے روایت کی۔

تشریح : نسب کے اعتبار سے ذی رحم محرم نہ ہو بلکہ رضاعت یعنی دودھ پلانے کی وجہ سے محرم بنی ہو مثلا رضاعت کی وجہ سے پھوپھی اور بھتیجی بنی ہو یا خالہ اور بھانجی بنی ہو تو جس طرح نسب کی وجہ سے حرمت ہے اسی طرح رضاعت کی وجہ سے بھی حرمت ہے، اور دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ نسب سے جو حرام ہوتی ہے وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہے۔ حدیث یہ ہے۔

وجہ : (۱) صاحب ھدایہ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے۔ حرمت علیکم أمهاتکم ..... وامهاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے (۲) صاحب ہدایہ کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے۔ عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ فی بنت حمزة لا تحل لی یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب هی ابنة اخی من الرضاعة. (بخاری شریف، باب الشہادۃ علی الانساب والرضاع المستفیض والموت القدیم ص ۴۲۸، نمبر ۲۶۴۵) اس حدیث میں ہے کہ نسب کی وجہ سے جو حرام ہیں رضاعت کی وجہ سے بھی وہ حرام ہوں گیں۔

ترجمہ : (۱۵۰۷) اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ جمع کرے عورت کو اور شوہر کی بیٹی کو جو پہلی بیوی سے ہو۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ دونوں کے درمیان کوئی قرابت نہیں ہے اور نہ رضاعت ہے۔

تشریح: شوہر کی بیٹی جو پہلی بیوی سے ہو اس کو سوتیلی بیٹی کہتے ہیں۔ یعنی سوتیلی ماں اور سوتیلی بیٹی کو ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ذی رحم محرم نہیں ہیں، اور رضاعت کا رشتہ بھی نہیں ہے، یہ تو باپ کی شادی کرنے کی وجہ سے سوتیلی ماں بنی ہے، اور طلاق دینے کے بعد دونوں پھر سے اجنبیہ بن گئیں۔

وجہ: (۱) سوتیلی ماں اور بیٹی کے درمیاں اگر بیٹی کو مرد فرض کریں تو سوتیلا بیٹا ہوا۔ اور سوتیلے بیٹے کی شادی سوتیلی ماں سے حرام ہے۔ لیکن اگر ماں کو مرد فرض کرلیں تو اجنبی مرد ہوا۔ اور اجنبی مرد کا اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ اس لئے ماں کو مرد فرض کرنے کی صورت میں آپس میں نکاح کرنا جائز ہے۔ اس لئے اس مسئلے میں ایک طرف سے جائز ہوتا ہے اور دوسری طرف سے حرام

۲؎ وقال زفرؒ لایجوز لان ابنة الزوج لو قدرتها ذکر الا یجوز له التزوج بامرأة ابیه ۳؎ قلنا امرأة الاب لو صورتها ذکر اجاز له التزوج بهذه والشرط ان یصور ذٰلک من کل جانب (۱۵۰۸) ومن زنیٰ بامرأة حرمت علیها امها وبنتها ﴾

ہوتا ہے۔اس لئے علماء نے فرمایا کہ سوتیلی ماں اور سوتیلی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہے (۲) اثر میں اس کا جواز ہے۔ وجمع عبد الله بن جعفر بین ابنة علی و امرأة علی وقال ابن سیرین لا بأس به و کرهه الحسن مرة ثم قال لا بأس به. (بخاری شریف، باب ما یحل من النساء وما یحرم، ص ۷۶۵، نمبر ۵۱۰۵ / دار قطنی کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۲۲۰، نمبر ۳۸۲۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سوتیلی ماں اور سوتیلی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دونوں جانب سے حرمت ہو تو دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، اور ایک جانب سے حرمت ہو تو دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام نہیں ہے۔

ترجمہ : ۲؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے، اس لئے کہ شوہر کی بیٹی کو اگر مذکر فرض کر لیں تو اس کے لئے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح : امام زفرؒ کی رائے ہے کہ سوتیلی ماں اور سوتیلی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر بیٹی کو مذکر فرض کر لیں تو یہ بیٹا ہو جائے گا، اور بیٹے کے لئے سوتیلی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے ان دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) کیونکہ ایک طرف سے حرمت ہوتی ہے، اس لئے جمع کرنے کے لئے ایک طرف سے حرمت بھی کافی ہے (۲) اوپر گزرا کہ وکرهه الحسن مرة....و کرهه جابر بن زید للقطعية و لیس فیه تحریم . (بخاری شریف، نمبر ۵۱۰۵ / دار قطنی کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۲۲۰، نمبر ۳۸۲۳) کہ حضرت حسن ایسے نکاح کو مکروہ سمجھتے تھے، اس لئے حرام ہوگا۔

ترجمہ : ۳؎ ہم کہتے ہیں کہ باپ کی بیوی کو اگر مذکر فرض کریں تو اس کے لئے اس لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے، اور شرط یہ ہے کہ عدم جواز ہر جانب سے ہو۔

تشریح : ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر باپ کی بیوی [سوتیلی ماں] کو مذکر فرض کریں تو یہ سوتیلا بیٹا ہوگا، اور سوتیلے بیٹے کا نکاح سوتیلی ماں سے حرام ہے، تو ایک جانب سے حرمت ثابت ہوئی، اور ایک نکاح میں جمع کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ کیونکہ حلال ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ دونوں جانب سے حرام نہ ہو۔

ترجمہ : (۱۵۰۸) کسی نے زنا کیا کسی عورت سے تو حرام ہوگئی اس پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی۔

تشریح: مثلا زینب سے کسی نے زنا کیا تو اس مرد پر زینب کی ماں بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی اور زینب کی بیٹی بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔

وجہ: (۱) زنا کرنا اگر چہ حرام ہے پھر بھی زنا کی وجہ سے جزئیت ثابت ہوگئی۔اور گویا کہ مزنیہ کی ماں حرمت مصاہرہ کی وجہ سے ساس بن گئی اور مزنیہ کی بیٹی سوتیلی بیٹی اور ربائب بن گئی۔جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ان سے نکاح حرام ہوگیا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔**عن عائشة انها قالت اختصم سعد بن ابی وقاص وعبد بن زمعة فی غلام فقال سعد هذا یا رسول الله ابن اخی عتبة بن ابی وقاص عهد الی انه ابنه انظر الی شبهه وقال عبد بن زمعة هذا اخی یا رسول الله ولد علی فراش ابی من ولیدته فنظر رسول الله ﷺ الی شبهه فرای شبها بینا بعتبة فقال هو لک یا عبد،الولد للفراش وللعاهر الحجر واحتجی منه یا سودة بنت زمعة قالت فلم یر سودة قط** ۔(مسلم شریف، باب الولد للفراش وتوقی الشبهات ،ص ۴۷۰ ،نمبر ۱۴۵۷/۳۶۱۳ /ابو داؤد شریف ، باب الولد للفراش ،ص ۳۱۷ ،نمبر ۲۲۷۳) اس حدیث میں سعد ابن وقاص نے دعوی کیا کہ لڑکا میرا بھتیجا ہے کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے اس کی ماں سے زنا کیا تھا۔اور دیکھئے لڑکا میرے بھائی کے بالکل مشابہ ہے۔اور عبد بن زمعۃ نے دعوی کیا کہ لڑکے کی ماں میرے والد کی فراش رہی ہے اس لئے لڑکا میرا بھائی ہے۔آپؐ نے لڑکے کا نسب زمعۃ سے ثابت کیا کیونکہ اس کی ماں اس کا فراش تھی۔لیکن زمعہ کی بیٹی حضرت سودہ سے فرمایا کہ حقیقت میں یہ لڑکا تمہارا بھائی نہیں ہے۔اس لئے اس سے پردہ کرتی رہو۔اور زندگی بھر اس سے پردہ کرتی رہی۔جس سے معلوم ہوا کہ زنا کی وجہ سے زانی کے ساتھ تعلق رہتا ہے اور حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے (۳) اس حدیث میں اس کی صراحت ہے۔**عن ابی هانی قال قال رسول الله من نظر الی فرج امرأة لم تحل له امها ولا ابنتها** ۔(مصنف ابن ابی شیبة ۴۸ الرجل یقع علی ام امرأته اوابنة امرأته ما حال امرأته؟ ج ثالث ،ص ۴۶۹ ،نمبر ۱۶۲۲۹ /سنن للبیهقی ، باب الزنا لا یحرم الحلال ، ج سابع ،ص ۲۷۶ ،نمبر ۱۳۹۶۹) اس حدیث مرسل سے پتہ چلا کہ اجنبی عورت کا فرج دیکھ لیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔اور اس سے اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائے گی۔اور جب صرف فرج دیکھنے سے حرام ہوگی تو زنا کرنے سے بدرجۂ اولی حرام ہوگی (۴) **عن مکحول ان عمر جرد جاریته فسأله ایاها بعض بنیه فقال انها لا تحل لک** (مصنف ابن ابی شیبة ۴۸ فی الرجل یجرد المرأة ویلتمسها من لا تحل لابنه وان فعل الاب ، ج ثالث ،ص ۴۶۷ ،نمبر ۱۶۲۱۲ /مصنف عبد الرزاق ، باب ما یحرم الامة والحرة ، ج سادس ،ص ۲۲۳ ،نمبر ۱۰۸۸۲) اس اثر میں حضرت عمرؓ نے اپنی باندی کے کپڑے کھولے تو اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اب یہ تیرے لئے حلال نہیں رہی ۔جس سے معلوم ہوا کہ صرف چھونے سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جائے گی۔(۵)

اس آیت کے اشارۃ النص سے استدلال کیا جا سکتا ہے، ولا تنکحوا ما نکح آباءکم من النساء الا ما قد سلف ۔(آیت ۲۲، سورۃ النساء ۴) اس

ل وقال الشافعيؒ الزناء لا يوجب حرمة المصاهرة لانها نعمة فلا تنال بالمحظور

آیت میں نکح کو وطی کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا باپ نے اگر حرام وطی کی ہو تو تم اس عورت سے نکاح مت کرو، جس سے معلوم ہوا کہ زنا سے بھی حرمت مصاحرت ثابت ہوتی ہے، تب ہی تو فرمایا کہ باپ نے جس سے وطی کی ہو اس سے نکاح مت کرو۔

(۲) دلیل عقلی یہ ہے کہ زنا سے عورت مرد کا جز بن جاتی ہے اور جز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے اس لئے مزنیہ کے اصول یعنی ماں اور فروع یعنی بیٹی سے فائدہ اٹھانا یعنی نکاح کرنا حرام ہوگا۔

ترجمه : ل امام شافعیؒ نے فرمایا کہ زنا حرمت مصاحرت کو ثابت نہیں کرتا، اس لئے کہ یہ نعمت ہے اس لئے یہ فعل ممنوع سے حاصل نہیں ہوگا۔

تشریح:۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ زنا سے حرمت مصاحرت [دامادگی کا رشتہ] ثابت نہیں ہوگی، یعنی کسی عورت سے زنا کیا تو اس عورت کی ماں اس زانی کے لئے حرام نہیں ہوگی، اسی طرح اس عورت کی بیٹی اس زانی کے لئے حرام نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ حرمت مصاحرت نعمت ہے اس لئے یہ ایک گناہ کے کام سے حاصل نہیں ہوگی، اللہ تعالی نے اس کو نعمت کے طور بیان کیا ہے، آیت ہے۔ **هو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا و صهرا و كان ربک قديرا** ۔ (آیت ۵۴، سورۃ الفرقان ۲۵) اس آیت میں احسان کے طور پر دامادگی کے رشتے کو بیان فرمایا ہے۔

وجه : (۱) حدیث میں ہے۔ **عن عائشة انها قالت اختصم سعد بن ابی وقاص وعبد بن زمعة فی غلام .....الولد للفراش وللعاهر الحجر واحتجی منه يا سودة بنت زمعة قالت فلم يرسودة قط** ۔ (مسلم شریف، باب الولد للفراش وتوقی الشبہات، ص ۴۷۰، نمبر ۱۴۵۷/۳۶۱۳/ ابو داؤد شریف، باب الولد للفراش، ص ۳۱۷، نمبر ۲۲۷۳) اس حدیث میں ہے کہ زانی کے لئے پتھر ہے یعنی وہ دامادگی کے رشتے سے محروم ہوگا اس لئے مزنیہ کی ماں اور بیٹی زانی پر حرام نہیں ہوں گی (۲) دوسری حدیث میں ہے **عن عائشة قالت سئل رسول الله ﷺ عن رجل زنا بامرأة فاراد ان يتزوجها او ابنتها ،قال لا يحرم الحرام الحلال انما يحرم ما كان بنكاح** (سنن دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث، ص ۱۸۸ نمبر ۳۶۳۸/ سنن للبیہقی، باب الزنا لا یحرم الحلال ج سابع، ص ۲۷۵، نمبر ۱۳۹۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ حرام ہے اور حرام حلال عورت کو حرام نہیں کرے گا۔ وہ تو صرف نکاح کے ذریعہ حرام ہوگی۔ (۳) **و قال عكرمة و ابن عباس اذا زنی بأخت امرأته لم تحرم عليه امرأته** ۔ (بخاری شریف، باب ما یحل من النساء وما یحرم، ص ۶۵۷، نمبر ۵۱۰۵) اس اثر میں ہے کہ بہن کے زنا سے اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی، جس سے معلوم ہوا کہ زنا سے حرمت مصاحرت ثابت نہیں ہوگی۔

۲؎ ولنا ان الوطی سبب الجزئية بواسطة الولد حتی يضاف الی كل واحد منهما كملا فيصير اصولها وفروعها كاصوله وفروعه وكذٰلک علی العكس والاستمتاع بالجزء حرام ۳؎ الا فی موضع الضرورة وهی الموطوءة ۴؎ والوطی محرم من حيث انه سبب الولد لا من حيث انه زناء

ترجمه : ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ بچے کے واسطے سے وطی جز بننے کا سبب ہے، یہاں تک کہ بچہ دونوں میں سے ہر ایک کی طرف پورا پورا منسوب کیا جاتا ہے، پس عورت کا اصول اور اس کا فروع مرد کے اصول اور فروع کے طرح ہو جاتے ہیں، اور ایسے ہی اس کا الٹا اور جز سے فائدہ اٹھانا حرام ہے۔

تشریح: اس مسئلے میں موطوءہ عورت کے اصول سے اس کی ماں مراد ہے، اور اس کے فروع سے اس کی بیٹی مراد ہے۔ اور واطی مرد کے اصول سے اس کا باپ مراد ہے، اور اس کے فروع سے اس کا بیٹا مراد ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ وطی کرنے سے مرد عورت کا جز بن جاتا ہے اور عورت مرد کا جز بن جاتی ہے، کیونکہ جب وطی سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو بچہ دونوں کا پورا پورا بیٹا یا بیٹی شمار ہوتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ یہ زید کا بیٹا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ہندہ کا بیٹا ہے، اور اس بچے پر ماں کے اصول اور فروع حرام ہوتے ہیں اور باپ کے اصول اور فروع بھی حرام ہوتے ہیں، چنانچہ اس بچے کی وجہ سے باپ کے اصول مثلا باپ کا باپ عورت پر حرام ہوا، اور باپ کا فروع یعنی باپ کا بیٹا یعنی سوتلا بیٹا عورت پر حرام ہوا، اسی طرح ماں کا اصول یعنی ماں کی ماں باپ پر حرام ہوئی، اور ماں کا فروع، یعنی ماں کی بیٹی باپ پر حرام ہوئی، باپ اپنی سوتیلی بیٹی سے نکاح نہیں کرسکتا۔ حاصل یہ نکلا کہ وطی کرنے کی وجہ سے بچہ ہوتا ہے اور بچے کی وجہ سے عورت مرد کا جز بن جاتی ہے اور مرد عورت کا جز بن جاتا ہے، اور اپنے جز سے فائدہ اٹھانا حرام ہے، اس لئے مزنیہ کے اصول اور فروع سے نکاح کرنا حرام ہوگا، اسی طرح زانی کے اصول فروع سے نکاح کرنا حرام ہوگا۔ اب یہ وطی حلال ہو یا حرام یعنی زنا دونوں سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور دونوں سے جزئیت ثابت ہوتی ہے، اس لئے زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوگی۔

ترجمه : ۳؎ سواء ضرورت کی جگہ کے، اور وہ وطی کی ہوئی عورت ہے۔

تشریح : یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ جب عورت مرد کا جز بن گئی، اور مرد عورت کا جز بن گیا، اور جز سے فائدہ اٹھانا حرام ہے تو ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد دوبارہ اس عورت سے وطی کرنا حرام ہونا چاہئے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ دوبارہ عورت سے وطی کرنا حرام ہونا چاہئے، لیکن یہاں ضرورت شدیدہ ہے اسلئے ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد دوبارہ موطوءہ سے وطی کرنا حلال رکھا۔

ترجمه : ۴؎ اور وطی جو حرام کرنے والی ہے اس حیثیت سے کہ وہ بچے کا سبب ہے اس حیثیت نہیں کہ وہ زنا ہے۔

تشریح: زنا کی وجہ سے عورت کا اصول اور فروع حرام ہوتے ہیں اور مرد کے اصول فروع حرام ہوتے ہیں، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے جو جزئیت کا سبب بنتا ہے، چاہے وہ وطی حلال ہو کہ حرام ہو، یہ اس حثیت سے نہیں دیکھا جاتا کہ وہ زنا

(۱۵۰۹) ومن مسته امرأة بشهوة حرمت عليه امها وابنتها ﴿ ﴾ وقال الشافعیؒ لا تحرم على هذا الخلاف مسه امرأةً بشهوة ونظره الى فرجها ونظرها الى ذكره عن شهوة له ان المس والنظر ليسا

ہے۔

لغت: محرِم : اسم فاعل ہے حرام کرنے والی وطی۔

ترجمه : (۱۵۰۹) کسی نے مرد کو شہوت سے چھویا تو اس پر عورت کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہوگئی۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شہوت کے ساتھ چھونے سے بھی حرمت مصاحرہ ثابت ہو جاتی ہے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی عورت نے کسی مرد کو شہوت کے ساتھ چھویا یا مرد نے عورت کو شہوت کے ساتھ چھویا، یا مرد نے عورت کے فرج داخل کو دیکھا، یا عورت نے مرد کے ذکر کو شہوت سے دیکھا تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، اور عورت کی ماں اور اس کی بیٹی مرد کے لئے حرام ہو جائے گی۔

وجه : (۱) دلیل عقلی یہ ہے کہ شہوت سے چھونا وطی کی طرف پہونچائے گا، اور وطی بچے کی طرف پہونچائے گی ، اور بچہ جز ہونے کا سبب ہے جس سے حرمت مصاہرت ہوتی ہے اس لئے چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی۔ (۲) اس اثر میں ہے کہ شہوت سے چھولیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ **قال ابراهيم وكانوا يقولون : اذا اطلع الرجل على المرأة على ما لاتحل له او لمسها لشهوة فقد حرمتا عليه جميعا** (مصنف ابن ابی شیبة ۴۹ الرجل يقع على ام امرأته الخ، ج ثالث، ص ۴۶۹، نمبر ۱۶۲۳۰ / مصنف عبد الرزاق، باب ما يحرم الامة والحرة، ج سادس، ص ۲۲۵، نمبر ۱۰۸۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شہوت سے چھوئے گا تو حرام ہوگی۔ (۳) اس حدیث مرسل میں ہے کہ فرج کو دیکھ لیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ **عن ابی هانی قال قال رسول الله من نظر الى فرج امرأة لم تحل له امها ولا ابنتها۔** (مصنف ابن ابی شیبة ۴۸ الرجل يقع على ام امرأته اوابنة امرأته ما حال امرأته؟ ج ثالث، ص ۴۶۹، نمبر ۱۶۲۲۹ / سنن للبیہقی، باب الزنا لا يحرم الحلال، ج سابع، ص ۲۷۶، نمبر ۱۳۹۶۹) اس حدیث مرسل سے پتہ چلا کہ اجنبی عورت کا فرج دیکھ لیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ اور اس سے اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائے گی (۴) **عن مكحول ان عمر جرد جاريته فسأله اياها بعض بنيه فقال انها لا تحل لک** (مصنف ابن ابی شیبة ۴۸ فی الرجل یجرد المرأة ویلتمسها من لاتحل لابنه وان فعل الاب، ج ثالث، ص ۴۶۷، نمبر ۱۶۲۱۲ / مصنف عبد الرزاق، باب ما يحرم الامة والحرة، ج سادس، ص ۲۲۳، نمبر ۱۰۸۸۲) اس اثر میں یہ ہے کہ صرف کھول کر دیکھ لے تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

ترجمه : ﴿ ﴾ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حرام نہیں ہوگی، اور اسی اختلاف پر ہے کہ مرد کا عورت کو شہوت سے چھو لینا، اور مرد کا

فی معنی الدخول ولهذا لایتعلق بهما فساد الصوم والاحرام ووجوب الاغتسال فلا یلحقان به ۲؎ ولنا ان المس والنظر سبب داع الی الوطی فیقام مقامه فی موضع الاحتیاط

عورت کے فرج کی طرف شہوت سے دیکھنا، اور عورت کا مرد کے ذکر کی طرف شہوت سے دیکھنا۔امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ چھونا اور دیکھنا دخول کے معنی میں نہیں ہے، اسی لئے ان دونوں سے روزہ اور احرام فاسد نہیں ہونگے اور غسل واجب نہیں ہوگا اس لئے وہ دونوں دخول کے ساتھ لاحق نہیں ہونگے۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دواعی زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اور مرد پر عورت کی ماں اور اس کی بیٹی حرام نہیں ہوگی۔

وجہ : (۱) انکی دلیل یہ ہے کہ شہوت سے چھونا، یا شہوت سے فرج داخل کو دیکھنا وطی کے معنی میں نہیں ہیں، کہاں وطی اور کہاں دیکھنا کتنا فرق ہے! یہی وجہ ہے کہ کوئی شہوت سے عورت کو چھولے یا دیکھ لے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور احرام کی حالت میں ہو تو احرام فاسد نہیں ہوتا، جبکہ حقیقت میں وطی کرلے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور احرام فاسد ہو جاتا ہے، اسی طرح شہوت سے چھونے سے اور شہوت سے فرج داخل دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، جبکہ حقیقت میں وطی کرلے تو غسل واجب ہو جاتا ہے اس لئے اس سے حرمت مصاہرت بھی ثابت نہیں ہوگی۔ (۲) پیچھے گزرا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی تو چھونے اور دیکھنے سے کیسے ثابت ہوگی! (۳) اس اثر میں ہے۔ **عن الحسن و قتادۃ قالا لا یحرمھا علیہ الا الوطی۔** (مصنف عبد الرزاق، باب ما یحرم الامۃ والحرۃ، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۱۰۸۸۸) اس اثر میں یہ ہے کہ وطی کرے گا تب ہی حرمت مصاہرت ثابت ہوگی، ورنہ نہیں۔

دواعی وطی ایک نظر میں

[۱] عورت مرد کو شہوت سے چھوئے	[۲] مرد عورت کو شہوت سے چھوئے	[۳] مرد عورت کے فرج داخل دیکھے
[۴] عورت مرد کے ذکر کو شہوت سے دیکھے	[۵] مرد عورت کو بوسہ دے دے	[۶] مرد عورت کی ران میں دخول کرے

ترجمہ : ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ چھونا اور دیکھنا وطی کی طرف بلانے والا ہے، اس لئے احتیاط کی جگہ میں چھونے کو وطی کی جگہ میں رکھ دیا گیا۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ شہوت سے چھونا، اور شہوت سے فرج کو دیکھنا وطی کی طرف بلانے والی چیز ہے اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ چھونے اور دیکھنے کو وطی کے درجے میں رکھ دیا جائے اور ان سے بھی حرمت مصاہرت ثابت کردی جائے۔ اس

۳؎ ثم ان المس بشھوۃ ان ینتشر الآلة او تزداد انتشاراً ھو الصحیح ۴؎ والمعتبر النظر الی الفرج الداخل ولا یتحقق ذٰلک الا عند اتکائھا ۵؎ ولو مس فانزل فقد قیل انه یوجب الحرمة والصحیح انه لا یوجبھا لانه بالانزال تبین انه غیر مفضٍ الی الوطی ٦؎ وعلی ھذا اتیان المرأة فی الدبر

بارے میں اصل تو وہ اثار ہیں جو پہلے گزرے۔

اصول : دواعی وطی کو وطی کے درجے میں رکھ دیا جائے گا، اور حرمت مصاہرت ثابت کی جائے گی۔

ترجمه : ۳؎ پھر شہوت سے چھونا یہ ہے کہ مرد کا آلہ منتشر ہو جائے، یا انتشار میں زیادتی ہو جائے، صحیح بات یہی ہے۔

تشریح : یہاں شہوت کی تعریف کر رہے ہیں کہ، دیکھنے کے بعد مرد کا آلہ تناسل منتشر ہو جائے تو سمجھو کہ شہوت سے دیکھا ہے، اور اگر پہلے سے منتشر تھا تو دیکھنے کے بعد اور بڑھ جائے تو سمجھو کہ شہوت سے دیکھا ہے، اور ایسا نہ ہو تو شہوت سے نہیں دیکھا ہے۔ صحیح یہی ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ منتشر ہونا ضروری نہیں، صرف دل عورت کی طرف مائل ہو جائے تو شہوت سے دیکھنا سمجھا جائے گا، لیکن یہ صحیح روایت نہیں ہے۔ ینتشر: منتشر ہو جائے، بڑھ جائے، پھیل جائے۔

ترجمه : ۴؎ اور معتبر فرج داخل کو دیکھنا ہے، اور یہ متحقق نہیں ہوگا مگر عورت کے ٹیک لگا کر بیٹھتے وقت۔

تشریح : فرج کے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ فرج داخل کو دیکھے تب حرمت ثابت ہوگی، مصنف فرماتے ہیں کہ فرج داخل دیکھنے کی صورت یہ ہے کہ عورت دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر برہنہ بیٹھی ہو تب فرج داخل دیکھا جائے گا، اور حرمت ثابت ہوگی۔ اس کے علاوہ کے طریقے پر بیٹھی ہو تو فرج داخل دیکھنا نہیں ہوگا، اس لئے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ اتکائھا: ٹیک لگا کر بیٹھنا۔

ترجمه : ۵؎ اگر چھویا اور انزال ہو گیا، تو بعض حضرات نے فرمایا کہ حرمت واجب ہوگی، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ حرمت واجب نہیں کرتی، اس لئے کہ انزال سے ظاہر ہو گیا کہ یہ وطی تک پہونچانے والا نہیں ہے۔

تشریح : عورت کو چھویا، یا اس کو دیکھا اور انزال ہو گیا تو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تو چھونے اور دیکھنے سے بھی زیادہ کی چیز ہے اسلئے اس سے حرمت ثابت ہونی چاہئے۔ لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انزال ہو گیا تو یہ واضح ہو گیا کہ اب وطی تک نہیں پہونچے گا، اور وطی تک پہونچنے کے سبب سے حرمت ثابت ہوتی ہے، اور یہاں وطی تک پہونچنے کا امکان ختم ہو گیا اس لئے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

ترجمه : ٦؎ اسی اختلاف پر عورت کو اس کے دبر میں آنے میں ہے۔

تشریح : عورت کے مقعد میں آلہ تناسل کو رگڑا اور انزال ہو گیا تو اس بارے میں بھی اختلاف ہے، صحیح روایت یہ ہے کہ اس سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ جب انزال ہو گیا تو اب شرمگاہ میں وطی کرنے کا امکان ختم ہو گیا، اور اس سے بچہ پیدا ہونے اور مرد کا عورت سے جزئیت ثابت ہونے کا امکان ختم ہو گیا اس لئے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ حرمت کی بنیاد جزئیت ثابت ہونا

(۱۵۱۰)واذا طلق امرأته طلاقا بائنا اورجعيا لم يجز له ان يتزوج باختها حتى تنقضي عدتها ﴿۱﴾وقال الشافعيؒ ان كانت العدة عن طلاق بائن او ثلث يجوز لانقطاع النكاح بالكلية اعمالاللقاطع ولهذا لو وطيها مع العلم بالحرمة يجب الحد

ہے۔

ترجمہ : (۱۵۱۰)اگر شوہر نے طلاق دی اپنی بیوی کو طلاق بائن، یا رجعی تو نہیں جائز ہے اس کے لئے کہ شادی کرے اس کی بہن سے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔

تشریح : شوہر نے بیوی کو طلاق بائن دی، چاہے ایک طلاق دی یا تین طلاق دی۔ ابھی عدت نہیں گزری ہے کہ شوہر اس کی بہن سے شادی کرنا چاہتا ہے تو فرماتے ہیں کہ شادی نہیں کرسکتا جب تک کہ اس بیوی کی عدت ختم نہ ہو جائے اور مکمل طور پر شوہر سے علیحدہ نہ ہو جائے۔ کیونکہ عدت کے اندر اس کی بہن سے نکاح کرے گا تو گویا کہ پہلی بہن نکاح میں موجود ہے اس لئے جمع بین الاختین لازم آئے گا۔

وجہ : (۱)جب تک عدت باقی ہے اس وقت تک بیوی شوہر سے عدت کا نفقہ لے گی اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گی۔ کیونکہ یہ شوہر کے لئے ہی عدت گزار رہی ہے، اور دو سال کے اندر اندر بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ شوہر کا شمار ہوگا، کیونکہ عورت شوہر کا فراش ہے تو گویا کہ یہ عورت عدت تک من وجہ بیوی ہے۔ اور جب یہ بیوی ہے تو اس کی بہن سے شادی نہیں کرسکتا ورنہ جمع بین الاختین لازم آئے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن علیؓ قال لا یتزوج خامسة حتی تنقضی عدة التی طلق. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۱۶ فی الرجل یکون تحتہ اربع نسوۃ فیطلق احداھن من کرہ ان یتزوج خامسۃ حتی تنقضی عدۃ التی طلق، ج ثالث، ص ۵۱۷، نمبر ۱۶۷۳۹) اس اثر میں ہے کہ عدت گزرنے تک پانچویں سے شادی نہ کرے کیونکہ گویا کہ وہ ابھی اس کی بیوی موجود ہے۔(۳)عن عمر ابن شعیب قال طلق رجل امرأة ثم تزوج اختها قال ابن عباس لمروان : فرق بينها وبينه حتى تنقضي عدة التي طلق (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۱۶ فی الرجل یکون تحتہ الولیدۃ فیطلقھا طلاقا بائنا فترجع الی سیدھا فیطأ ھا، ألزوجھا ان یراجعھا ؟ ج ثالث، ص ۵۱۶، نمبر ۱۶۷۳۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار بیویاں ہوں اور ایک کو طلاق بائن دی تو جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے پانچویں سے شادی نہیں کرسکتا۔ اور اسی طرح اس کی بہن سے بھی شادی نہیں کرسکتا۔

اصول : طلاق رجعی ہو یا بائن، یا مغلظہ عدت گزرنے تک کچھ نہ کچھ بیوی باقی رہتی ہے۔

اور طلاق رجعی دی ہو تو عدت گزرنے تک ہر اعتبار سے اس کی بیوی ہے اس لئے اس کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا۔

ترجمہ : ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر عدت طلاق بائن یا تین طلاق کی ہو تو نکاح جائز ہے بالکلیہ نکاح منقطع ہونے کی وجہ سے

۲ ولنا ان نکاح الاولی قائم لبقاء احکامه کالنفقة والمنع والفراش ۳ والقاطع تأخر عمله ولهذا بقی القید

قاطع طلاق کو عمل دیتے ہوئے، یہی وجہ ہے کہ حرمت کو جانتے ہوئے اس مطلقہ سے وطی کی تو حد لگے گی۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ طلاق بائن اور طلاق مغلظہ کی عدت گزار رہی ہو تو عدت کے اندر ہی اس کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے، اس سے جمع بین الاختین نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق بائنہ، یا تین طلاق واقع ہوئی تو عورت اسی وقت بالکل منقطع ہوگئی، کیونکہ عملا طلاق کا اثر ظاہر ہوگا، اور جب منقطع ہوگئی تو اس کی بہن سے شادی کرسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر شوہر جانتا ہو کہ اس وقت اس سے وطی کرنا حرام ہے پھر بھی وطی کرلیا تو حد زنا لازم ہو جائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ عورت شوہر سے بالکل منقطع ہو چکی ہے تب ہی تو حد لازم ہوئی اس لئے اس کی بہن سے شادی کرسکتا ہے۔

وجه : (۱) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ ان عروة بن زبیر والقاسم بن محمد کانا یقولان فی الرجل تکون عنده اربع نسوة فیطلق احداهن البتة انه یتزوج اذا شاء ولا ینتظر حتی تمضی عدتها. (سنن للبیہقی، باب الرجل یطلق اربع نسوة له طلاقا بائنا حل له ان ینکح مکانهن اربعا ج سابع، ص ۲۴۳، نمبر ۱۳۸۵۰ / مصنف ابن ابی شیبة ۱۱۸ من قال لا بأس ان یتزوج الخامسة قبل انقضاء عدة التی طلق ج ثالث، ص ۵۱۷، نمبر ۱۶۷۴۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طلاق بائن دی ہو تو اس کی عدت گزرنے سے پہلے پانچویں عورت سے شادی کرسکتا ہے۔ اور اس کی بہن سے بھی شادی کرسکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ گویا کہ بہت سے احکام میں بیوی نہیں رہی۔

ترجمه : ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ پہلا نکاح قائم ہے اس کے احکام کے باقی رہنے کی وجہ سے، جیسے نفقہ، روکنا، اور فراش۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ پہلا نکاح عدت ختم ہونے تک باقی ہے یہی وجہ ہے کہ بیوی ہونے کے تین احکام عدت تک باقی رہتے ہیں [۱] پہلا، عدت ختم ہونے تک شوہر پر نفقہ لازم ہوتا ہے، [۲] شوہر کو یہ حق ہے کہ بیوی کو گھر سے باہر جانے سے روکے، [۳] اس دوران بچہ پیدا ہو جائے تو یہ بچہ شوہر کا شمار کیا جائے گا، کیونکہ بیوی ابھی تک شوہر کا فراش ہے، یہ احکام اس بات پر دلیل ہیں کہ ابھی بیوی باقی ہے، اس لئے اس کی بہن سے نکاح کرے گا تو جمع بین الاختین لازم ہوگا اس لئے نکاح نہیں کرسکتا۔

ترجمه : ۳ اور نکاح کے کاٹنے کا عمل مؤخر ہوگا اسی لئے قید یعنی روکنا باقی رہا۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ طلاق بائن نکاح کو کاٹنے والا ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ طلاق بائن کے کاٹنے کا عمل ان احکام کی وجہ سے مؤخر کر دیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ قید باقی رہے گا، قید باقی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کو حق ہے کہ بیوی کو گھر سے باہر نہ جانے دے، اسی کو قید کہتے ہیں۔ اور جب کاٹنے کا عمل مؤخر ہو گیا تو ابھی بیوی باقی ہے۔

۴ والحد لایجب علی اشارة کتاب الطلاق وعلی عبارة کتاب الحدود یجب لان الملک قد زال فی حق الحل فیتحقق الزناء ۵ ولم یرتفع فی حق ماذکرنا فیصیر جامعاً (۱۵۱۱) ولا یتزوج المولی امته ولا المرأة عبدها ﴿ ۱ لان النکاح ماشرع الا مثمراً بثمرات مشترکة بین المتناکحین والمملوکیة تنافی المالکیة فیمتنع وقوع الثمرة علی الشرکة

ترجمه : ۴ کتاب الطلاق کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ حد واجب نہیں ہوگی، اور کتاب الحدود کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حد واجب ہوگی، اس لئے کہ حلال ہونے کے حق میں ملک زائل ہو چکی ہے، اس لئے زنا متحقق ہوگا۔

تشریح : یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے انہوں نے فرمایا تھا کہ حرمت کو جانتے ہوئے شوہر نے بائنہ عورت کی عدت میں وطی کر لی تو حد لگے گی، جس سے معلوم ہوا کہ بیوی بالکل ختم ہوگئی۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ شوہر کو حد لگے گی، کیونکہ ھدایہ کے کتاب الطلاق کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت مکمل الگ نہیں ہوئی ہے اس لئے محل میں شبہ پیدا ہو گیا اس لئے حد نہیں لگے گی، کتاب الطلاق کی عبارت یہ ہے۔ و المبتوتة یثبت نسب ولدھا اذا جائت به لاقل من سنتین .... و اذا جائت به لتمام سنتین من وقت الفرقة لم یثبت الا ان یدعیه (ھدیہ کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، ۴۳۰) اس عبارت میں ہے کہ بائنہ عورت دو سال تک بھی بچہ دے تو وہ شوہر کا شمار ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ دو سال تک شوہر کی بیوی مانی جاتی ہے، اس لئے اس دوران شوہر وطی کر لے تو حد نہیں لگنی چاہئے، کیونکہ بیوی ہونے کا شبہ باقی ہے۔۔ اور کتاب الحدود سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت مکمل الگ ہو چکی ہے اس لئے حد لگے گی، اس کی عبارت یہ ہے، و من طلق امرأته ثلاثا ثم وطیھا فی العدة و قال علمت انھا علیّ حرام حد . لزوال الملک المحلل من کل وجه۔ (ھدایہ کتاب الحدود، باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ، ص ۵۱۳) اس عبارت میں ہے کہ بائنہ عورت کی عدت میں وطی کی تو حد لگے گی، کیونکہ حلال کرنے والی ملک مکمل ختم ہوگئی۔۔ اب دو عبارتوں سے دو قسم کا حکم آیا، اس لئے حد کے بارے میں احتیاط اس میں ہے کہ حد لگ جائے، اور جمع بین الاختین کے بارے میں احتیاط اس میں ہے کہ عورت کو شوہر کی بیوی باقی رکھا جائے اور یہ کہا جائے کہ نکاح کرنا حرام ہے۔

ترجمه : ۵ اور جو ہم نے ذکر کیا اس کے حق میں ملک مرتفع نہیں ہوئی اس لئے جمع بین الاختین کرنے والا ہوا۔

تشریح : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جمع بین الاختین کے بارے میں ہم اس حکم کو لیں گے جس سے بیوی ہونا مرتفع نہ ہو، یعنی کتاب الطلاق کی عبارت کو لیں گے تاکہ وہ بیوی باقی رہے اور عدت میں اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہ ہو۔

ترجمه : (۱۵۱۱) نہ نکاح کرے مولی اپنی باندی سے، اور نہ عورت اپنے غلام سے۔

ترجمه : ۱ اس لئے کہ نکاح کچھ ثمرات حاصل کرنے کے لئے حاصل ہوا ہے جو دونوں نکاح کرنے والے کے درمیان

(۱۵۱۲)ویجوز تزوج الکتابیات ﴿۱﴾ لقوله تعالی والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب ای العفائف

مشترک ہے،اور مملوک ہونا مالک ہونے کے منافی ہے تو شرکت کے طور پر ثمرے کا واقع ہونا ممتنع ہوگا۔

تشریح : میاں بیوی کا حق قریب قریب ہوتے ہیں، مثلا بیوی شوہر سے نفقہ اور مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے، جبکہ باندی نہیں کرسکتی، اسی طرح شوہر بیوی پر قاہر اور حاکم ہوتا ہے، اب مولی اپنی باندی سے نکاح کرلے تو وہ بیوی کی طرح مہر اور نفقہ کا مطالبہ کرے گی جو آقا ہونے کے خلاف ہے اسلئے مولی اپنی باندی سے نکاح نہیں کرسکتا، اور عورت اپنے غلام سے نکاح کرلے پہلے عورت [سیدہ] حاکم تھی اب غلام شوہر ہونے کی وجہ سے سیدہ پر حاکم بن جائے گا جو الٹی بات ہے اس لئے سیدہ اپنے غلام سے نکاح نہ کرے۔

وجه (۱) غلام مملوک ہے اس لئے اس کا حق بہت کم ہے۔ اگر اس کو شوہر بنائے گی تو ایک اندازے میں مالک اور قوام بنانا پڑے گا جو مملوکیت کے خلاف ہے۔ اس لئے سیدہ اپنے غلام سے نکاح نہیں کرسکتی (۲) اثر میں ہے ان عمر بن الخطاب اتی بامرأة قد تزوجت عبدها فعاقبها وفرق بینها و بین عبدها وحرم علیها الازواج عقوبة لها. (سنن للبیھقی، باب النکاح وملک الیمین لا یجتمعان ج سابع ،ص ۲۰۶، نمبر ۱۳۷۳۶) اس اثر میں ہے کہ سیدہ اور غلام کی شادی جائز نہیں ہے۔

لغت: مثمر ،ثمرات: اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بیوی اور شوہر کے درمیان بہت سے ثمرات ہوتے ہیں یعنی بیت سے احکام ہوتے ہیں جو غلام اور سیدہ، یا باندی اور آقا کے درمیان نہیں ہوتے، پس اگر مولی اپنی باندی سے شادی کرلے تو معاملہ الٹ جائے گا اس لئے اپنی باندی، یا اپنے غلام سے نکاح کرنا جائز قرار نہیں دیا گیا۔

ترجمه : (۱۵۱۲) اور جائز ہے کتابیہ سے نکاح کرنا۔

ترجمه : ۱ ﷲ تعالی کے قول والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب، یعنی پاک دامن کے وجہ سے

تشریح: کتابیہ سے مراد یہودیہ اور نصرانیہ عورتیں ہیں۔ ان لوگوں سے شادی کرنا جائز ہے بشرطیکہ واقعی اہل کتاب ہو، دہریہ نہ ہو۔ لیکن پھر بھی اچھا نہیں ہے۔

وجه :(۱) جواز کی دلیل آیت ہے۔ والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذا اتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان (آیت ۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں اہل کتاب عورت سے نکاح حلال قرار دیا گیا ہے۔ (۲) لیکن اچھا اس لئے نہیں ہے کہ گھر میں یہودیہ یا نصرانیہ عورت ہو تو پورا معاشرہ یہودی اور نصرانی بن جائے گا۔ جس کی نشاندہی حضرت عمرؓ نے کی تھی۔ سمعت ابا وائل یقول تزوج حذیفة یھودیة فکتب الیه عمر ان یفارقھا فقال انی اخشی ان تدعوا المسلمات وتنکحوا المومسات (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی تحریم حرائر اہل الشرک دون اہل الکتاب وتحریم المؤمنات علی الکفار، ج سابع ،ص ۲۸۰، نمبر ۱۳۹۸۴ ر مصنف ابن ابی شیبة ۳۸ من کان

یکرہ النکاح فی اہل الکتاب ج ثالث ،ص۴۶۲ ،نمبر۱۶۱۵۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب عورتوں سے شادی نہیں کرنی چاہئے ۔(۳) **ان حذیفة نکح یھودیة فی زمن عمر فقال عمر : طلقھا فانھا جمرة ، قال أحرام ھی ؟ قال :لا ،فلم یطلقھا حذیفة لقولہ ، حتی اذا کان بعد ذالک طلقھا** ۔(مصنف عبدالرزاق، باب نکاح نساء اہل الکتاب، ج سادس،ص ۶۳ ،نمبر۱۰۰۹۱)اس اثر میں بھی ہے کہ کتابیہ سے نکاح نہ کرے ۔(۴) کتابیہ عورت سے شادی کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ مسلمان کے ساتھ رہکر مسلمان ہو جائے ،اوراس وقت یہ ہو رہا ہے کہ کتابیہ کے ساتھ رہکر خود مسلمان اپنا مذہب تبدیل کر دیتا ہے اس لئے اس دور میں کتابیہ سے نکاح کرنا اچھا نہیں ہے ۔(۵) کچھ حضرات کی رائے ہے کہ کتابیہ سے اس وقت نکاح جائز ہے جبکہ وہ مسلمان کی حکومت میں ذمی بن کر مقیم ہو،اوراگر ذمی بن کر مقیم نہ ہو بلکہ وہ حاکم بنا ہوا ہوتو اس سے نکاح جائز نہیں ہے،اوراس کی حکمت یہ ہے کہ ذمی بن کر مقیم ہوتو امید کی جاسکتی ہے کہ وہ مسلمان بن جائے گی ،اور حاکم بنکر رہ رہی ہوتو قوی امید یہ ہے کہ مسلمان نصرانی، یا یہودی بن جائے گا اس لئے اب نکاح جائز نہیں ہوگا۔اثر یہ ہے۔**عن قتادة قال : لا تنکح المرأة من اھل الکتاب الا فی عھد** . (مصنف عبدالرزاق، باب لا تنکح مرأة من اھل الکتاب الا فی عھد، ج سادس،ص ۶۸ ،نمبر۱۰۱۲۰)اس اثر میں ہے کہ عہد میں ہو یعنی ذمی ہوتو نکاح جائز ہے ورنہ نہیں ۔

اور عرب کے نصاری کو بعض صحابہ نصاری بھی نہیں سمجھتے تھے تو یورپ کے نصاری نصاری کیسے ہوئے ۔جبکہ ان میں خالص آوارہ گردی ہے۔اوران سے شادی کرنا کیسے جائز ہوگا ؟۔**قال عطاء لیس نصاری العرب باھل الکتاب انما اھل الکتاب بنو اسرائیل والذین جائتھم التوراة والانجیل فاما من دخل فیھم من الناس فلیسوا منھم قال الشیخؒ وقدروینا عن عمر و علی فی نصاری العرب بمعنی ھذا وانہ لا توکل ذبائحھم**. (سنن للبیھقی ،باب ماجاء فی تحریم حرائر اھل الشرک دون اھل الکتاب، ج سابع ،ص ۲۸۱ ،نمبر۱۳۹۸۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے خاندان کے علاوہ جو یہودی یا نصرانی ہیں وہ یہودی اور نصرانی کی حیثیت میں نہیں ہیں جن سے شادی کی جائے ۔

نوٹ: لیکن کوئی مسلمان عورت کسی نصرانی مرد یا یہودی مرد سے نکاح کرے تو جائز نہیں ہے ۔

وجه: (۱) آیت میں ہے .**فان علمتمو ھن مؤمنات فلا ترجعوھن الی الکفار لا ھن حل لھم و لا ھم یحلون لھن** ۔(آیت ۱۰،سورة الممتحنة ۶۰)اس آیت میں ہے کہ مومن عورت کافر کے لئے حلال نہیں ہے،اور یہودی اور نصرانی مرد کافر کے درجے میں ہے اسلئے مومن عورت کتابی مرد کے لئے حلال نہیں ہے ۔(۲) اس آیت میں بھی اس کا شارہ ہے ۔**والمحصنات من الذین اوتو الکتاب من قبلکم** . کہا ہے ۔جس کا مطلب یہ ہے کہ کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے ۔اس لئے مسلمان عورت کتابی مرد سے نکاح کرے تو جائز نہیں ہوگا (۳) **قال کتب الیہ عمر بن الخطاب ان المسلم ینکح النصرانیة و لا ینکح النصارنی المسلمة** (نمبر۱۳۹۸۵)اوراسی باب میں ہے۔ **سمع جابر بن عبد اللہ ... ونساء ھم لنا حل**

۲؎ ولافرق بين الكتابية الحرة والامة على مانبين ان شاء الله (۱۵۱۳) ولايجوز تزوج المجوسيات ﴿ ۱؎ لقوله عليه السلام سنوا بهم سنة اهل الكتاب غير ناكحى نسائهم ولا آكلى ذبائحهم

ونساء نا عليهم حرام . (سنن للبیہقی ، باب ما جاء فی تحریم حرائر اہل الشرک دون اہل الکتاب وتحریم المؤمنات علی الکفار، ج سابع ،ص ۲۸۰، نمبر ۱۳۹۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسلمہ عورت اہل کتاب مرد سے شادی نہیں کر سکتی ۔(۴) بیوی شوہر کا محکوم ہو تی ہے، پس اگر کتابی مرد سے شادی کرنا جائز قرار دے دیا جائے عورت محکوم ہونے کی وجہ سے کہیں کتابی نہ بن جائے ، بلکہ اس کا زیادہ خطرہ ہے اس لئے ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے مومن عورت کا نکاح کتابی مرد سے ناجائز قرار دیا۔

لغت: العفائف: اس جملے سے آیت میں جو المحصانات کا لفظ ہے اس کی تشریح کی ہے کہ اس سے مراد پاک دامن عورت ہے، اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ عموما مرد یہودیہ اور نصرانیہ عورت سے معاشقہ میں مبتلاء ہوتے ہیں اور حرام کاری کے بعد شادی کرتے ہیں، اس لئے آیت میں اشارہ کیا کہ یہ نکاح معاشقہ اور حرام کاری کو نبھانا نہ ہو بلکہ پاکدامنی حاصل کرنے کے لئے ہو،

ترجمه : ۲؎ آزاد کتابیہ اور باندی کتابیہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، ان شاء اللہ اس کو ہم عنقریب بیان کریں گے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے یہاں جس طرح آزاد کتابیہ سے نکاح جائز ہے اسی طرح کتابیہ باندی سے بھی جائز ہے، اور امام شافعیؒ کے یہاں صرف آزاد کتابیہ سے نکاح سے جائز ہے باندی کتابیہ سے جائز نہیں، تفصیل مسئلہ نمبر ۱۵۱۷ میں آرہی ہے۔

وجه : (۱) امام ابوحنیفہؒ کے یہاں کتابیہ باندی سے نکاح جائز ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابی میسرة قال اماء أهل الكتاب بمنزلة حرائرهم ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب فی نکاح اماء اھل الکتاب، ج ثالث، ص ۴۶۴، نمبر ۱۶۱۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کتابیہ باندی کتابیہ آزاد کی طرح ہے یعنی اس سے آزاد مسلمان شادی کرسکتا ہے۔

ترجمه : (۱۵۱۳) اور نہیں جائز ہے نکاح آتش پرست عورتوں سے۔

ترجمه : ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ انکے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کرو مگر انکی عورتوں سے نکاح نہ کرو اور انکا ذبیحہ مت کھاؤ۔

تشريح: مجوسی لوگ آگ کی پوجا کرتے ہیں اس لئے یہ بت پرست اور کافر ہوئے۔ اس لئے ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

وجه :(۱) حدیث مرسل میں مجوسی سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے، صاحب ہدایہ کی حدیث دو حدیثوں کا مجموعہ ہے، ان میں ایک حدیث یہ ہے۔ عن الحسن بن محمد بن علي قال كتب رسول الله الى مجوس هجر يدعوهم الى

(۱۵۱۴)قال ولا الوثنیات﴾ لقوله تعالی ولاتنکحوا المشرکات حتی یؤمن (۱۵۱۵)ویجوز تزوج الصابیات ان کانوا یؤمنون بدین ویقرؤن بکتاب [لانهم من اهل الکتاب] وان کانوا یعبدون الکواکب ولا کتاب لهم لم تجز مناکحتهم ﴾ ۱ لانهم مشرکون

الاسلام فمن اسلم قبل منه الحق ومن ابی کتب علیه الجزیة ولا توکل لهم ذبیحة ولا تنکح منهم امرأة (مصنف عبدالرزاق، اخذ الجزیة من المجوس، کتاب اهل الکتاب، ج سادس، ص ۵۶، نمبر ۱۰۰۶۲ رمصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی المجوس تکون علیھم جزیۃ کتاب السیر، ج سادس، ص ۴۳۲، نمبر ۳۲۶۳۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجوسیہ عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔(۲) قال عبد الرحمن بن عوف أشهد لسمعت رسول الله ﷺ یقول سنوا بهم سنة أهل الکتاب . (مصنف عبدالرزاق، اخذ الجزیۃ من المجوس، ج سادس، ص ۵۶، نمبر ۱۰۰۵۹ رمصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی المجوس تکون علیھم جزیۃ کتاب السیر، ج سادس، ص ۴۳۲، نمبر ۳۲۶۴۰) صاحب ھدایہ کی حدیث اوپر کی حدیث اور اس حدیث کا مجموعہ ہے۔

ترجمہ : (۱۵۱۴) اور نہیں جائز ہے بت پرست سے نکاح کرنا۔

ترجمہ : ۱ اللہ تعالی کا قول۔ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن (آیت ۲۲۱ سورۃ البقرۃ ۲) کی وجہ سے۔

وجہ : (۱)اور بت پرست اور کافر سے نکاح کرنا حرام ہے اس کے لئے یہ آیت موجود ہے۔ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ولامة مؤمنة خیر من مشرکة ولو اعجبتکم ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم اولئک یدعون الی النار والله یدعوا الی الجنة والمغفرة باذنه. (آیت ۲۲۱ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں مشرک مرد اور مشرک عورتوں سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے۔اور یہ بھی حکمت بیان کی ہے وہ جہنم کی طرف بلانے والے ہیں۔اس لئے مشرکہ عورت اور بت برست عورت یا مرد سے نکاح کرنا حرام ہوگا۔

نوٹ: اسی میں یہ بھی دیکھا جائے گا کہ نصرانیہ اور یہودیہ عورت جہنم کی طرف بلانے والی ہو تو ان سے بھی نکاح کرنا اچھا نہیں ہوگا۔

ترجمہ : (۱۵۱۵)اور جائز ہے صابیہ عورتوں سے نکاح کرنا اگر وہ ایمان رکھتی ہوں کسی دین پر نبی پر اور پڑھتی ہوں کتاب [اس لئے کہ وہ اہل کتاب ہے،]اور اگر عبادت کرتی ہوں ستاروں کی اور ان کے پاس کتاب نہ ہو تو ان سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ یہ مشرک ہیں۔

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اہل کتاب کی طرح کسی قوم کے پاس کوئی بھی آسمانی کتاب ہو اور کسی نبی پر ایمان رکھتی ہو

۲ والخلاف المنقول فيه محمول على اشتباه مذهبهم فكل اجاب على ماوقع عنده وعلى هذا حال

تب تو وہ اہل کتاب کے درجے میں ہیں۔اوران کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔اوراگران کے پاس کتاب نہ ہواور نہ کسی نبی پر ایمان رکھتی ہوں تو وہ بت پرست ہیں ان سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا، چنانچہ آیت سے یہ بھی تأثر ہوتا ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں اور بھی تأثر ہوتا ہے کہ وہ مشرک ہیں، اوراثر سے بھی اسی طرح کی خبر ملتی ہے اس لئے انکے بارے میں جائز اور ناجائز دونوں کی رائیں ہیں۔

وجه : (۱) ان الذين آمنوا و الذين هادوا و الصابئون و النصارى من آمن بالله و اليوم الآخر و عمل صالحا فلا خوف عليهم و لا هم يحزنون ۔(آیت ۶۹، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ صابی اہل کتاب کے درجے میں ہیں اس لئے اس سے نکاح جائز ہوا (۲) ایک خبر یہ تھی کہ وہ اہل کتاب ہے اس لئے انکے ذبیحہ کو حلال قرار دیا، اثر یہ ہے۔ كتب عامل لعمر بن الخطاب أن ناسا من قبلنا يدعون السامرة يسبتو ن يوم السبت و يقرؤن التوراة و لا يؤمنون بيوم البعث فما ترى يا امير المؤمنين فى ذبائحهم ؟ قال كتب هم طائفة من اهل الكتاب ذبائحهم ذبائح أهل الكتاب . (سنن للبیہقی، باب من دان دینہ الیھو دوالنصاری من الصابئین والسامرۃ، ج سابع ص ۲۸۱، نمبر ۱۳۹۸۹) اس اثر میں ہے کہ وہ اہل کتاب ہے اس لئے انکا ذبیحہ حلال ہے اس لئے انکی عورتوں سے نکاح بھی حلال ہو گا (۳) اس آیت کا تأثر یہ ہے کہ وہ مشرک ہیں۔ان الذين آمنو و الذين هادوا و الصابئين و النصارى و المجوس و الذين اشركوا ان الله يفصل بينهم يوم القيامة ۔(آیت ۱۷، سورۃ الحج ۲۲) اس آیت کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ صابی مشرک ہیں، اورالگ سے انکے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہے اسلئے اس کی عورتوں سے نکاح ناجائز ہوا۔(۴) دوسرے اثر سے معلوم ہوا کہ وہ فرشتوں کی پوجا کرتے ہیں اس لئے وہ مشرک ہوئے اسلئے اس کی عورت سے نکاح جائز نہیں ہوگا اثر یہ ہے۔انبأنا الحسن بنى زيد ان الصابئين يصلون الى القبلة ويعطون الخمس قال فاراد ان يضع عنهم الجزية قال فاخبر بعد انهم يعبدون الملائكة۔(سنن للبیہقی، باب من دان دینہ الیھو دوالنصاری من الصابئین والسامرۃ، ج سابع ص ۲۸۱، نمبر ۱۳۹۹۰) اس اثر میں پہلے خبر دی گئی کہ صابی قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور خمس دیتے ہیں تو فرمایا کہ وہ اہل کتاب کی طرح ہیں۔اس لئے ان سے جزیہ ہٹا دیا جائے۔بعد میں پتہ چلا کہ وہ فرشتوں کی پوجا کرتے ہیں تو ان سے جزیہ نہیں ہٹایا۔کیونکہ وہ اہل کتاب کی طرح نہیں رہے۔اوراس بنیاد پر ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

لغت : صابیات: صبأ سے مشتق ہے، مذہب تبدیل کرنا، چونکہ اس قوم نے اپنا مذہب تبدیل کرلیا اوراصل نبی کے مذہب پر نہیں رہے اس لئے اس کو صابی کہتے ہیں۔

ترجمه : ۲ اوراختلاف جو منقول ہے اس میں اس کے مذہب کے اشتباہ پر محمول ہے، اس لئے ہر ایک نے وہ جواب دیا جوانکے

ذبیحتھم (۱۵۱۶) قال ویجوز للمحرم و المحرمة ان یتزوجا فی حالة الاحرام ﴾ ۱؎ وقال الشافعیؒ لایجوز وتزویج الولی المحرم ولیته علی ھذا الخلاف له قوله علیه السلام لاینکح المحرم ولاینکح

سامنے ثابت ہوا، اور یہی حال اسکے ذبیحے کا ہے۔

تشریح : صابی کے بارے میں دونوں قسم کی رائے اس لئے ہے کہ ان کا مذہب مشتبہ ہے اس لئے جن کے یہاں جو تحقیق ہوئی اس کے مطابق فتوی دیا۔ اور جو حال نکاح کرنے کا ہوگا وہی حال اس کے ذبیحے کا ہوگا۔

ترجمہ : (۱۵۱۶) اور جائز ہے محرم مرد اور محرمہ عورت کے لئے کہ دونوں شادی کریں احرام کی حالت میں۔

تشریح: احرام کی حالت میں محرم مرد اور محرم عورت اپنا شادی کریں، یا کسی کا نکاح کرائے دونوں جائز ہیں۔

وجه : (۱) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے حضرت میمونہؓ سے احرام کی حالت میں شادی کی تھی۔ انبأنا ابن عباس تزوج النبی وھو محرم۔ (بخاری شریف، باب نکاح المحرم ص ۷۶۶ نمبر ۵۱۱۴ رمسلم شریف، باب تحریم نکاح المحرم وکراھیة خطبة ص ۴۵۳ نمبر ۱۴۱۰/۳۴۵۱ رترمذی شریف، نمبر ۸۴۲ رابوداؤد شریف، نمبر ۱۸۴۴) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے احرام کی حالت میں حضرت میمونہؓ سے شادی کی ہے۔

ترجمہ : ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ محرم کا نکاح جائز نہیں ہے، اور اسی اختلاف پر ہے کہ محرم ولی اپنے مولیہ کا نکاح کرائے۔ انکی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ محرم نہ نکاح کرے اور نہ غیر کا نکاح کرائے۔

تشریح : امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ محرم احرام کی حالت میں نہ خود اپنا نکاح کرے اور نہ دوسرے کا نکاح کرائے، موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ : لا یلی محرم عقدة النکاح لنفسه و لا لغیره ، فان تزوج المحرم فی احرامه و کان ھو الخاطب لنفسه أو خطب علیه حلال بأمره فسواء لانه ھو الناکح ، و نکاحه مفسوخ . (موسوعة امام شافعی، باب نکاح المحرم، ج عاشر، ص ۲۶۶، نمبر ۱۶۳۴۳) اس میں محرم کا نکاح فسخ ہے۔ جو اختلاف خود نکاح کرنے میں ہے وہی اختلاف اس بارے میں ہے کہ جس کا یہ ولی ہے اس کا نکاح احرام کی حالت میں کرانے میں ہے۔

وجه: (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کی ہے۔ سمعت عثمان بن عفان یقول قال رسول الله لا ینکح المحرم ولا ینکح ولا یخطب. (مسلم شریف، باب تحریم نکاح المحرم وکراھیة خطبة، ص ۴۵۳، نمبر ۱۴۰۹/۳۴۴۶ رابوداؤد شریف، باب المحرم یتزوج، ص ۲۶۲، نمبر ۱۸۴۱) اس حدیث میں ہے کہ محرم شادی نہ کرے۔ (۲) اور حضرت میمونہؓ سے شادی کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس وقت آپؐ حلال تھے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ عن یزید بن الاصم حدثتنی میمونة بنت الحارث ان رسول الله تزوجھا وھو حلال. (مسلم شریف، باب

۲؎ ولنا ماروی انه علیه السلام تزوج بمیمونةؓ وهو محرم ۳؎ ومارواه محمول علی الوطی

(۱۵۱۷)ویجوز تزوج الامة مسلمة كانت او كتابية ﴾

تحریم نکاح المحرم وکراہیۃ خطبتہ ص۴۵۳ نمبر۱۴۱۱/۳۴۵۳/ابوداؤد شریف، باب المحرم یتزوج ص۲۶۲ نمبر۱۸۴۳/ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ تزویج المحرم ص۱۷۱ نمبر۸۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ حضرت میمونہؓ سے شادی کرتے وقت حلال تھے۔

نوٹ احرام کی حالت میں نکاح مکروہ ہے۔ یہ دونوں حدیثوں کے مجموعے سے پتہ چلتا ہے۔

ترجمہ : ۲؎ ہماری دلیل وہ روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت میمونہؓ سے شادی کی اس حال میں کہ وہ محرم تھے۔

تشریح : صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے. ان ابن عباس اخبره أن النبی ﷺ تزوج میمونة و هو محرم (مسلم شریف، باب تحریم نکاح المحرم وکراھیۃ خطبتہ ص۴۵۳ نمبر۱۴۱۰/۳۴۵۱) اس حدیث میں ہے کہ احرام کی حالت میں حضرت میمونہؓ سے شادی کی۔

ترجمہ : ۳؎ اور جو روایت کی ہے وہ وطی پر محمول ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ نے جو روایت بیان کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ احرام کی حالت میں نکاح نہ کرے یعنی وطی نہ کرے۔ اور یہ تو سب کے نزدیک ہے کہ احرام کی حالت میں وطی نہ کرے ورنہ احرام فاسد ہو جائے گا۔

ترجمہ : (۱۵۱۷) نکاح جائز ہے چاہے مسلمان باندی ہو یا کتابیہ باندی ہو۔

تشریح : حنفیہ کے یہاں آزاد مومنہ پر قدرت کے باوجود مسلمہ باندی سے بھی نکاح جائز ہے اور کتابیہ باندی سے بھی نکاح جائز ہے، البتہ کتابیہ آزاد سے بھی نکاح اچھا نہیں ہے تو کتابیہ باندی سے کیسے اچھا ہوگا!۔

وجہ:۔(۱) اس آیت میں ہے۔ و المحصنات من النساء الا ما ملكت ایمانكم كتاب الله علیكم و احل لكم ما وراء ذالكم ان تبتغوا باموالكم محصنین غیر مسافحین (آیت ۲۴، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ پچھلی چودہ عورتیں حرام ہیں باقی سب جائز ہیں، جسکا مطلب یہ نکلا کہ کتابیہ باندی سے بھی نکاح کرنا حلال ہے۔(۲) اس آیت میں اس کا ثبوت ہے. فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنی و ثلث و ربع (آیت ۳، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ محرمات کے علاوہ جو عورت اچھی لگے ان میں سے چار تک نکاح کرلو، جس سے معلوم ہوا کہ کتابیہ باندی سے نکاح کرنا آیت میں ممنوع نہیں ہے۔ (۳) اس اثر میں ہے کہ کتابیہ باندی کتابیہ آزاد کی طرح ہے، اور کتابیہ آزاد سے نکاح ہر حال میں جائز ہے، اس لئے آزاد مومنہ پر طاقت کے باوجود کتابیہ سے نکاح جائز ہوگا، اثر یہ ہے۔ عن ابی میسرة قال اماء أهل الكتاب بمنزلة

ا وقال الشافعیؒ لایجوز للحران یتزوج بامة کتابیة لان جواز نکاح الاماء ضروری عنده

حرائرهم ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی نکاح اماء اهل الکتاب، ج ثالث، ص۴۶۴، نمبر ۱۶۱۷۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ کتابیہ باندی کتابیہ آزاد کی طرح ہے، اور مومنہ آزاد سے نکاح کرنے کی قدرت ہو تب بھی کتابیہ آزاد سے نکاح جائز ہے، اس لئے مومنہ آزاد پر قدرت کے باوجود کتابیہ باندی سے نکاح جائز ہوگا۔

ترجمہ : ا امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آزاد مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ کتابیہ باندی سے نکاح کرے، اسلئے کہ باندی سے نکاح کا جواز انکے نزدیک مجبوری کے درجے میں ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کے یہاں آزاد مسلمان کے لئے کتابیہ باندی سے کسی حال میں نکاح کرنا جائز نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آیت میں یہ ہے کہ آزاد مومنہ سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو مثلا مہر وغیرہ نہ ہو تب جا کر مومنہ باندی سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، جس سے معلوم ہوا کہ باندی سے نکاح کرنے کی گنجائش مجبوری کے درجے میں ہے، اور یہ ضرورت مومنہ باندی سے پوری ہوگئی اس لئے کتابیہ باندی سے شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے ۔علی تحریم نکاح اماء أهل الکتاب (موسوعۃ امام شافعیؒ، باب نکاح نساء اهل الکتاب وتحریم امائهم، ج عاشر، ص۱۹، نمبر ۱۵۲۳۵)اس عبارت میں ہے کہ کتابیہ باندی مسلمان کے لئے حرام ہے۔

وجه : (۱) آیت یہ ہے۔ و من لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤممنات فمن ما ملکت أیمانکم من فتیاتکم المؤمنات ۔(آیت ۲۵، سورۃ النساء۴)اس آیت میں قید ہے کہ آزاد مومنہ سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تب مومنہ باندی سے نکاح کر سکتے ہو، بلکہ آگے یہ بھی ہے کہ زنا کا خطرہ ہو تب باندی سے نکاح کر سکتے ہو، اس کا مفہوم یہ نکلا کہ آزاد مومنہ سے نکاح کرنے کی طاقت ہو تو مومنہ باندی سے بھی نکاح نہیں کر سکتے۔ بلکہ اسی آیت میں ہے کہ مومنہ باندی سے بھی نکاح نہ کرو اور صبر کرو تو زیادہ بہتر ہے۔ آیت یہ۔ ذالک لمن خشی العنت منکم وان تصبروا خیر لکم و اللہ غفور رحیم (آیت ۲۵، سورۃ النساء۴) اور مومنہ باندی سے نکاح کی ضرورت پوری ہوگئی اس لئے کتابیہ باندی سے کسی حال میں نکاح درست نہیں ہوگا۔ (۲) اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔عن ابن عباسؓ فی قوله تعالی﴿ و من لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤممنات فمن ما ملکت أیمانکم من فتیاتکم المؤمنات ﴾یقول من لم یکن له سعة أن ینکح الحرائر فلینکح من اماء المسلمین و﴿ ذالک لمن خشی العنت ﴾و هو الفجور ، فلیس لاحد من الاحرار أن ینکح أمة الا أن لا یقدر علی حرة و هو یخشی العنت ﴿وان تصبروا﴾عن نکاح الاما﴿ء فهو خیر لکم ﴾ (آیت ۲۵، سورۃ النساء۴)۔(سنن بیہقی، باب ما جاء فی نکاح الاماء

۲ لما فيه من تعريض الجزء على الرق وقد اندفعت الضرورة بالمسلمة ولهذا جعل طول الحرة مانعا منه ۳ وعندنا الجواز مطلق لاطلاق المقتضى

المسلمین، ج سابع، ص ۲۸۲، نمبر ۱۳۹۹۱) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مومنہ باندی سے نکاح آزاد پر طاقت نہ رکھنے کی صورت میں ہے۔ (۳) اس اثر میں بھی ہے۔ **عن مجاهد. و من لم يستطع منكم طولا أن ينكح المحصنات المؤمنات فمن ما ملكت أيمانكم من فتياتكم المؤمنات** (آیت ۲۵، سورۃ النساء ۴) **قال لا ينبغي للحر المسلم أن ينكح أمة من أهل الكتاب** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی نکاح اماء اهل الکتاب، ج ثالث، ص ۴۶۴، نمبر ۱۶۱۷۸ / سنن بیہقی، باب لا یحل نکاح امۃ کتابیۃ لمسلم بحال، ج سابع، ص ۲۸۷، نمبر ۱۴۰۱۲) اس اثر میں ہے کہ پاکدامن آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو تو مسلمان باندی سے شادی کرے، اور کتابیہ باندی سے تو نکاح کرے ہی نہیں۔

ترجمه : ۲ اس لئے کہ اس میں اپنے جز کو غلامیت پر پیش کرنا ہے، اور ضرورت مسلمان باندی سے پوری ہوگئی [اس لئے کتابیہ باندی سے نکاح جائز نہیں ہے] اسی لئے آزاد سے طاقت رکھنا باندی سے نکاح کے مانع ہے۔

تشریح: ۔امام شافعیؒ کی یہ دلیل عقلی ہے، کہ باندی سے نکاح کرے گا تو اس کی اولاد غلام اور باندی بنے گی اور آقا کی مملوک ہوگی، اس لئے باندی سے نکاح کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے جز کو رقیت اور غلام بننے پر پیش کر رہا ہے جو اچھا نہیں ہے، اور یہ ضرورت مسلمان باندی سے پوری ہوگئی اس لئے کتابیہ باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ مومنہ باندی سے بھی اس وقت نکاح کی اجازت ہوئی جبکہ آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

وجه : اس اثر میں ہے کہ آزاد کی طاقت رکھتا ہو تو مومنہ باندی سے بھی نکاح نہ کرے۔ **عن جابر بن عبد اللهؓ انه قال....، و من وجد صداق حرة فلا ينكحن امة ابدا** ۔ (سنن بیہقی، باب لا تنکح امۃ علی حرۃ و تنکح الحرۃ علی الامۃ، ج سابع، ص ۲۸۵، نمبر ۱۴۰۰۴) اس اثر میں ہے کہ آزاد عورت سے نکاح کی طاقت ہو تو باندی سے کبھی بھی شادی نہ کرے۔

ترجمه : ۳ ہمارے نزدیک نکاح کا جواز مطلق ہے آیت کے مقتضی کے مطلق ہونے کی وجہ سے۔

تشريح : ہمارے نزدیک کتابیہ باندی سے شادی کرنا مطلق ہے، یعنی آزاد مومنہ سے نکاح کی طاقت رکھتا ہو تب بھی جائز ہے اور طاقت نہ رکھتا ہو تب بھی جائز ہے کیونکہ آیت کا مقتضی مطلق ہے، یعنی دوسری آیت سے پتہ چلتا ہے کہ کتابیہ سے نکاح کرنے کے لئے آزاد پر طاقت نہ رکھنا ضروری نہیں ہے اس لئے ہر حال میں کتابیہ سے نکاح کر سکتا ہے، آیت یہ گزر چکی ہے۔ **و احل لكم ما وراء ذالكم ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين** (آیت ۲۴، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ پچھلی چودہ عورتیں حرام ہیں باقی سب جائز ہیں، جسکا مطلب یہ نکلا کہ کتابیہ باندی سے بھی نکاح کرنا حلال ہے۔ (۲) اس آیت میں اس کا

۴؎ وفيه امتناع عن تحصيل الجزء الحر لا ارقاقه وله ان لايحصل الاصل فيكون له ان لايحصل الوصف (۱۵۱۸) ولايتزوج امة على حرة ﴿۱﴾ لقوله عليه السلام لاتنكح الامة على الحرة

ثبوت ہے. فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنٰى و ثلٰث و ربٰع (آیت ۳، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ محرمات کے علاوہ جو عورت ہے اس سے نکاح جائز ہے، جسکا مطلب یہ ہے کہ بغیر کسی قید کے کتابیہ باندی سے نکاح جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ نے جو آیت پیش کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آزاد مومنہ پر نکاح کی قدرت رکھتے ہوئے باندی سے شادی کرنا اتنا اچھا نہیں ہے تاہم جائز ہے۔

ترجمہ : ۴؎ اور اس میں [باندی سے نکاح کرنے میں] آزاد جز حاصل کرنے سے رکنا ہے، جز کو غلام بنانا نہیں ہے، اور مرد کے لئے جائز ہے کہ بالکل اولاد ہی کو حاصل نہ کرے، تو اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ آزادگی کے وصف کو حاصل نہ کرے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ باندی سے شادی کرنا اپنی اولاد کو غلامیت کے لئے پیش کرنا ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ غلامیت پر پیش کرنا نہیں ہے، بلکہ آزاد سے شادی نہ کر کے آزاد اولاد حاصل کرنے سے رکنا ہے، یعنی یوں کہئے کہ آزاد اولاد حاصل نہیں کرنا چاہتا، اور انسان کے لئے یہ اجازت ہے کہ وطی کے وقت عزل کر کے بالکل اولاد ہی حاصل نہ کرے، تو اس کی گنجائش بدرجہ اولی ہوگی کہ وہ آزاد صفت والی اولاد حاصل نہ کرے، بلکہ غلام صفت والی اولاد حاصل کر لے، اس لئے کتابیہ باندی سے شادی جائز ہوگی۔

لغت : ضروری: مجبوری کے درجے میں۔ الرق: غلامیت۔ طول: آزاد سے نکاح کرنے کی طاقت۔ مقتضی: اس کا تقاضا یہ ہے۔ اصل: اصل اولاد۔ الوصف: آزاد وصف والی اولاد۔

ترجمہ : (۱۵۱۸) اور آزاد عورت پر باندی سے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ : ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے آزاد پر باندی سے شادی نہ کرے

تشریح : نکاح میں آزاد عورت ہو تو اس پر باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، حضور کے قول کی وجہ سے،

وجہ : (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عائشة قال قال رسول الله ﷺ ....تتزوج الحرة على الامة و لا تتزوج الامة على الحرة ۔ (دار قطنی، باب کتاب الطلاق، ج رابع، ص ۲۶، نمبر ۳۹۵۷ رسنن بیہقی، باب لا تنکح امة علی حرة و تنکح الحرة علی الامة، ج سابع، ص ۲۸۴، نمبر ۱۴۰۰۱) اس حدیث میں ہے کہ آزاد عورت نکاح میں ہو تو اس پر باندی سے شادی نہ کرو ۔(۲) عن جابر بن عبد اللهؓ انه قال لا تنكح الامة على الحرة و تنكح الحرة على الامة ، و من وجد صداق حرة فلا ينكحن امة ابدا . (سنن بیہقی، باب لا تنکح امة علی حرة و تنکح الحرة علی الامة، ج سابع، ص ۲۸۵، نمبر ۱۴۰۰۴) اس اثر میں

۲؎ وهو باطلاقه حجة على الشافعیؒ فی تجویز ذٰلک للعبد وعلی مالکؒ فی تجویزه برضاء الحرة
۳؎ ولان للرق اثرا فی تنصیف النعمة علی ما نقرره فی الطلاق ان شاء الله فیثبت به حل المحلیة فی حالة الانفراد دون حالة الانضمام

ہے کہ آزادعورت نکاح میں ہوتو باندی سے شادی نہ کرے۔(۳) اس آیت کے اشارے سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ و من لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤممنات فمن ما ملکت أیمانکم من فتیاتکم المؤمنات ۔(آیت ۲۵،سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ آزادعورت کی طاقت نہ رکھتا ہوتب باندی سے شادی کرے،اور یہاں تو آزادعورت اس کے نکاح میں ہے اس لئے بدرجہ اولی باندی سے نکاح جائز نہ ہوگا (۴) یہ حدیث انسانی فطرت پر ہے،آزادعورت رہتے ہوئے باندی سے شادی کرےتو اس میں اس کی توہین ہےاوراس کی فطرت برداشت نہیں کرے گی اس لئے حدیث میں ہے کہ آزادعورت پر باندی سے شادی نہ کرے۔

ترجمہ : ۲؎ یہ حدیث مطلق ہونے کی وجہ سے امام شافعیؒ پر حجت ہےغلام کے لئے اس کے جائز ہونے کے بارے میں،اورامام مالکؒ پراس کے جائز ہونے میں آزاد کی رضامندی سے۔

تشریح : امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ آزادآدمی کے پاس آزادعورت بیوی ہوتواس پر باندی سے نکاح نہیں کرسکتا،لیکن غلام آدمی کے پاس آزادعورت بیوی ہوتواس پر باندی سے نکاح کرسکتا ہے۔اورامام مالکؒ کی رائے ہے کہ آزاد بیوی راضی ہوتواس پر باندی سے نکاح کرسکتا ہے،ان دونوں پراوپر کی حدیث حجت ہے،کیونکہ حدیث مطلق ہے کہ آزادعورت پر باندی کی شادی نہ کرے، اس میں یہ قید نہیں ہے کہ آزادمرد نہ کرےاورغلام کرے، یہ بھی نہیں ہے کہ آزاد بیوی کی رضامندی نہ ہوتونہیں کرسکتا ہے،اورراضی ہوتو کرسکتا ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اوراس لئے کہ رقیت نعمت کے آدھے کرنے میں اثرانداز ہوتی ہے،جیسا کہ ہم باب الطلاق میں ان شاءاللہ ثابت کریں گے،اس لئے اکیلے ہونے کی حالت میں محل کے حلال ہونے میں ثابت ہوگی ،جمع ہونے کی حالت میں نہیں۔

تشریح:۔کتاب الطلاق میں یہ ذکرکریں گے،کہ غلامیت کی وجہ سے نعمت بھی آدھی ہوجاتی ہےاورسزا بھی آدھی دی جاتی ہے،مثلا حدزنا میں غلام کوآدھی سزا سو کے بجائے پچاس کوڑے لگتے ہیں،حدشرب میں بھی اسی کوڑے کے بجائے اس کا آدھا چالیس کوڑا لگتا ہے،اسی طرح اس کی نعمت بھی آدھی ہوجاتی ہے،یہی وجہ ہے کہ آزادمرد چارعورتوں سے شادی کرسکتا ہےتوغلام صرف دوعورت سے شادی کرسکتا ہے،آزادعورت تین طلاق سے مغلظہ ہوتی ہےتو باندی دوطلاق سے مغلظہ ہوجاتی ہے۔اس لئے قاعدہ یہ ہے کہ غلام صرف باندی سے شادی کرےتو دوباندیوں سے شادی کرسکتا ہے،اورآزاد سے شادی کرےتو دوعورتوں سے شادی کرسکتا ہے،

(۱۵۱۹) ویجوزتزوج الحرۃ علیھا ﴾ ا لقولہ علیہ السلام تنکح الحرۃ علی الامۃ ۲ ولانھا من المحللات فی جمیع الحالات اذلا منصف فی حقھا

اس لئے رقیت کا اثر ظاہر ہوگا اور نعمت آدھی ہو جائے گی ،لیکن آزاد اور باندی دونوں کے ساتھ شادی کا معاملہ ہو تو اس میں آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہوگا ،اس لئے آزاد کے لئے یہ ہے کہ آزاد عورت پر باندی سے شادی نہ کرے تو غلام کے لئے بھی یہی ہوگا کہ آزاد عورت پر باندی سے شادی نہ کرے۔

لغت : **تنصیف النعمۃ** :نعمت آدھی ہوجاتی ہے. **حل المحلیۃ فی حالۃ الانفراد**: اس عبارت کا ایک مطلب یہ ہے کہ رقیت کی وجہ سے باندی کے حق میں نعمت آدھی اس طرح ہوگی کہ آزاد عورت پہلے سے نکاح میں ہو تو باندی سے نکاح نہیں کرسکتا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ،غلام صرف آزاد عورت سے شادی کرے تو رقیت کی وجہ سے نعمت آدھی ہوگی اور صرف دو آزاد عورت سے نکاح کرسکتا ہے،اور صرف باندی سے شادی کرے تو صرف دو باندی سے نکاح کرسکتا ہے۔**دون حالۃ الانضمام** :اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ملا کر آزاد اور باندی دونوں سے شادی کرے تو کوئی فرق نہیں ہوگا ،یعنی آزاد مرد آزاد بیوی کے ہوتے ہوئے باندی سے شادی نہیں کرسکتا ،اسی طرح غلام بھی آزاد بیوی کے ہوتے ہوئے باندی سے شادی نہیں کرسکتا ،یعنی انفراد کی حالت میں رقیت کا اثر ظاہر ہوگا کہ دو ہی عورت سے شادی کر سکے گا ،اور ملانے کی صورت میں کوئی فرق نہیں ہوگا ،آزاد مرد اور غلام مرد کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

ترجمہ :(۱۵۱۹) اور باندی پر آزاد سے نکاح کرنا جائز ہے۔

ترجمہ : ا حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ آزاد سے باندی پر نکاح کیا جاسکتا ہے۔

تشریح : پہلے سے باندی نکاح میں ہو تو اس پر آزاد عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔

وجہ : (۱) صاحب ہدایہ کی یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔**عن عائشۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ....تتزوج الحرۃ علی الامۃ و لا تتزوج الامۃ علی الحرۃ** ۔(دار قطنی ،باب کتاب الطلاق ،ج رابع ،ص ۲۶ ،نمبر ۳۹۵۷ ،سنن بیہقی ،باب لا تنکح امۃ علی حرۃ و تنکح الحرۃ علی الامۃ ،ج سابع ،ص ۲۸۴ ،نمبر ۱۴۰۰۱)اس حدیث میں ہے کہ باندی نکاح میں ہو تو اس پر آزاد عورت سے شادی کر سکتے ہو۔(۲) باندی عورت نکاح میں ہو تو آزاد عورت سے نکاح کرنے میں اس کو کوئی عار نہیں ہوگا اس لئے آزاد عورت سے نکاح کرسکتا ہے۔

ترجمہ : ۲ اس لئے کہ آزاد عورت تمام حالات میں حلال ہے اس لئے کہ اس کے حق میں آدھا نہیں ہے۔

تشریح:۔ یہ دلیل عقلی ہے، کہ باندی نکاح میں ہو تب بھی آزاد عورت حلال ہے اور نکاح میں نہ ہو تب بھی حلال ہے ،تو وہ تمام حالات

(۱۵۲۰) فان تزوج امة علی حرة فی عدةٍ من طلاق بائن لم یجز ﴾ ۱؎ عند ابی حنیفةؒ ۲؎ ویجوز عندهما لان هذا لیس بتزوج علیها وهو المحرم ولهذا لوحلف لایتزوج علیها لم یحنث بهذا

میں حلال ہے، کیونکہ آزاد عورت کے حق میں نعمت آدھی نہیں ہے۔

ترجمہ : (۱۵۲۰) اگر آزاد عورت کے طلاق بائنہ کی عدت میں باندی سے شادی کی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ طلاق بائنہ کی عدت میں عورت شوہر کی بیوی رہتی ہے، پس جب آزاد عورت ابھی بیوی ہے تو اس پر باندی سے شادی کرنا جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

وجہ : (۱) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن علیؓ قال لا یتزوج خامسة حتی تنقضی عدة التی طلق. (مصنف ابن ابی شیبة ۱۱۶ فی الرجل یکون تحتہ اربع نسوۃ فیطلق احداھن من کرہ ان یتزوج خامسۃ حتی تنقضی عدۃ التی طلق ، ج ثالث، ص ۵۱۷، نمبر ۱۶۷۳۹) اس اثر میں ہے کہ عدت گزرنے تک پانچویں سے شادی نہ کرے کیونکہ گویا کہ وہ ابھی اس کی بیوی موجود ہے۔ (۲) عن عمر ابن شعیب قال طلق رجل امرأۃ ثم تزوج اختها قال ابن عباس لمروان : فرق بینها وبینه حتی تنقضی عدة التی طلق (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۱۶ فی الرجل یکون تحتہ الولیدۃ فیطلقھا طلاقا بائنا فترجع الی سیدھا فیطأھا، ألزوجھا ان یراجعھا ؟ ج ثالث ،ص ۵۱۶ ،نمبر ۱۶۷۳۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار بیویاں ہوں اور ایک کو طلاق بائن دی تو جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے پانچویں سے شادی نہیں کرسکتا، اسی طرح جب تک آزاد عورت کی عدت نہ گزر جائے باندی سے نکاح نہیں کرسکتا، ورنہ آزاد پر باندی سے نکاح کرنا لازم آئے گا۔

اصول : طلاق بائنہ کی عدت میں کچھ نہ کچھ بیوی باقی رہتی ہے۔

ترجمہ : ۲؎ صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے اس لئے کہ یہ آزاد پر نکاح کرنا نہیں ہے، اور آزاد پر نکاح کرنا ہی حرام ہے، اسی لئے اگر قسم کھائے کہ آزاد پر نکاح نہیں کرے گا تو اس نکاح سے حانث نہیں ہوگا۔

تشریح : صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ جب طلاق بائنہ واقع ہوگئی تو آزاد عورت اب نکاح میں نہیں رہی اس لئے اب باندی سے نکاح کرسکتا ہے، کیونکہ آزاد کے اوپر نکاح کرنا حرام ہے، اور وہ اب نکاح میں نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، کسی نے قسم کھائی کہ میں آزاد کے اوپر باندی سے نکاح نہیں کرونگا، پھر آزاد عورت کو طلاق بائن دے دی، اور اس کی عدت میں نکاح کرلیا تو قسم میں حانث نہیں ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ آزاد عورت کی عدت میں باندی سے نکاح کرنا آزاد پر نکاح کرنا نہیں ہے۔

۳؎ ولابی حنیفةؒ ان نکاح الحرة باقٍ من وجه لبقاء بعض الاحکام فیبقی المنع احتیاطاً ۴؎ بخلاف الیمین لان المقصود ان لایدخل غیرها فی قسمها (۱۵۲۱) وللحر ان یتزوج اربعاً من الحرائر والاماء ولیس له ان یتزوج اکثر من ذٰلک ۱؎ لقوله تعالیٰ فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی

وجه : (۱) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ان عروة بن زبیر والقاسم بن محمد کانا یقولان فی الرجل تکون عنده اربع نسوة فیطلق احداهن البتة انه یتزوج اذا شاء ولا ینتظر حتی تمضی عدتها. (سنن للبیہقی ، باب الرجل یطلق اربع نسوة له طلاقا بائنا حل له ان ینکح مکانھن اربعا ج سابع ،ص ۲۴۳، نمبر ۱۳۸۵۰ / مصنف ابن ابی شیبة ۱۱۸ من قال لا بأس ان یتزوج الخامسة قبل انقضاء عدة التی طلق ج ثالث ،ص ۵۱۷، نمبر ۱۶۷۴۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طلاق بائن دی ہو تو اس کی عدت گزرنے سے پہلے پانچویں عورت سے شادی کر سکتا ہے۔اسی طرح آزاد کی عدت میں باندی سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔

اصول : طلاق بائنہ کی عدت میں بیوی ختم ہو جاتی ہے۔

ترجمه : ۳؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ من وجہ آزاد کا نکاح باقی ہے بعض احکام کے باقی رہنے کی وجہ سے اس لئے احتیاط کے طور پر نکاح کو منع کرنا باقی رہے گا۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ چاہے طلاق بائنہ ہوئی ہو پھر بھی عدت تک کسی نہ کسی درجے میں وہ بیوی ہے، یہی وجہ ہے کہ عدت تک شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہے، شوہر کو حق ہے کہ عدت کے اندر عورت کو گھر سے باہر نہ جانے دے، اس دوران بچہ پیدا ہو جائے تو یہ بچہ شوہر کا شمار ہوگا جس سے معلوم ہوا کہ کسی نہ کسی درجے میں بیوی ہے، اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر باندی سے شادی کرنا جائز نہ ہو۔

ترجمه : ۴؎ بخلاف قسم کے اس لئے کہ مقصود یہ ہے کہ اس کی باری میں دوسرا داخل نہ ہو۔

تشریح : یہ امام صاحبینؒ کو جواب ہے، قسم کھائی کہ آزاد پر باندی سے شادی نہیں کروں گا، تو اس قسم کا مقصد یہ ہے کہ آزاد عورت کی باری میں باندی کو شریک نہیں کروں گا، اور جب طلاق بائنہ دے دی تو باندی اس کی باری میں شریک نہیں ہوئی اس لئے وہ قسم میں حانث نہیں ہوگا۔

ترجمه : (۱۵۲۱) آزاد مرد کے لئے جائز ہے کہ چار آزاد یا چار باندی سے شادی کرے، اور اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے زیادہ نکاح کرے۔

ترجمه : ۱؎ اللہ تعالیٰ کا قول. فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و ربٰع (آیت ۳، سورة النساء ۴) کی وجہ سے، اور تعداد پر نص کرنا اس پر زیادتی سے روکنا ہے۔

وثلث ورباع والتنصیص علی العدد یمنع الزیادة علیه ۲؎ وقال الشافعیؒ لایتزوج الا امة واحدة لانه ضروری عنده

تشریح : آزادمرد چارآزادعورتوں سے نکاح کرسکتا ہے،اور چار باندیوں سے نکاح کرسکتا ہے،اس سے زیادہ سے نکاح نہیں کرسکتاہاں اپنی مملوکہ باندی جتنی چاہے رکھ سکتا ہے اوران سب سے جماع کرسکتا ہے،آیت میں چار کی تصریح ہے یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اس سے زیادہ جائز نہیں ہے چنانچہ حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ چار سے زیادہ جائز نہیں ہے۔

وجہ:۔(۱)صاحب ہدایہ کی آیت یہ۔ **فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و ربع** (آیت ۳،سورۃ النساء۴)اس آیت میں ہے کہ چار تک جائز ہے اس سے زیادہ نہیں۔(۲)حدیث میں ہے۔ **قال وھب الاسدی قال اسلمت و عندی ثمان نسوة قال فذکرت ذالک للنبی ﷺ فقال النبی ﷺ اختر منھن أربعا** ۔(ابوداود شریف،باب فی من اسلم وعندہ نساء اکثر من أربع أو اختان،ص۳۲۴،نمبر۲۲۴۱ ترمذی شریف،باب ما جاء فی الرجل یسلم وعندہ عشر نسوة،ص۲۷۳،نمبر ۱۱۲۸)اس حدیث میں ہے کہ آٹھ عورتوں میں سے صرف چار کو منتخب کرو۔

ترجمه : ۲؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایک ہی باندی سے نکاح کرسکتا ہے،اس لئے کہ انکے یہاں یہ مجبوری کے درجے میں ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کے یہاں دوشرطوں کے بعد مجبوری کے درجے میں باندی سے نکاح کرسکتا ہے،اور چونکہ یہ مجبوری ایک باندی کے نکاح سے ختم ہوجاتی ہے اس لئے ایک ہی باندی سے نکاح جائز ہے اس سے زیادہ نہیں۔[۱] پہلی شرط یہ ہے آزادعورت کی طاقت نہ رکھتا ہو،یعنی اس کا مہر پاس نہ ہو،[۲] دوسری شرط یہ ہے کہ زنا میں مبتلاء ہونے کا خطرہ ہوتب باندی سے نکاح کرسکتا ہے، اوروہ بھی مسلمان باندی سے نکاح کرسکتا ہے،کتابیہ باندی سے تو کسی حال میں نکاح نہیں کرسکتا۔موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال : **و لو ابتدأ نکاح امتین معا کان نکاحھما مفسوخا بلا طلاق و یبتدی نکاح أیتھما شاء اذا کان ممن له نکاح الاماء** ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ،باب ماجاء فی منع اماء المسلمین،ج عاشر،ص۳۱،نمبر ۱۵۲۹۲)اس عبارت میں ہے کہ دوباندیوں سے نکاح کیا تو دوسری کا نکاح فاسد ہوجائے گا۔اس لئے ایک ہی باندی سے نکاح جائز ہے۔

وجہ:۔(۱) **و من لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤمنات فمن ما ملکت أیمانکم من فتیاتکم المؤمنات** ۔(آیت ۲۵،سورۃ النساء۴)اس آیت میں قید ہے کہ آزادمومنہ سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہوتب مومنہ باندی سے نکاح کرسکتے ہو،بلکہ آگے یہ بھی ہے کہ زنا کا خطرہ ہوتب باندی سے نکاح کرسکتے ہو اس لئے ایک ہی باندی کافی ہے۔ (۲)اس اثر میں ہے کہ ایک ہی باندی سے نکاح جائز ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال لا یتزوج الحر من الاماء الا واحدة** ۔(سنن بیہقی،باب لا تنکح امة علی امة،ج سابع،ص۲۸۴،نمبر۱۴۰۰۰)اس اثر میں ہے کہ آزادآدمی مجبوری کے درجے میں ایک ہی باندی سے نکاح

۳ والحجة عليه ماتلونا اذ الامة المنكوحة ينتظمها اسم النساء كما فى الظهار (۱۵۲۲) ولا يجوز للعبد ان يتزوج اكثر من اثنين ﴾ ۱ وقال مالكؒ يجوز لانه فى حق النكاح بمنزلة الحر عنده حتى ملكه بغير اذن المولى

کرسکتا ہے۔

ترجمہ : ۳ اور امام شافعیؒ کے اوپر حجت وہ آیت ہے جو ہم نے تلاوت کی، اس لئے کہ منکوحہ باندی بھی نساء کے نام میں شامل ہے، جیسا کہ آیت میں شامل ہے۔

تشریح:۔ یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے آیت . فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى و ثلٰث و ربٰع (آیت ۳، سورۃ النساء ۴) میں نساء میں آزاد بیوی بھی شامل ہے اور باندی بیوی بھی شامل ہے، چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو چاہے آزاد ہو چاہے باندی ہو، جیسے ظہار کی آیت میں نساء کا لفظ ہے اور اس میں آزاد بیوی اور باندی شامل ہے، آیت یہ ہے۔ الذين يظاهرون من نسائهم ثم يعودون لما قالوا فتحرير رقبة من قبل أن يتمآسا (آیت ۳، سورۃ المجادلۃ ۵۸) اس آیت میں نساء سے آزاد اور باندی دونوں بیوی مراد ہے۔

ترجمہ : (۱۵۲۲) غلام کے لئے جائز نہیں ہے کہ دو سے زیادہ سے نکاح کرے۔

وجہ : (۱) اس اثر میں ہے۔ أن عليا كان يقول لا ينكح العبد فوق اثنتين ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی المملوک کم یتزوج من النساء، ج ثالث، ص ۴۵۱، نمبر ۱۶۰۲۹ رسنن بیہقی، باب نکاح العبد وطلاقہ، ج سابع، ص ۲۵۶، نمبر ۱۳۸۹۷) اس اثر میں ہے کہ غلام دو بیوی سے زیادہ سے شادی نہ کرے۔ (۲) عن عمر بن الخطابؓ انه قال ينكح العبد امرأتين و يطلق تطليقتين و تعتد الامة حضتين و ان لم تكن تحيض فشهرين أو شهر و نصف . (سنن بیہقی، باب نکاح العبد وطلاقہ، ج سابع، ص ۲۵۵، نمبر ۱۳۸۹۵) اس اثر میں ہے کہ غلام دو سے زیادہ سے نکاح نہ کرے۔ (۳) دلیل عقلی یہ ہے کہ غلام کی نعمت بھی آدھی ہوتی ہے، اس لئے آزاد چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے تو غلام اس سے آدھا دو عورتوں سے نکاح کرے۔

ترجمہ : ۱ امام مالکؒ نے فرمایا کہ دو سے زیادہ جائز ہے اس لئے کہ انکے نزدیک غلام نکاح کے حق میں آزاد کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ آقا کی اجازت کے بغیر وہ نکاح کا مالک ہے۔

تشریح : امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ آزاد کی طرح غلام بھی چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔

وجہ : (۱) انکی دلیل یہ ہے کہ غلام انسان ہے اور نکاح انسانی حق ہے، تو جس طرح آزاد انسان ہونے کی وجہ سے چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے تو غلام بھی انسان ہونے کی جہ سے چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے، چنانچہ انکے یہاں نکاح کا معاملہ غلام کے

۲ولنا ان الرق منصف فيتزوج العبد اثنين والحر اربعاً اظهاراً لشرف الحرية ۳فان طلق الحر احدى الاربع طلاقا بائنا لم يجز له ان يتزوج رابعة حتى تنقضي عدتها

ہاتھ میں ہے،اوروہ آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرسکتا ہے۔(۲)اس اثر میں ہے۔عن خالد بن ابی عمران قال سألت سالما و القاسم عن العبد کم یتزوج ؟ فقالا : اربعا .(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی المملوک کم یتزوج من النساء، ج ثالث، ص ۴۵۱، نمبر ۱۶۰۳۷)اس اثر میں ہے کہ غلام چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے۔

ترجمہ : ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ غلامیت نعمت کو آدھی کرنے والی ہے،اس لئے غلام دو سے نکاح کرے،اورآزاد چار سے آزادگی کے شرف کو ظاہر کرنے کے لئے۔

تشریح : ہماری دلیل عقلی یہ ہے کہ غلامیت نعمت کو آدھی کرتی ہے اس لئے غلام دو عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے اور آزاد آدمی چار سے نکاح کرسکتا ہے،آزادگی کے شرف کو ظاہر کرنے کے لئے۔

ترجمہ : ۳ اگر آزاد مرد نے چار میں سے ایک کو طلاق بائنہ دیا تو اس کے لئے اگلی سے نکاح جائز نہیں ہے یہاں تک کہ چوتھی کی عدت گزر جائے۔

تشریح : ایک آزاد آدمی کے پاس چار بیویاں تھیں،ان میں سے ایک کو طلاق بائنہ دی تو جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے اگلی سے شادی کرنا جائز نہیں ہوگا۔

وجہ : (۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک طلاق بائنہ کی عدت گزار رہی ہے وہ عورت کسی نہ کسی درجے میں اس کی بیوی ہے،اور بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ نکاح میں نہیں رکھ سکتا اس لئے چوتھی کی جب تک عدت نہ گزر جائے اگلی سے نکاح نہیں کرسکتا۔

وجہ:۔(۱) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے .عن علیؓ قال لا یتزوج خامسة حتى تنقضي عدة التي طلق. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۱۶ فی الرجل یکون تحتہ اربع نسوۃ فیطلق احداھن من کرہ ان یتزوج خامسۃ حتی تنقضی عدۃ التی طلق ،ج ثالث، ص ۵۱۷، نمبر ۱۶۷۳۹)اس اثر میں ہے کہ عدت گزرنے تک پانچویں سے شادی نہ کرے کیونکہ گویا کہ وہ ابھی اس کی بیوی موجود ہے۔(۲)اس اثر میں بھی ہے۔عن عمر ابن شعیب قال طلق رجل امرأة ثم تزوج اختها قال ابن عباس لمروان : فرق بينها وبينه حتى تنقضي عدة التي طلق (مصنف ابن ابی شیبۃ،۱۱۶فی الرجل یکون تحتہ الولیدۃ فیطلقھا طلاقا بائنا فترجع الی سیدھا فیطأ ھا،أ لزوجھا ان یراجعھا ؟ ج ثالث ،ص ۵۱۶ ،نمبر ۱۶۷۳۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار بیویاں ہوں اور ایک کو طلاق بائن دی تو جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے پانچویں سے شادی نہیں کرسکتا۔اور اسی طرح اس کی بہن سے بھی شادی نہیں کرسکتا۔

اصول : طلاق رجعی ہو یا بائن، یا مغلظہ عدت گزرنے تک کچھ نہ کچھ بیوی باقی رہتی ہے۔

۴ وفیہ خلاف الشافعیؒ وھو نظیر نکاح الاخت فی عدۃ الاخت (۱۵۲۳) قال وان تزوج حبلی من زناء جاز النکاح ولایطأھا حتی تضع حملھا ﴾ ا وھذا عند ابی حنیفۃؒ ومحمدؒ

ترجمہ : ۴ اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، اور مثل ہے بہن کے نکاح کا بہن کی عدت میں۔

تشریح : اس بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ چوتھی بیوی کو طلاق بائنہ دی ہوتو وہ بالکل الگ ہوگئی اس لئے اس کی عدت میں اگلی عورت سے نکاح کر سکتا ہے، اسی طرح پہلے بھی مسئلہ نمبر ۱۵۱۰ میں گزرا کہ ایک بہن کو طلاق بائنہ دی ہو اور وہ عدت میں ہوتو اس وقت اس کی بہن سے امام شافعیؒ کے یہاں نکاح کر سکتا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں نہیں کر سکتا۔

وجہ : (۱) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ ان عروۃ بن زبیر والقاسم بن محمد کانا یقولان فی الرجل تکون عندہ اربع نسوۃ فیطلق احداھن البتۃ انہ یتزوج اذا شاء ولا ینتظر حتی تمضی عدتھا. (سنن للبیہقی، باب الرجل یطلق اربع نسوۃ لہ طلاقا بائنا حل لہ ان ینکح مکانھن اربعا ج سابع، ص ۲۴۳، نمبر ۱۳۸۵۰ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۱۸ من قال لا بأس ان یتزوج الخامسۃ قبل انقضاء عدۃ التی طلق ج ثالث، ص ۵۱۷، نمبر ۱۶۷۴۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طلاق بائن دی ہوتو اس کی عدت گزرنے سے پہلے پانچویں عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ اور اس کی بہن سے بھی شادی کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ گویا کہ بہت سے احکام میں بیوی نہیں رہی۔

ترجمہ : (۱۵۲۳) اگر زنا سے حاملہ عورت سے نکاح کیا تو جائز ہے لیکن وضع حمل تک اس سے وطی نہ کرے۔

ترجمہ : ا یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے یہاں ہے

تشریح : عورت زنا سے حاملہ ہو اس حال میں کوئی اس سے نکاح کرنا چاہئے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کر سکتا ہے، البتہ جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے اس سے وطی نہ کرے۔ ماء: یہاں پانی سے مراد آقا یا شوہر کی منی ہے زرع: کھیتی۔

وجہ : (۱) نکاح کرنا اس لئے جائز ہے کہ یہ کسی کی منکوحہ نہیں ہے، اور محرمات میں سے بھی نہیں ہے، یہ ان عورتوں میں ہے جن سے نکاح کرنا جائز ہے۔ (۲) آیت میں ہے کہ محرمات کے علاوہ سے نکاح جائز ہے۔ و المحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم کتاب اللہ علیکم و احل لکم ما وراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین (آیت ۲۴، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ پچھلی چودہ عورتیں حرام ہیں باقی سب جائز ہیں، جسکا مطلب یہ نکلا زنا سے حاملہ سے بھی نکاح کرنا حلال ہے (۳) اس حمل کے وقت نکاح نہیں کر سکتے جو ثابت النسب ہے، اور زنا کا حمل ثابت النسب نہیں ہے اس لئے اس سے نکاح ہو سکتا ہے، اس حدیث میں ہے کہ زنا کا حمل ثابت النسب نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ زانی کے لئے پتھر ہے، یا وہ محروم ہے۔ عن عائشۃ انھا قالت اختصم سعد بن ابی وقاص وعبد بن زمعۃ فی غلام فقال سعد ھذا یا رسول

۲؎ وقال ابو یوسفؒ النکاح فاسد وان کان الحمل ثابت النسب فالنکاح باطل بالاجماع لابی یوسفؒ ان الامتناع فی الاصل لحرمة الحمل وهذا الحمل محترم لانه لاجناية منه ولهذا لم يجز اسقاطه

الله ابن اخی عتبة بن ابی وقاص عهد الی انه ابنه انظر الی شبهه وقال عبد بن زمعة هذا اخی يا رسول الله ولد علی فراش ابی من وليدته فنظر رسول الله ﷺ الی شبهه فرای شبها بينا بعتبة فقال هو لک يا عبد،الولد للفراش وللعاهر الحجر واحتجبی منه يا سودة بنت زمعة قالت فلم يرسودة قط ۔(مسلم شریف، باب الولد للفراش وتوقی الشبہات ،ص ۴۷۰ ،نمبر ۱۴۵۷/۳۶۱۳/ابو داؤد شریف ، باب الولد للفراش ،ص ۳۱۷ ،نمبر ۲۲۷۳) اس حدیث میں ہے کہ زانی کیلئے پتھر ہے۔(۴) اس حدیث میں ہے زنا سے پیدا شدہ بچہ باپ کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ وہ ثابت النسب نہیں ہے .عن ابن عباس انه قال قال رسول الله ﷺ لا مساعاة فی الاسلام من ساعی فی الجاهلية فقد لحق بعصبيته و من ادعی ولدا من غير رشدة فلا يرث و لا يورث . (ابوداود شریف، باب فی ادعاء ولد الزنا،ص ۳۲۸،نمبر ۲۲۶۴)اس حدیث میں ہے کہ زنا سے پیدا شدہ اولاد عورت کا ہے کسی مرد کا نہیں ہے،اس لئے وہ باپ کا وارث نہیں ہوگا۔(۵) اس حدیث میں زنا سے حاملہ سے نکاح کیا اور حضورؐ نے اس کا مہر بھی دلوایا، جس سے معلوم ہوا کہ نکاح جائز ہے۔ عن سعيد بن المسيب عن رجل من الانصار يقال ابن أبی السری ،من اصحاب النبی ﷺ و لم يقل من الانصار ثم اتفقوا يقال له بصرة قال تزوجت امراة بكرا فی سترها فدخلت عليها فاذا هی حبلی ، فقال النبی ﷺ لها الصداق بما استحللت من فرجها ، و الولد عبد لک فاذا ولدت قال الحسن ،فاجلدوها . (ابوداود شریف، باب الرجل یتزوج المرأة فیجدھا حبلی ،ص ۳۰۸ ،نمبر ۲۱۳۱/سنن بیہقی ، باب لا عدة علی الزانیة ، ومن تزوج امراة حبلی من زنا لم یفسخ النکاح ، ج سابع ،ص ۲۵۴ ،نمبر ۱۳۸۸۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا سے حاملہ سے نکاح جائز ہے۔ (۶) البتہ اس سے وطی اس لئے نہ کرے کہ دوسرے کی کھیتی میں اپنا پانی ڈالنا ہوگا، جو ممنوع ہے،حدیث میں ہے. عن رويفع بن ثابت الانصاری قال قام فينا خطيبا قال أما انی لا اقول لكم الا ما سمعت رسول الله ﷺ يقول يوم حنين قال لا يحل لامری يؤمن با لله و اليوم الآخر ان يسقی ما ئه زرع غيره . يعنی اتيان الحبالی . ولا يحل لامری يؤمن با لله و اليوم الآخر ان يقع علی امرأة من السبی حتی يستبرئها ۔(ابوداود شریف، باب فی وطء السبایا،ص ۳۱۱،نمبر ۲۱۵۸/ ترمذی شریف ، باب ما جاء فی الرجل یشتری الجاریة وھی حمل ،ص ۲۷۴،نمبر ۱۱۳۱) اس حدیث میں ہے کہ دوسرے کا حمل ہو تو اس عورت سے وطی نہ کرو۔

ترجمہ : ۲؎ حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ نکاح فاسد ہے، اور اگر حمل ثابت النسب ہو تو بالاجماع نکاح باطل ہے، امام ابو

۳ ولهما انها من المحللات بالنص وحرمة الوطی کیلا یسقی ماؤہ زرع غیرہ ۴ والامتناع فی ثابت النسب لحق صاحب الماء ولا حرمة للزانی

یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح سے رکنا اصل میں حمل کی عزت کی وجہ سے ہے، اور یہ حمل محترم ہے، اس لئے کہ حمل کا کوئی جرم نہیں ہے، اسی لئے اس حمل کو ساقط کرنا جائز نہیں۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ زنا سے حاملہ عورت سے نکاح کرنے سے نکاح نہیں ہوگا، وہ باطل ہوگا۔ آگے ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ اگر حمل کا نسب ثابت ہو تو تینوں اماموں کے نزدیک اس عورت سے نکاح حرام ہوگا۔

وجہ : (۱) امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ حمل اگرچہ ثابت النسب نہیں ہے لیکن محترم ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو ساقط کرنا اور گرانا جائز نہیں ہے، اور حمل کے احترام کی وجہ سے نکاح ناجائز ہوگا (۲) اس آیت میں اس کا ثبوت ہے. **الزانی لا ینکح الا زانیة أو مشرکة و الزانیة لا ینکحھا الا زان أو مشرک وحرم ذالک علی المؤمنین** ۔(آیت ۳، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ مومنین کے لئے زانیہ سے نکاح حرام ہے اور حمل ہونا زنا کا اثر ہے، اس لئے امام ابو یوسفؒ زانیہ سے نکاح فاسد کہتے ہیں۔

ترجمہ : ۳ امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت کی وجہ سے زانیہ عورت حلال میں سے ہے [اس لئے اس سے نکاح جائز ہے] اور وطی حرام ہے تا کہ اپنے پانی سے غیر کی کھیتی سیراب کرنا لازم نہ آئے۔

تشریح:۔ اوپر آیت. **و احل لکم ما وراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین** (آیت ۲۴، سورۃ النساء ۴) گزری جس سے معلوم ہوا کہ یہ عورت کسی کی منکوحہ نہیں ہے اس لئے اس سے نکاح جائز ہے، لیکن وضع حمل تک اس سے وطی حلال اس لئے نہیں ہے کہ دوسرے کا حمل ہے اور دوسرے کے حمل کے وقت اس میں اپنا پانی ڈالنا ٹھیک نہیں ہے۔

ترجمہ : ۴ اور ثابت النسب میں نکاح سے رکنا پانی والے کے حق کی وجہ سے ہے، اور زانی کی کوئی عزت نہیں ہے [اس لئے نکاح جائز ہے]

تشریح : یہ امام یوسف کو جواب ہے کہ جس حمل کا نسب ثابت ہے اس سے نکاح کرنا اس لئے ناجائز ہے کہ حمل کے باپ کا حق ہے، اور زانی کا کوئی حق نہیں ہے وہ تو حدیث کی بنا پر محروم ہے اس لئے زانیہ کے حاملہ ہوتے وقت نکاح درست ہے۔

نوٹ : ان لوگوں کا حمل ثابت النسب ہے [۱] کافر کی بیوی ہو اور قید ہو کر اور باندی بن کر آئی ہو تو اس کا حمل کافر باپ سے ثابت النسب ہے ۔اس صورت میں جب تک پیٹ میں حمل ہے اس کا آقا باندی ہونے کی حیثیت سے اس سے وطی نہیں کر سکتا۔ [۲] اور اگر اس باندی کا نکاح کسی سے کرانا چاہے تو حمل کی حالت میں کسی سے نکاح جائز نہیں۔ [۳] آقا کا ام ولد ہے اور آقا سے حاملہ

(۱۵۲۴) فان تزوج حاملا من السبی فالنکاح فاسد ﴿ لانه ثابت النسب (۱۵۲۵) وان زوج أمّ ولده وهی حامل منه فالنکاح باطل ﴿ لانها فراش لمولاها حتی یثبت نسب ولدها منه من غیر دعوة فلو صح النکاح لحصل الجمع بین الفراشین

ہو چکی ہے تو حمل کی حالت میں کسی سے نکاح کرانا جائز نہیں، کیونکہ اس کا حمل آقا سے ثابت النسب ہے۔

وجه : (۱) اس حدیث میں ہے ثبوت ہے۔ عن سعید الخدری و رفعه انه قال فی سبا یا أوطاس لا توطأ حامل حتی تضع و لا غیر ذات حمل حتی تحیض حیضة۔(ابوداود شریف، باب فی وطء السبایا، ص ۳۱۱، نمبر ۲۱۵۷) اس حدیث میں ہے کہ ثابت النسب حاملہ سے وطی نہ کی جائے۔

ترجمه : (۱۵۲۴) اگر ایسی عورت کا نکاح کرایا جو دار الحرب سے گرفتار ہو کر آئی ہو اور وہ حاملہ ہو تو نکاح فاسد ہے۔

ترجمه : ۱؎ اس لئے کہ یہ ثابت النسب ہے۔

تشریح : دار الحرب سے گرفتار ہو کر آئی یعنی قید ہو کر اور باندی ہو کر آئی اور وہ حاملہ ہے تو اس کا دوسرے سے نکاح کرانا جائز نہیں ہے، اس لئے اس حمل کا نسب کافر باپ سے ثابت ہے، بچی پیدا ہونے کے بعد چونکہ یہ عورت آقا کی باندی ہے اور اختلاف دارین کی وجہ سے پہلا نکاح ٹوٹ چکا ہے اس لئے آقا کو یہ حق ہے کہ خود وطی کرے، اور یہ بھی حق ہوگا کہ کسی دوسرے سے نکاح کرا دے۔

ترجمه : (۱۵۲۵) اور اگر ام ولد سے شادی کرایا اور وہ حاملہ ہے تو اس کا نکاح باطل ہے۔

ترجمه : ۱؎ اس لئے کہ وہ آقا کا فراش ہے یہاں تک کہ بغیر دعوے کے بھی اس کا نسب ثابت ہے، پس اگر نکاح صحیح ہو جائے تو دو فراش کا جمع ہونا لازم ہوگا۔

تشریح : ام ولد اس باندی کو کہتے ہیں کہ اس سے پہلے آقا نے بچہ پیدا کیا ہو اور یہ بھی کہا ہو کہ یہ بچہ میرا ہے، اس کو ام ولد کہتے ہیں، ام ولد آقا کا فراش ہے اور اس سے اگلا کوئی بچہ پیدا ہوگا تو آقا کے بغیر دعوی کئے ہوئے بھی بچہ کا نسب ثابت ہوگا، یہ ام ولد آقا سے حاملہ ہو تو اس حال میں دوسرے سے نکاح کرانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اگر نکاح جائز قرار دیا جائے تو دو فراش کا جمع ہونا لازم آئے گا، ایک آقا کا فراش ہونا اور دوسرا شوہر کا فراش ہونا اور یہ درست نہیں ہے، اس لئے حاملہ ام ولد کا نکاح باطل ہے۔

اصول : ثابت النسب حاملہ کا نکاح باطل ہے۔

لغت : فراش: کا ترجمہ ہے بچھونا، یہاں مراد یہ ہے کہ اس سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ بغیر دعوی کے بھی وطی کرنے والے کا ہوگا، اس لئے کہ وہ اس کی فراش ہے۔ ینفی: نفی کر دے، یہ کہہ دے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے۔

۲؎ الا انہ غیر متأکد حتی ینتفی الولد بالنفی من غیر لعان فلایعتبر مالم یتصل بہ الحمل (۱۵۲۶) قال ومن وطی جاریتہ ثم زوجھا جاز النکاح ۱؎ لانھا لیست بفراش لمولاھا فانھا لو جاءت بولد لا یثبت نسبہ من غیر دعوۃ ۲؎ الا ان علیہ ان یستبرأھا صیانۃً لمائہ

ترجمہ : ۲؎ مگر یہ کہ یہ فراش مؤکد نہیں ہے نفی کرنے سے بچے کی نفی ہو جائے گی بغیر لعان کے، اس لئے فراش معتبر نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ حمل متصل نہ ہو۔

تشریح : ام ولد آقا کی فراش تو ہے لیکن کمزور فراش ہے، یہی وجہ ہے کہ آقا دوسرے بچے کے بارے میں یہ کہہ دے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے تو بغیر لعان کئے ہوئے بھی اس بچے کا نسب آقا سے ثابت نہیں ہوگا، پس چونکہ ام ولد کا فراش کمزور ہے اس لئے حمل کی حالت ہو تب تو دوسرے سے نکاح کرانا جائز نہیں ہے، لیکن اگر ام ولد کو حمل نہیں ہے تو دوسرے سے نکاح کرانا جائز ہے۔

ترجمہ : (۱۵۲۶) کسی نے اپنی باندی سے وطی کی پھر اس کی شادی کرائی تو نکاح جائز ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ وہ اپنے آقا کی فراش نہیں ہے، اس لئے کہ اگر بچہ جنے تو آقا کے بغیر دعوی کے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا

۔

تشریح : کسی کے فراش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر بچہ پیدا ہو تو بغیر اس کے دعوی کے بھی بچے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے، آقا باندی سے وطی کرتا رہے اور ابھی تک ام ولد نہ بنی ہو تو وہ اس کی فراش نہیں ہوتی، چنانچہ اگر باندی سے بچہ پیدا ہو جائے تو جب تک آقا یہ نہ کہے کہ یہ بچہ میرا ہے، آقا سے نسب ثابت نہیں ہوگا، چونکہ یہ آقا کی فراش نہیں ہے اس لئے اگر اس کا نکاح دوسرے سے کرائے تو جائز ہے۔

ترجمہ : ۲؎ مگر یہ اس پر ضروری ہے کہ استبراء کرے آقا کے پانی کو بچانے کے لئے۔

تشریح : باندی آقا کی فراش تو نہیں ہے لیکن آقا وطی کر رہا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ آقا کا حمل ٹھہر گیا ہو اور شوہر کو پتہ نہ چلے اس لئے آقا کے نسب کو بچانے کے لئے شوہر پر ضروری ہے کہ ایک حیض سے استبراء کرے اس کے بعد باندی بیوی سے وطی کرے۔

وجہ : اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن رویفع بن ثابت الانصاری قال قام فینا خطیبا .....و لا یحل لامری یؤمن باللہ و الیوم الآخر أن یقع علی امرأۃ من السبی حتی یستبرئھا۔ (ابوداود شریف، باب فی وطء السبایا، ص ۳۱۱، نمبر ۲۱۵۸) اس حدیث میں ہے کہ باندیوں سے اسبراء کئے بغیر وطی نہ کرے۔ استبراء: ایک حیض سے عورت کے رحم کو صاف کرلے اس کو استبراء، کہتے ہیں

لغت : استبراء: برأۃ سے مشتق ہے، باندی کی ملک بدلی ہو تو ایک حیض تک آقا یا شوہر باندی سے وطی نہ کرے اور حیض آنے کے

(۱۵۲۷) واذا جاز النکاح فللزوج ان یطأها قبل الاستبراء ﴾ ۱؎ عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ ۲؎ وقال محمدؒ لا احبُّ له ان یطأها قبل ان یستبرأها لانه احتمل الشغل بماء المولیٰ فوجب التنزه کما فی الشراء ۳؎ ولهما ان الحکم بجواز النکاح امارة الفراغ فلا یؤمر بالاستبراء لا استحبابا ولا وجوباً بخلاف الشراء لانه یجوز مع الشغل

بعد وطی کرے تا کہ پتہ چل جائے کہ پیٹ میں پہلے والے کا حمل نہیں ہے، کیونکہ حیض آنا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ پیٹ میں حمل نہیں ہے۔

ترجمہ : (۱۵۲۷) جب نکاح جائز ہوا تو شوہر کے لئے جائز ہے کہ استبراء سے پہلے اس سے وطی کرے۔

ترجمہ : ۱؎ امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک۔

تشریح : آقا باندی سے وطی کر رہا تھا کہ اس کی شادی کرادی تو شوہر کے لئے جائز ہے کہ بغیر استبراء کے بھی وطی کر لے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ جب اس باندی کا نکاح کرانا جائز ہوا تو یہ علامت ہے کہ اس کا رحم حمل سے بالکل خالی ہے، اور وہ مولی کی فراش بھی نہیں ہے اس لئے بغیر استبراء کئے ہوئے شوہر کے لئے وطی کرنا جائز ہے۔

ترجمہ : ۲؎ امام محمدؒ نے فرمایا کہ میں شوہر کے لئے پسند نہیں کرتا ہوں کہ استبراء سے پہلے اس سے وطی کرے اس لئے کہ مولی کے پانی سے مشغول ہونے کا احتمال رکھتا ہے، اس لئے پاکی واجب ہوئی، جیسا کہ خریدنے کی صورت میں ہے۔

تشریح : امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ باندی سے نکاح کیا تو میں اچھا نہیں سمجھتا ہوں کہ استبراء کرنے سے پہلے شوہر وطی کرے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آقا اس سے وطی کر رہا تھا تو ممکن ہے کہ اندر آقا کا حمل ہو، اور شوہر کے وطی کرنے سے دوسرے کی کھیتی میں سیراب کرنا لازم آئے اس لئے استبراء کے ذریعہ اس کو صاف کرنا واجب ہوا، جس طرح غیر حاملہ باندی کو خریدے تو اس کی استبراء ضروری ہے۔

ترجمہ : ۳؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کے جائز ہونے کا حکم پیٹ کے فارغ ہونے کی علامت ہے اس لئے نہ ستحبا با استبراء کا حکم دیا جائے گا اور نہ وجوبا، بخلاف باندی خریدنے کے مشغولیت کے ساتھ بھی بیچنا جائز ہے۔

تشریح : شیخین کی دلیل یہ ہے کہ جب دوسرے سے نکاح کرانا جائز ہوا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ باندی کا پیٹ حمل سے بالکل خالی ہے اس لئے نہ استحبابی طور پر استبراء ضروری ہے اور نہ وجوبی طور پر استبراء ضروری ہے، اور شراء پر قیاس کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ پیٹ میں حمل ہو تب بھی باندی کو بیچنا جائز ہے، اس لئے بیچنا اس بات کی علامت نہیں ہے کہ اس کا پیٹ حمل سے خالی ہے، اسلئے خریدنے کی صورت میں استبراء ضروری ہے۔

﴿۴ وکذا اذا رای امرأة تزنی فتزوجها حل له ان یطأها قبل ان یستبرأها عند هما ۵ وقال محمدؒ لا احب له ان یطأها مالم یستبرأها و المعنی ماذکرنا (۱۵۲۸) ونکاح المتعة باطل ﴾

ترجمہ : ۴ ایسے ہی کسی عورت کو زنا کراتے دیکھا اور اس سے نکاح کر لیا تو شیخینؒ کے نزدیک استبراء سے پہلے بھی اس سے وطی کرنا حلال ہے۔

تشریح : کسی عورت کو زنا کراتے دیکھا اور اس سے شادی کر لی تب بھی استبراء کئے بغیر بھی شیخین کے نزدیک اس سے وطی کر سکتا ہے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کسی کی بیوی نہیں ہے اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ وطی کی وجہ سے اس کے پیٹ میں حمل ٹھہر گیا ہو، اور پہلے گزر چکا ہے کہ نکاح کا جائز ہونا پیٹ خالی ہونے کی علامت ہے، اور واقعۃ حمل نہیں ہے اس لئے بغیر استبراء کئے اس سے وطی جائز ہے۔

ترجمہ : ۵ امام محمدؒ نے فرمایا کہ میں شوہر کے لئے پسند نہیں کرتا ہوں کہ جب استبراء نہ کرے وہ اس سے وطی کرے، اور وجہ وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا

تشریح : عورت کو زنا کراتے ہوئے دیکھا اور اس سے نکاح کر لیا تو امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میں شوہر کے لئے پسند نہیں کرتا ہوں کہ استبراء کے بغیر اس سے وطی کرے،، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب زانی کو اس سے وطی کرتے دیکھا تو ممکن ہے کہ اندر زانی کا حمل ٹھہر گیا ہو، اور شوہر کے وطی کرنے سے دوسرے کی کھیتی میں سیراب کرنا لازم آئے اس لئے استبراء کے ذریعہ اس کو صاف کر کے وطی کرے۔

ترجمہ : (۱۵۲۸) نکاح متعہ باطل ہے، اور وہ یہ ہے کہ عورت سے کہے میں تم سے اتنی مدت تک اتنے مال میں نکاح متعہ کرنا چاہتا ہوں۔

تشریح : شروع اسلام میں نکاح متعہ جائز تھا، بعد میں زمانہ خیبر میں منسوخ ہو گیا، اور اب ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔

وجہ : (۱) ان علیاؓ قال لابن عباسؓ ان النبی ﷺ نهی عن المتعة و عن لحوم الحمر الاهلية زمن خيبر۔ (بخاری شریف، باب نہی النبی عن المتعۃ آخیرا، ص ۹۱۵، نمبر ۵۱۱۵/ مسلم شریف، باب نکاح المتعۃ، ص ۵۹۱، نمبر ۱۴۰۷/۳۴۳۵/ ابو داود شریف، باب فی نکاح المتعۃ، ص ۳۰۰، نمبر ۲۰۷۳) اس حدیث میں ہے کہ نکاح متعہ منسوخ ہے اور اب بالکل جائز نہیں ہے۔

(۲) حدثنی الربيع بن سبرة الجهنی أن اباه حدثه أنه كان مع رسول الله ﷺ فقال يا أيها الناس ! انی قد كنت أذنت لكم فی الاستمتاع من النساء و ان الله قد حرم ذلک الی يوم القيامة فمن كان عنده منهن

۱؎وهو ان يقول لامرأة اتمتع بك كذا مدة بكذا من المال وقال مالکؒ هو جائز لانه كان مباحاً فيبقى الى ان تظهر ناسخة ۲؎قلنا ثبت النسخ باجماع الصحابةؓ وابن عباسؓ صح رجوعه الى قولهم فتقرر الاجماع

شيء فليخل سبيله و لا تأخذوا مما آتيتموهن شيأ۔(مسلم شریف، باب نکاح المتعۃ ،ص ۵۸۹،نمبر ۱۴۰۶/۳۴۲۲)اس حدیث میں بھی ہے کہ نکاح متعہ پہلے جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔(۳)اجازت کی حدیث یہ ہے ۔ عن جابر بن عبد الله و سلمة بن الاكوع قالا كنا في جيش فأتانا رسول رسول الله فقال انه قد أذن لكم أن تستمعوا فاستمتعوا (بخاری شریف، باب نھی النبی عن المتعۃ آخیرا،ص ۹۱۵،نمبر ۵۱۱۵/مسلم شریف، باب نکاح المتعۃ ،ص ۵۸۸،نمبر ۱۴۰۵/۳۴۱۳)اس حدیث میں ہے کہ نکاح متعہ کی اجازت دی ہے۔

ترجمہ : ۱؎ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ نکاح متعہ جائز ہے اس لئے کہ وہ مباح تھا اس لئے ناسخ کے ظاہر ہونے تک مباح باقی رہے گا۔

تشریح : صاحب ہدایہ حضرت امام مالکؒ کا مسلک نقل کرتے ہیں کہ انکے یہاں نکاح متعہ جائز ہے،اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ نکاح متعہ پہلے جائز تھا اور جب تک اس کے منسوخ ہونے کی حدیث نہ ہو وہ مباح رہے گا۔لیکن خود مؤطا امام مالک میں جواز کی حدیث نقل نہیں کی اور منسوخ کی حدیث نقل کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ انکے یہاں بھی نکاح متعہ منسوخ ہے۔

وجه : (۱) عن علی ابن ابی طالب ان رسول الله ﷺ نهى عن متعة النساء يوم خيبر و عن اكل لحوم الحمر الانسية ۔(مؤطاء امام مالک، باب نکاح المتعۃ ،ص ۵۰۷)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یوم خیبر میں نکاح متعہ سے منع فرمایا۔

ترجمہ : ۲؎ ہم نے کہا کہ اجماع صحابہ سے منسوخ ثابت ہو گیا ہے،اور صحابہ کے قول کی طرف حضرت ابن عباسؓ کا رجوع کرنا ثابت ہے،اس لئے اجماع ثابت ہو گیا۔

تشریح : اصل میں تو اوپر کی حدیث میں ثابت ہے کہ نکاح متعہ منسوخ ہے،اور تمام صحابہ کا اجماع ہے کہ یہ منسوخ ہے،حضرت ابن عباس کے بعض قول سے محسوس ہوتا ہے کہ انکے نزدیک پہلے متعہ جائز تھا لیکن بعد میں وہ بھی رجوع کر گئے۔

وجه : حضرت ابن عباس کی حدیث اور انکا رجوع یہ ہے۔ عن ابن عباس قال انما كانت المتعة فى اول الاسلام كان الرجل يقدم البلدة ليس له بها معرفة فيتزوج المرأة بقدر ما يرى أنه يقيم فتحفظ له متاعه و تصلح له شيئه حتى اذا نزلت الآية﴿ الا على ازواجهم أو ما ملكت أيمانهم (آیت ۶،سورۃ المؤمنون ۲۳)قال ابن عباس

(۱۵۲۹) والنكاح الموقت باطل ﴿ ١مثل ان يتزوج امرأة بشهادة شاهدين عشرة ايام ٢وقال زفرؒ هو صحيح لازم لان النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة ٣ولنا انه اتى بمعنى المتعة والعبرة فى العقود للمعانى ٤ولافرق بين ما اذا طالت مدة التاقيت اوقصرت لان التاقيت هو المعين لجهة المتعة وقد وجد

فكل فرج سواهما فهو حرام . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم نکاح المتعة، ص۲۷۲، نمبر۱۱۲۲) اس حدیث میں ہے کہ پہلے جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا

ترجمه : (۱۵۲۹) نکاح موقت باطل ہے۔

ترجمه : ١ مثلا یہ کہ ایک عورت سے دو گواہوں کے سامنے دس دن کے لئے نکاح کرے۔

تشریح : نکاح متعہ اور نکاح مؤقت میں دو فرق ہیں [۱] پہلا یہ کہ نکاح موقت میں لفظ تزویج مذکور ہوتا ہے، اور نکاح متعہ میں اتمتع کا لفظ مذکور ہوتا ہے [۲] اور دوسرا یہ کہ نکاح موقت میں دو آدمی کی گواہی ہوتی ہے اور نکاح متعہ میں گواہی نہیں ہوتی۔ نکاح متعہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو گواہوں کے سامنے نکاح کرے، لیکن کچھ مدت کے لئے کرے، چاہے مدت لمبی ہو یا مختصر ہو، یہ نکاح باطل ہے۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح مؤقت نکاح متعہ کے معنی میں ہے، اور نکاح متعہ کے لئے کئی حدیثیں گزریں کہ وہ منسوخ ہے۔

ترجمه : ٢ امام زفرؒ نے فرمایا کہ وہ صحیح ہے اور لازم ہے اس لئے کہ نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔

تشریح : امام زفرؒ کے یہاں بھی نکاح موقت باطل ہے، البتہ نکاح موقت کرنے سے انکے یہاں نکاح موبد ہو جائے گا، اور ہمیشہ کے لئے نکاح ہو جائے گا، انکی دلیل یہ ہے کہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا اور چند دن کے لئے نکاح کرنا گویا کہ چند دن کی شرط لگانا ہے اس لئے شرط ختم ہو جائے گی اور ہمیشہ کا نکاح باقی رہے گا۔

ترجمه : ٣ ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح مؤقت نکاح متعہ کے معنی میں ہے اور عقد میں اعتبار معانی کا ہے۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح موقت نکاح متعہ کے معنی میں ہے، اس لئے کہ نکاح موقت کے لئے جو الفاظ استعمال کیا جاتا ہے اس سے نکاح متعہ کا مفہوم ہوتا ہے اور نکاح متعہ باطل ہے اس لئے نکاح موقت بھی باطل ہوگا، کیونکہ عقد میں معانی کا اعتبار ہے۔

ترجمه : ٤ اور کوئی فرق نہیں ہے کہ تعین کی مدت لمبی ہو یا کم ہو اس لئے کہ وقت کا تعین ہی متعہ کی جہت کو متعین کرنے والا ہے، اور یہ پایا گیا۔

(۱۵۳۰) ومن تزوج امرأتین فی عقدةٍ واحدة واحدٰھما لایحل له نکاحها صح نکاح التی حل نکاحها وبطل نکاح الاخری ﴿۱لان المبطل فی احدٰھما ۲بخلاف ما اذا جمع بین حرٍ وعبدٍ فی البیع لانه یبطل بالشروط الفاسدة وقبول العقد فی الحر شرط فیه (۱۵۳۱)ثم جمیع المسمیٰ للتی حل نکاحها﴾ ۱عند ابی حنیفةؒ

تشریح : وقت کا تعین لمبا ہو یا مختصر ہو ہر حال میں وہ نکاح موقت ہے اور نکاح موقت میں نکاح متعہ کا معنی پایا جاتا ہے اور نکاح متعہ منسوخ ہے اس لئے نکاح موقت بھی حرام ہوگا۔۔التاقیت : وقت کا متعین ہونا۔

ترجمہ : (۱۵۳۰) کسی نے دو عورتوں سے ایک عقد میں نکاح کیا اور ان میں سے ایک کا نکاح حلال نہ ہو تو اس کا نکاح صحیح ہے جسکا حلال ہے اور دوسرے کا نکاح باطل ہے۔

ترجمہ : ۱ اس لئے باطل کرنے والا دونوں میں سے ایک ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا ہے۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے دو عورتوں کا نکاح ایک عقد میں کیا، اور ان میں ایک کا نکاح اس سے جائز تھا اور دوسرے کا نکاح حرام تھا [مثلا وہ رضاعی بہن تھی]، تو جس کا نکاح صحیح تھا اس سے نکاح ہو جائے گا اور جس کا نکاح حرام تھا اس کا نکاح باطل ہو جائے گا۔

وجہ : (۱) اس میں سے ایک کا نکاح باطل ہے اور ایک کا جائز ہے، اس لئے جس کا باطل ہے اس کا نکاح نہیں ہوگا، اور جس کا جائز ہے اس کا نکاح ہو جائے گا، دوسرے کے فساد سے اس کا فساد نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۲ بخلاف جبکہ آزاد اور غلام کو بیع میں جمع کیا اس لئے کہ بیع شروط فاسدہ سے فاسد ہو جاتی ہے، اور آزاد میں عقد کا قبول کرنا اس میں شرط ہے

تشریح : آزاد اور غلام کو ایک عقد میں بیچا تو دونوں کی بیع فاسد ہو جائے گی، نہ آزاد کی بیع ہوگی اور نہ غلام کی بیع ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے بیع شرط فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے، اور یہاں غلام کی بیع کے لئے آزاد کا خریدنا شرط ہے اور آزاد خریدا نہیں جا سکتا اس لئے اس کی وجہ سے غلام کی بیع بھی فاسد ہو جائے گی۔

لغت: و قبول العقد فی الحر شرط فیه : بیع کے عقد کے لئے آزاد کو خریدنا یہاں شرط ہے، اس لئے عقد فاسد ہوگا۔

ترجمہ : (۱۵۳۱) پھر تمام متعین مہر اس کے لئے ہے جس کا نکاح حلال ہے۔

ترجمہ : ۱ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح :۔چونکہ ایک کا نکاح ہوا اس لئے جو مہر بھی متعین کیا ہے وہ سب اس ایک کو مل جائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یوں سمجھا جائے گا

۲؎ وعندھما یقسم علی مھر مثلیھما وھی مسألة الاصل (۱۵۳۲) ومن ادعت علیه امرأة انه تزوجھا واقامت بینةً فجعلھا القاضی امرأته ولم یکن تزوجھا وسعھا المقام معه وان تدعه یجامعھا ۞ ۱؎ وھذا عند ابی حنیفةؒ وھو قول ابی یوسفؒ اولاً

کہ پورا مہر اس ایک کے مقابلے ہی میں متعین کیا ہے۔۔ مسمی: متعین کیا ہوا۔

ترجمہ : ۲؎ اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں کے مہر مثل پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور یہ مسئلہ کتاب الاصل کا ہے۔

تشریح : صاحبین کی رائے ہے کہ پورا مہر دو عورتوں کے مقابلے میں ذکر کیا ہے اسلئے مہر دونوں پر تقسیم کیا جائے گا، اور جو مہر جائز والے کے حصے میں آئے گا وہ اس کو دیا جائے گا، اور جو مہر دوسری کے حق میں آئے گا وہ شوہر کے پاس رہے گا۔ اور مہر تقسیم کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ دونوں کا جو مہر مثل ہوگا اس حساب سے مہر تقسیم کیا جائے گا۔ مثلا صائمہ کا مہر مثل دو ہزار ہے اور ساجدہ کا مہر مثل ایک ہزار ہے اور دونوں کے لئے ایک ہزار مہر متعین کیا تھا تو چونکہ صائمہ کا مہر مثل دوگنا ہے اس لئے اگر اس کی شادی درست ہوئی تو اس کو دوگنا ملے گا، یعنی ایک ہزار میں سے چھ سو چھیاسٹھ درہم ملے گا، اور اگر ساجدہ کا نکاح درست ہو تو اس کو ایک ہزار میں سے تین سو تینتیس درہم ملے گا۔

ترجمہ : (۱۵۳۲) کسی پر ایک عورت نے دعوی کیا کہ اس نے اس سے شادی کی ہے اور بینہ قائم کیا اور قاضی نے اس کی بیوی بنا دی، حالانکہ اس سے شادی نہیں کی تھی تو عورت کے لئے گنجائش ہے کہ مرد کے ساتھ ٹھہرے اور شوہر کو جماع کرنے کے لئے چھوڑ دے۔

ترجمہ : ۱؎ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ کا بھی پہلا قول یہی تھا۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ نکاح اور طلاق ایسی چیز ہے کہ پہلے نہیں ہوا تھا تو قاضی کے فیصلے کے بعد اب ہو جائے گی۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی عورت نے ایک مرد پر دعوی کیا کہ اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے، حالانکہ حقیقت میں اس نے اس سے نکاح نہیں کیا تھا، پھر عورت نے گواہی پیش کر دی اور قاضی نے اس کو سچ سمجھ کر بیوی ہونے کا فیصلہ کر دیا، تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اب یہ حقیقت میں بیوی بن گئی اور اس عورت کے لئے جائز ہے کہ مرد کے یہاں بیوی کی طرح رہے اور مرد کو جماع کرنے دے۔ کیونکہ ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔

وجہ : (۱) اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ نکاح چاہے پہلے نہ ہوا ہو لیکن قاضی نے جب دو گواہ کے ذریعہ نکاح کا فیصلہ کر دیا تو گویا کہ اب نکاح ہو گیا، اور جب نکاح ہو گیا تو بیوی کی طرح رہ سکتی ہے۔ (۲) اگر چہ گواہ جھوٹے ہیں لیکن قاضی نے تحقیق کے بعد یہ سمجھا کہ یہ سچے ہیں تو وہ سچا سمجھا جائے گا، کیونکہ ظاہری تحقیق کے بعد جھوٹے سچے کا پتہ لگانا مشکل ہوتا ہے اس لئے ظاہری تحقیق پر ہی فیصلے کا

۲ وفی قولہ الآخر وھو قول محمدؒ لایسعہ ان یطأھا وھو قول الشافعیؒ لان القاضی اخطأ الحجۃ اذالشھود کذبۃ فصار کما اذا ظھر انھم عبید او کفار

مدار رکھا جائے گا۔(۳)عورت کا دعوی ہے کہ میں نکاح کے ذریعہ اس کی بیوی بنی ہوں تو یہ دعوی املاک مقیدہ ہے کیونکہ بیوی بننے کا سبب بیان کیا ہے، اور املاک مقیدہ میں قاضی کا فیصلہ ظاہرا بھی نافذ ہوتا ہے اور باطنا بھی نافذ ہوتا ہے، اس لئے یہاں ظاہری اور باطنی دونوں طرح فیصلہ نافذ ہوگا۔

لغت : ایک ہے املاک مرسلہ، اور دوسرا ہے املاک مقیدہ۔ املاک مرسلہ: کسی چیز پر ملکیت کا دعوی کرے اور اس کی وجہ نہ بتائے تو اس کو املاک مرسلہ کہتے ہیں، مثلا کہے کہ یہ باندی میری ہے، لیکن کس طرح اس کی ملکیت میں آئی، وراثت کے ذریعہ یا خریدنے کے ذریعہ یہ نہ بتائے تو اس کو املاک مرسلہ کہتے ہیں، مرسل کا معنی ہے چھوڑے ہوئے، آزاد، چونکہ اس کے مالک ہونے کے اسباب بہت سے ہو سکتے ہیں اس لئے اس کو اسباب مرسلہ کہتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ ظاہری طور پر نافذ ہوگا، باطنی طور پر یعنی اللہ کے نزدیک نافذ نہیں ہوگا۔ دوسرا ہے، املاک مقیدہ: املاک مقیدہ : کسی چیز پر ملکیت کا دعوی کرے اور ملکیت میں آنے کی وجہ بتائے تو اس کو املاک مقیدہ کہتے ہیں، مثلا کہے کہ یہ باندی میری ہے، اور یہ بھی بتائے کہ وراثت کے ذریعہ، یا خریدنے کے ذریعہ یہ باندی میری ملکیت میں آئی ہے تو اس کو املاک مقیدہ کہتے ہیں، کیونکہ یہاں یہ قید ہے کہ کس سبب سے ملکیت میں آئی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ ظاہری اور باطنی دونوں طرح نافذ ہوگا یعنی دنیا کے اعتبار سے بھی نافذ ہوگا، اور باطنی طور پر یعنی اللہ کے نزدیک بھی نافذ ہوگا۔ نفاذ ظاہری: دنیاوی اعتبار سے احکام کا ترتب ہو اس کو نفاذ ظاہری کہتے ہیں۔ مثلا بیوی کا قدرت دینا، شوہر پر نان نفقہ لازم ہونا یہ نفاذ ظاہری ہے۔ نفاذ باطنی: اللہ کے نزدیک بھی حلال ثابت ہو جائے اس کو نفاذ باطنی کہتے ہیں۔

ترجمہ : ۲ حضرت امام ابو یوسفؒ کا آخری قول اور وہی قول امام محمدؒ کا ہے کہ مرد کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ وہ عورت سے وطی کرے، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے، اس لئے کہ قاضی نے دلیل میں غلطی کی ہے، اس لئے کہ گواہ جھوٹے ہیں، تو ایسا ہو گیا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ گواہ غلام ہیں یا کافر ہیں۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کا آخری قول اور امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ مرد کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ اس عورت سے وطی کرے، اس لئے کہ یہ بات یقینی ہوگئی ہے کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں اور قاضی دلیل پکڑنے میں غلطی کی ہے اس لئے حقیقت میں یہ اس کی بیوی نہیں ہے اس لئے اس سے وطی نہیں کرنی چاہئے۔ اس کی دو مثالیں پیش کر رہے ہیں کہ [ا] ایک یہ کہ بعد میں ظاہر ہو جاتا کہ گواہ غلام ہیں تو سب کے نزدیک اس عورت سے وطی کرنا جائز نہیں ہوتا اسی طرح جب گواہ جھوٹے ہیں تو بھی اس سے وطی نہیں کرنا چاہئے [۲] یا ظاہر ہو جاتا کہ یہ گواہ کافر ہیں تو سب کے نزدیک بیوی نہیں بنی اور اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہوتا اسی طرح یہاں بھی

۳؎ ولابی حنیفةؒ ان الشهود صدقةٌ عنده وهو الحجة لتعذر الوقوف علی حقیقة الصدق بخلاف الکفر والرق لان الوقوف علیهما متیسر ۴؎ واذا ابتنی القضاء علی الحجة وامکن تنفیده باطناً بتقدیم النکاح نفذ قطعاً للمنازعة ۵؎ بخلاف الاملاک المرسلة لان فی الاسباب تزاحماً فلا امکان واللهاعلم

وطی کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے۔

ترجمہ : ۳؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قاضی کے نزدیک یہ گواہ سچے ہیں، اور حقیقت حال پر واقف ہونا بعض مرتبہ ناممکن ہوتا ہے اس لئے ظاہری طور پر جو حال سامنے آیا اسی پر فیصلہ کیا جائے گا، اور امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ کفر اور غلامیت اتنی ظاہری علامت ہے کہ اس پر مطلع ہونا آسان ہے اس لئے آسان ہونے کے باوجود قاضی اس کی تفتیش نہ کر سکا تو اس پر فیصلہ غلط قرار دیا جائے گا اور شوہر کے لئے وطی ناجائز ہوگا۔

ترجمہ : ۴؎ اور جب قضا کی بنیاد حجت پر ہے اور نکاح کو مقدم کر کے باطنا نافذ کرنا ممکن ہے تو جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے نافذ کر دیا جائے گا۔

تشریح : یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ قضا کی بنیاد ظاہری دلیل پر ہے، اور قاضی نے اپنی وسعت کے مطابق تحقیق کر کے فیصلہ کر دیا تو اس کو جھگڑا ختم کرنے کے لئے باطنا بھی نافذ کر دیا جائے، اور یوں کہا جائے کہ پہلے چاہے نکاح نہیں تھا، لیکن قاضی کے فیصلے کے بعد اب نکاح ہو گیا اور اب بیوی بن گئی اس لئے شوہر کے لئے وطی کرنا جائز ہو گیا۔

ترجمہ : ۵؎ بخلاف املاک مرسلہ کے اس لئے کہ اسباب بہت سے ہو سکتے ہیں، اس لئے کوئی امکان نہیں ہے

تشریح : اوپر کے مسئلے میں املاک مقیدہ کا دعوی ہے، کیونکہ عورت نے دعوی کیا ہے کہ نکاح کے ذریعہ میں اس کی بیوی بنی ہوں، اس لئے وہاں بیوی بننے کا ایک ہی سبب مذکور ہے، اس لئے باطنی طور پر اس کو نافذ کیا جا سکتا ہے، اور املاک مرسلہ میں یہ ذکر نہیں ہوتا کہ کس سبب سے مالک ہوا ہے، اس ئے اس کے لئے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں اس لئے کوئی ایک فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اس فیصلے کو باطنی طور پر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب

﴿باب فی الاولیاء والاکفاء﴾

(۱۵۳۳) وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضائها وان لم یعقد علیها ولی بکراً کانت اوثیبا ﴾ ا عندابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ فی ظاهر الروایة

باب فی الاولیاء و الاکفاء

﴿ باکرہ اور ثیبہ کے لئے ولی کے احکام ﴾

ضروری نوٹ : اولیاء ولی کی جمع ہے، اور ولی ولایت سے مأخوذ ہے، ولایت کا ترجمہ ہے حکم کو دوسرے پر نافذ کرنا، چونکہ نکاح کا ولی عورت پر نکاح کا حکم نافذ کرتا ہے اس لئے اس کو ولی کہتے ہیں۔ اکفاء: کفو کی جمع ہے، نظیر اور ہمسر کو کفو کہتے ہیں۔

ترجمہ : (۱۵۳۳) منعقد ہوتا ہے آزاد، بالغہ اور عاقلہ عورت کا نکاح اس کی رضامندی سے اگر چہ نہ عقد کیا ہو اس کے ولی نے

ترجمہ : ا امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ظاہر روایت میں باکرہ عورت ہو یا ثیبہ۔

تشریح : عورت آزاد ہو، عاقلہ ہو اور بالغہ ہو چاہے وہ باکرہ ہو چاہے ثیبہ ہو اگر وہ بغیر ولی کی اجازت کے خود شادی کرے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی ظاہر روایت ہے۔

وجہ: (۱) وہ عاقلہ، بالغہ اور آزاد ہے اس لئے معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے تو جس طرح اپنے مال کی بیع وشراء کر سکتی ہے اسی طرح نکاح بھی کر سکتی ہے۔ البتہ خود نکاح کرنا بے شرمی کی علامت ہے اس لئے ایسا کرنا اچھا نہیں ہے (۲) آیت سے پتہ چلتا ہے کہ خود وہ نکاح کر سکتی ہے۔ اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن اذا تراضوا بینهم بالمعروف . (آیت ۲۳۲، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ عورتیں خود شادی کریں تو اے اولیاء تم ان کو مت روکو۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ بغیر اولیاء کے خود شادی کر سکتی ہیں (۳) حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ ان ابا هریرة ان النبی ﷺ قال لا تنکح الایم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن قالوا یارسول الله ﷺ کیف اذنها ؟ قال ان تسکت . (بخاری شریف، باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاها، ص ۱۷۷، نمبر ۵۱۳۶ر مسلم شریف، استئذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت، ص ۴۵۵، نمبر ۱۴۱۹ر۳۴۷۳ر ابوداؤد شریف، باب فی الاستیمار، ص ۲۹۲، نمبر ۲۰۹۲ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی استیمار البکر والثیب، ص ۲۱۰، نمبر ۱۱۰۷) اس حدیث میں ہے کہ ثیبہ اور باکرہ سے جب تک اجازت نہ لے لی جائے تب تک نکاح نہ کیا جائے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اصل حق عورت کو ہے۔ اس لئے بغیر ولی کے بھی وہ شادی کر لے تو شادی ہو جائے گی (۴) دوسری حدیث میں ہے۔ عن خنساء بنت حذام الانصاریة ان اباها زوجها وهی ثیب فکرهت ذلک فاتت رسول الله فرد نکاحه، (بخاری شریف، باب اذا زوج الرجل ابنته وهی کارهة فنکاحه مردود، ص ۱۷۷، نمبر ۵۱۳۸ر ابوداؤد شریف،

۲؎ وعن ابی یوسفؒ انہ لاینعقد الا بولی وعندمحمدؒ ینعقد موقوفاً

باب فی الثیب ص۲۹۳ نمبر۲۱۰۱)اس حدیث میں ثیبہ عورت کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے کیا تو آپؐ نے اس کو رد کر دیا۔جس سے معلوم ہوا کہ نکاح کا اصل حق عورت کو ہے۔(۵) عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت کان فی حجری جارية من الانصار فزوجتها ،قالت فدخل علی رسول الله ﷺ يوم عرسها فلم يسمع لعبا فقال ياعائشة ان هذا الحی من الانصاريحبون كذا كذا .(مسند احمد،مسند عائشۃ،ج سابع،ص۳۸۳،نمبر۲۵۸۱۷)اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشۃ نے لڑکی کی شادی کرائی،جس سے معلوم ہوا کہ عورت شادی کر سکتی ہے اور کرا بھی سکتی ہے.ان عائشة انكحت حفصة ابنة عبد الرحمن بن ابی بكر المنذر بن الزبير و عبد الرحمن غائب فلما قدم عبد الرحمن غضب و قال أی عباد الله !أمثلی يقتات عليه فی بناته ؟ فغضبت عائشة و قالت أترغب عن المنذر ؟ .(مصنف ابن ابی شیبۃ،باب من اجاز بغیر ولی ولم یفرق،ج ثالث،ص۴۴۴،نمبر۱۵۹۴۹)اس اثر میں ہے کہ حضرت عائشۃ نے اپنی بھتیجی کی شادی کرائی،جس سے معلوم ہوا کہ عورت نکاح کر سکتی ہے اور کرا بھی سکتی ہے ۔

ترجمہ : ۲؎ اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ ولی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوگا،اور امام محمدؒ کی روایت ہے کہ موقوفا منعقد ہوگا۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ ولی کے بغیر عورت کا نکاح منعقد نہیں ہوگا،اور امام محمدؒ کی رائے ہے کہ ولی کے بغیر نکاح منعقد تو ہو جائے گا،لیکن ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا،اگر اس نے بعد میں اجازت دی تو منعقد رہے گا،اور اگر اس نے منع کر دیا تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔

وجہ: (۱)ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ وانكحوا الايامی منكم والصالحين من عبادكم وامائكم. (آیت ۳۲،سورۃ لنور۲۴)اس آیت میں اولیاء کو حکم ہے کہ بیواؤں کا نکاح کراؤ۔جس سے معلوم ہوا کہ ولی کو نکاح کرانے کا حق ہے(۲) الرجال قوامون علی النساء ۔(آیت ۳۴،سورۃ النساء۴)اس آیت میں ہے کہ مرد عورت پر حاکم ہے،اس سے معلوم ہوا کہ مرد نکاح کرا سکتا ہے۔ (۳) حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔عن عائشة قالت قال رسول الله ايما امرأة نكحت بغير اذن مواليها فنكاحها باطل ثلاث مرات فان دخل بها فالمهر لها بما اصاب منها فان تشاجروا فالسلطان ولی من لاولی له. (ابوداؤد شریف،باب فی الولی ص۲۹۱ نمبر۲۰۸۳)(۴)اور ترمذی میں اس طرح عبارت ہے۔عن ابی موسی قال قال رسول الله ﷺ لا نكاح الا بولی. (ترمذی شریف،باب ماجاء لانکاح الا بولی، ص۲۰۸،نمبر۱۱۰۱/ابن ماجہ شریف،باب لا نکاح الا بولی،ص۲۶۹،نمبر۱۸۷۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں

۳؎ وقال مالکؒ والشافعیؒ لاینعقد النکاح بعبارة النساء اصلاً لان النکاح یراد لمقاصده والتفویض الیهن مخل بها ۴؎ الا ان محمداً یقول یرتفع الخلل باجازة الولی ۵؎ ووجه الجواز انهاتصرفت فی خالص حقها وهی من اهله لکونها عاقلة ممیزةً ولهذا کان لها التصرف فی المال ولها اختیار

ہوگا۔

نوٹ: اس وقت اس پر فتوی دیتے ہیں کہ بغیر ولی کے بھی نکاح ہوجائے گا۔ کیونکہ لاکھوں عورتیں اس وقت بغیر ولی کے نکاح کر رہی ہیں۔ اگر ان کے نکاح کو جائز قرار نہ دیں تو مشکل ہوگا۔ البتہ غیر کفو میں شادی کی ہو تو ولیوں کو قاضی کے سامنے اعتراض کرنے کا حق ہوگا اور قاضی مناسب سمجھے تو اس نکاح کو توڑ دے۔

ترجمہ: ۳؎ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ عورتوں کے جملے سے تو بالکل نکاح ہی منعقد نہیں ہوگا ،اس لئے کہ مقاصد نکاح کے لئے نکاح کیا جاتا ہے اور عورتوں کو سونپنا مقاصد نکاح میں خلل ڈالنا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ عورت اگر نکاح کرے تو اس کی عبارت سے نکاح ہی منعقد نہیں ہوگا، موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعی: فأی امرأة نکحت بغیر اذن ولیها فلا نکاح لها لان النبی ﷺ قال فنکاحها باطل ۔(موسوعہ امام شافعیؒ، باب لا نکاح الا بولی، ج عاشر، ص ۳۹، نمبر ۱۵۳۳۵) اس عبارت میں ہے عورت نکاح کرے تو وہ باطل ہے۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ نکاح بہت سے مقاصد کے لئے منعقد کیا جاتا ہے، اور عورتوں کو سپرد کردیا جائے تو اس کے ناقصات عقل ہونے کی وجہ سے وہ مقصد فوت ہوجائیں گے اس لئے اس کے نکاح کرنے سے نکاح ہی منعقد نہیں ہوگا۔ (۲) اوپر کی حدیث میں تھا, نکاحها باطل ، کہ وہ نکاح کرے تو وہ باطل ہے اس لئے بھی نکاح نہیں ہوگا۔ (۳) اس حدیث میں بھی ہے. عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لا تنکح المرأة المرأة و لا تنکح المرأة نفسها ، قال ابو هریرةؓ کنا نعد التی تنکح نفسها هی الزانیة . (سنن بیہقی، باب لا نکاح الا بولی، ج سابع، ص ۱۷۸، نمبر ۱۳۶۳۳) اس حدیث میں عورت کسی عورت کا بھی نکاح نہ کرائے اور خود اپنا نکاح بھی نہ کرے۔

ترجمہ: ۴؎ مگر امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ولی کی اجازت سے خلل اٹھ جائے گا۔

تشریح: امام محمد نے فرمایا کہ عورت کا نکاح موقوف رہے گا، پس اگر ولی نے اجازت دی تو نکاح باقی رہے گا اور اس نے انکار کر دیا تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ حدیث کی بنا پر اس کو نکاح توڑنے کا حق ہے۔

ترجمہ: ۵؎ نکاح جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورت نے اپنے خالص حق میں تصرف کیا ہے اور وہ تصرف کا اہل ہے، اس لئے

الازواج ۶ وانما یطالب الولی بالتزویج کیلا تنسب الی الوقاحة ۷ ثم فی ظاهر الروایة لا فرق بین الکفو وغیر الکفو لکن للولی الاعتراض فی غیر الکفو ۸ وعن ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ انه لایجوز فی غیر الکفو لانه کم من واقع لایرفع ۹ ویروی رجوع محمدؒ الی قولهما

کہ وہ عاقلہ ہے، نفع نقصان کی تمیز رکھتی ہے اسی لئے اس کو مال کے تصرف کرنے کا حق ہوتا ہے اسی لئے اس کو شوہر کو انتخاب کرنے کا حق ہوگا۔

تشریح : عورت سے نکاح جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کرنا اس کا اپنا ذاتی حق ہے، کیونکہ وہ عاقلہ ہے بالغہ ہے اور نفع نقصان کی تمیز رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مال میں تصرف کرنے کا حق رکھتی ہے اس لئے شوہر کو بھی انتخاب کرنے کا حق رکھے گی۔

ترجمہ : ۶ ولی سے نکاح کرانے کا مطالبہ اس لئے کرانا چاہتے ہیں کہ تاکہ بے شرمی کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔

تشریح : یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ اگر عورت کے نکاح کرنے سے نکاح ہو جاتا ہے تو پھر ولی سے نکاح کرانے کا مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ تاکہ عورت کو لوگ بے شرم نہ کہیں۔۔تزویج: نکاح کرانا۔وقاحۃ: بے شرمی۔

ترجمہ : ۷ پھر ظاہر روایت میں کفو اور غیر کفو میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن غیر کفو میں ولی کو اعتراض کا حق ہوگا

تشریح : ظاہر روایت یہ ہے کہ کفو میں نکاح کرے تب بھی نکاح ہو جائے گا، اور غیر کفو میں کرے تب بھی نکاح ہو جائے گا، البتہ غیر کفو میں کرے تو ولی کو اعتراض کرنے کا حق ہوگا، یہ اعتراض قاضی کے پاس کرے ، پھر وہ مناسب سمجھے تو نکاح توڑوا دے، اور مناسب سمجھے تو نکاح برقرار رکھے۔

ترجمہ : ۸ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ غیر کفو میں جائز نہیں ہے اس لئے کہ بہت سے نکاح واقع ہونے کے بعد پھر اٹھتا نہیں ہے۔

تشریح : شیخینؒ کی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ غیر کفو میں عورت نے نکاح کیا ہو تو نکاح ہوگا ہی نہیں، اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ نکاح ہو جانے کے بعد بعض مرتبہ ٹوٹتا نہیں ہے اس لئے یوں کہا جائے کہ غیر کفو میں نکاح ہوگا ہی نہیں۔

ترجمہ : ۹ روایت کی گئی ہے کہ امام محمدؒ نے شیخین کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔

تشریح : ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے، یعنی وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ عورت کے نکاح کرنے کے بعد نکاح موقوف واقع نہیں ہوگا، بلکہ مکمل نکاح ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ عاقلہ بالغہ ہے۔

(۱۵۳۴)ولایجوز للولی اجبار البکر البالغة علی النکاح ﴾ ۱؎ خلافا للشافعیؒ له الاعتبار بالصغیرة وھذا لانھا جاھلة بامر النکاح لعدم التجربة ولھذا یقبض الاب صداقھا بغیر امرھا

ترجمه : (۱۵۳۴)اور نہیں جائز ہے ولی کے لئے باکرہ، بالغہ، عاقلہ کو نکاح پر مجبور کرنا۔

تشریح : نابالغ بچی ہو تو ولی نکاح کے لئے مجبور کر سکتا ہے۔لیکن بالغ ہو چکی ہو اور عاقل اور آزاد بھی ہو تو ولی اس کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔یا ولی نکاح کر دے اور لڑکی کی مرضی کے بغیر یہ کہے کہ اس کو قبول کر لو اور نافذ کر لو تو یہ صحیح نہیں ہے۔

وجه: (۱) وہ آزاد ہے عاقلہ ہے، اور خود مختار ہے۔اس لئے اس کو مجبور نہیں کر سکتا (۲) حدیث میں ہے کہ باپ نے باکرہ کی شادی بغیر اس کی رضامندی کے کر دی تو آپؐ نے اس نکاح کو توڑنے کا اختیار دیا، حدیث یہ ہے۔عن ابن عباس ان جاریة بکرا اتت النبی ﷺ فذکرت ان اباھا زوجھا وھی کارھة فخیرھا النبی ﷺ. (ابوداؤد شریف، باب فی البکر یزوجھا ابوھا ولا یستامرھا ص۲۹۲ نمبر ۲۰۹۶/دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص۱۶۳ نمبر ۳۵۱۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باکرہ عورت کی بھی بغیر اس کی رضامندی کے شادی کرا دی تو اس کو توڑنے کا اختیار ہوگا (۳) اوپر کی حدیث۔ان ابا ھریرة حدثھم ان النبی ﷺ قال لا تنکح الایم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن قالوا یارسول الله ﷺ کیف اذنھا ؟ قال ان تسکت . (بخاری شریف، باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا، ص ۱۰۷۱، نمبر ۵۱۳۶/مسلم شریف، استئذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت، ص ۴۵۵، نمبر ۱۴۱۹/۳۴۷۳/ابوداؤد شریف، باب فی الاستیمار، ص ۲۹۲، نمبر ۲۰۹۲/ترمذی شریف، باب ماجاء فی استیمار البکر والثیب، ص ۲۱۰، نمبر ۱۱۰۷)اس حدیث میں ہے کہ باکرہ سے اجازت لی جائے، جس سے معلوم ہوا کہ اس کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔(۴) اس حدیث میں ہے .عن ابی سعید الخدری ان رجلا ....فقال رسول الله ﷺ لا تنکحوھن الا باذنھن ۔(دار قطنی، باب کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۱۶۶، نمبر ۳۵۳۰)اس حدیث میں ہے کہ عورت کی اجازت کے بغیر نکاح مت کیا کرو، اس لئے اس کو مجبور کرنا جائز نہیں۔(۵) نابالغ لڑکی کی شادی ولی کرا سکتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عائشةؓ ان النبی ﷺ و تزوجھا و ھی بنت ست سنین و ادخلت علیه و ھی بنت تسع و مکثت عندہ تسعا ۔(بخاری شریف، باب انکاح الرجل ولدہ الصغار، ص ۹۱۸، نمبر ۵۱۳۳)اس حدیث میں حضرت عائشہ چھوٹی ہیں اس لئے اس کے باپ نے انکی شادی کرائی۔

ترجمه : ۱؎ خلاف امام شافعیؒ کے، انکی دلیل ہے کہ وہ نابالغ لڑکی پر قیاس کرتے ہیں، اور یہ وجہ بھی ہے کہ تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے نکاح کے معاملے کا جاہل ہے، اسی لئے بغیر اس کے حکم کے باپ اس کے مہر پر قبضہ کر سکتا ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ باکرہ چاہے بالغہ ہو اس کو ولی نکاح پر مجبور کر سکتا ہے۔موسوعہ کی عبارت سے معلوم ہوتا

۲؎ولنا انها حرة فلایکون للغیر علیها ولایة الاجبار ۳؎و الولایة علی الصغیرة لقصور عقلها وقد کمل بالبلوغ بدلیل توجه الخطاب فصار کالغلام وکالتصرف فی المال

ہے کہ صرف باپ کو اس کی اجازت ہے کہ وہ باکرہ بالغہ کو مجبور کرے اس کے علاوہ دوسرے ولی کو یہ حق نہیں ہے، موسوعہ کی عبارت یہ ہے۔ و لم اعلم أهل العلم اختلفوا فی انه لیس لاحد من الاولیاء غیر الآباء ان یزوج بکرا و لا ثیبا الا باذنها فاذا کانوا لم یفرقوا بین البکر و الثیب البالغین لم یجز الا ما وصفت فی الفرق بین البکر و الثیب فی الاب [الولی] و غیر الولی ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ باب ماجاء فی نکاح الاباء، ج عاشر، ص ۵۹، نمبر ۱۵۴۰۲)اس عبارت میں ہے کہ باپ کے علاوہ کسی کو حق نہیں ہے کہ بالغہ [چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ] کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے کر دے۔

وجہ : صاحب ہدایہ نے انکی دلیل عقلی یہ پیش کی ہے (۱) اصل بنیاد یہ ہے کہ شوہر کے ساتھ نہ رہنے کی وجہ سے شوہر کے انتخاب کا تجربہ نہیں ہے اس لئے ولی اس کو مجبور کر سکتا ہے، پس جس طرح نابالغ لڑکی کو شوہر کے ساتھ نہ رہنے کی وجہ سے شوہر کے انتخاب کر نے کا تجربہ نہیں ہے اس لئے ولی کو مجبور کرنے کی ولایت ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے بالغہ باکرہ کو بھی شوہر کے انتخاب کرنے کا تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے ولی کو مجبور کرنے کی ولایت ہونی چاہئے۔ (۲) اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ باپ کو حق ہے کہ باکرہ بالغہ کے حکم کے بغیر اس کے مہر کو خود قبضہ کر لے، پس جس طرح اس کے مہر کو قبضہ کر سکتا ہے اسی طرح اس کو نکاح پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔ (۳) ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے۔ لا نکاح الا بولی ، ہے اس میں ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ ولی کو مجبور کرنے کا حق ہے (۴) حضرت حفصہ کو ان کے والد حضرت عمرؓ نے شادی کرائی تھی، جس سے معلوم ہوا کہ ولی کو نکاح کرانے کا حق ہے، حدیث یہ ہے . و قال عمر : خطب النبی ﷺ الی حفصة فأنکحته ۔(بخاری شریف، باب تزویج الاب ابنتہ من الامام، ص ۹۱۸، نمبر ۵۱۳۴) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی کی شادی کرائی، جس سے معلوم ہوا کہ ولی کو مجبور کرنے کا حق ہے۔

ترجمہ : ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ آزاد ہے اس لئے غیر کو اس پر مجبور کرنے کی ولایت نہیں ہوگی۔

تشریح :۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ باکرہ بالغہ آزاد ہے اس لئے دوسرے کو مجبور کرنے کی ولایت نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۳؎ اور چھوٹی لڑکی پر ولایت اس کی عقل کے کم ہونے کی وجہ سے ہے اور بالغ ہونے کی وجہ سے وہ کامل ہوگئی، اس دلیل سے کہ شریعت کا خطاب متوجہ ہوا، اس لئے وہ لڑکے کی طرح ہوگئی، اور مال میں تصرف کے طرح ہو گیا۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب ہے، انہوں نے باکرہ بالغہ کو صغیرہ پر قیاس کیا تھا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ صغیرۃ پر ولایت اس لئے ہے کہ اس کی عقل ناقص ہے، اور بالغ ہونے کی وجہ سے اس کی عقل کامل ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ شریعت کے تمام

۴؎ و انما یملک الاب قبض الصداق براضائها دلالة ولهذا لایملک مع نهیها (۱۵۳۵) قال فاذااستاذنها الولی فسکتت او ضحکت فهو اذن ﴾ ا؎ لقوله علیه السلام البکر تستامر فی نفسها فان سکتت فقد رضیت

خطابات اس کی طرف متوجہ ہوگئے اوراس پر نماز روزہ فرض ہوگیا۔آگے دو مثالیں دے رہے ہیں[۱] اس لئے یہ بالغہ لڑکے کی طرح ہوگئی ، یعنی لڑکا بالغ ہونے کے بعد اس کو ولی مجبور نہیں کرسکتا ، اسی طرح بالغہ کو بھی ولی مجبور نہیں کرسکتا۔[۲] دوسری مثال یہ ہے کہ یہ اپنے مال میں تصرف کرنے میں کوئی ولی مجبور نہیں کرسکتا ، اسی طرح نکاح میں بھی کوئی مجبور نہیں کرسکتا۔

ترجمہ : ۴؎ باپ مہر پر قبضہ کرنے کا مالک ہے دلالۃ لڑکی کی رضامندی سے اسی وجہ سے اس کے روکنے کے بعد قبضہ کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے ، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ ولی مہر پر قبضہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے تو اس کا جواب ہے کہ لڑکی کی جانب سے دلالت کے طور پر رضامندی ہے اس لئے بغیر اس کے حکم کے بھی مہر پر قبضہ کرنے کا اختیار ہے ، یہی وجہ ہے کہ لڑکی مہر پر قبضہ کرنے سے روک دے تو ولی مہر پر قبضہ نہیں کرسکتا۔

ترجمہ : (۱۵۳۵) جب باکرہ سے ولی نے اجازت مانگی پس وہ چپ رہی یا ہنسی تو یہ اس کی جانب سے اجازت ہے۔

ترجمہ : ا؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ باکرہ سے اس کی ذات کے بارے میں اجازت لی جائے گی ، پس اگر چپ رہی تو سمجھو راضی ہوگئی۔

تشریح : چونکہ باکرہ عورت شرمیلی ہوتی ہے وہ صراحت کے ساتھ شادی کی اجازت دینے سے شرماتی ہے۔اس لئے ان طریقوں سے اس کی اجازت کا پتہ چلتا ہے۔اس لئے اگر وہ چپ رہی یا ہنس پڑی تو اجازت شمار کی جائے گی۔اور کبھی خوشی سے رو بھی پڑتی ہے۔اس لئے بغیر آواز کے رونا اجازت پر دلیل ہے۔لیکن آواز کے ساتھ رونا انکار کی دلیل ہے۔اس لئے اگر آواز سے روئی تو نکاح کرانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

وجہ (۱) چپ رہنے سے اجازت شمار ہوگی اس کے لئے یہ حدیث ہے۔صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ان ابا هريرة حدثهم ان النبی ﷺ قال لا تنكح الايم حتى تستأمر و لا تنكح البكر حتى تستأذن قالوا يارسول الله ﷺ كيف اذنها ؟ قال ان تسكت . (بخاری شریف ، باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا ، ص ۷۷۱ ، نمبر ۵۱۳۶ / مسلم شریف ، استئذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت ، ص ۴۵۵ ، نمبر ۱۴۱۹ / ۳۴۷۳) (۲) اس حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے۔عن

۲؎ ولان جهة الرضاء فيه راجحة لانها تستحيى عن اظهار الرغبة لاعن الردّ والضحک ادل على الرضاء من السكوت بخلاف ما اذا بكت لانه دليل السخط والكراهة ۳؎ وقيل اذا ضحكت كالمستهزية بما سمعت لا يكون رضا

عائشة انها قالت یا رسول الله ان البکر تستحی قال رضاها صمتها (بخاری شریف، باب لاینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاها ص ۹۱۸ نمبر ۵۱۳۷/ مسلم شریف، باب استیذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت ص ۵۹۶ نمبر ۱۴۲۱/ ۳۴۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چپ رہنا بھی باکرہ کی جانب سے اجازت ہے۔ اور ہنسنے اور بغیر آواز کے رونے کو بھی اسی پر قیاس کرلیں۔ کیونکہ یہ بھی اجازت پر دلیل ہیں۔ ابوداؤد شریف میں ان بكت او سكتت کا لفظ ہے (ابوداؤد شریف، باب فی الاستیمار ص ۲۹۲، نمبر ۲۰۹۴) جس سے معلوم ہوا کہ خوشی سے رونا بھی اجازت کی دلیل ہے۔ (۳) اس اثر میں ہے. و قال الشعبی : ان سكتت ، او بكت ، او ضحكت فهو رضاها ، و ان ابت فلا يجوز عليها ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب استئمار الیتیمة فی نفسها، ج سادس، ص ۱۱۷، نمبر ۱۰۳۳۶) اس اثر میں ہے کہ ہنس جائے یا رو جائے تب بھی اجازت شمار کی جائے گی۔

ترجمه : ۲؎ اور اس لئے کہ رضامندی کی جہت اس میں راجح ہے اس لئے کہ وہ رغبت کو ظاہر کرنے سے شرماتی ہے، انکار کرنے سے نہیں شرماتی، اور ہنسنا چپ رہنے سے زیادہ رضامندی پر دلالت کرنے والا ہے، بخلاف رونے کے اس لئے کہ وہ غصے اور کراہیت پر دلالت کرتا ہے۔

تشریح : چپ رہنا یا ہنسنا اجازت کی دلیل کیوں ہے اس کی وضاحت ہے۔ فرماتے ہیں کہ باکرہ لڑکی شادی کی رضامندی ظاہر کرنے سے شرماتی ہے اس لئے زیادہ راجح یہی ہے کہ وہ نکاح کی اجازت دے رہی ہے اور چپ رہنا اور ہنسنا اجازت پر زیادہ دلالت کرتا ہے اس لئے یہ اجازت کی دلیل ہوگی، البتہ رونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس نکاح سے ناخوش ہے، اور کراہیت کر رہی ہے اس لئے اجازت لیتے وقت روگئی تو یہ نکاح کی اجازت کی دلیل نہیں ہوگی۔

لغت : تستامر : امر سے مشتق ہے، حکم طلب کرنا، مشورہ مانگنا۔ تستحی : حی سے مشتق ہے، شرمندہ ہونا۔ السخط : غصہ، ناراضگی۔ کرھیۃ : نفرت، ناپسندیدگی۔

ترجمه : ۳؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر جو کچھ سنا اس کا مذاق کرنے والی کی طرح ہنسی تو یہ رضامندی نہیں ہوگی۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر اس طرح ہنسی کہ وہ سنی ہوئی بات کا مذاق کر رہی تو یہ ہنسی اجازت کی دلیل نہیں ہوگی، بلکہ یہ نکاح کے انکار کی دلیل ہوگی۔

۴؎ واذا بکت بلا صوتٍ لم یکن رداً (۱۵۳۶) قال وان فعل ھذا غیر الولی [یعنی استامر غیر الولی او ولیٌّ غیرہ اولی منہ] لم یکن رضا حتی تتکلم بہ ﴿ ۱؎ لان ھذا السکوت لقلة الالتفات الی کلامہ فلم یقع دلالةً علی الرضاء ۲؎ ولو وقع فھو محتمل والاکتفاء بمثلہ للحاجة ولاحاجة فی حق غیر الاولیاء

اصول : جوحرکت اجازت پر دلالت ہوگی وہ اجازت سمجھی جائے گی۔اور جوحرکت انکار پر دلالت ہوگی وہ انکار سمجھی جائے گی۔

ترجمہ : ۴؎ اگر بغیر آواز کے روئی تو یہ ردنہیں ہوگا۔

تشریح : رونے کی دوقسم ہے [۱] چلا کر رونا اور شور مچانا یہ انکار کی دلیل ہے،لیکن بغیر آواز کے رونا یہ خوشی کی دلیل ہے،اس لئے اگر بغیر آواز کے روئی تو اس سے اجازت شمار کی جائے گی۔

ترجمہ : (۱۵۳۶) اور اگر یہ اجازت ولی کے علاوہ نے لی [یعنی ولی کے علاوہ نے اجازت لی،یا اس کے علاوہ اس سے افضل ولی تھا] تو عورت کی اجازت نہیں ہوگی جب تک کہ بات نہ کرے۔

تشریح : ولی اگر بالغہ باکرہ سے اجازت لےتو اس کا چپ رہنا اور ہنسنا اور بغیر آواز کے رونا بھی اجازت ہے،اور ولی کے علاوہ نے اجازت لی تو اس کے سامنے کلام سے اجازت دینا ہوگا،جس طرح ثیبہ سے اجازت لےتو کلام سے اجازت ضروری ہے چپ رہنے،ہنسنے اور رونے سے اجازت نہیں سمجھی جائے گی،کیونکہ ان لوگوں کو اجازت دینے میں اتنی شرم نہیں ہوتی ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ یہ چپ رہنا اس کے کلام کی طرف قلت التفات کی وجہ سے ہے اس لئے رضامندی پر دلالت واقع نہیں ہوگی۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے،کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ لڑکی اس وجہ سے چپ رہی ہو کہ غیر ولی کی بات کی طرف توجہ ہی نہیں دینا چاہتی اس لئے چپ رہنا اجازت کی دلیل نہیں ہے اس لئے صراحت سے اجازت دینی ہوگی۔

ترجمہ : ۲؎ اور اگر واقع ہو بھی گئی تو اس میں احتمال ہے اور اس جیسے میں ضرورت کی وجہ سے اکتفاء کیا جاتا ہے اور ولی کے علاوہ کے حق میں کوئی حاجت نہیں ہے۔

تشریح : چپ رہنے اور ہنسنے میں احتمال ہے کہ اجازت دی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ انکار کیا ہو اور احتمال والے جملے میں ضرورت کے موقع پر اجازت شمار کی جائے،لیکن جہاں ضرورت نہیں ہے وہاں اس سے اجازت شمار نہیں کی جائے گی،اور غیر اولیاء میں اس کی ضرورت نہیں ہے،کیونکہ انکے سامنے صراحت سے اقرار کرنے میں نہیں شرماتی اس لئے غیر اولیاء میں ان دونوں جملوں سے اجازت نہیں ہوگی،جب تک کہ صراحت سے اجازت نہ دے۔

۳؎بخلاف ما اذا کان المستامر رسول الولی لانه قائم مقامه (۱۵۳۷) وتعتبر فی الاستیمار تسمیة الزوج علی وجهٍ تقع به المعرفة ﴿۱؎لتظهر رغبتها فیه من رغبتها عنه (۱۵۳۸) ولاتشترط تسمیة المهر ﴿۱؎هو الصحیح لان النکاح صحیح بدونه (۱۵۳۹) ولوزوجها فبلغها الخبر فسکتت فهو علی ماذکرنا ﴿۱؎لان وجه الدلالة فی السکوت لایختلف

ترجمہ : ۳؎ بخلاف جبکہ اجازت طلب کرنے والا ولی کا قاصد ہو اس لئے کہ وہ ولی کے قائم مقام ہے۔

تشریح : اگر ولی نے اجازت طلب کرنے کے لئے اپنا قاصد بھیجا تو چونکہ وہ ولی کے قائم مقام ہوتا ہے اس لئے انکے سامنے بھی چپ رہنا، اور ہنسنا اجازت شمار ہوگی۔۔المستامر: امر سے مشتق ہے، اجازت طلب کرنے والا۔ رسول: قاصد۔

ترجمہ : (۱۵۳۷) اجازت طلب کرنے میں اعتبار کیا جائے گا اس طرح شوہر کے نام کا کہ اس سے شوہر کا پہچان واقع ہو جائے۔

ترجمہ : ۱؎ تا کہ اس کی رغبت اس کی بے رغبتی سے ممتاز ہو جائے۔

تشریح : جس وقت باکرہ بالغہ سے نکاح کی اجازت لے رہا ہو تو جس آدمی سے نکاح کرا رہا ہو اس کا نام لے اور اس طرح تعارف کرائے کہ لڑکی اس کو پہچان لے، اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ لڑکی اس سے شادی کرنے میں رغبت کا اظہار کرتی ہے یا بے رغبتی کا اظہار کرتی ہے، اور اگر اس طرح شوہر کا نام لیا کہ لڑکی اس کو پہچان نہ سکی اور ہاں یا نا کہہ دیا تو اس اجازت یا انکار کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس کے ساتھ زندگی گزارنا ہے اس آدمی کو پہچاننا اور اسکی خوبی اور خامی پہچاننا ضروری ہے۔

ترجمہ : (۱۵۳۸) اور نہیں شرط لگائی گئی ہے مہر کے ذکر کی، یہی صحیح ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ نکاح بغیر مہر کے بھی درست ہے۔

تشریح : باکرہ بالغہ سے یا ثیبہ سے نکاح کے اجازت لیتے وقت کتنا مہر ہوگا اس کے ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، البتہ کر دے تو بہتر ہے، صحیح روایت یہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مہر کے بغیر بھی نکاح ہو جاتا ہے اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ : (۱۵۳۹) اگر لڑکی کو نکاح کی خبر پہونچی اور وہ چپ رہی تو وہ حکم اسی تفصیل پر ہے جو میں نے ذکر کیا ۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ دلالت کی وجہ چپ رہنے میں مختلف نہیں ہوتی ہے۔

تشریح : ولی نے لڑکی کی شادی کرائی پھر اس کو شادی کی خبر دی تو اگر خبر دینے والا ولی ہے تو اس کے سامنے چپ رہنا، اور ہنسنا بھی اجازت ہوگی، اور اگر خبر دینے والا ولی کا قاصد ہے تو بھی چپ رہنا، اور ہنسنا اجازت ہوگی، اور خبر دینے والا ولی کے علاوہ ہے تو

۲ ثم المخبر ان کان فضولیا یشترط فیه العدد او العدالة عند ابی حنیفةؒ خلافاً لهما ۳ ولو کان رسولا لایشترط اجماعا ۴ وله نظائر (۱۵۴۰) ولو استاذن الثیب فلابد من رضاها بالقول ۱ لقوله علیه السلام الثیب تشاور

چپ رہنا اور ہنسنا کافی نہیں ہوگا بلکہ زبان سے اجازت دینی ہوگی۔اس لئے کہ نکاح کے لئے اجازت لینا اور نکاح کے بعد اس کو بحال رہنے کے لئے اجازت لینا دونوں ایک ہی درجے میں، چپ رہنے کی دلالت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ وہی تفصیل ہے جو اوپر گزری۔

ترجمہ : ۲ پھر خبر دینے والا اگر فضولی ہے تو اس میں عدد کی شرط ہے یا عدالت کی شرط ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، خلاف صاحبینؒ کے۔

تشریح : اگر نکاح کا خبر دینے والا نہ ولی ہو اور نہ ولی کا قاصد ہو، بلکہ فضولی ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ دو فضولی خبر دینے والا ہو، یا ایک فضولی ہو تو وہ عادل ہو۔اسکی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فضولی سے کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ گواہی کی آدھی شرط ہو، معاملات کی گواہی دینے میں دو شرطیں ہیں [۱] ایک شرط ہے کہ دو گواہ ہوں، [۲] اور دوسری شرط ہے کہ دونوں عادل ہوں، اس کو شطر الشہادۃ کہتے ہیں۔فضولی میں دو شرطوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔اور صاحبینؒ کے یہاں دونوں شرطوں میں کوئی ضروری نہیں ہے اس لئے ایک غیر عادل فضولی بھی خبر دے دے تو بات ثابت ہو جائیگی۔

ترجمہ : ۳ اور اگر ولی کا قاصد ہو تو بالاتفاق کسی چیز کی شرط نہیں ہے۔

تشریح : اگر رسول کا قاصد ہو تو کسی کے یہاں شہادت یا شطر شہادت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے ایک آدمی بھی آکر لڑکی کو خبر دے دے تو کافی ہے اور اس وقت وہ چپ رہے یا ہنسے تو اجازت ہوگی۔

ترجمہ : ۴ اور اس کے لئے بہت سی مثالیں ہیں۔

تشریح : کسی نے اپنے وکیل کو معزول کر دیا، اور کسی فضولی نے وکیل کو معزول ہونے کی خبر دی تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ضروری ہے کہ شطر شہادۃ ہو، یعنی دو فضولی ہو یا ایک فضولی ہو تو عادل ہو تب وکیل معزول ہوگا۔اور صاحبینؒ کے یہاں فضولی کے خبر دینے کے لئے کوئی شرط نہیں ہے۔۔نظیر: مثال۔

ترجمہ : (۱۵۴۰) اور اگر ثیبہ سے اجازت لی تو ضروری ہے اس کی رضامندی بات سے۔

ترجمہ : ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ ثیب سے مشورہ کیا جائے گا۔

تشریح : ثیبہ عورت سے ولی نکاح کے لئے اجازت لے تو باضابطہ اس کو زبان سے کہنا پڑے گا کہ میں اس نکاح سے راضی

۲؎ ولان النطق لایعد عیبا منها وقل الحیاء بالممارسة فلا مانع من النطق فی حقها (۱۵۴۱) واذا زالت بکارتها بوثبةٍ او حیضة اوجراحة اوتعنیس فهی فی حکم الابکار ﴾

ہوں۔

وجہ: (۱) یہ شوہر کے پاس رہ کر کم شرمیلی ہوگئی ہے۔اس لئے زبان سے کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرے گی (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ان ابا هریرة حدثهم ان النبی ﷺ قال لا تنکح الایم حتی تستامر. (بخاری شریف، باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا ص ۱۷۰ نمبر ۵۱۳۶ رمسلم شریف، باب استیذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت ص ۵۵۴ نمبر ۱۴۲۱/۳۴۷۶) اس حدیث میں تستامر کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے مشورہ کیا جائے گا اور مشورہ اسی وقت ہوگا جب وہ بات کرے گی۔اس لئے ثیبہ زبان سے اجازت دے گی (۳) ابن ماجہ شریف مین صراحت ہے۔عن عدی الکندی قال قال رسول الله الثیب تعرب عن نفسها والبکر رضاها صمتها ۔(ابن ماجہ شریف، باب استمار البکر والثیب ص ۲۶۸ نمبر ۱۸۷۲) اس حدیث میں ہے کہ ثیبہ اپنی ذات کے بارے میں وضاحت کرے گی۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس لئے کہ بولنا اس سے عیب شمار نہیں کیا جاتا ہے اور شوہر کے ساتھ ملنے کی وجہ سے شرمندگی کم ہوگئی اس لئے اس کے حق میں بولنے سے مانع نہیں ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ جو عورت شوہر سے مل چکی ہے وہ شادی کے بارے میں بولے تو معاشرے میں اس کو عیب شمار نہیں کیا جاتا ہے، پھر شوہر کے ساتھ مسلسل رہنے کی وجہ سے شرمندگی بھی کم ہوگئی ہے زبان سے اجازت دینے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

لغت:۔ثیبۃ: جس عورت سے شوہر وطی کر چکا ہو اس کو ثیبہ کہتے ہیں۔ممارست: مرس سے مشتق ہے، ملنا اور دیر تک رہنا۔

ترجمہ: (۱۵۴۱) اگر بکارت زائل ہو جائے عورت کا کنوار پن کودنے کی وجہ سے یا حیض کی وجہ سے یا زخم کی وجہ سے یا دیر تک بیٹھی رہنے کی وجہ سے تو وہ باکرہ کے حکم میں ہے۔

تشریح: لڑکی کو حیض آیا جس کی وجہ سے پردۂ بکارت ٹوٹ گیا یا زخم کی وجہ سے یا کودنے کی وجہ سے یا ایک مدت دراز تک شادی نہ کر پائی جس کی وجہ سے کنوار پن کا جو پردہ ہوتا ہے وہ ٹوٹ گیا تب بھی وہ عورت شادی کی اجازت دینے میں چپ رہنا یا ہنسنا اجازت سمجھی جائے گی اور اس کا حکم خالص باکرہ کا حکم ہوگا۔

وجہ: (۱) ان عورتوں سے اب تک کسی مرد نے صحبت نہیں کی ہے۔ان سے جو بھی صحبت کرے گا وہ پہلی مرتبہ ہی صحبت کرنے والا ہوگا اس لئے یہ عورتیں باکرہ ہی ہیں (۲) ان عورتوں کا تعلق ابھی تک شوہر سے نہیں ہوا ہے اس لئے ان میں اتنی ہی شرم ہے جتنی باکرہ عورت میں۔اس لئے ان لوگوں کا چپ رہنا بھی اجازت سمجھی جائے گی۔

۱؎ لانھا بکر حقیقۃ لان مصیبھا اول مصیب لھا ومنہ الباکورۃ والبکرۃ ۲؎ ولانھا تستحیی لعدم الممارسۃ . (۱۵۴۲) ولو زالت بکارتھا بزناء فھی کذلک عندابی حنیفۃؒ ﴾۱؎ وقال ابویوسفؒ ومحمدؒ والشافعیؒ لا یکتفی بسکوتھا لانھا ثیب حقیقۃ لان مصیبھا عائد الیھاومنہ المثوبۃ

لغت: بکارۃ: لڑکی کی شرمگاہ میں ایک پردہ ہوتا ہے، جسکو پردہ بکارت کہتے ہیں، وطی کی وجہ سے جب تک وہ پردہ نہ ٹوٹے اس وقت تک اس لڑکی کو باکرہ کہتے ہیں۔ وثبۃ: کودنا۔ جراحۃ: زخم، تعنیس: مدت دراز تک شادی کے بغیر رہنا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ وہ حقیقت میں باکرہ ہے اس لئے کہ اس سے وطی کرنے والا پہلی مرتبہ وطی کرنے والا ہے، اور اسی سے باکورۃ، اور بکرہ، ہے۔

تشریح: باکورۃ: پہلا پھل، بکرۃ: پہلی صبح۔ باکرۃ، جس سے وطی کرنے والا پہلی مرتبہ وطی کرنے والا ہے۔ بکرۃ کے مادے میں پہلی مرتبہ، چنانچہ پہلے پھل کو باکورۃ کہتے ہیں، اور پہلی صبح کو بکرۃ کہتے ہیں وراس عورت کا پردہ چاہے ٹوٹ گیا ہے لیکن چونکہ اس سے وطی کرنے والا پہلی مرتبہ وطی کرنے والا ہے اس لئے اس کو باکرہ ہی کہیں گے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس لئے کہ شوہر سے نہ ملنے کی وجہ سے وہ شرمندہ ہوتی ہے۔

تشریح: شوہر سے نہ ملنے کی وجہ سے یہ زبان سے اجازت دینے میں شرمندگی ہوتی ہے اس لئے اس کے لئے یہی ہے کہ چپ رہنا، اور ہنسنا اجازت ہوگی۔۔ تستحی: حی سے مشتق ہے، شرمندہ ہونا۔

ترجمہ: (۱۵۴۲) اگر بکارت زائل ہوگئی زنا کی وجہ سے تو وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک باکرہ کی طرح ہے۔

تشریح: زنا کی وجہ سے بکارت زائل ہوجائے تب بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ لڑکی باکرہ کے حکم میں ہے، یعنی چپ رہنے، اور ہنسنے سے بھی اجازت سمجھی جائے گی۔

وجہ: (۱) امام ابوحنیفہ کی نظر معاشرہ کی طرف گئی کہ معاشرے میں لوگ اس کو باکرہ سمجھتے ہیں اس لئے زنا سے بکارت ٹوٹی ہوئی عورت باکرہ کے حکم میں ہوگی (۲) ایسی لڑکی زنا کو چھپاتی ہے اس لئے وہ شرم کا مظاہرہ کرے گی اور زبان سے نہیں کہے گی۔ اس لئے اس کا چپ رہنا ہی اجازت شمار کی جائے گی۔ (۳) امام ابوحنیفہؒ کی نظر اس حدیث کی طرف گئی ہے . **عن یزید بن نعیم عن ابیہ أن ماعزا أتی النبی ﷺ فأقر عندہ أربع مرات فأمر برجمہ و قال لھزال لو سترتہ بثوبک کان خیر ا لک۔** (ابوداود شریف، باب الستر علی أھل الحدود، کتاب الحدود، ص ۶۱۵، نمبر ۴۳۷۷) اس میں ہے کہ زنا کو چھپا لیتا تو بہتر تھا، جس سے معلوم ہوا کہ زنا کو چھپانا بہتر ہے۔

ترجمہ: ۱؎ امام ابو یوسفؒ امام محمد امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کے چپ رہنے سے کافی نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ حقیقت میں ثیبہ

والمثابة والتثویب ۲؎ ولابی حنیفةؒ ان الناس عرفوها بکرا فیعیبونها بالنطق فتمتنع عنه فیکتفی بسکوتها کیلا تتعطل علیها مصالحها ۳؎ بخلاف ما اذا وطیت بشبهة او نکاح فاسد لان الشرع اظهره حیث علق به احکاما اما

ہے اس لئے کہ اس سے وطی کرنے والا دوسری مرتبہ وطی کرنے والا ہے، اسی سے ,مثوبۃ ،اور مثابۃ ،اور التثویب ، ہے۔

تشریح : امام ابو یوسف، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جس عورت کا پردہ زنا سے ٹوٹا ہے وہ اجازت دینے کے احکام میں ثیبہ کی طرح ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو آدمی بھی اس سے وطی کرے گا وہ پہلی مرتبہ وطی کرنے والا نہیں ہے، بلکہ دوسری مرتبہ وطی کرنے والا ہے اس لئے یہ ثیبہ کی طرح ہوئی، چنانچہ اسی سے یہ تین جملے مشتق ہوتے ہیں، مثوبۃ ،اور مثابۃ ،اور التثویب اور سب کا ترجمہ ہے دوسری مرتبہ۔

لغت : ثیب: لوٹنا، ثواب ہونا، بار بار آنا، ثیبہ کے پاس دوسری مرتبہ وطی کرنے والا ہوتا ہے اس لئے اس کو ثیبہ کہتے ہیں۔ مثوبۃ نیک عمل کا بدلہ، گویا کہ دوبارہ عمل مل گیا۔ مثابۃ : بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ، مکہ مکرمہ کو مثابۃ کہتے ہیں اس لئے کہ وہاں بار بار حج یا عمرہ کے لئے لوٹ کر جاتے ہیں۔ تثویب: ایک مرتبہ اعلان کے بعد دوسری مرتبہ اذان کا اعلان کرنا. مصیبها عائد الیها : اس کو پہونچنے والا دوبارہ لوٹنے والا ہے، یعنی اس کو وطی کرنے والا دوسری مرتبہ وطی کرنے والا ہے۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ لوگوں نے اس کو باکرہ سمجھا ہے اس لئے زبان سے اجازت دینے میں اس کو معیوب سمجھیں گے اس لئے وہ بات کرنے سے رکیں گی اس لئے اسکے چپ رہنے پر اکتفاء کیا جائے تا کہ اس کی مصلحت معطل نہ ہو جائے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ لوگوں نے اس کو باکرہ سمجھا ہے، کیونکہ زنا چھپ کر کرایا ہے، اور حدیث کی بنا پر اس کو چھپا رہنا ہی چاہئے، پس اگر زبان سے اجازت دلوائیں تو لوگ اس کو زانیہ سمجھیں گے اور معیوب قرار دیں گے اور اچھے گھرانے میں شادی نہیں ہوگی اس لئے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو باکرہ کے حکم میں رکھا جائے۔

ترجمہ : ۳؎ بخلاف جبکہ شبہ میں وطی ہوئی ہو، یا نکاح فاسد میں وطی ہوئی ہو اس لئے کہ شریعت نے اس کو ظاہر کر دیا اس طرح کہ اس پر بہت سے احکام متعلق کر دئے۔

تشریح : وطی بالشبہ: باکرہ لڑکی رات میں سوئی ہوئی تھی اس کو اپنی بیوی سمجھ کر وطی کر لیا تو اس کو وطی بالشبہ کہتے ہیں، اس وطی کے بعد لڑکی کو تین حیض عدت گزانی ہوگی، وطی کرنے والے کو مہر دینا ہوگا، اگر اس وطی سے بچہ پیدا ہوگا تو وطی کرنے والے سے نسب ثابت ہوگا، شریعت نے وطی بالشبہ پر یہ سب احکام رکھے ہیں، چونکہ ان احکام کے اظہار سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ عورت ثیبہ ہو چکی ہے اس لئے یہ لڑکی ثیبہ کے حکم میں ہوگی اور چپ رہنا اجازت شمار نہیں کی جائے گی۔

ج الزناء فقد ندب الی سترہ حتی لو اشتھر حالھا لایکتفی بسکوتھا (۱۵۴۳) واذا قال الزوج بلغک النکاح فسکت وقالت رددت فالقول قولھا ﴾ اوقال زفرؒ القول قولہ لان السکوت اصل والردعارض فصار کالمشروط لہ الخیار اذا ادعی الرد بعد مضی المدۃ

نکاح فاسد: بغیر گواہ کے نکاح کر لیا تو یہ نکاح فاسد ہے، باکرہ لڑکی سے نکاح فاسد میں وطی کیا تو، اس وطی کے بعد لڑکی کو تین حیض عدت گزانی ہوگی، وطی کرنے والے کو مہر دینا ہوگا، اگر اس وطی سے بچہ پیدا ہوگا تو وطی کرنے والے سے نسب ثابت ہوگا، شریعت نے نکاح فاسد میں وطی پر یہ سب احکام رکھے ہیں، چونکہ ان احکام کے اظہار سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ عورت ثیبہ ہو چکی ہے اس لئے یہ لڑکی ثیبہ کے حکم میں ہوگی اور چپ رہنا اجازت شمار نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ : ج بہر حال زنا تو مستحب کیا گیا ہے اس کے چھپانے کو، یہاں تک کہ اس کا حال مشہور ہو گیا تو اس کے چپ رہنے پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا۔

تشریح : زنا کو چھپانا مستحب ہے اس لئے اس کو باکرہ کے حکم میں رکھنا بہتر ہے، لیکن اگر بار بار زنا کرانے کی وجہ سے اس کی زنا مشہور ہو گئی تو اب وہ ثیبہ کے حکم میں ہوگی اور چپ رہنے پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا، بلکہ زبان سے اجازت دینی ہوگی۔

ترجمہ : (۱۵۴۳) اگر شوہر نے باکرہ سے کہا کہ تم کو نکاح کی خبر پہنچی تھی تو تم چپ رہی تھی اور عورت کہتی ہے بلکہ میں نے انکار کیا تھا تو عورت کی بات مانی جائے گی [اور عورت پر قسم نہیں ہے]

تشریح: عورت باکرہ تھی اس کی شادی ہوئی اور اس کو شادی کی خبر دی گئی۔ اب اگر وہ چپ رہتی ہے تو یہ اجازت ہوگی اور نکاح ہو جائے گا۔ اور زبان سے انکار کرتی ہے تو نکاح نہیں ہوگا۔ اب شوہر کا دعوی ہے کہ عورت چپ رہی ہے۔ اور عورت کہتی ہے کہ میں نے انکار کیا تھا تو بات عورت کی مانی جائے گی۔

وجہ: شوہر عقد کے لازم ہونے اور بضعہ کے مالک ہونے کا دعوی کر رہا ہے اور عورت اس کا انکار کرتی ہے۔ اس لئے مرد مدعی ہوا اور عورت منکر ہوئی۔ اس لئے مرد پر بینہ لازم ہے۔ اور اس کے پاس بینہ نہیں ہے تو منکرہ کی بات مانی جائے گی۔ البتہ چونکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نکاح میں عورت پر قسم نہیں ہے اس لئے وہ قسم نہیں کھائے گی۔ بغیر قسم کے اس کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ : ا امام زفرؒ نے فرمایا کہ مرد کے قول کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے کہ چپ رہنا اصل ہے اور رد کرنا عارض ہے، تو ایسا ہو گیا کہ جس کے لئے خیار کی شرط ہے وہ مدت گزرنے کے بعد رد کا دعوی کرتا ہے۔

تشریح : امام زفر فرماتے ہیں کہ اس صورت میں شوہر کے قول کا اعتبار ہے، اس کے لئے ایک دلیل پیش کی ہے اور ایک مثال دی ہے۔ دلیل سمجھنے کے لئے ایک بات یاد رکھئے کہ، جو اصل کے مطابق دعوی کرے اس کو مدعی علیہ مانتے ہیں، اور جو اصل کے

۲؎ ونحن نقول انه یدعی لزوم العقد وتملک البضع والمرأة تدفعه فکانت منکرةً کالمودع اذا ادعی رد الودیعة ۳؎ بخلاف مسألة الخیار لان اللزوم قد ظهر بمضی المدة

خلاف ہواس کو مدعی کہتے ہیں اور جو مدعی ہوتا ہے اس پر اس کو ثابت کرنے کے لئے گواہ چاہئے ،اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوتو مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے۔اب چپ رہنے کا ترجمہ ہے کلام نہ کرنا،اور کلام نہ کرنا اصل ہے اور رد کرنا عارض ہے،اور شوہر کلام نہ کرنے کا دعوی کر رہا ہے اس لئے وہ مدعی علیہ ہوا اس لئے اس پر قسم ہونی چاہئے اور اس کے خلاف عورت مدعیہ ہوئی اس لئے اس پر گواہ لازم ہونا چاہئے۔

اور مثال مشروط لہ الخیار کی پیش کی ہے۔مشروط لہ الخیار: مثلا زید نے بکر سے بیل خریدا اور تین دن کا اختیار لیا، کہ چاہوں تو اس بیع کو لازم کروں اور چاہوں تو اس کو توڑ دوں،تو جس نے تین دن کا خیار شرط لیا اس آدمی کو مشروط لہ الخیار کہتے ہیں ،اب تین دن گزرنے کے بعد مشروط الخیار [زید] نے دعوی کیا کہ میں نے بیع کو رد کر دیا تھا،اور بکر کہتا ہے کہ تم چپ رہے تھے،اس لئے بیع لازم ہوگئی،تو اس صورت میں بکر جو چپ رہنے کا دعوی کر رہا ہے اس کی بات مانی جائے گی ،اس لئے کہ چپ رہنا اصل ہے اس لئے وہ مدعی علیہ ہے اور مدعی کے پاس گواہ نہ ہوتو مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔اسی طرح یہاں بھی شوہر چپ رہنے کا دعوی کر رہا ہے اس لئے وہ مدعی علیہ ہوا اور عورت کے پاس گواہ نہ ہوتو قسم کے ساتھ شوہر کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ : ۲؎ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ عقد کے لازم ہونے کا دعوی کرتا ہے اور بضعہ کے مالک ہونے کا دعوی کرتا ہے اور عورت اس کا انکار کرتی ہے اس لئے وہ منکرہ ہوئی [اس لئے منکرہ کی بات مانی جائے گی] جیسے کہ امانت رکھنے والا امانت واپس کرنے کا دعوی کرتا ہے۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر یہ دعوی کر رہا ہے کہ نکاح ہو گیا اور میں بضعہ کا مالک بن گیا،اور عورت اس کو دفع کر رہی ہے اس لئے وہ منکرہ ہوئی اس لئے منکرہ کی بات مانی جائے گی ،اس کی مثال یہ ہے کہ جس آدمی کے پاس امانت رکھا [اس کو مودع کہتے ہیں] اس نے کہا کہ میں نے امانت واپس کیا ہے،اور جس آدمی کی امانت ہے [اس کو صاحب ودیعت کہتے ہیں] وہ کہتا ہے کہ واپس نہیں کیا ہے تو مودع کی بات مانی جائے گی اس لئے کہ وہ دعوی کرتا ہے کہ میں ذمے سے فارغ ہو گیا ہوں،اور ذمے سے فارغ ہونا اصل ہے،اس لئے وہ مدعی علیہ ہوا،اور صاحب ودیعت ذمے میں ہونے کا دعوی کرتا ہے اس لئے وہ مدعی ہوا اور مدعی کے پاس گواہ نہ ہوتو قسم کے ساتھ مدعی علیہ کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ : ۳؎ بخلاف مسئلہ خیار کے اس لئے کہ مدت کے گزرنے کی وجہ سے لازم ہونا ظاہر ہو گیا۔

تشریح : یہ امام زفرؒ کو جواب ہے، جب اختیار لینے کا تین دن گزر گیا تو دن گزرنے کی وجہ ہی سے بیع لازم ہوگئی،اب من لہ

(۱۵۴۴) وان اقام الزوج البینة علی سکوتها ثبت النکاح ﴾ ا لانه نور دعواه بالحجة ۲ وان لم تکن له بینة فلایمین علیها عندابی حنیفة وهی مسألة الاستحلاف فی الاشیاء الستة وسیاتیک فی الدعوی ان شاء الله (۱۵۴۵) ویجوز نکاح الصغیر والصغیرة اذا زوجهما الولیّ بکرا کانت

الخیار اس کا انکار کیا تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی، اس لئے کہ بیع لازم ہونے کے بعد اس کا انکار کر رہا ہے۔

ترجمہ : (۱۵۴۴) اگر شوہر نے عورت کے چپ رہنے پر گواہ پیش کر دیا تو نکاح ثابت ہو جائے گا۔

ترجمہ : ا اس لئے کہ اپنے دعوی کو حجت کے ساتھ منور کر دیا۔

تشریح : اوپر کے مسئلے میں شوہر مدعی ہے اور عورت منکرہ ہے اس لئے شوہر پر گواہ لازم ہے، اس لئے اگر شوہر نے عورت کے چپ رہنے پر گواہ پیش کر دیا تو نکاح ہو جائے گا، اس لئے کہ اپنے دعوی کو حجت کے ساتھ مضبوط کر دیا اور منور کر دیا۔

ترجمہ : ۲ اور اگر شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے تو عورت پر قسم نہیں ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ اور یہ چھ چیزوں میں قسم کھلانے کا مسئلہ ہے، اور اس کی بحث ان شاء اللہ کتاب الدعوی میں آئے گی۔

تشریح : شوہر مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے تو قاعدے کے اعتبار سے عورت منکرہ سے قسم لینی چاہئے تب اس کی بات ماننی چاہئے، لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چھ جگہیں ایسی ہیں کہ وہاں بغیر قسم کے ہی اس کی بات مان لی جاتی ہے وہاں اس کے دعوی پر قسم نہیں کھلوائی جاتی، وہ چھ جگہ، بلکہ آٹھ جگہ یہ ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان آٹھ جگہوں پر منکر کو قسم نہیں کھلوائی جائے گی (۱) نکاح (۲) رجعت کرنے پر (۳) ایلاء میں، عورت واپس کرنا جس کو فئی کہتے ہیں (۴) غلامیت (۵) ام ولد بنانا (۶) نسب (۷) ولاء (۸) حدود۔ ان چیزوں میں منکر پر قسم نہیں ہے صرف اس کے کہنے پر بات مان لی جائے گی۔

وجہ : امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قسم کھانے سے انکار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز تو تمہاری نہیں ہے لیکن اللہ کا اتنا عظیم کون لیتا ہے، اس لئے چلو مہربانی کر کے یہ چیز تم کو دے دیتا ہوں، اور یہ چیز بضعہ ہے یا غلامیت میں جسم ہے، اور وہ ایسا نہیں ہے کہ کسی کی ملکیت نہ ہو پھر بھی اس کو دے دیا جائے، اس لئے ان میں قسم ہی نہ کھلوائی جائے۔

فائدہ : اور صاحبین کے نزدیک ان جگہوں میں بھی منکر سے قسم لی جائے گی۔ اس کی تفصیل کتاب الدعوی میں آئے گی۔

وجہ : صاحبینؒ کے نزدیک قسم کھانے سے انکار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اس لئے قسم نہیں کھا تا ہوں کہ واقعی یہ چیز تمہاری ہے، اور اوپر کی چیز بضعہ اور جسم ایسی چیز ہے کہ واقعی کسی کی ملکیت ہو تو اس کو دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے اوپر کی باتوں میں قسم کھلوئی جائے گی۔

ترجمہ : (۱۵۴۵) جائز ہے چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کا نکاح جبکہ شادی کرائی ہو ان دونوں کے ولی نے، چھوٹی بچی باکرہ ہو یا

الصغیرة او ثیبا ﴿١﴾ والولیّ هو العصبة

ثیبہ۔

تشریح: چھوٹے بچے کی شادی ولی کرائے اس سے اس کا نکاح ہو جائے گا۔اسی طرح نابالغہ بچی چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ ہو ولی اس کا نکاح کرائے تو نکاح ہو جائے گا۔

وجه: (۱) اوپر گزر چکا ہے کہ ولی کو نکاح کرانے کا حق ہے۔لا نکاح الا بولی حدیث گزر چکی ہے۔اس لئے وہ نکاح کرائے تو نکاح ہو جائے گا (۲) وہ تو بالغ عورت کی بات تھی لیکن نابالغ لڑکے یا نابالغ لڑکی کی شادی کرائے تو چونکہ ان کو عقل نہیں ہے اس لئے بدرجۂ اولی ولی کے نکاح کرانے سے نکاح ہوگا (۳) بعض مرتبہ کفو اور اچھا خاندان مل جاتا ہے جو بعد میں نہیں مل سکے گا۔اب اگر اس وقت ولی نکاح نہ کرائے اور بچے یا بچی کے بالغ ہونے کا انتظار کرے تو بچے یا بچی کو نقصان ہوگا۔اس لئے بھی ولی کا نکاح جائز قرار دیا جائے (۴) حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی نابالغہ لڑکی عائشہؓ کی شادی حضورؐ سے کروائی اور ہو بھی گئی۔عن عائشة ان النبی ﷺ تزوجها وهی بنت ست سنین وادخلت علیه وهی بنت تسع ومکثت عنده تسعا (بخاری شریف، باب النکاح الرجل ولده الصغار ص ۷۷۱ نمبر ۵۱۳۳ر مسلم شریف، باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرة ص ۴۵۶ نمبر ۱۴۲۲/۳۴۸۱) اس حدیث میں چھ سال کی نابالغ لڑکی کی شادی باپ نے کروائی اور نکاح ہو گیا۔

اصول: نابالغ لڑکا یا لڑکی ہو تو چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ ہو باپ یا کوئی ولی اس کا نکاح کرا سکتا ہے، وہ نکاح ہو جائے گا۔اور بالغ لڑکی کا نکاح ولی بغیر مشورے کے نہیں کرا سکتا، چاہے لڑکی باکرہ یا ثیبہ ہو۔

ترجمه: ۱ ولی وہ عصبات کی ترتیب پر ہے۔

تشریح: نابالغہ کے نکاح کرانے کا جو اولیاء ہیں ان میں سے جو پہلے ولی ہے اس کو پہلے حق ملے گا، وہ موجود نہ ہو تو اس کے بعد والے کو حق ملے گا، اور وہ بھی موجود نہ ہو تو اس کے بعد والے کو ملے گا اسی ترتیب سے نکاح کا حق ملے گا، پس اگر پہلے ولی کے رہتے ہوئے بعد والے ولی نے نکاح کرا دیا اور پہلا ولی اس سے راضی نہیں ہوا تو اس کا نکاح کرانا صحیح نہیں ہوگا۔چنانچہ جس ترتیب سے وراثت میں عصبات کو حق وراثت ملتا ہے اسی ترتیب سے نکاح کرانے میں بھی نکاح کرانے کا حق ہے۔اس کی ترتیب اس طرح ہوگی۔پہلے باپ کو نکاح کرانے کا حق ہے۔وہ نہ ہو تو دادا کو، وہ نہ ہو تو بیٹے کو، وہ نہ ہو تو بھائی کو، وہ نہ ہو تو چچا کو اور وہ نہ ہو تو چچا زاد بھائی کو اور وہ بھی نہ ہو تو ماں کو نکاح کرانے کا حق ہوتا ہے۔

وجه: (۱) ولی کے سلسلے میں یہ حدیث ہے۔عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ أیما امرة نکحت بغیر اذن موالیها فنکاحها باطل، ثلاث مرات فان دخل بها فالمهر لها بما اصاب منها فان تشاجروا فالسلطان ولی

من لا ولی له ۔(ابوداؤد شریف، باب الولی ص۲۹۱ نمبر۲۰۸۳ر ترمذی شریف، باب ماجاء لانکاح الا بولی ص۲۰۸ نمبر۱۱۰۲رنسائی شریف، نمبر۵۳۹۴)اس حدیث میں موالیھا سے پتہ چلا کہ کئی ولی ہیں اور یہ بھی پتہ چلا کہ ولی میں ترتیب ہے اسی لئے آپ نے فرمایا کہ ولی نہ ہو تو سلطان اس کا ولی ہے۔(۲) بیٹے کے ولی ہونے کے سلسلے میں ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔جس میں حضرت ام سلیم نے اپنے بیٹے حضرت انس کو ابو طلحہ سے نکاح کرانے کے لئے کہا۔عن انس ان ابا طلحة خطب ام سلیم ... قالت یا انس زوج ابا طلحة قال الشیخ وانس بن مالک ابنها وعصبتها (سنن للبیہقی، باب الابن یزوجھا اذا کان عصبة لھا بغیر ابنوة ج سابع ،ص۲۱۳،نمبر۱۳۷۵۵)اس اثر میں حضرت انس بیٹے کو نکاح کا ولی بنایا گیا ہے۔(۳)اور کوئی نہ ہو تو ماں کے ولی بننے کے لئے یہ اثر ہے۔قال عمر بن الخطاب اذا کان العصبة احدهم اقرب بام فهو احق (رواہ الامام محمد فی کتاب الحجج ص ۲۹۳ راعلاء السنن، باب ان النکاح الی العصبا تو ان المرأة تستحق ولایة الانکاح، ج حادی عشر ص۸۵،نمبر۳۱۴۲)اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عصبہ نہ ہو تو ماں نکاح کرانے کا حقدار ہے۔

﴿ عصبات کی تعداد ایک نظر میں ﴾

	عصبہ بنفسہ	حصے		عصبہ بنفسہ	حصے
(۱)	بیٹا	×	(۱۰)	پھر ماں باپ شریک چچا	×
(۲)	پھر پوتا	×	(۱۱)	پھر باپ شریک چچا	×
(۳)	پھر پر پوتا	×	(۱۲)	پھر ماں باپ شریک چچا کا بیٹا	×
(۴)	پھر باپ	×	(۱۳)	پھر باپ شریک چچا کا بیٹا	×
(۵)	پھر دادا	×	(۱۴)	پھر باپ کا ماں باپ شریک چچا	×
(۶)	پھر ماں باپ شریک بھائی	×	(۱۵)	پھر باپ کا باپ شریک چچا	×
(۷)	پھر باپ شریک بھائی	×	(۱۶)	پھر باپ کے ماں باپ شریک چچا کا بیٹا	×
(۸)	پھر ماں باپ شریک بھتیجا	×	(۱۷)	پھر باپ کے باپ شریک چچا کا بیٹا	×
(۹)	پھر باپ شریک بھتیجا	×	(۱۸)	پھر دادا کا چچا	×

نوٹ: اس نقشے میں عصبات کی ترتیب بیان کی گئی ہے۔نکاح میں باپ اور دادا کو بیٹے اور پوتے سے پہلے نکاح کرانے کا حق ملتا ہے۔

۲؎ و مالکؒ یخالفنا فی غیر الاب ۳؎ والشافعیؒ فی غیر الاب والجد وفی الثیب الصغیرۃ ایضاً

ترجمہ : ۲؎ اورامام مالکؒ ہماری مخالفت کرتے ہیں باپ کے علاوہ میں۔

تشریح : امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ باپ کے علاوہ کونکاح کروانے کا اختیار نہیں ہے،صرف باپ کواس کا اختیار ہے کہ وہ نابالغہ لڑکی کی شادی کرائے۔

وجہ : (۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ آزاد آدمی پر دوسرے کی ولایت کا حق ضرورت کی بنا پر ہوتی ہے اورنابالغ لڑکی کوشہوت نہیں ہے اس لئے اس کوشوہر کی ضرورت بھی نہیں ہےاس لئے اس پر کسی کی ولایت نہیں ہونی چاہئے ،لیکن حضرت ابوبکرؓ کی حدیث کی وجہ سے باپ کی ولایت ثابت کی گئی ہےاس لئے دوسروں کونابالغہ پرولایت نہیں ہوگی۔لیکن موطاءامام مالک کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ کے علاوہ دوسروں کوبھی ولایت ہے،البتہ ولایت اجبارصرف باپ کو ہے۔ موطاء میں عبارت یہ ہے۔قال عمر بن الخطاب لا تنكح المرأة الا باذن وليها او ذوى الرأى من اهلها او السلطان ۔(موطاءامام مالکؒ باب استیذان البکر والایم فی انفسهما ،ص ۴۹۸)اس عبارت میں ہے کہ اہل رائے بھی نکاح کراسکتا ہے،جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے لوگوں کوبھی ولایت نکاح ہے۔۔ولایت اجبار: کا مطلب یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعدنکاح توڑنے کا اختیار نہ ہواس کوولایت اجبار کہتے ہیں۔ نابالغ لڑکی کا باپ شادی کرادےتوامام ابوحنیفہ کے مسلک کی طرح بالغ ہونے کے بعدبھی نکاح توڑنے کا اختیار نہیں رہتا۔

ترجمہ : ۳؎ امام شافعیؒ ہماری مخالفت کرتے ہیں باپ اوردادا کے علاوہ میں،اورنابالغ ثیبہ میں بھی۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ باپ اوردادا کونابالغ لڑکی پرولایت ہےاس کے علاوہ کوولایت نہیں ہے،اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ نابالغ ثیبہ پرولایت نہیں ہے، ہمارے نزدیک نابالغ ثیبہ پرولی کی ولایت ہے، کیونکہ وہ نابالغ ہے۔موسوعہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ اوردادا کے علاوہ کوبھی نکاح کی ولایت ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی طرح ولایت اجبارصرف باپ اوردادا کو ہے،موسوعہ کی عبارت یہ ہے۔ و اذا لم يكن اخوة لاب و ام و لا أب و كان بنو أخ لاب و ام و بنو أخ لاب ، فبنو الاخ لاب و الام أولى من بنى الاخ للاب ۔(موسوعۃ امام شافعی،باب اجتماع الولاۃ وافتراقہم ،ج عاشر،ص ۴۳،نمبر۱۵۳۴۱) المسألة: الولى اما مجبر أو غير مجبر فالمجبر أحد ثلاثه : الاب و الجد و ان علا و السيد، و للاب تزويج البكر صغيرة أو كبيرة بغير اذنها و يستحب استأذانها و ليس له تزويج ثيب الا باذنها فان كانت الثيب صغيرة لم تزوج حتى تبلغ و الجد كالاب عند عدمه....و الولى غير المجبر هو الاب و الجد و باقى العصبات ، و ترتيب الاولياء على النحو التالى : الاب ،ثم الأخ ثم العمومة ثم المعتق ، ثم السلطان (موسوعۃ امام شافعی،باب اجتماع الولاۃ وافتراقہم ،ج عاشر،ص۴۳،نمبر۱۵۳۴۱مسألۃ۹۱۰) اس عبارت سے

۴؎ وجہ قول مالکؒ ان الولایة علی الحرة باعتبار الحاجة ولا حاجة لانعدام الشهوة الا ان ولایة الاب ثبتت نصاً بخلاف القیاس والجد لیس فی معناه فلایلحق به ۵؎ قلنا لابل هو موافق للقیاس لان النکاح یتضمن المصالح ولاتتوفر الابین المتکافیین عادة ولایتفق الکفو فی کل زمان فاثبتنا الولایة فی حالة الصغر احرازاً للکفو ۶؎ وجه قول الشافعیؒ ان النظر لا یتم بالتفویض الی غیر الاب والجد

معلوم ہوا کہ نکاح کی ولایت دوسروں کو بھی ہے، البتہ ولایت اجبار امام ابوحنیفہؒ کی طرح صرف باپ اور دادا کو ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ثیبہ چاہے نابالغ ہو پھر بھی ولی کی ولایت اس پر نہیں ہے۔ اس کی دلیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ : ۴؎ امام مالکؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ آزاد آدمی پر ولایت ضرورت کی وجہ سے ہے اور شہوت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی ضرورت نہیں ہے، مگر باپ کی ولایت خلاف قیاس حدیث سے ثابت ہے، اور دادا باپ کے معنی میں نہیں ہے اس لئے دادا کو باپ کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائے گا۔

تشریح : یہ امام مالکؒ کی دلیل عقلی ہے کہ آزاد پر ولایت کا حق ضرورت کی بنا پر ہے اور نابالغ کو شہوت نہ ہونے کی وجہ سے نکاح کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کسی کی ولایت کی ضرورت بھی نہیں ہے، باقی رہا باپ کی ولایت اس لئے ثابت رکھتے ہیں کہ وہ خلاف قیاس نص یعنی حدیث سے ثابت ہے، اور دادا باپ کے درجے میں نہیں ہے اس لئے دادا کو باپ کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ : ۵؎ ہم کہتے ہیں کہ دوسروں کو ولایت قیاس کے موافق ہے، اس لئے کہ نکاح بہت سے مصلحتوں کو شامل ہے، اور پورے مصلحت حاصل نہیں ہو سکتے مگر عادۃ دو برابر والوں کے درمیان، اور ہر زمانہ میں کفو بھی نہیں ملتا اس لئے کفو حاصل کرنے کے لئے بچپنے میں ولایت ثابت کر دی۔

تشریح : یہ امام مالکؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ ضرورت کی بنا پر ولایت ثابت ہوتی ہے، اور نابالغ لڑکی کو شہوت نہ ہونے کی بنا پر نکاح کی ضرورت نہیں ہے، تو ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ بچپنے میں بھی ضرورت ہے، کیونکہ نکاح میں بہت سی مصلحتیں شامل ہیں اور جب میاں بیوی ایک درجے کے ملتے ہیں تب وہ مصلحتیں پوری ہوتی ہیں، اور برابر کا کفو ہر زمانے میں نہیں ملتا، اس لئے بچپنے میں بھی اور لوگوں کو ولایت ہوگی تا کہ اگر بچپنے میں کفو مل جائے تو اس وقت بھی نکاح کروا دے اور کفو محفوظ کر لے۔

لغت : تتوفر: وفر سے مشتق ہے ، پورا ہونا، بہت زیادہ ہونا۔ متکافیین: کفو سے مشتق ہے، دو برابر کے لوگ، دو خاندان نسب میں، پیشے میں ایک جیسے ہوں اس کو ایک دوسرے کا کفو کہتے ہیں۔ احراز: محفوظ کرنا، جمع کرنا۔

ترجمہ : ۶؎ امام شافعیؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ کو سونپنے سے مصلحت پوری نہیں ہوتی، شفقت کم ہونے اور رشتہ داری کی دوری کی وجہ سے، اور اسی لئے مال میں تصرف کرنے کا مالک نہیں ہوتا باوجود کہ یہ ادنی رتبہ ہے اس لئے نفس میں

لقصور شفقته وبعد قرابته ولهذا لایملک التصرف فی المال مع انه ادنی رتبةً فلان لایملک التصرف فی النفس وانه اعلی اولیٰ ےولنا ان القرابة داعیة الی النظر کما فی الاب والجد وما فیه من القصور اظهرناه فی سلب ولایة الالزام ۸بخلاف التصرف فی المال لانه یتکرر فلایمکن تدارک الخلل فلا تفید الولایة الا ملزمة ومع القصور لایثبت ولایة الا لزام

تصرف کرنے کا مالک نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ اعلی رتبہ ہے۔

تشریح : یہ امام شافعی کی دلیل عقلی ہے کہ۔ ولایت کا مدار شفقت پر ہے اور اس بات پر ہے کہ وہ لڑکی کی مصلحت دیکھ سکے اور باپ اور دادا کے علاوہ کسی کو اتنی شفقت نہیں ہوتی کیونکہ وہ رشتہ داری کے اعتبار سے دور ہوتے ہیں اس لئے اس کو ولایت سونپنا مصلحت کے خلاف ہے، یہی وجہ ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ کو مال میں تصرف کرنے کا حق نہیں ہوتا، پس مال جو ادنی درجہ ہے اس کو تصرف کرنے کی ولایت نہیں ہوتی تو نکاح جو زندگی بھر کا مسئلہ ہے اس کو تصرف کرنے کی ولایت کیسے دی جائے!

ترجمہ : ے ہماری دلیل یہ ہے کہ قرابت کا تقاضا ہے کہ مصلحت اختیار کرے جیسے باپ اور دادا میں ہے، اور جو شفقت کی کمی ہے اس کو ہم نے اس کو الزام کے سلب کرنے میں ظاہر کیا ہے۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ جتنے ولی ہیں انکے ساتھ لڑکی کی رشتہ داری ہے اور رشتہ داری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مصلحت کی رعایت کر کے نکاح کرے، جیسے باپ اور دادا کے بارے میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ مصلحت کی رعایت کر کے لڑکی کی شادی کریں گے، باقی رہا کہ وہ دور کے رشتہ دار ہیں اس لئے ان میں شفقت کی کمی رہے گی تو اس کا علاج یہ ہے کہ ان لوگوں کا نکاح لازم نہیں رہے گا، بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ ملے گا اور اسکی وجہ سے نکاح توڑنے کا اختیار ہوگا۔

لغت : داعیۃ : بلانا، یہاں مراد ہے اس کا تقاضا یہ ہے۔ النظر : مصلحت، کسی بات میں غور کرنا۔ ولایۃ الزام : نکاح کرنے کے بعد اس کو توڑنے کا اختیار نہ ہو تو اس کو ولایۃ الزام، یا ولایۃ اجبار کہتے ہیں، اور بالغ ہونے کے بعد توڑنے کا اختیار ہو تو اس کو ولایت اختیار کہتے ہیں۔ باپ اور دادا میں ولایۃ الزام ہے باقی ولیوں میں ولایۃ الزام نہیں ہے، ولایت اختیار ہے۔

ترجمہ : ۸ بخلاف مال میں تصرف کرنے کے اس لئے کہ وہ بار بار ہوتا ہے اس لئے خلل کا تدارک ممکن نہیں ہے، اس لئے ولایت ملزمہ کے علاوہ میں فائدہ نہیں ہے اور قصور کے ساتھ ولایت ملزمہ ثابت نہیں ہوتا۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ دوسرے ولیوں کو مال میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہے تو نفس یعنی نکاح میں بھی ولایت نہیں دی جائے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مال کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بار بار پیش آئے گا اس لئے بالغ ہونے تک موقوف رکھنا کہ یہ لڑکی بالغ ہوگی تب مال کے اس عقد کو توڑنے اور باقی رکھنے کا اختیار ہو یہ ناممکن بات ہے اور اتنی دیر تک رکنا

۹ وجه قوله فی المسألة الثانية ان الثيابة سبب لحدوث الرای لوجود الممارسة فادرنا الحكم عليها تيسيرا ١٠ ولنا ماذكرنا من تحقق الحاجة ووفور الشفقة ولا ممارسة تحدث الرای بدون الشهودة

مشکل کام ہے، وہاں تو یہی کیا جائے کہ ولی نے جو خرید وفروخت کیا اس کو ابھی نافذ کیا جائے، اوران ولیوں میں شفقت اور محبت کی ہے اس لئے مال میں ولایت ملزمہ رکھنا مشکل ہے، اس لئے یہی کہا جائے کہ ان لوگوں کو مال میں تصرف کرنے کا حق ہی نہ ہو، اور نکاح زندگی میں ایک مرتبہ پیش آتا ہے اس لئے لڑکی کے بالغ ہونے تک انتظار کیا جا سکتا ہے اس لئے یہاں ولایت غیر ملزمہ دیا جا سکتا ہے اس لئے دے دیا، اور ولایت مال اور ولایت نکاح میں فرق کر دیا گیا۔

ترجمہ : ۹ دوسرے مسئلے میں امام شافعیؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ثیبہ ہونا رائے پیدا ہونے کا سبب ہے ملنے کی وجہ سے اس لئے ہم نے آسانی کی وجہ سے اس پر حکم لاگو کیا۔

تشریح : ثیبہ کے بارے میں امام شافعیؒ کا مسلک یہ تھا کہ ثیبہ بالغ ہو یا نابالغ ولی کی اس پر ولایت نہیں ہے، اوراس کی وجہ یہ فر ماتے ہیں کہ شوہر کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس میں تجربہ پیدا ہو گیا ہے اور رائے بھی پیدا ہو گئی ہے اس لئے چاہے وہ نابالغ ہو تب بھی اس پر ولایت نہیں ہے۔ موسوعۃ میں عبارت یہ ہے. قال الشافعیؒ فأی ولی امرأة ثيب او بكر زوجها بغير اذنها فالنكاح باطل الا الاباء فی الابكار و السادة فی المماليک . (موسوعۃ امام شافعیؒ باب ماجاء فی نکاح الاباء، ج عاشر، ص ۵۹، نمبر ۱۵۴۰۰) اس عبارت میں ہے کہ ثیبہ عورت پر باپ کی بھی ولایت نہیں ہے۔

وجه : اس لئے کہ ثیبہ کا نکاح اس کے باپ نے کروایا تو حضورؐ نے اس کو رد کر دیا، حدیث یہ ہے عن خنساء بنت خدام الانصارية أن ابا ها زوجها و هی ثيب فكرهت ذالک فأتت رسول الله ﷺ فرد نكاحه ۔ (بخاری شریف، باب اذا زوج الرجل ابنتہ وھی کارھۃ فنکاحہ مردود، ص ۹۱۹، نمبر ۵۱۳۸) اوپر کی حدیث میں ثیب کو خود نکاح کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور ثیب میں بالغہ اور نابالغہ دونوں داخل ہیں اس لئے دونوں کا نکاح نہیں کرا سکتا (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس ان رسول الله قال ليس للولی مع الثيب امر واليتيمة تستامر وصمتها اقرارها . (ابوداؤد شریف، باب فی الثیب، ص ۲۵۳، نمبر ۲۱۰۰ر دار قطنی، کتاب النکاح، ص ۱۶۷، نمبر ۳۵۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثیبہ چاہے نابالغہ ہو ولی کو مجبور کرنے کا حق نہیں ہے۔

اصول : امام شافعی کا اصول یہ ہے کہ ولایت کا مدار شوہر کے ساتھ رہنا ہے، پس اگر عورت شوہر کے ساتھ رہ چکی ہے اور ثیبہ ہے تو اس پر ولات نہیں ہے چاہے وہ بالغہ ہو یا نابالغہ، اور نہیں رہی ہے اور باکرہ ہے تو اس پر ولایت ہو گی چاہے وہ بالغہ ہو یا نابالغہ۔

ترجمہ : ١٠ ہماری دلیل وہ ہے جو ذکر کیا کہ ضرورت متحقق ہے اور باپ دادا میں شفقت کامل ہے اور بغیر شہوت کے ملنے کی وجہ

فیدار الحکم علی الصغر ۱۱؂ ثم الذی یؤید کلامنا فیما تقدم قوله علیه السلام النکاح الی العصبات من غیر فصل ۱۲؂ والترتیب فی العصبات فی ولایة النکاح کالترتیب فی الارث ۱۳؂ و الا بعد محجوب بالاقرب

سے رائے پیدا نہیں ہوتی، اس لئے صغر پر حکم لگایا جائے گا۔

تشریح : یہاں تین دلیل ذکر فرما رہے ہیں [۱] بعض مرتبہ بعد میں کفو نہیں ملتا اس لئے بچپنے میں بھی نکاح کرانے کی ضرورت ہے [۲] اور باپ دادا میں شفقت کامل ہے اس لئے اس کو ولایت دی جا سکتی ہے [۳] اور تیسری بات یہ ہے کہ عورت جب تک بالغ نہ ہو شوہر کے پاس رہنے سے رائے اور عقل پیدا نہیں ہوتی اس لئے جب تک بچی ہے باپ اور دادا کو اس پر ولایت ہوگی۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ ولایت کا مدار صغر ہے پس اگر وہ بالغہ ہے تو اس پر ولات نہیں ہے چاہے وہ ثیبہ ہو یا باکرہ، اور اگر نابالغ ہے تو اس پر ولایت ہوگی چاہے وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔

لغت : وفور الشفقۃ: وفور معنی بہت زیادہ، وفور الشفقۃ: بہت محبت۔ ممارسۃ: مارس، ملنا، بار بار مل کر تجربہ کرنا۔

ترجمہ : ۱۱؂ پھر ہماری بات جو پہلے گزر چکی ہے اس کی تائید کرتی ہے حضورؐ کی حدیث نکاح عصبات کی طرف ہے، بغیر کسی فصل کے۔

تشریح : حدیث میں یہ ہے کہ نکاح کرنے کا حق عصبات کو ہے اور اس میں یہ نہیں ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ کو ہے یا سب کو ہے اس لئے اس سے بات کی تائید ہوتی ہے کہ صغیرہ کے نکاح کرانے کا حق عصبات کو ہے۔۔ یہ حدیث نہیں ملی، البتہ اس کے قریب یہ اثر ہے۔ **قال عمر بن الخطاب اذا کان العصبة احدهم اقرب بام فهو احق** (رواہ الامام محمد فی کتاب الحجج ص ۲۹۳/ اعلاء السنن، باب ان النکاح الی العصبا ت وان المرأۃ تستحق ولایۃ الانکاح، ج حادی عشر، ص ۸۵، نمبر ۳۱۴۲) اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عصبہ نہ ہو تو ماں نکاح کرانے کا حقدار ہے۔

ترجمہ : ۱۲؂ اور ترتیب عصبات میں نکاح کی ولایت میں وہی ترتیب ہے جو وراثت میں ہے۔

تشریح : عصبہ کو نکاح کرانے کا حق ہوتا ہے اور عصبات میں ترتیب وہی ہے جو وراثت میں ترتیب ہے، یعنی پہلے باپ، پھر دادا وغیرہ۔ اس ترتیب کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ : ۱۳؂ اور دور کا عصبہ قریب کے عصبہ سے مجوب ہو جائے گا۔

تشریح : اگر قریب کا عصبہ موجود ہو مثلا باپ موجود ہو تو اس سے دور کا عصبہ مثلا دادا مجوب ہو جائے گا یعنی اس کو نکاح کرانے کا حق نہیں ملے گا۔

﴿(۱۵۴۶) فان زوجهما الاب او الجد [یعنی الصغیر والصغیرة] فلاخیار لهما بعد بلوغهما ﴾

ل لانهما کاملا الرای وافرا الشفقة فیلزم العقد بمباشرتهما کما اذا باشراه برضا هما بعد البلوغ

وجه : (۱) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔قال عمر بن الخطاب اذا کان العصبة احدهم اقرب بام فهو احق (رواہ الامام محمد فی کتاب الحجج ص ۲۹۳/اعلاء السنن، باب ان النکاح الی العصبات وان المرأة تستحق ولایة الانکاح، ج حادی عشر، ص ۸۵، نمبر ۳۱۴۲) اس اثر میں ہے کہ ماں سے زیادہ کوئی عصبہ ہوتو ماں مجحوب ہو جائے گی، یعنی اس کو نکاح کرانے کا حق نہیں ملے گا ۔(۲) اس حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے۔عن عائشة قالت قال رسول الله ایما امرأة نکحت بغیر اذن موالیها فنکاحها باطل ثلاث مرات فان دخل بها فالمهر لها بما اصاب منها فان تشاجروا فالسلطان ولی من لاولی لـه . (ابوداؤد شریف، باب فی الولی ص ۲۹۱ نمبر ۲۰۸۳) اس حدیث میں ہے کہ جس کا ولی نہ ہوتو اس کا ولی بادشاہ ہوگا، اس حدیث کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی میں ترتیب ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دور کا ولی قریب کے ولی سے مجحوب ہو جائے گا۔

ترجمه : (۱۵۴۶) پس اگر ان دونوں کی [یعنی نابالغ بچے کی اور نابالغ بچی کی] شادی باپ اور دادا نے کرائی تو ان دونوں کو بلوغ کے بعد خیار نہیں ہوگا۔

ترجمه : ل اس لئے کہ یہ دونوں رائے کے کامل ہیں اور شفقت بھی بہت ہے، اس لئے دونوں کے کرنے سے عقد لازم ہو جائے گا، جیسا لہ بالغ ہونے کے بعد دونوں کی رضامندی سے باپ دادا شادی کرواتے [تو انکو نکاح توڑنے کا اختیار نہیں ہوتا۔

تشریح : اگر چھوٹے نابالغ بچے یا بچی کی شادی باپ نے یا دادا نے کرادی تو بالغ ہونے کے بعد ان کو اس نکاح کے توڑنے کا خیار نہیں ہوگا۔اور ان کے علاوہ نے نکاح کرایا تو بالغ ہونے کے بعد توڑنے کا خیار بلوغ ملے گا۔

وجه : (۱) باپ کو بیٹے کے ساتھ شفقت کاملہ بھی ہے اور ان کے عاقل بالغ ہونے کی وجہ سے عقل بھی ہے۔اس لئے مشفق اور عاقل نے نکاح کرایا اس لئے ان کو نکاح توڑنے کا حق نہیں ہوگا۔اور باپ نہ ہوتے وقت دادا بھی اسی درجے میں شمار ہوتے ہیں (۲) لڑکا اور لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد انکی رضامندی سے باپ یا دادا انکی شادی کراتے تو ان لوگوں کو اس نکاح کے توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا، اسی طرح انکی نابالغی میں باپ دادا نے نکاح کرایا تو انکو نکاح توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا۔(۳)۔اثر میں ہے۔ عن عطاء انه اذا انکح الرجل ابنه الصغیر فنکاحه جائز ولا طلاق له . (سنن للبیهقی، باب الاب یزوج ابنه الصغیر، ج سابع، ص ۲۳۲، نمبر ۱۳۸۱۷/مصنف ابن ابی شیبة ۱۲ فی رجل یزوج ابنه وهو صغیر من اجازة، ج ثالث، ص ۴۴۹، نمبر ۱۶۰۰۹) اس اثر میں ہے کہ باپ نے نابالغ بیٹے کی شادی کرائی تو اس کو طلاق دینے کی اجازت نہیں ہوگی۔یعنی خیار بلوغ نہیں ملے گا۔اور اسی میں دادا بھی داخل ہوگا۔

(۱۵۴۷) وان زوجھما غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ ﴾ ۱ وھذا عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ ۲ وقال ابو یوسفؒ لا خیار لھما اعتباراً بالاب والجد ۳ ولھما ان قرابة الاخ ناقصة والنقصان یشعر بقصور الشفقة فیتطرق الخلل الی المقاصد

ترجمہ : (۱۵۴۷) اوراگران دونوں کی شادی کروائی باپ اوردادا کے علاوہ نے توان دونوں میں سے ہرایک کواختیار رہوگا جب بالغ ہوجائے اگر چاہے تو نکاح پر قائم رہے اوراگر چاہے تو فسخ کردے۔

ترجمہ : ۱ یہ امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح: نابالغ لڑکا اورنابالغ لڑکی کی شادی باپ اوردادا کے علاوہ نے کروائی توان دونوں کوخیار بلوغ ہوگا۔یعنی بالغ ہوتے ہی اعلان کردے کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں ہوں۔تو وہ نکاح توڑ سکتے ہیں۔

وجہ: (۱)باپ اوردادا کے علاوہ میں یا توعقل ناقص ہوگی مثلاماں ولیہ بنے تو شفقت کاملہ ہے لیکن عقل ناقص ہے۔اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ صحیح جگہ پرنکاح نہیں کرایا۔اس لئے نکاح توڑنے کا حق دیا جائے گا۔اورقاضی، بھائی، چچایا چچازاد بھائی نے شادی کرائی توان لوگوں میں عقل تو ہے لیکن شفقت کاملہ نہیں ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ صحیح جگہ پرنکاح نہیں کرایا۔اس لئے بالغ ہونے کے بعدنکاح توڑنے کا حق ہوگا،اورفطرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دوسرے کے دیئے ہوئے زندگی کے ساتھی کوتبدیل کا اختیار ہو(۲)اثر میں اس کا ثبوت ہے۔کتب عمر بن عبد العزیز فی الیتیمین اذا زوجا وھما صغیران انھما بالخیار. دوسری روایت میں ہے .عن ابن طاؤس عن ابیہ قال فی الصغیرین ھما بالخیار اذا شبا(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰ الیتیمۃ تزوج وھی صغیرۃ من قال لھا الخیار ج ثالث،ص ۴۴۸،نمبر ۱۵۹۹۵/۱۵۹۹۸)اس اثر میں ہے کہ یتیم کواوریتیمہ کوشادی کرائی۔یتیمہ کے والد کا انتقال ہوگیا ہے اس لئے اس کے علاوہ نے ہی شادی کرائی ہوگی۔اس لئے ان کوخیار ملے گا۔

ترجمہ : ۲ امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ دونوں کواختیار نہیں ہوگا، باب اوردادا پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح : امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ باپ اوردادا کے علاوہ نے شادی کرائی تب بھی اس کواختیار نہیں ملے گا۔جس طرح باپ اوردادا نے شادی کرائی ہوتو توڑنے کا اختیار نہیں ہے۔

وجہ: (۱)ان کی دلیل یہ اثر ہے۔عن حماد قال النکاح جائز ولا خیار لھا ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰ الیتیمۃ تزوج وھی صغیر من قال لھا الخیار، ج ثالث،ص ۴۴۸،نمبر ۱۶۰۰۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ یتیمہ کوخیار بلوغ نہیں ہوگا۔جس کا مطلب یہ ہے کہ صغیراورصغیرہ کوبھی باپ اوردادا کے علاوہ نے شادی کرائی تواس کواختیار نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۳ امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ بھائی کی قرابت ناقص ہے،اورنقصان شفقت کی کمی کی خبر دیتا ہے اس

عسی والتدارک ممکن بخیار الادراک ۴؎ واطلاق الجواب فی غیر الاب والجد یتناول الام والقاضی وھو الصحیح من الروایۃ لقصور الرای فی احد ھما ونقصان الشفقۃ فی الأخر فیتخیر ۵؎ ویشترط فیہ القضاء بخلاف خیار العتق لان الفسخ ھنا لدفع ضرر خفی وھو تمکن الخلل ولھذا یشمل الذکر والانثیٰ فجعل الزاما فی حق الأخر فیفتقر الی القضاء

لئے مقاصد میں خلل داخل ہونا ممکن ہے ،اور خیار بلوغ سے تدارک ممکن ہے۔

تشریح : طرفین کی دلیل یہ ہے کہ باپ دادا کے علاوہ مثلا بھائی میں رشتہ داری ناقص ہے اس لئے ممکن ہے کہ شفقت بھی کم ہو اور نکاح کا جو مقصد ہے وہ پورا نہ ہو،اس میں کمی رہ جائے ،اس لئے اسکی تلافی اسی طرح ممکن ہے کہ لڑکا لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ دیا جائے ،اور کفو ملنے میں کمی رہ جائے تو بالغ ہونے کے بعد نکاح کو توڑ کر اس کمی کو پوری کی جائے ،اس لئے باپ اور دادا کے علاوہ میں خیار بلوغ ملنا چاہئے۔

ترجمہ : ۴؎ اور متن میں باپ اور دادا کے علاوہ میں جواب کو مطلق رکھنا ماں اور قاضی کو شامل ہے اور صحیح روایت یہی ہے، دونوں میں سے ایک میں رائے کی کمی کی وجہ سے اور دوسرے میں شفقت کی کمی کی وجہ سے اس لئے خیار بلوغ دیا جائے گا۔

تشریح : قدوری کے متن میں یہ کہا کہ باپ اور دادا کے علاوہ سب ولیوں میں لڑکا اور لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد نکاح توڑنے کا اختیار ملے گا اس اطلاق میں ماں اور قاضی بھی شامل ہے کہ انہوں نے بھی نکاح کرایا تو خیار بلوغ ملے گا۔اس کی وجہ یہ کہ اختیار اس ولی میں نہیں ملتا ہے جس میں رائے بھی کامل ہو اور شفقت بھی کامل ہو،اور ماں میں شفقت تو کامل ہے لیکن ہے اس کی رائے ناقص ہے اس لئے اس کے کرائے ہوئے نکاح کو توڑنے کا اختیار ملے گا ،اور قاضی میں رائے تو کامل ہے لیکن شفقت کامل نہیں ہے کیونکہ وہ رشتہ دار نہیں ہیں اس لئے ممکن ہے کہ نکاح کرانے میں کمی کی ہو اس لئے اس کے کرائے ہوئے نکاح کو بھی توڑنے کا اختیار ہوگا۔

لغت: . قصور الرای فی احدھما :اس سے ماں مراد ہے کیونکہ اس میں قصور الرای ہے۔نقصان الشفقۃ فی الآخر : اس سے قاضی مراد ہے،اس لئے کہ اس میں شفقت کی کمی ہے۔

ترجمہ : ۵؎ نکاح کے توڑنے میں قضا کی شرط ہے،بخلاف خیار عتق کے،اس لئے کہ خیار بلوغ میں فسخ خفی ضرر کو دور کرنے کے لئے ہے،اور یہ ہے کہ ممکن ہے کہ خلل داخل ہو گیا ہو،اسی لئے مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل ہے [یعنی دونوں کو خیار بلوغ ملتا ہے]اس لئے دوسرے کے حق میں الزام رکھنا ہوا،اس لئے قضا کی ضرورت پڑے گی۔

تشریح : خیار بلوغ کے تحت نکاح توڑنے کے لئے قاضی کے فیصلے کی ضرورت پڑے گی لڑکا یا لڑکی خود سے نکاح نہیں توڑ سکیں گے،اس کے برخلاف خیار عتق کے تحت نکاح توڑنے کے لئے قاضی کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے،اس کو سمجھنے کے لئے یہ قاعدہ یاد

۶ وخیار العتق لدفع ضرر جلی وهو زیادة الملک علیها ولهذا یختص بالانثی فاعتبر دفعاً والدفع لایفتقر الی القضاء (۱۵۴۸) ثم عندهما اذا بلغت الصغیرة وقدعلمت بالنکاح فسکتت فهو رضا

رکھیں۔[۱] ایک ہے دوسرے پر الزام لگانا، اس کے لئے قاضی کا فیصلہ ضروری ہے، کیونکہ دوسروں پر الزام لگا رہا ہے۔[۲] دوسرا ہے اپنے اوپر آنے والے ضرر کو دفع کرنا، اس کے لئے قاضی کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے خود سے بھی ضرر کو دفع کرسکتا ہے۔ اب خیار بلوغ میں صرف اس بات کا وہم ہے کہ ولی نے صحیح جگہ پر نکاح نہیں کرایا ہے اس لئے اس کو توڑنے کا اختیار ہو، اس صورت میں ولی پر غلط جگہ پر نکاح کرانے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ اور غلطی کوئی واضح بھی نہیں ہے صرف وہم ہے کہ غلط جگہ پر نکاح کرایا ہو اس لئے اس کو ضرر خفی، یعنی پوشیدہ ضرر کہتے ہیں، اس لئے نکاح توڑنے کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت پڑے گی۔

ترجمہ : ۶ اور خیار عتق کی وجہ سے اختیار ملنا بڑے ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہے اور وہ ہے باندی پر ملک کا زیادہ ہونا، اسی لئے وہ مؤنث کے ساتھ خاص ہے تو اعتبار کیا گیا ہے ضرر کے دفع کرنے کا اور دفع میں قضا کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح : خیار عتق میں قضاء قاضی کی ضرورت نہ ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے، کہ کسی پر الزام لگانا نہیں ہے بلکہ اپنے اوپر آنے والے واضح ضرر کو دفع کرنا ہے، کیونکہ باندی کا شوہر پہلے دو طلاق کا مالک تھا، یعنی دو طلاق سے باندی مغلظہ ہو جاتی تھی، اب آزاد ہونے کے بعد اس کا شوہر تین طلاق کا مالک بنے گا، یعنی اب تین طلاق سے باندی مغلظہ بنے گی، اب شوہر بیوی پر تیسری طلاق کا مالک ہو جائے یہ باندی کا واضح ضرر ہے، یہی وجہ ہے کہ خیار عتق صرف باندی کو ہے غلام کو نہیں ہے، اس لئے واضح ضرر کو دفع کرنے کے لئے قاضی کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے، باندی اتنا کہہ دے کہ میں خیار عتق کے ماتحت اپنا نکاح فسخ کرتی ہوں تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔

وجہ : (۱) حضورؐ نے حضرت بریرہ کو فسخ نکاح سے روکنے کی کوشش کی تب بھی خود حضرت بریرہؓ نے اس کو فسخ کر دیا۔ **عن ابن عباس ان زوج بریرة کان عبدا یقال له مغیث کانی انظر الیه یطوف خلفها یبکی و دموعه تسیل علی لحیته، فقال النبی ﷺ لعباس یا عباس الا تعجب من حب مغیث بریرة و من بغض بریرة مغیثا ؟فقال النبی ﷺ : لو راجعته؟ قالت یا رسول الله تأمرنی؟قال انما انا أشفع قالت فلا حاجة لی فیه** ۔(بخاری شریف، باب شفاعة النبی ﷺ فی زوج بریرة، ص ۹۴۴، نمبر ۵۲۸۳) اس حدیث میں حضور وقت کے قاضی تھے اس کے باوجود انکے فیصلے کے بغیر حضرت بریرة نے بغیر قاضی کے اپنا نکاح توڑ دیا۔

لغت : خیار عتق: باندی کے آزاد ہونے کی وجہ سے نکاح توڑنے کا اختیار ملتا ہے اس کو خیار عتق کہتے ہیں۔ ضرر جلی: واضح نقصان۔ یفتقر: محتاج ہونا، ضرورت پڑنا۔

ترجمہ : (۱۵۴۸) پھر طرفینؒ کے نزدیک جب صغیرہ بالغ ہو جائے اور نکاح کو جانتی ہو اور چپ رہی تو یہ رضا شمار ہوگی، اور نکاح نہیں جانتی ہو تو اس کو اختیار ہوگا یہاں تک کہ جان لے اور چپ رہے۔

وان لم تعلم بالنکاح فلها الخیار حتی تعلم فتسکت ﴾ ۱؎ شرط العلم باصل النکاح لانها لاتتمکن من التصرف الابہ والولی یتفرد بہ فعذرت بالجہل ۲؎ ولم یشترط العلم بالخیار لانہا تتفرغ لمعرفۃ احکام الشرع والدار دار العلم فلم تعذر بالجہل

تشریح : یہاں دو باتیں ہیں [۱] نکاح کا علم ، [۲] دوسرا کہ مجھے خیار بلوغ حاصل ہے۔امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نزدیک ، یعنی جن حضرات کے نزدیک لڑکی کو خیار بلوغ ہوتا ہے ، انکے نزدیک یہ شرط ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے لڑکی کو یہ علم ہو کہ ولی نے میرا نکاح کرا یا ہے اور پھر بھی بالغ ہونے کے بعد نکاح توڑنے سے چپ رہی تو یہ نکاح سے رضا مندی سمجھی جائے گا اور نکاح مؤکد ہو جائے گا ، اس کے بعد پھر نکاح کو توڑنا چاہے تو اب نکاح نہیں توڑ پائے گی ، کیونکہ لڑکیوں کا چپ رہنا رضا مندی سمجھی جاتی ہے اور اس سے نکاح موکد ہو جاتا ہے۔اور اگر پہلے سے نکاح ہونے کا علم نہیں تھا ، بالغ ہونے کے بعد اس کا علم ہوا تو جس مجلس میں اس کا علم ہوا اس مجلس میں چپ رہی تو یہ بھی رضا مندی سمجھی جائے گی اور نکاح مؤکد ہو جائے گا۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ ولی لڑکی کو بغیر خبر دئے ہوئے بھی نکاح کر سکتا ہے ، اس لئے کوئی ضروری نہیں ہے کہ لڑکی کو بلوغ تک نکاح کی خبر ہوئی ہو ، اس لئے جب تک نکاح ہونے کی خبر نہ ہو وہ نکاح نہ توڑنے میں معذور ہے۔

اصول : خیار بلوغ استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ لڑکی کو نکاح ہونے کی خبر ہو۔

ترجمہ : ۱؎ اصل نکاح کا علم شرط ہے اس لئے کہ نکاح کے علم کے بغیر تصرف نہیں کر سکتی ، اور ولی کبھی اپنے طور بھی نکاح کر سکتا ہے اس لئے لڑکی کو نکاح کا علم نہ ہونا عذر کی چیز ہے۔

تشریح : بالغ ہونے کے بعد چپ رہنے سے نکاح اس شرط پر مؤکد ہوگا کہ اس کو نکاح ہونے کا علم ہو ، اس لئے نکاح کے علم ہونے کے بعد ہی خیار بلوغ کو استعمال کر سکتی ہے ، اس کو نکاح کی خبر نہ ہو تو خیار بلوغ کو کیسے استعمال کرے گی ! اور ولی کو یہ حق ہے کہ لڑکی کو خبر دئے بغیر ہی نکاح کرا دے ، اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ لڑکی کو نکاح کی خبر نہ ہو اس لئے وہ کیسے نکاح توڑنے کو استعمال کر سکتی ہے ؟ اس لئے نکاح کا علم نہ ہونے سے وہ معذور قرار دی جائے گی ، اور جاننے کے بعد چپ رہے گی تب رضا سمجھی جائے گی۔

ترجمہ : ۲؎ اور خیار بلوغ کا علم ہونا شرط نہیں ہے اس لئے کہ وہ شریعت کے احکام کے لئے فارغ ہو سکتی ہے ، اور دار الاسلام دار العلم ہے اس لئے نہ جاننے سے معذور نہیں ہوگی۔

تشریح : لڑکی کو نکاح کا علم تھا لیکن یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ اس کو خیار بلوغ حاصل ہے اور اس کے ذریعہ سے نکاح توڑ سکتی ہے اب وہ بالغ ہونے کے بعد نکاح توڑنے سے چپ رہی تو یہ رضا سمجھی جائے گی۔

وجہ : یہ دار الاسلام ہے جس میں اس قسم کے مسئلے عام طور مشہور ہوتے ہیں اور عورت آزاد ہے اس لئے ایسے مسئلے کو معلوم کرنے

۳؎ بخلاف المعتقة لان الامة لاتتفرغ لمعرفتها فعذرت بالجهل بثبوت الخيار (۱۵۴۹) ثم خيار البكر يبطل بالسكوت ولايبطل خيار الغلام مالم يقل رضيت اويجئى منه ما يعلم انه رضا وكذلك الجارية اذادخل بها الزوج قبل البلوغ ﴾ ۱؎ اعتباراً لهذه الحالة بحال ابتداء النكاح

کے لئے فارغ ہونا چاہئے ،لیکن اس کے باوجود یہ مسئلہ معلوم نہیں کر سکی تو یہ عذر نہیں ہے یہ لڑکی کی سستی ہے،اس لئے بالغ ہونے کے بعد نکاح توڑنے سے چپ رہی تو اس کا اختیار ختم ہو جائے گا ۔

ترجمہ : ۳؎ بخلاف آزاد کی ہوئی باندی کے اس لئے کہ باندی احکام سیکھنے کے لئے فارغ نہیں ہوتی اس لئے ثبوت خیار کے نہ جاننے سے معذور قرار دی جائے گی۔

تشریح : باندی آزاد کی گئی ،لیکن اس کو یہ مسئلہ ہی معلوم نہیں تھا کہ اس کو خیار عتق ملتا ہے،جسکی وجہ سے وہ اس نکاح کو توڑ سکتی ہے اس لئے وہ آزاد ہونے کے بعد نکاح توڑنے سے چپ رہی ،اب مسئلہ معلوم ہونے کے بعد اس کو دوبارہ خیار عتق ملے گا۔۔معتقہ : عتق سے مشتق ہے،آزاد کی ہوئی باندی۔

وجہ : (۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ باندی آقا کی خدمت میں ہر وقت مشغول رہتی ہے اس لئے یہ ممکن ہے کہ اس کو یہ مسئلہ معلوم کرنے کا وقت نہ ملا ہو اس لئے اس کا عذر قبول کیا جائے گا اور مسئلہ معلوم ہونے کے بعد دوبارہ خیار عتق ملے گا۔ (۲)عن حماد بن سلمة قال اذا اعتقت الامة ثم وطئها و هى لا تعلم ان لها الخيار فلها الخيار قال و بلغنى عن الحسن انه كان يقول ذالک ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب فیہ اذا وطئھا وھی لاتعلم ان لھا الخیار ،ج ثالث ،ص ۴۹۸،نمبر ۱۶۵۳۸)اس اثر میں ہے کہ آزاد ہونے والی باندی کو اس مسئلے کا علم نہ ہو کہ مجھے خیار عتق ہے تو مسئلہ معلوم ہونے کے بعد پھر اختیار ہوگا۔

ترجمہ : (۱۵۴۹) باکرہ کا اختیار چپ رہنے سے باطل ہو جائے گا ،اور لڑکے کا اختیار جب تک کہ رضیت نہ کہے باطل نہیں ہوگا ،یا اس کی طرف سے ایسی چیز آئے جس سے معلوم ہو کہ وہ راضی ہے،اور یہی حال ہے اس لڑکی کا جس سے شوہر نے بلوغ سے پہلے دخول کیا ہو۔

ترجمہ : ۱؎ اس حالت کو ابتداء نکاح پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح : یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ نکاح کے لئے اجازت لیتے وقت باکرہ لڑکی چپ رہ جائے تو یہ چپ رہنا اس کی جانب سے اجازت سمجھی جاتی ہے،اور لڑکے کے بارے میں یہ گزرا کہ اس کا چپ رہنا کافی نہیں جب تک کہ قول سے اجازت نہ دے،اسی طرح ثیبہ کے بارے میں گزرا کہ چپ رہنا کافی نہیں جب تک کہ زبان سے اجازت نہ دے۔اسی قاعدے پر یہاں تین مسئلے متفرع کئے جا رہے ہیں [۱] پہلا مسئلہ، باکرہ عورت کو بالغ ہونے کے بعد یہ خبر پہونچی کہ اس کے ولی نے نکاح کرا دیا ہے،تو جس مجلس میں خبر

(۱۵۵۰) وخیارالبلوغ فی حق البکر لایمتد الی اٰخر المجلس ولایبطل بالقیام فی حق الثیب والغلام﴾

پہونچی اس میں چپ رہی تو یہی چپ رہنا اجازت سمجھی جائے گی، اوراس کا خیار بلوغ ختم ہوجائے گا۔[۲]لڑکے کو بالغ ہونے کے بعد یہ خبر پہونچی کہ اس کے ولی نے اس کا نکاح کرا دیا ہے تو اس کے چپ رہنے سے خیار بلوغ ختم نہیں ہوگا، جب تک کہ زبان سے رضیتُ نہ کہے، یا لڑکے کی جانب سے کوئی ایسا اقدام ہو جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ اس نکاح سے بالکل راضی ہے، مثلا بیوی کو مہر دے دیا، یا اس سے جماع کرلیا تو اس سے سمجھا جائے گا کہ وہ اس نکاح سے راضی ہے تو اس سے اس کا خیار بلوغ ختم ہوجائے گا، اور اگر اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی تو اس کا ابھی خیار بلوغ ختم نہیں ہوگا۔[۳]اسی طرح نابالغ لڑکی جس سے اس کے شوہر نے بالغ ہونے سے پہلے وطی کرلی جس کی وجہ سے وہ ثیبہ ہوگئی، اور بعد میں اس کے ولی نے نابالغی میں دوسری شادی کردی اور بالغ ہونے کے بعد اس کو نکاح کی خبر پہونچی، تو چونکہ وہ ثیبہ ہے اس لئے اس کا چپ رہنا رضامندی کی دلیل نہیں ہے، جب تک کہ زبان سے نہ کہے، یا کوئی ایسا اقدام ہوجاتے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ اس نکاح سے راضی ہو مثلا شوہر کے مہر کو قبول کرلیا، یا شوہر کو جماع کرنے دیا تو اس سے سمجھا جائے گا کہ وہ اس نکاح سے راضی ہے تب اس سے اس کا خیار بلوغ ساقط ہوگا۔ ورنہ نہیں۔

ترجمہ : (۱۵۵۰) خیار بلوغ باکرہ کے حق میں آخیر مجلس تک ممتد نہیں ہوگا، اور ثیبہ اور لڑکے کے حق میں مجلس سے کھڑے ہونے سے باطل نہیں ہوگا۔

تشریح : اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ خیار بلوغ مجلس کے بعد بھی رہتا ہے، لیکن باکرہ کا چپ رہنا ہی رضامندی ہے اس لئے چپ رہتے ہی مجلس ہی میں خیار بلوغ ساقط ہوجائے گا، اور ثیبہ اور لڑکے کا چپ رہنا رضامندی نہیں ہے اس لئے مجلس کے بعد بھی خیار باقی رہے گا، جب تک کہ زبان سے ہاں یا نا نہ کہے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ باکرہ کے حق میں خیار بلوغ مجلس کے آخیر تک نہیں رہے گا، بلکہ جس مجلس میں نکاح ہونے کی خبر ملی، یا پہلے سے خبر ملی ہو تو جس مجلس میں لڑکی بالغ ہوئی اسی مجلس میں اختیار ختم ہوجائے گا، اور لڑکا اور ثیبہ لڑکی کے لئے حکم یہ ہے کہ مجلس سے کھڑا ہونے سے اور اس کے ختم ہونے سے خیار بلوغ ختم نہیں ہوگا، بلکہ مجلس کے بعد بھی خیار بلوغ رہے گا جب تک کہ زبان سے اثبات یا انکار نہ کرے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ خیار بلوغ دوسرے کے دینے سے نہیں ہوتا بلکہ خلل کے وہم سے ملتا ہے اس لئے مجلس کے بعد تک رہنا چاہئے، لیکن باکرہ کے لئے مسئلہ یہ ہے نکاح کی خبر ملنے کے بعد جیسے ہی چپ رہی تو چپ رہنا ہی رضامندی ہے اس لئے چپ رہنے سے رضامندی ہوگئی اور خیار بلوغ ختم ہوگیا اس لئے مجلس کے بعد اختیار نہیں رہے گا۔ لیکن لڑکے اور ثیبہ کی رضامندی چپ رہنے

۱؎ لانه ماثبت باثبات الزوج بل لتوهم الخلل فانما یبطل بالرضاء غیر ان سکوت البکر رضا

۲؎ بخلاف خیارالعتق لانه ثبت باثبات المولی وهو الاعتاق فیعتبر فیه المجلس

سے نہیں ہے اسلئے مجلس میں ختم نہیں ہوگا، بلکہ مجلس کے بعد بھی زبان سے ہاں یا نا کہہ سکتا ہے

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ شوہر کے ثابت کرنے سے ثابت نہیں ہوا ہے، بلکہ خلل کے وہم کے وجہ سے ہوا ہے، اس لئے راضی ہو نے سے خیار باطل ہوگا، یہ اور بات ہے کہ باکرہ کا چپ رہنا ہی رضا مندی ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے اور یہاں سے دو قاعدہ بیان کرر ہے ہیں پہلے اس کو سمجھیں کیونکہ یہ عبارت پیچیدہ ہے پھر تشریح کریں گے۔ (۱) ایک قاعدہ یہ ہے کہ دوسرا آدمی نکاح توڑنے کا اختیار دے تو وہ اختیار مجلس تک ہی باقی رہتا ہے، مجلس کے بعد نہیں، اور مجلس میں بھی اس اختیار کو لینے سے اعراض کا پتہ چلے تو مجلس باقی رہنے کے باوجود بھی وہ اختیار ختم ہو جائے گا، مثلا [۱] آقا نے باندی کو آزاد کیا تو گویا کہ آقا نے باندی کو خیار عتق دیا تو چونکہ دوسرے نے خیار عتق دیا اس لئے یہ مجلس تک ہی باقی رہے گا، اگر مجلس ختم ہوگئی اور خیار عتق کے ماتحت باندی نے نکاح نہیں توڑا تو اب خیار عتق نہیں ملے گا [۲] یا شوہر نے بیوی کو طلاق دینے کا اختیار دیا تو چونکہ دوسرے نے اختیار دیا اس لئے یہ اختیار مجلس تک ہی رہے گا، مجلس ختم ہو جانے کے بعد عورت کو طلاق دینے کا اختیار نہیں رہے گا۔ (۲) اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جو اختیار دوسرے کے دینے کی وجہ سے نہ ہو بلکہ خود بخود حاصل ہوا ہو وہ مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہوتا، مجلس کے بعد بھی باقی رہتا ہے، خیار بلوغ دوسرے کے دینے کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس وہم کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے کہ ولی نے شاید غلط جگہ شادی کرا دی ہو اس نقصان کو دور کرنے کے لئے خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے اس لئے یہ اختیار مجلس کے بعد بھی باقی رہے گا۔ تشریح عبارت یہ ہے کہ شوہر کے ثابت کرنے سے اختیار ثابت نہیں ہوا ہے بلکہ اس وہم کی وجہ سے خیار بلوغ ملا ہے کہ ولی نے غلط جگہ شادی کرا یا ہو اور خلل واقع ہو گیا ہو تو گویا کہ اختیار خود بخود ملا، اس لئے مجلس کے بعد تک اختیار ملے گا، اور جب تک رضیت نہ کہے اختیار باطل نہیں ہوگا، یہ اور بات ہے کہ باکرہ لڑکی کا چپ رہنا ہی رضا مندی ہے اس لئے چپ رہتے ہی مجلس کے اندر ہی اختیار ختم ہو جائے گا، اور ثیبہ اور لڑکے کو بعد تک اختیار رہے گا۔

ترجمہ : ۲؎ بخلاف خیار عتق کی اس لئے کہ آقا کے ثابت کرنے سے ثابت ہوا ہے اور وہ آزاد کرنا ہے اس لئے اس میں مجلس کا اعتبار کیا جائے گا۔

تشریح : اس عبارت میں دوسرا قاعدہ بیان کیا جار ہا ہے، یعنی دوسرے کے اختیار دینے سے اختیار ملا ہو تو وہ اختیار مجلس تک ہی باقی رہے گا۔ باندی کو آقا نے آزاد کیا تو دوسرے کے آزاد کرنے سے خیار عتق ملا ہے اس لئے اس میں مجلس کا اعتبار کیا جائے گا، اور مجلس کے ختم ہوتے ہی خیار عتق ختم ہو جائے گا۔

۳؎ کما فی خیار المخیرة (۱۵۵۱) ثم الفرقة بخیار البلوغ لیس بطلاق ﴾ ۱؎ لانها تصح من الانثیٰ ولاطلاق الیها ۲؎ وکذا بخیار العتق لما بینا ۳؎ بخلاف المخیرة لان الزوج ھوالذی ملّکھا وھو مالک للطلاق

ترجمہ : ۳؎ جیسا کہ اختیار دی ہوئی عورت کے اختیار کے بارے میں ہوتا ہے۔

تشریح : کمافی خیار المخیرة : یہ دوسری مثال ہے کہ عورت کو شوہر نے طلاق دینے کا اختیار دیا ہو تو چونکہ دوسرے کے اختیار دینے سے اختیار ملا ہے اس لئے یہ اختیار مجلس تک ہی باقی رہے گا مجلس کے ختم ہوتے ہی اختیار ختم ہو جائے گا۔

لغت : خیار: طلاق دینے کا اختیار۔ مخیّرة: جس عورت کو شوہر نے طلاق دینے کا اختیار دیا ہو۔

ترجمہ : (۱۵۵۱) پھر خیار بلوغ کی وجہ سے فرقت طلاق نہیں ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ عورت کی جانب سے صحیح ہوتا ہے حالانکہ اس کی جانب سے طلاق نہیں ہوتی ہے۔

تشریح : خیار بلوغ کی وجہ سے عورت نے نکاح توڑا تو یہ توڑنا طلاق نہیں سمجھی جائے گی بلکہ فسخ نکاح سمجھا جائے گا۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ خیار بلوغ کے ماتحت نکاح کا توڑنا عورت کی جانب سے ہوتا ہے اور عورت کی جانب سے طلاق نہیں ہوتی، اس لئے یہ طلاق نہیں ہے، فسخ نکاح ہے۔

لغت : طلاق اور فسخ نکاح میں فرق: یہ ہے کہ [۱] اگر اس کو طلاق شمار کیا جائے تو اس طلاق کے بعد اس عورت سے نکاح کرے تو شوہر اب صرف دو طلاقوں کا مالک ہوگا، یعنی صرف دو طلاق سے عورت مغلظہ ہو جائے گی، کیونکہ ایک طلاق پہلے ہو چکی ہے، اور اگر فسخ نکاح قرار دیں تو وہ طلاق نہیں ہوئی اس لئے شوہر اب تین طلاقوں کا مالک ہوگا، کیونکہ پہلے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔[۲] دوسرا فرق یہ ہے کہ اگر دخول سے پہلے نکاح ٹوٹا ہوا اور اس کو طلاق قرار دی جائے تو شوہر پر آدھا مہر لازم ہوگا، کیونکہ دخول سے پہلے طلاق ہونے سے آدھا مہر ہی لازم ہوتا ہے، اور اگر فسخ نکاح قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گویا کہ نکاح ہوا ہی نہیں اس لئے کچھ بھی لازم نہیں ہوگا [۳] طلاق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نکاح ہو کر پھر طلاق ہوئی، اور فسخ نکاح کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گویا کہ شروع سے نکاح ہوا ہی نہیں۔

ترجمہ : ۲؎ اور ایسے ہی خیار عتق کی وجہ سے [فسخ نکاح ہوگا] اس دلیل کی بنا پر جو میں نے بیان کیا۔

تشریح : باندی کو خیار عتق ملا جسکی وجہ سے اس نے نکاح توڑ دیا تو یہ توڑنا بھی فسخ نکاح ہوگا، طلاق نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ توڑنا عورت کی جانب سے ہوا اور عورت کی جانب سے طلاق نہیں ہوتی اس لئے اس کو فسخ نکاح ہی قرار دیا جائے گا۔

ترجمہ : ۳؎ بخلاف اختیار دی ہوئی عورت کے اس لئے کہ شوہر نے اس کو طلاق کا مالک بنایا ہے، اور شوہر تو طلاق کا مالک تھا۔

(۱۵۵۲) وان مات احدهما قبل البلوغ ورثه الآخر وکذا اذا مات بعد البلوغ قبل التفریق ﴾ ا لان اصل العقد صحیح والملک الثابت به انتهی بالموت ۲ بخلاف مباشرة الفضولی اذا مات احدالزوجین قبل الاجازة لان النکاح ثمه موقوف فیبطل بالموت

تشریح : جس عورت کوشوہر نے طلاق دینے کا اختیار دیا ہے اس کومخیّرہ کہتے ہیں۔مخیّرہ نے اپنے آپ کوطلاق دی تو یہ فسخ نکاح نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ طلاق شمار کی جائے گی ،اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ طلاق ظاہری طور پرعورت کی جانب سے ہے لیکن حقیقت میں مرد کی جانب سے ہے، کیونکہ شوہر نے ہی عورت کوطلاق کا مالک بنایا تھا،اورشوہر طلاق دینے کا مالک تھا تو گویا کہ مرد کی جانب سے طلاق ہوئی اس لئے یہ طلاق شمار کی جائے گی۔

ترجمه : (۱۵۵۲) اگر بالغ ہونے سے پہلے دونوں میں سے ایک مرگیا تو دوسرااس کا وارث ہوگا،ایسے ہی بالغ ہونے کے بعد تفریق سے پہلے مرگیا [تو وارث ہوگا]۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تفریق سے قبل دونوں کا نکاح مستحکم ہے،اس لئے دونوں میں سے ایک مرگیا تو دوسرااس کا وارث ہوگا کیونکہ موت کے بعد اب نکاح ٹوٹنے کا سوال نہیں ہوتا، بلکہ نکاح اور مضبوط ہوگیا۔بالغ ہونے سے پہلے دونوں میں سے ایک مرگیا تو چونکہ ابھی تک نکاح ٹوٹا نہیں ہے اور موت کے بعد ٹوٹنے کا سوال بھی نہیں ہوتا ہے،اس لئے نکاح مستحکم ہی رہا اس لئے ایک دوسرے کا وارث ہوگا،مثلا اگر لڑکا مرگیا تو لڑکی اس کا وارث ہوگی،اورلڑکی مرگئی تو لڑکا اس کا وارث ہوگا۔ایسے ہی لڑکی بالغ ہوئی لیکن ابھی نکاح نہیں توڑا تھا کہ دونوں میں سے ایک کا انتقال ہوگیا تب بھی ایک دوسرے کا وارث ہوگا۔

ترجمه : ا اس لئے کہ اصل عقد صحیح ہے اوراسی سے ملک بضع ثابت ہوجاتا ہے،اورموت سے نکاح اور مضبوط ہوگیا [اس لئے وارث ہوگا]۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ پہلے جو نکاح ہوا ہے وہ صحیح ہے اوراس کی وجہ سے شوہر وطی کرنے کا حقدار ہے، یہی وجہ ہے کہ ٹوٹنے سے پہلے شوہر وطی کرسکتا ہے،اورموت کی وجہ سے نکاح انتہی کو پہونچ گیا،یعنی اور مضبوط ہوگیا، کیونکہ اب نکاح ٹوٹنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور جب بیوی ہونے کی حالت میں موت ہوئی ہے اس لئے ایک دوسرے کا وارث ہوگا۔

لغت: انتہی بالموت:موت کی وجہ سے نکاح کا معاملہ آخری کو پہنچ گیا۔مراد یہ ہے کہ موت سے نکاح کا معاملہ مضبوط ہوگیا۔

ترجمه : ۲ بخلاف فضولی کے نکاح کرنے کے جب کہ اجازت سے پہلے میاں بیوی میں سے کوئی مرجائے [تو وارث نہیں ہو گا]اس لئے کہ نکاح وہاں موقوف ہے اس لئے موت سے نکاح باطل ہوجائے گا۔

تشریح : فضولی اس کو کہتے ہیں کہ میاں اور بیوی کے حکم کے بغیر ولی کے علاوہ نکاح کرائے ، چونکہ یہ ولی بھی نہیں ہے اوراس کو

۳؎ و ھھنا نافذ فتقرر به قال (۱۵۵۳) ﴿ولا ولا یة لعبد و لا صغیر و لا مجنون ﴾ ۱؎ لانه لا ولایة لهم علیٰ انفسهم فاولی ان لا یثبت علی غیرهم ۲؎ ولان ھذه ولایة نظریة ولا نظر فی التفویض الیٰ ھؤلاء (۱۵۵۴) ﴿ولا ولایة لکافر علیٰ مسلم﴾

نکاح کرانے کا حکم بھی نہیں دیا ہے، تو یہ فضول لوگ ہوئے اس لئے اس کو فضولی کہتے ہیں، اس کے نکاح کا حکم یہ ہے کہ میاں بیوی قبول کرلے تو اب قبول کرنے کے بعد نکاح ہوگا، اس کے پہلے نکاح نہیں تھا وہ نکاح قبول کرنے پر موقوف تھا۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ فضولی نے نکاح کرایا اور ابھی میاں بیوی نے قبول بھی نہیں کیا تھا کہ دونوں میں سے ایک کی موت ہوگئی تو کوئی کسی کا وارث نہیں ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قبول نہیں کیا اور اجازت نہیں دی تو ابھی نکاح ہی نہیں ہوا اس لئے نکاح سے پہلے انتقال ہوا اس لئے یہ دونوں حقیقت میں میاں بیوی نہیں تھے اس لئے ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۳؎ اور یہاں نافذ ہے اس لئے موت سے نکاح اور ثابت ہو جائے گا۔

تشریح : یہاں سے مراد ہے کہ نکاح ولی نے کرایا ہو، تو نکاح مکمل ہو چکا ہے البتہ بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ کے ماتحت توڑنے کا اختیار ہے، یہی وجہ ہے کہ قاضی کے فیصلے سے توڑے گا خود بخود نہیں توڑ سکتا، اور موت کی وجہ سے وہ اختیار بھی ختم ہو گیا تو نکاح اور مضبوط ہو گیا اس لئے وارث بنے گا۔

ترجمہ : (۱۵۵۳) غلام کے لئے ولایت نہیں ہوگی، اور نہ چھوٹے بچے کے لئے، اور نہ مجنون کے لئے۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ ان لوگوں کو اپنے اوپر ولایت نہیں ہے تو زیادہ بہتر ہے کہ دوسروں پر بھی ولایت نہ ہو۔

تشریح: غلام، نابالغ بچہ اور مجنون کو دوسروں کی شادی کرانے کی ولایت نہیں ہے۔

وجہ : (۱) ان لوگوں کو خود اپنے اوپر ولایت نہیں ہے تو ان لوگوں کو دوسروں پر ولایت کیسے ہوگی۔ مثلا غلام کو اپنی شادی کرانے کا حق نہیں ہے۔ اس کی شادی اس کا مولیٰ کراتا ہے تو اس کو دوسروں کی شادی کرانے کا حق کیسے ہوگا؟ بچے کو عقل کی کمی ہے اس لئے اس کو دوسرے پر کیسے ولایت ہوگی؟ مجنون کو بھی عقل نہیں ہے اس لئے اس کو دوسروں پر ولایت کیسے ہوگی۔

ترجمہ : ۲؎ اور اس لئے بھی کہ یہ ولایت مصلحت کے لئے ہے اور ان لوگوں کو سونپنے میں مصلحت نہیں ہے۔

تشریح : نکاح کرانے کی ولایت اس لئے ہوتی ہے کہ مصلحت دیکھ کر نکاح کرائے، اور ان لوگوں کے پاس اتنی صلاحیت کہاں ہے کہ مصلحت سوچے اس لئے ان لوگوں کو ولایت سے کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے ان لوگوں کو دوسرے پر ولایت نہیں ہوگی۔

لغت: نظریۃ: غور کرنا مصلحت دیکھنا، تفویض: سونپنا

ترجمہ : (۱۵۵۴) اور نہ ولایت ہے کافر کا مسلمان پر۔

۱؎ لقوله تعالى ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا ۲؎ ولهذا لاتقبل شهادته عليه ولا يتوارثان ۳؎ اما الكافر فيثبت له ولاية الا نكاح على ولده الكافر لقوله تعالى والذين كفروا بعضهم اولياء بعض ولهذا تقبل شهادته عليه ويجرى بينهما التوارث (۱۵۵۵) ولغير العصبات من الاقارب ولاية التزويج ﴾

ترجمه:۱؎ اللہ تعالی کے قول ۔ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا.(آیت ۱۴۱ سورۃ النساء۴) کی وجہ سے۔

وجه : (۱) اور کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا . (آیت ۱۴۱ سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ کافر کو مؤمنین پر کوئی راستہ نہیں ہے۔اس لئے کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہوگی۔

ترجمه: ۲؎ اسی لئے کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی ،اور نہ ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔

تشریح : کافر مسلمان کا ولی نہیں بنے گا، اس کی دو دلیلیں یہ ہیں کہ [۱] کافر مسلمان کے خلاف گواہی دے تو قبول نہیں کی جائے گی ، [۲] اسی طرح کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا اور نہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا ، اور اسکی وجہ یہی ہوگی کہ کافر مسلمان کا ولی نہیں ہے۔

ترجمه : ۳؎ بہر حال کافر کو اپنے کافر بچے کے نکاح کرانے کی ولایت ہے، اللہ تعالی کے قول والذين كفروا بعضهم اولياء بعض کی وجہ سے۔(آیت ۷۳، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ کافر بعض بعض کے ولی ہیں اس لئے کافر اپنے کافر بچے کے نکاح کرانے کا ولی ہوگا۔

تشریح : کافر آدمی اپنے کافر بچے کے نکاح کرانے کا ولی ہے۔

وجه : (۱) اوپر کی آیت میں ہے کہ کافر بعض بعض کے ولی ہیں۔(۲) اس لمبی حدیث میں ہے کہ حضرت خدیجہ کے والد کافر تھے اور اس نے اپنی بچی حضرت خدیجہؓ کا کفر کی حالت میں حضورؐ سے نکاح کرایا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے .عن ابن عباس فيما يحسب حماد ان رسول الله ﷺ ذكر خديجة بنت خويلد ....فقالت خديجةؓ لأبيها ان محمدا يخطبنى فزوجه فزوجها اياه ۔(سنن بیہقی، باب لا ولایۃ لاحد مع اب، ج سابع ،ص ۲۰۹، نمبر ۱۳۷۴۶) اس حدیث میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی شادی اس کے باپ نے کروائی۔جس سے معلوم ہوا کہ کافر آدمی اپنی کافر اولاد کا ولی بن سکتا ہے۔(۳) اسی لئے کافر کی شہادت کافر کے خلاف قبول کی جاتی ہے اور کافر کافر کا وارث بھی بنتا ہے، اس لئے ولی بھی بن سکتا ہے۔

ترجمه : (۱۵۵۵) عصبات کے علاوہ جو اقارب ہیں انکو بھی نکاح کرانے کی ولایت ہے۔

۱؎ عند ابی حنیفةؒ معناه عند عدم العصبات وهذا استحسان ۲؎ وقال محمدؒ لا يثبت وهو القياس وهو رواية عن ابی حنيفةؒ وقول ابی یوسفؒ فی ذلک مضطرب والاشهر انه مع محمدؒ لهما مارويناولان الولاية انما تثبت صونا للقرابة عن نسبة غير الكفو اليها والى العصبات الصيانة

ترجمہ : ۱؎ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اس کا مطلب یہ ہے کہ عصبات نہ ہو تو، اور یہ استحسان کا تقاضا ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر قریب کے ولی نہ ہوں مثلا عصبات میں سے کوئی ولی نہ ہو تو ذوی الارحام میں سے دوسرے رشتہ داروں کو بالترتیب شادی کرانے کا حق ہوگا، جنکو اقارب کہتے ہیں، یہ استحسان کا تقاضا ہے، اور اگر عصبات میں سے کوئی موجود ہو تو اقارب کو ولایت نہیں ہوگی۔

وجہ : (۱) یہ ولایت مصلحت کے لئے ہے۔ اور رشتہ دار چاہے دور کے ہوں اس میں شفقت ہوتی ہے۔ اس لئے مصلحت کا تقاضا ہے کہ ان کو شادی کرانے کا حق دیا جائے (۲) اثر میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے رشتہ دار کی شادی کرائی حالانکہ وہ عصبات والی نہیں تھیں۔ عن ابن عباس قال انكحت عائشة ذات قرابة لها من الانصار فجاء رسول الله فقال اهديتم الفتاة؟ قالوا نعم. (ابن ماجہ شریف، باب الغناء والدف، ص ۲۷۳، نمبر ۱۹۰۰) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنے رشتہ دار کی شادی کرائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذوی الارحام عورت ہو تو بھی عصبات نہ ہوتے وقت شادی کراتی ہے (۳)۔ قال ابن عمر فزوجنيها خالی قدامة وهو عمها ولم يشاورها (سنن ابن ماجہ شریف، باب نکاح الصغار یزوجھن غیر الآباء ص ۲۶۹ نمبر ۱۸۷۸) اس اثر میں قدامہ ماموں نے شادی کرائی جس سے معلوم ہوا کہ غیر عصبات شادی کرا سکتا ہے۔

ترجمہ : ۲؎ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اقارب کو ولایت ثابت نہیں، اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے، اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہی ہے، اور امام ابو یوسفؒ کا قول اس میں مضطرب ہے اور مشہور یہ ہے کہ وہ امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں کی دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی، اور اس لئے کہ ولایت غیر کفو کے ساتھ نسبت سے قرابت کو بچانے کے لئے ہے، اور عصبات کی طرف ہی بچانا ہے۔

تشریح : امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ عصبات کے علاوہ جو رشتہ دار ہیں جنکو اقارب کہتے ہیں انکو نکاح کرانے کی ولایت نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے، اور امام ابو یوسفؒ کا قول اس بارے میں مضطرب ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ وہ امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔

وجہ : (۱) ایک دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے بیان کیا، یعنی، قولہ علیہ السلام: النکاح الی العصبات۔ جسکا ترجمہ یہ تھا کہ نکاح کی ولایت عصبات کو ہے، اس لئے عصبات کو ہی نکاح کی ولایت ہوگی اقارب کو نہیں۔ نوٹ۔ یہ حدیث ملی نہیں تھی۔ (۲) دوسری وجہ

۳ ولابی حنیفةؒ ان الولایة نظریة والنظر یتحقق بالتفویض الی من هو المختص بالقرابة الباعثة علی الشفقة (۱۵۵۶) ومن لا ولی لها [یعنی العصبة من جهة القرابة] اذا زوجها مولاها ﴾ ۱ الذی اعتقها جاز لانه اٰخر العصبات

یہ ہے کہ عصبات خاندان کے لوگ ہوتے ہیں اور اقارب خاندان کے علاوہ کے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ نکاح کی ولایت اس لئے ہے کہ اس خاندان میں غیر کفو کے لوگ نہ آجائیں اور یہ جذبہ صرف عصبات میں ہوتا ہے کہ میرے خاندان میں غیر کفو کے لوگ نہ آجائیں، غیر خاندان کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی اس لئے ولایت صرف عصبات کو ہونی چاہئے۔

لغت: صونا بچانا، محفوظ رکھنا۔ والی العصبات الصیانة: غیر کفو سے بچانے کی ذمہ داری عصبات کو ہے۔

ترجمہ: ۳ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ولایت مصلحت کے لئے ہے اور جو ایسی قرابت کے ساتھ خاص ہے جو شفقت پر ابھارنے والی ہے اس کو سونپنے سے مصلحت متحقق ہوگی۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کرانے کی ولایت نظری ہے یعنی مصلحت کے لئے ہے اس لئے ایسے رشتہ دار جس میں شفقت کا داعیہ ہو اس کو ولایت سونپنا مصلحت کے مطابق ہے اس لئے عصبات کے نہ ہوتے وقت اقارب کو سونپنا بھی مصلحت کے مطابق ہوگی، اس لئے عصبات کے نہ ہوتے وقت اقارب کو نکاح کرانے کا حق ہوگا، اصل تو اوپر کا اثر ہے۔

ترجمہ: (۱۵۵۶) جس کا کوئی ولی نہیں ہے [یعنی عصبہ قرابت کی جانب سے ہو] اگر اس کی شادی اس آقا نے کروائی۔

ترجمہ: ۱ جس نے آزاد کیا ہے تو جائز ہے اس لئے کہ وہ آخری عصبات ہے۔

تشریح: کوئی باندی آزاد کی ہوئی تھی اور اس کا کوئی ولی نہیں ہے۔ اب جس آقا نے آزاد کیا تھا اس نے باندی کی شادی کرائی تو جائز ہے۔

وجہ: (۱) کیونکہ کوئی عصبہ نہ ہو تو آخر میں آزاد کرنے والا مولی غلام باندی کا عصبہ ہوتا ہے۔ اور جب عصبہ ہے تو اس کو شادی کرانے کا بھی حق ہوگا۔ (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عائشة قالت اشتریت بریرة فقال النبی ﷺ اشتریها فان الولاء لمن اعتق.** (بخاری شریف، باب الولاء لمن اعتق ومیراث اللقیط، ص۹۹۹، نمبر۶۷۵۱) اس حدیث میں ہے کہ جس نے آزاد کیا اس کو غلام کا مال بطور عصبہ ملیگا۔ (۳) **عن علی وعبد اللہ وزید بن ثابت انهم کانوا یجعلون الولاء للکبر من العصبة ولا یرثون النساء الا ما اعتقن او اعتق من اعتقن** (سنن للبیہقی، باب لا ترث النساء الولاء الا من اعتقن او اعتق من اعتقن، ج عاشر، ص ۵۱۵، نمبر ۲۱۵۱۱ / مصنف ابن ابی شیبة، ۹۷ فیمن ترث النساء من الولاء وما هو؟، ج سادس، ص ۲۹۲، نمبر ۳۱۴۹۵) اس اثر میں ہے کہ آقا آخری عصبات ہے اس لئے کوئی خاندانی عصبہ نہ ہو تو اس کو عصبہ کے طور پر نکاح کرانے کا حق ہو

(۱۵۵۷) واذا عدم الاولياء فالولاية الى الامام والحاكم ﴾ ل لقوله عليه السلام السلطان ولى من لا ولى له (۱۵۵۸) فاذا غاب الولى الاقرب غيبة منقطعة جاز لمن هو ابعد منه ان يزوج ﴾ لوقال زفرؒ لايجوز لان ولاية الاقرب قائمة لانها تثبت حقاً له صيانة للقرابة فلا تبطل بغيبته ولهذا لو زوجها

گا۔ (۴)اس آیت کےاشارے میں ہے. و أنكحوا الايامى منكم و الصالحين من عبادكم و امائكم ان يكونوا فقراء يغنيهم الله من فضله ۔(آیت۳۲،سورۃالنور۲۴)اس آیت میں ہے کہ اپنے غلام باندی کی شادی کراؤ جس سے معلوم ہوا کہ آقا عصبات کے طور پر نکاح کرا سکتا ہے۔

ترجمہ : (۱۵۵۷) اگر کوئی ولی نہ ہو تو ولایت امام اور حاکم کو ہے۔

ترجمہ : ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے جس کا ولی نہیں سلطان اس کا ولی ہے۔

تشریح : جس کا ولی عصبہ بھی نہ ہو اور اقارب بھی نہ ہو تو اس کا ولی بادشاہ ہے۔اس کے لئے یہ حدیث جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کی ہے۔عن عائشة قالت قال رسول الله ايما امرأة نكحت بغير اذن مواليها فنكاحها باطل ثلاث مرات فان دخل بها فالمهر لها بما اصاب منها فان تشاجروا فالسلطان ولى من لا ولى له. (ابوداؤد شریف، باب فی الولی ص۲۹۱ نمبر۲۰۸۳) اس حدیث میں ہے کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی بادشاہ ہے۔

ترجمہ : (۱۵۵۸) اگر غائب ہو جائے ولی اقرب غیبت منقطعہ تو جائز ہے اس کے لئے جو اس کے دور کے لئے ہو کہ اس کی شادی کرادے۔

تشریح: قریب کا ولی ہے لیکن اس بچے سے اتنے دور رہتے ہیں کہ اس کا ہر وقت آنا مشکل ہے اور نکاح کرانا مشکل ہے تو اس سے دور کے ولی جو بچے کے قریب ہو اس کو حق ہے کہ بچے یا بچی کی شادی کرادے۔

وجہ : (۱) دور کے ولی کا انتظار کرے گا تو ہوسکتا ہے کہ ملا ہوا جوڑا ہاتھ سے نکل جائے اور پھر ایسا جوڑا نہ ملے۔اس لئے دور کے ولی کو نکاح کرانے کا حق ہوگا (۲) یہ ولایت مصلحت کے لئے ہے۔اور قریب کے ولی کے دور ہونے کی وجہ سے مصلحت اسی میں ہے کہ دور کے ولی کو حق نکاح دے دیا جائے۔(۳)ان عائشة انكحت حفصة ابنة عبد الرحمن بن ابى بكر المنذر بن الزبير و عبد الرحمن غائب فلما قدم عبد الرحمن غضب و قال أى عباد الله !أمثلى يفتات عليه فى بناته ؟ فغضبت عائشة و قالت أترغب عن المنذر؟ . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من اجاز بغیر ولی ولم یفرق، ج ثالث، ص۴۴۴، نمبر۱۵۹۴۹)اس اثر میں ہے کہ قریب کا ولی حاضر نہیں تھا تو اس سے دور کے ولی نے شادی کرائی۔

ترجمہ : ل امام زفرؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ قریب والے کی ولایت قائم ہے اس لئے کہ ثابت ہوتا ہے اس کا

حیث هو جاز ولا ولایة للابعد مع ولایته ۲؎ ولنا ان هذه ولایة نظریة ولیس من النظر التفویض الی من لاینتفع برایه ففوضناه الی الابعد ۳؎ وهو مقدم علی السلطان کما اذا مات الاقرب ۴؎ولو زوجها حیث هو فیه منع وبعد التسلیم نقول للابعد بعد القرابة وقرب التدبیر وللاقرب عکسه فنز لا منزلة ولیین متساویین فایهما عقد نفذ ولایرد

حق قرابت کو بچانے کے لئے اس لئے اس کے غائب ہونے سے باطل نہیں ہوگا، اسی لئے اگر اس نے وہیں شادی کرائی جہاں وہ ہے تو جائز ہے اور دور والوں کا قریب والوں کے ساتھ ولایت نہیں ہے۔

تشریح: امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ قریب کا ولی موجود ہے چاہے وہ مسافت کے اعتبار سے دور ہے اس لئے دور کے ولی کو نکاح کرانے کی ولایت نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ ولایت نسب کو غیر کفو سے بچانے کے لئے ہے اس لئے اسکے غائب ہونے سے اس کا حق باطل نہیں ہوگا۔(۲) دور رہنے کے باوجود ولی اقرب کا حق ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں وہ ہے وہاں نکاح کرانا چاہئے تو وہ کرا سکتا ہے، اور جب اس کا حق موجود ہے تو ولی اقرب کا حق ہوتے ہوئے ولی ابعد کا حق نہیں ہوگا، اس لئے ولی اقرب کے دور رہتے ہوئے بھی ولی ابعد کو نکاح کرانے کا حق نہیں ہے، ہاں وہ مر جائے تو اب ولی ابعد کو نکاح کی ولایت ملے گی۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ولایت نظری ہے [مصلحت کے لئے ہے] اور مصلحت کا تقاضا نہیں ہے کہ ایسے آدمی کو سونپے جسکی رائے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ہو اس لئے ولایت ولی ابعد کی طرف سونپا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح کرانے کی ولایت مصلحت کے لئے ہے، اب جو آدمی اتنا دور ہے کہ اس کی رائے سے استفادہ کرنا مشکل ہے اس کو ولایت سونپنا مصلحت کے خلاف ہے اس لئے جو قریب رہتا ہے اس کو ولایت ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ دور کا ولی بادشاہ سے مقدم ہوگا جیسے ولی اقرب مر جائے تو ولی ابعد بادشاہ سے مقدم ہوتا ہے۔

تشریح: ولی اقرب مر جائے تو بادشاہ سے پہلے ولی ابعد کو ولایت ملتی ہے اور ولی ابعد نہ ہو تب بادشاہ کو ولایت ملتی ہے، اسی طرح ولی اقرب دور ہو تو اس کے بعد ولی ابعد کو ولایت ملے گی اور ولی ابعد نہ ہو تب بادشاہ کو ولایت ملے گی۔

ترجمہ: ۴؎ جہاں ولی اقرب ہو وہیں شادی کرادی تو شادی ہو جائے گی اس کو منع کرتے ہیں، اور تسلیم کرنے کے بعد ہم یہ کہیں گے کہ ابعد کو قرابت کی دوری ہے لیکن تدبیر کی قربت ہے اور اقرب کے لئے اس کا الٹا ہے، اس لئے دونوں کو دو برابر کے ولی کے درجے میں اتار دیا جائے گا اس لئے جو بھی عقد کرے گا نافذ کر دیا جائے، اور رد نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: یہ امام زفرؒ کو جواب ہے۔ انہوں نے استدلال کیا تھا کہ جہاں ولی اقرب ہے وہیں نکاح کرادے تو نکاح ہو جاتا ہے

(۱۵۵۹) والغیبة المنقطعة ان یکون فی بلد لاتصل الیه القوافل فی السنة الامرة ﴿۱﴾ وهو اختیار القدوری ۲ وقیل ادنی مدة السفر لانه لانهایة لاقصاه وهو اختیار بعض المتأخرین ۳ وقیل اذا کان بحال یفوت الکفو باستطلاع رایه وهذا اقرب الی الفقه لانه لا نظر فی ابقاء ولایته حینئذٍ

،فرماتے ہیں کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہاں اس کی شادی نہیں ہوگی ،اس لئے اس دلیل کو پیش کرنا مناسب نہیں ۔اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ جہاں ولی اقرب رہتا ہے وہاں شادی کرانا جائز ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ دونوں ولیوں میں ایک ایک خوبی ہے اور ایک ایک خرابی بھی ہے اس لئے دونوں برابر درجے کے ولی بن گئے ،اس لئے دونوں میں سے جو بھی شادی کرائے گا وہ شادی کرانا جائز ہوجائے گا۔ ولی اقرب میں خوبی یہ ہے کہ وہ رشتہ داری کے اعتبار سے قریب ہے لیکن دور رہنے کی وجہ سے تدبیر کرنے سے دور ہے،اور ولی ابعد رشتہ داری کے اعتبار سے دور ہے لیکن قریب رہنے کی وجہ سے تدبیر کے اعتبار سے قریب ہے اس لئے دونوں برابر درجے کے ولی بن گئے ،اس لئے ولی ابعد کو بھی نکاح کرانے کا حق ہوگا۔

ترجمہ : (۱۵۵۹) اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ ایسے شہر میں ہو کہ قافلہ وہاں تک نہیں پہنچتا ہو سال میں مگر ایک مرتبہ۔

ترجمہ : ۱ یہ امام قدوری کا اختیار کیا ہوا ہے۔

تشریح: یہ غیبت منقطعہ کی تفسیر میں اختلاف ہے یہاں تین تفسیریں پیش کی جارہی ہے [۱] ایک تفسیر یہ ہے کہ قریب کے ولی اتنی دوری پر رہتا ہو کہ وہاں تک قافلہ سال بھر میں ایک مرتبہ جاتا ہو۔[۲] اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ مدت سفر پر ہو یعنی وہ تقریبا اڑتالیس میل دور رہتا ہو جو مدت سفر ہے۔[۳] اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ اتنی دور رہتا ہو کہ اس کے آتے آتے جوڑا فوت ہوجانے کا خطرہ ہو تو اس کو غیبت منقطعہ کہتے ہیں۔

ترجمہ : ۲ اور کہا گیا ہے کہ سفر کی ادنی مدت،اس لئے کہ زیادہ کی تو کوئی انتہا نہیں ہے، یہ مسلک بعض متاخرین کا اختیار کیا ہوا ہے۔

تشریح : بعض متاخرین کا اختیار کیا ہوا مسلک یہ ہے کہ ولی اقرب مدت سفر کی مسافت پر ہو تو اس کو دور سمجھا جائے گا اور ولی ابعد کو ولایت ہوگی،اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ اس لئے کہ مدت سفر کی کوئی انتہا نہیں ہے اس لئے ادنی مدت سفر کو دوری کا معیار قرار دیا جائے اور وہ اڑتالیس میل ہوتا ہے۔

ترجمہ : ۳ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ولی اقرب اس حال میں ہو کہ اس کی رائے کے معلوم کرنے سے کفو فوت ہوجائے،اور یہ مسلک فقہ کے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ اس وقت اس کی ولایت کے باقی رکھنے میں کوئی مصلحت نہیں ہے۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ ولی اقرب اتنی دوری پر ہو کہ اس کی رائے معلوم کرتے کرتے جوڑا ہی ختم ہوجائے اور کفو

(۱۵۶۰) واذا اجتمع فی المجنونة ابوها وابنها فالولی فی انکاحها ابنها ﴾ ۱ فی قول ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ ۲ وقال محمدؒ ابوها لانه اوفر شفقةً من الابن ۳ ولهما ان الابن هو المقدم فی العصوبة وهذه الولایة مبنیة علیها

جا تا رہے گا تو اس وقت ولی ابعد کو ولایت نکاح ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ ولایت مصلحت کے لئے ہے اور اسکی ولایت باقی رکھنے میں مصلحت ہی فوت ہو جائے تو اس کی ولایت باقی رکھنے میں فائدہ کیا ہے، اس لئے یہ مسلک فقہ کے زیادہ قریب ہے۔

ترجمہ : (۱۵۶۰) اگر مجنونہ میں اس کا باپ اور اس کا بیٹا جمع ہو جائے تو اس کے نکاح کرانے کا ولی اس کا بیٹا ہوگا۔

ترجمہ : ۱ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول میں۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ مجنونہ عورت کی دوسری شادی ہو اور اس میں بیٹا بھی بالغ ہو اور باپ بھی ہو تو نکاح کرانے کی ولایت بیٹے کو ہوگا۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے بیٹا وراثت کے اعتبار سے پہلا عصبہ ہے اس کے بعد باپ کا نمبر ہے اور ولایت کا مدار عصبہ کے اعتبار سے ہے اس لئے بیٹے کو نکاح کی ولایت ہوگی۔ (۲) اس حدیث میں بیٹے کو ترجیح دی گئی ہے۔ **عن ام سلمة قالت قال رسول الله ﷺ ...... فلما انقضت عدتها بعث الیها رسول الله ﷺ عمر بن الخطابؓ یخطبها علیه فقالت لابنها : یا عمر قم فزوج رسول الله ﷺ فزوجه** ۔ (سنن بیہقی، باب الابن یزوجہا اذا کان عصبة لھا بغیر البنوة، ج سابع، ص ۲۱۲، نمبر ۱۳۷۵۲) اس حدیث میں ہے کہ بیٹے کو نکاح کرانے کے لئے کہا جس سے معلوم ہوا کہ اس کو ولایت کا حق ہے۔

ترجمہ : ۲ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کے باپ کو ولایت ہے، اس لئے کہ وہ بیٹے سے زیادہ شفقت والا ہے۔

تشریح : امام محمدؒ کی رائے ہے کہ نکاح کرانے کی ولایت باپ کو ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ کو بیٹے سے زیادہ محبت ہے اس لئے اس کو ولایت ہونی چاہئے۔

وجہ : (۱) اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابن عباس فیما یحسب حماد ان رسول الله ﷺ ذکر خدیجة بنت خویلد .... فقالت خدیجةؓ لأبیها ان محمدا یخطبنی فزوجه فزوجها ایاه** ۔ (سنن بیہقی، باب لا ولایة لاحد مع اب، ج سابع، ص ۲۰۹، نمبر ۱۳۷۴۶) اس حدیث میں ہے کہ باپ کو ولایت نکاح ہے۔

ترجمہ : ۳ شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ بیٹا عصبہ میں مقدم ہے اور یہ ولایت عصبہ پر مبنی ہے۔

تشریح : یہ شیخینؒ کی دلیل عقلی ہے، کہ یہ ولایت عصبہ پر مبنی ہے اور بیٹا باپ سے پہلے عصبہ ہے اس لئے بیٹے کو ولایت نکاح ہو

۶ولا معتبر بزيادة الشفقة كاب الام مع بعض العصبات والله اعلم

گی۔

ترجمه : ۶ اور شفقت کی زیادتی کا اعتبار نہیں ہے جیسے نانا بعض عصبات کے ساتھ، واللہ اعلم

تشریح : یہ امام محمدؒ کو جواب ہے، انہوں نے استدلال فرمایا تھا کہ باپ کو زیادہ شفقت ہے، اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ یہاں زیادتی شفقت کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ نانا کو چچازاد بھائی کے مقابلے میں زیادہ محبت ہوتی ہے اس کے باوجود چچازاد بھائی کو نکاح کی ولایت ملتی ہے نانا کو نہیں ملتی کیونکہ عصبہ کے اعتبار سے چچازاد بھائی مقدم ہے اور نانا ذوی الارحام میں سے ہے اس لئے عصبہ کو ولایت دی گئی۔ واللہ اعلم

Settings\Administrator.USER\My Documents\3)
JPEG CLIPART\ANCHASA.JPEG.jpg not found.

﴿فصل فی الکفاءۃ﴾

(۱۵۶۱) الکفاءۃ فی النکاح معتبرۃ ﴾ ۱؎ قال علیه السلام الا لا یزوج النساء الا الاولیاء ولایزوجن الا من الاکفاء ۲؎ ولان انتظام المصالح بین المتکافیین عادۃ لان الشریفة تابی ان تکون مستفرشة للخسیس فلا بد من اعتبارها بخلاف جانبها لان الزوج مستفرش فلایغیظه دناءۃ الفراش

﴿ کفو کا بیان ﴾

ترجمه : (۱۵۶۱) کفو نکاح میں معتبر ہے۔

ترجمه : ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ عورتوں کی شادی نہ کرائے مگر اولیا اور اس کی شادی نہ کرائے مگر کفو سے۔

تشریح : کفو کا ترجمہ ہے برابر ہونا مماثل ہونا، یہاں اس کا مطلب ہے کہ میاں بیوی دونوں خاندان کے اعتبار سے پیشے کے اعتبار سے اور عادات واطوار کے اعتبار سے ایک جیسے ہوں اس کو ایک دوسرے کا کفو کہتے ہیں ۔نکاح میں اس کی ضرورت ہے تا کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے برابر ہوں تو کسی کو کمتری کا احساس نہ ہو اور زندگی اچھی گزرے، شریعت نے اس فطرت کی رعایت کی ہے، البتہ کفو کے علاوہ میں شادی کر لی تو نکاح ہو جائے گا، لیکن اولیاء کو اعتراض کرنے کا حق ہوگا اور قاضی کے سامنے اس مقدمے کو پیش کرے گا، قاضی مناسب سمجھیں گے تو اس نکاح توڑ دیں گے اور مناسب نہیں سمجھیں گے تو برقرار رہنے دیں گے، قاضی کے فیصلے کے بغیر اولیا اس نکاح کو نہیں توڑ سکیں گے۔

وجه : (۱) بیوی اور شوہر کی طبیعت ملنی ضروری ہے۔اور یہ کفو ہو تب ہی ہو سکتا ہے۔اس لئے کفو میں شادی کرنی چاہئے۔البتہ غیر کفو میں شادی کرے تو صحیح ہے (۲) عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ لا تنکحوا النساء الا الاکفاء و لا یزوجهن الا الاولیاء، و لا مهر دون عشرة دراهم ۔(دار قطنی، باب کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۱۷۳، نمبر ۳۵۵۹ رسنن بیہقی، باب اعتبار الکفائۃ، ج سابع، ص ۲۱۵، نمبر ۱۳۷۶۰) اس حدیث میں ہے کہ کفو میں ہی شادی کرے۔(۳) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ تخیروا لنطفکم وانکحوا الاکفاء وانکحوا الیهم. (ابن ماجہ شریف، باب الاکفاء ص ۲۸۱ نمبر ۱۹۶۸ ر دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۰۷ نمبر ۳۷۴۶) (۴) عن علی بن طالب ان رسول الله ﷺ قال له یا علی ثلاث لا توخرها الصلوۃ اذا آنت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لها کفوا ۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی تعجیل الجنازۃ ص ۲۰۵ نمبر ۱۰۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفو میں شادی کرنا چاہئے۔

ترجمه : ۲؎ اور اس لئے کہ مصلحت کا انتظام دو برابر والوں کے درمیان عادۃ ہوتا ہے اس لئے کہ شریف عورت کی طبیعت انکار کرتی ہے کہ کمینہ مرد کی فراش بنے اس لئے عورت کی جانب سے کفو کا اعتبار کرنا ضروری ہے، بخلاف عورت کی جانب میں کمی ہو تو

(۱۵۶۲) واذا زوجت المرأۃ نفسها من غیر کفو فللاولیاء ان یفرقوا بینهما ﴾ ۱دفعاً لضرر العار عن انفسهم (۱۵۶۳) ثم الکفاءۃ تعتبر فی النسب ﴾

[کوئی حرج نہیں ہے] اس لئے کہ شوہر فراش بنانے والا ہے اس لئے فراش کا کمینہ ہونا اس کو غضبناک نہیں بنائے گا۔

تشریح : یہ کفو ہونے کی دلیل عقلی ہے، کہ عادت کے اعتبار سے یہ ہے کہ دو برابر درجے کے ہوں تب ہی گھر کی مصلحت اچھی چلتی ہے، اس لئے کہ عورت مرد کا فراش بنتی ہے یعنی اس کے نیچے لیٹتی ہے، اور یہ فطری بات ہے کہ عورت اعلی درجے کی ہو تو وہ اپنے سے نیچے درجے کی فراش بننا پسند نہیں کرتی اس لئے یہ ضروری ہے کہ شوہر نسب اور پیشے کے اعتبار سے عورت کے برابر ہو۔ اس کے برخلاف شوہر عورت کو فراش بناتا ہے اس لئے وہ اگر اپنے سے نیچے درجے کی عورت کو فراش بنا لے تو اس کی طبیعت پر بار نہیں ہوتا اس لئے اگر کم درجے کی عورت سے شادی کر لے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

اصول :۔ مرد عورت کے برابر ہو اور کفو ہو یہ زیادہ اہم ہے۔ لیکن عورت مرد سے نیچے درجے کی ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

لغت: تابی: ابی سے مشتق ہے، طبیعت کا انکار کرنا، نفرت کرنا۔ مستفرش: فراش سے مشتق ہے، بچھونا، نیچے لیٹنا، بیوی بننا یہاں یہی مراد ہے۔ خسیس: نیچے درجے کے لوگ، کمینہ۔ تغیظ: غیظ سے مشتق ہے، غصہ ہونا، غضبناک ہونا۔ دنائۃ: دنی سے مشتق ہے، کم درجے کا ہونا۔

ترجمہ : (۱۵۶۲) اگر عورت نے اپنا نکاح غیر کفو کے ساتھ کیا تو اولیاء کے لئے جائز ہے کہ دونوں کے درمیان تفریق کرا دے۔

ترجمہ : ۱ اپنے آپ سے عار کو دفع کرنے کے لئے۔

تشریح: اگر عورت نے اولیاء کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں شادی کر لی تو اولیاء کو حق ہے کہ قاضی کی قضا سے اس کو توڑوا دے۔

وجہ: (۱) غیر کفو میں شادی کی تو اس سے ولی کو شرمندگی ہوگی۔ اس لئے اس شرمندگی کو دور کرنے کے لئے وہ قاضی کے ذریعہ نکاح توڑوا سکتے ہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن بریدۃ عن ابیہ قال جائت فتاۃ الی النبی ﷺ فقالت ان ابی زوجنی ابن اخیہ لیرفع بی خسیستہ قال فجعل الا مر الیھا فقالت قد اجزت ما صنع ابی ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس الی الآباء من الامر شیء۔ (ابن ماجہ شریف، باب من زوج ابنتہ وھی کارھۃ ص ۲۶۸ نمبر ۱۸۷۴) اس حدیث میں لڑکی نے حضورؐ کے ذریعہ جو وقت کے قاضی بھی تھے نکاح توڑوایا اور نکاح توڑنے کا اختیار لیا۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں اس نکاح کو عورت نے جائز قرار دے دیا۔ اس لئے یہاں بھی غیر کفو میں شادی کی ہو تو اولیاء کو قاضی کے ذریعہ توڑوانے کا حق ہوگا۔

ترجمہ : (۱۵۶۳) اور کفو کا اعتبار کیا جائے گا نسب میں۔

۱؎ لانه يقع به التفاخر (۱۵۶۴) فقريش بعضهم اكفاء لبعض والعرب بعضهم اكفاء لبعض ۞

۱؎ والاصل فيه قوله عليه السلام قريش بعضهم اكفاء لبعض بطن ببطن والعرب بعضهم اكفاء لبعض قبيلة والموالى بعضهم اكفاء لبعض رجل برجل

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ اس سے تفاخر ہوتا ہے۔

تشریح: کفو کا اعتبار نسب میں کیا جائے گا کہ دونوں کے نسب قریب قریب ہوں۔ایسا نہ ہو کہ ایک کا نسب قریش کا ہو اور دوسرے کا نسب بہت نیچے درجے کا ہو، کیونکہ نسب اونچے رہنے کی وجہ سے لوگ فخر کرتے ہیں۔

وجه: (۱) حسب نسب کے اعلی اور ادنی ہونے سے فخر کرتے ہیں۔اس لئے دونوں کے نسب قریب قریب ہوں (۲) صاحب ہدایہ کی پیش کردہ حدیث یہ ہے۔عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ العرب بعضهم اكفاء لبعض قبيلة بقبيلة ورجل برجل والموالى بعضهم اكفاء لبعض قبيله بقبيلة ورجل برجل الا حائک او حجام. (سنن للبیہقی، باب اعتبار الصنعۃ فی الکفائۃ ج سابع، ص ۲۱۷، نمبر ۱۳۷۶۹) اس حدیث میں ہے کہ عرب بعض بعض کا کفو ہے۔البتہ حجام اور جولاہے نہیں ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ حسب اور نسب کا اعتبار ہے (۳) عن سلمان الفارسى قال نهانا رسول الله ﷺ ان نتقدم امامكم او ننكح نسائكم. (سنن للبیہقی، باب اعتبار النسب فی الکفاءۃ ج، سابع ص ۲۱۷، نمبر ۱۳۷۶۷) اس حدیث میں عربی نسب نہ ہونے کی وجہ سے حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ان چھ باتوں میں برابری کا اعتبار ہے

(۱) نسب میں (۲) اسلام میں (۳) آزادگی میں (۴) دیانت میں (۵) مال میں (۶) پیشے میں

ترجمه: (۱۵۶۴) پس قریش بعض بعض کے کفو ہیں، اور عرب بعض بعض کے کفو ہیں۔

ترجمه: ۱؎ اور اصل اس میں حضور علیہ السلام کا قول ہے قریش بعض بعض کے کفو ہیں ایک بطن دوسرے بطن کا، اور عرب بعض بعض کا کفو ہیں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا، اور عجمی بعض بعض کے کفو ہیں ایک آدمی دوسرے آدمی کا

تشریح: یہ مسئلہ اوپر کے قاعدے پر متفرع ہے، کہ چونکہ نسب میں برابری کا اعتبار ہے اس لئے قریش کا قبیلہ عرب کے باقی قبیلوں سے بہتر ہے اس لئے قریش قریش کا کفو ہے دوسرے قبیلے والے قریش کے کفو نہیں ہیں۔اور عرب کا قبیلہ عرب کے دوسرے قبیلے کے کفو ہے، اور عجمی قبیلہ عجمی قبیلوں کے کفو ہے، اور اس کی اصل وجہ یہ حدیث ہے۔ عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ العرب بعضهم اكفاء لبعض قبيلة بقبيلة ورجل برجل والموالى بعضهم اكفاء لبعض قبيله بقبيلة ورجل برجل الا حائک او حجام. (سنن للبیہقی، باب اعتبار الصنعۃ فی الکفائۃ ج سابع، ص ۲۱۷، نمبر ۱۳۷۶۹) اس

۲؎ ولایعتبر التفاضل فیما بین قریش لما روینا ۳؎ وعن محمدؒ الا ان یکون نسباً مشهوراً کاهل بیت الخلافة کانه قال تعظیما للخلافة وتسکینا للفتنة ۴؎ وبنو باهلة لیسوا باکفاء لعامة العرب لانهم

حدیث میں ہے کہ عرب بعض بعض کے کفو ہیں، اور مولی سے مراد عجمی ہیں تو عجمی بعض بعض کے کفو ہیں۔

لغت: [۱] شعب: سب سے بڑا ہوتا..... مضر اور ربیعۃ شعب ہیں۔

[۲] قبیلہ شعب سے چھوٹا ہوتا ہے..... کنانہ قبیلہ ہے۔

[۳] عمارۃ قبیلے سے چھوٹا ہوتا ہے..... قریش عمارہ ہے۔

[۴] بطن عمارے سے چھوٹا ہوتا ہے..... قصی بطن ہے۔

[۵] فخذ بطن سے چھوٹا ہوتا ہے..... ہاشم فخذ ہے۔

[۶] فصیلۃ فخذ سے چھوٹا ہوتا ہے.... عباس فصیلہ ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور قریش کے درمیان تفاضل کا اعتبار نہیں، اس حدیث کی بنا پر جو روایت کی گئی۔

تشریح: قریش میں حضورؐ پیدا ہوئے ہیں اس لئے وہ خاندان محترم ہے اس لئے وہ ایک دوسرے کے برابر ہیں اس لئے ایک دوسرے کے کفو ہیں اس لئے اگر خلیفہ اور سید خاندان غیر سید سے شادی کرلے اور وہ قریش میں سے ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مگر یہ کہ مشہور نسب ہو اہل خلافت کا گھرانہ، گویا کہ خلافت کی شان ظاہر کرنے کے لئے اور فتنے کو دور کرنے کے لئے۔

تشریح: امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر قریش کا خاندان اعلی درجے کا ہو مثلا اہل بیت ہو یا خلیفہ کا خاندان ہو تو وہ عام قریش کا کفو نہیں ہے اس لئے کہ یہ اگر چہ قریش میں سے ہے لیکن خلافت کی وجہ سے یہ اونچے حیثیت کے ہیں، اس میں خلافت کی شان باقی رکھی اور فتنہ کو دور کیا گیا ہے۔

وجہ: اس حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ عن واثلة بن الاشقع قال قال رسول الله ﷺ ان الله اصطفی بنی کنانة من بنی اسماعیل و اصطفی من بنی کنانة قریشا و اصطفی من قریش بنی هاشم و اصطفانی من بنی هاشم. (سنن بیہقی، باب اعتبار النسب فی الکفائۃ، ج سابع، ص ۲۱۶، نمبر ۱۳۷۶۴) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ کو بنی ہاشم میں سے منتخب کیا اس لئے اس خاندان کی برتری ثابت ہوئی اس لئے قریش کا دوسرا خاندان اس کا کفو نہیں۔

ترجمہ: ۴؎ اور بنو باہلہ عام عرب کے کفو نہیں ہیں اس لئے کہ وہ کمتر ہونے میں مشہور ہیں۔

معروفون بالخساسة (۱۵۶۵) واما الموالی فمن کان له ابوان فی الاسلام فصاعدا فهو من الاکفاء ۱؎ یعنی لمن له اٰباء فیه

تشریح : بنو باہلہ کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ مردار کی ہڈیاں جمع کرتے اور اس کو پکا کر اس کی چربی اور چکنائی حاصل کرتے اور اس کو استعمال کرتے، چونکہ یہ ذلت کی چیز ہے اس لئے یہ خاندان کے بھی کفو نہیں رہے۔ خساسۃ: ذلیل حرکت، ذلت۔

نوٹ : اس کے باوجود اگر غیر کفو میں شادی کی اور مسلمان ہے تو نکاح ہو جائے گا۔ البتہ خاندان والوں کو اعتراض کرنے کا حق ہو گا، اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے کہ عورت اس کفو سے راضی ہو تو نکاح توڑوایا بھی نہیں جا سکے گا۔

وجه : (۱) عن زینب بنت جحشؓ قالت خطبنی عدة نب اصحاب النبی ﷺ فأرسلت الیه اختی اشاوره فی ذالک، قال فأین هی ممن یعلمها کتاب ربها و سنة نبیها قالت من ؟ قال زید بن حارثة فغضبت و قالت تزوج ابنة عمک مولاک ثم أتتنی فأخبرتنی بذالک فقلت اشد من قولها و غضبت اشد من غضبها قال فانزل الله عز و جل و ما کان لمومن و لا مومنة اذا قضی الله و رسوله امرا ان یکون له الخیرة من امرهم قالت فارسلت الیه زوجنی من شئت قالت فزوجنی منه ۔ (سنن بیہقی، باب لا یرد نکاح غیر الکفو اذا رضیت به الزوجة ومن له الامر معها وکان مسلما، ج سابع، ص ۲۲۰، نمبر ۱۳۷۸۲) اس حدیث میں ہے کہ قریش کی لڑکی کی شادی غلام سے ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ غیر کفو میں شادی کرنے سے نکاح ہو جاتا ہے۔ (۲) عن فاطمة بنت قیس ان ابا عمر و بن حفص طلقها البتة و هو غائب فذکر الحدیث الی ان قالت فلما حللت ذکرت له یعنی النبی ﷺ ان معاویة و ابا جهم خطبانی فقال رسول الله ﷺ اما ابو جهم فلا یضع عصاه عن عاتقه و اما معاویة فصعلوک لا مال له انکحی اسامة بن زید قالت فکرهته ثم قال انکحی اسامة فنکحته فجعل الله فیه خیرا و اغتبطت به . (سنن بیہقی، باب لا یرد نکاح غیر الکفو اذا رضیت به الزوجة ومن له الامر معها وکان مسلما، ج سابع، ص ۲۲۰، نمبر ۱۳۷۷۴) اس حدیث میں ہے کہ قریش کی لڑکی نے اسامہ جیسے غلام سے شادی کی جس سے معلوم ہوا کہ غیر کفو سے نکاح درست ہو جاتا ہے۔ (۳) عن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺ قال یا بنی بیاضة انکحوا ابا هند و انکحوا الیه قال کان حجاما ۔ (سنن بیہقی، باب لا یرد نکاح غیر الکفو اذا رضیت به الزوجة ومن له الامر معها وکان مسلما، ج سابع، ص ۲۲۰، نمبر ۱۳۷۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر کفو میں شادی کر لی تو نکاح ہو جائے گا۔

ترجمه : (۱۵۶۵) بہر حال عجمی کے بارے میں یہ ہے کہ جنکے دو نسل اسلام میں ہوں، یا اس سے زیادہ تو وہ انکا کفو ہے۔

ترجمه : ۱؎ جنکے کئی نسلیں اسلام میں ہوں۔

تشریح : یہ مسئلہ دوسری بات یعنی اسلام لانے پر متفرع ہے، عجمیوں میں حسب نسب خلط ملط ہو گیا ہے اس لئے انکے یہاں

﴿(۱۵۶۶) ومن اسلم بنفسه اوله اب واحدٌ فی الاسلام لایکون کفواً لمن له ابوان فی الاسلام﴾

۱ لان تمام النسب بالاب والجد ۲ وابویوسفؒ الحق الواحد بالمثنی کما هو مذهبه فی التعریف

﴿(۱۵۶۷) ومن اسلم بنفسه لایکون کفواً لمن له اب واحد فی الاسلام﴾

زیادہ اعتبار مسلمان ہونے کا ہے، اور یہ یاد رکھیں کہ دو پشت، باپ اور دادا کا مسلمان ہونا یا آزاد ہونا پرانے پشتوں سے مسلمان ہونے اور آزاد ہونے کی طرح ہے، اور ایک پشت یعنی صرف باپ کا مسلمان ہونا یا آزاد ہونا دو پشتوں سے کم ہے، اور خود آدمی کا آزاد ہونا یا مسلمان ہونا ایک پشت والے سے کم ہے، اب اس قاعدے کے اعتبار سے، جسکے دو پشت مسلمان ہوئے ہوں وہ بہت سے پشتوں والوں کا کفو ہے، اس لئے کہ وہ پرانے ہو گئے۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرے میں تعارف دو پشتوں سے ہو جاتا ہے، یعنی کسی کے بارے میں پوچھنا ہو تو باپ کا نام لے لے تو متعارف ہو جاتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ دادا کا نام لینے سے متعارف ہو جاتا ہے، اور دادا تک ٹھیک ہو تو وہ خاندان اچھا سمجھا جاتا ہے، اس لئے دو پشتوں کا مسلمان، بہت سے پشتوں کے مسلمان کا کفو ہو جائے گا۔

ترجمہ : (۱۵۶۶) کوئی خود مسلمان ہوا، یا اس کی ایک پشت اسلام میں ہے تو وہ اس کا کفو نہیں ہے جسکی دو پشت اسلام میں ہو۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ تمام نسب باپ اور دادا سے ہوتا ہے۔

تشریح : خود مسلمان ہوا تو یہ اس کا کفو نہیں ہے جسکا دادا مسلمان ہوا تھا، یا جسکا باپ مسلمان ہوا تو یہ اس کا کفو نہیں ہے جسکا دادا مسلمان ہوا ہے، یعنی اس کی دو پشت مسلمان ہوئی ہے۔

وجہ : (۱) جو خود مسلمان ہوا تو وہ پرانا مسلمان نہیں ہوا، اس لئے دو پشتوں والے کا کفو نہیں ہوگا، اسی طرح جسکا باپ مسلمان ہوا تو وہ بھی پرانا مسلمان نہیں ہوا، وہ نیا مسلمان سمجھا جائے گا اس لئے وہ دو پشت والے مسلمان کا کفو نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۲ امام ابو یوسفؒ نے ایک پشت کو دو کے ساتھ ملایا جیسا کہ تعریف میں انکا مذہب ہے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جنکا ایک پشت یعنی باپ مسلمان ہوا تو وہ پرانا مسلمان ہے اور گویا کہ وہ پشتوں سے مسلمان چلا آرہا ہے اور وہ پرانے مسلمان کا کفو ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ شہادت وغیرہ میں تعارف کراتے وقت صرف باپ کا نام لینا کافی ہے دادا کا نام لینا ضروری نہیں ہے اور جب صرف باپ سے تعارف ہو جاتا ہے تو باپ کا مسلمان ہونا پرانا مسلمان ہونے کی طرح ہے۔

ترجمہ : (۱۵۶۷) جو خود مسلمان ہوا وہ اس کا کفو نہیں ہے جس کا ایک باپ مسلمان ہے۔

ل لان التفاخر فیما بین الموالی بالاسلام (۱۵۶۸) والکفاءۃ فی الحریۃ نظیرھا ﴾ ل فی الاسلام فی جمیع ماذکرنا لان الرق اثر الکفر

ترجمہ : ل اس لئے کہ عجمیوں میں تفاخر اسلام کی وجہ سے ہے۔

تشریح : جو خود مسلمان ہوا وہ اس خاندان کا کفو نہیں ہے جس کا باپ مسلمان ہوا تھا کیونکہ اسلام پر ایک پشت گزر گیا تو کچھ نہ کچھ پرانا مسلمان ہو گیا، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو کافی پرانا ہو گیا اس لئے جو ابھی نیا مسلمان ہوا ہے وہ اس کا کفو نہیں ہوگا، کیونکہ عجمیوں میں تفاخر اسلام لانے کی وجہ سے ہے اور ایک آدمی کا باپ مسلمان ہوا تو وہ پرانا مسلمان ہو گیا۔

وجہ : دلیل یہ آیت کا اشارہ ہے۔ و لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ولأمۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ و لو اعجبتکم و لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا و لعبد مؤمن خیر من مشرک و لو اعجبکم. (آیت، سورۃ) اس آیت میں ہے کہ مشرک مرد یا مشرک عورت سے نکاح نہ کرو جس سے معلوم ہوا کہ کفو میں دین کا اعتبار ہے

لغت: موالی: کا ترجمہ ہے آزاد کردہ غلام، یہاں مراد ہے عجمی لوگ۔ اب واحد: ایک باپ سے مراد ہے ایک پشت، یعنی باپ مسلمان ہوا۔ ابوان: دو باپ، سے مراد ہے دو پشت، یعنی دادا مسلمان ہوا ہو۔ ابوان: کئی باپ، اس سے مراد ہے کئی پشت سے مسلمان ہوا ہو۔

ترجمہ : (۱۵۶۸) آزادگی میں کفو ہونا مسلمان ہونے میں کفو ہونے کے مثل ہے

ترجمہ : ل اس تمام معاملے میں جو ہم نے ذکر کیا، اس لئے کہ غلامیت کفر کا اثر ہے۔

تشریح : جس طرح مسلمان ہونے میں کفو کا اعتبار تھا اسی طرح آزاد ہونے میں بھی برابر ہونے کا اعتبار ہے، [۱] یعنی جو خود آزاد ہوا وہ اس آدمی کا کفو نہیں ہے جس کا باپ آزاد ہوا تھا۔ [۲] جو خود آزاد ہو وہ اس آدمی کا کفو نہیں ہے جو دو پشتوں سے آزاد چل رہا ہے۔ [۳] جو ایک پشت سے آزاد چل رہا ہے وہ اس کا کفو نہیں ہے جو دو پشتوں سے آزاد چل رہے ہیں [۴] جس کی دو پشت آزاد ہیں وہ اس کا کفو ہے جو کئی پشتوں سے آزاد چلے آرہے ہیں۔

وجہ : (۱) اس لئے کہ غلامی بھی کفر کا اثر ہے، کیونکہ آدمی کفر کی حالت میں لڑتا ہوا پکڑا جاتا ہے تو غلام بنتا ہے، اس لئے جس طرح مسلمان ہونے میں پشتوں کا اعتبار کیا گیا ہے اسی طرح آزاد ہونے میں بھی پشتوں کا اعتبار کیا جائے گا، جسکی تفصیل اوپر گزر چکی۔

وجہ : (۱) یہ حدیث اس کا ثبوت ہے۔ عن عائشۃؓ انھا اشترت بریرۃ من اناس من الانصار و اشترطوا الولاء فقال رسول اللہ ﷺ الولاء لمن ولی النعمۃ قالت و خیرھا رسول اللہ ﷺ و کان زوجھا عبدا۔ (سنن بیہقی، باب اعتبار الحریۃ فی الکفاءۃ، ج سابع، ص ۲۱۷، نمبر ۱۳۷۶۸) اس حدیث میں ہے کہ شوہر غلام ہونے کی وجہ سے نکاح توڑنے کا اختیار دیا گیا کیونکہ غلام آزاد کا کفو نہیں ہے، جس سے معلوم ہوا کہ کفو میں آزادگی کا اعتبار ہے۔

۲؎ وفیه معنی الذل فیعتبر فی حکم الکفاء ۃ (۱۵۶۹) قال وتعتبر ایضاً فی الدین ﴾۱؎ ای الديانة وهذا قول ابی حنيفةؒ وابی یوسفؒ هو الصحيح لانه من اعلی المفاخر والمرأة تُعيَّر بفسق الزوج فوق ما تعير بضعة نسبه ۲؎ وقال محمدؒ لایعتبر لانه من امور الاٰخرة فلاتبتنی احکام الدنيا عليه الا اذا كان

ترجمہ : ۲؎ اوراس لئے بھی کہ اس میں ذلت کا معنی ہے اس لئے کفو کے حکم کا اعتبار کیا جائے گا۔

تشریح : آزادگی میں کفو کے اعتبار کرنے کی یہ دوسری دلیل ہے۔کہ غلامیت میں ذلت ہے اس لئے اس بات کا اعتبار کیا جائے گا کہ کتنے پشتوں سے آزاد ہے،اور نیا آزادشدہ پرانے آزادشدہ کا کفو نہیں ہوگا۔

ترجمہ : (۱۵۶۹) اوردیانت میں بھی کفو کا اعتبار کیا جائے گا۔

ترجمہ : ۱؎ یہ قول امام ابوحنیفہؒ اورامام ابویوسفؒ کا ہے اور یہی صحیح ہے،اس لئے کہ یہ اعلی مفاخر میں سے ہے اورعورت شوہر کے فسق سے زیادہ عار محسوس کرتی ہے بنسبت نسب کے گھٹیا ہونے کے۔

تشریح : متن میں الدین کا دو ترجمے ہیں[۱] ایک ہے دیندار ہونا[۲] اور دوسرا ہے دیانت دار ہونا یعنی امانت اور دیانت کے اعتبار سے اعلی ہونا،صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہاں دین سے دیانت دار ہونا مراد ہے،کیونکہ یہ بھی فخر کی چیز ہے،کیونکہ نسب کے گھٹیا ہونے سے عورت کو اتنا عار نہیں ہوتا جتنا کہ شوہر کے فاسق ہونے سے اس لئے دیانت اور امانت ہونے میں بھی کفو کا اعتبار کیا جائے گا،یعنی کوئی اعلی درجے کا تقوی طہارت والی عورت ہو تو فاسق مرد اس کا کفو نہیں ہے،یا ادنی درجے کا تقوی طہارت والا مرد اس کا کفو نہیں ہے۔

وجہ : (۱) عن سمرة قال قال رسول الله الحسب المال والكرم والتقوى ۔(سنن للبیہقی،باب اعتبار الیسار فی الکفاءۃ ج، سابع ص ۲۱۹،نمبر ۱۳۷۷۶/دار قطنی،کتاب النکاح ج ثالث،ص ۲۰۹،نمبر ۳۷۵۶)اس حدیث میں ہے کہ کرم اور تقوی بھی اہم چیز ہے اس لئے کفو میں اس کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔(۲)اس اثر میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ حدثنا سفيان قال الكفو فی الحسب والدين .(دار قطنی،کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۰۷ نمبر ۳۷۴۷) اس اثر میں ہے کہ کفو کا اعتبار دین یعنی دیانت میں بھی ہو۔(۳)اس حدیث میں بھی ہے .عن ابی هريرةؓ ان رسول الله ﷺ قال كرم المرء دينه و مروء ته عقله و حسبه خلقه ۔(سنن بیہقی،باب اعتبار الیسار فی الکفائۃ،ج سابع ص ۲۱۹،نمبر ۱۳۷۷۷)اس حدیث میں ہے کہ انسان کا دین اس کا باعزت ہونا ہے اوراس کے حسب کا اعتبار اس کے اخلاق سے ہے،جس سے معلوم ہوا کہ کفو میں دیانت اور اخلاق کا اعتبار ہے۔اور اگر اس کا ترجمہ دین داری ہو تو اس کے بارے میں پہلے آیت گزر چکی ہے۔

ترجمہ : ۲؎ امام محمدؒ نے فرمایا کہ کفو میں دیانت داری کا اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ یہ امور آخرت میں سے ہے اس لئے اس پر

يصفع ويسخر منه اويخرج الى الاسواق سكران ويلعب به الصبيان لانه مستخف به (۱۵۷۰) قال وتعتبر فى المال ﴿ ا وهو ان يكون مالكا للمهر والنفقة وهذا هو المعتبرفى ظاهر الرواية حتى ان من لا يملكهما او لا يملك احد هما لا يكون كفوا لان المهر بدل البضع فلا بد من ايفائه و بالنفقة

دنیا کے احکام مرتب نہیں کئے جائے گے، مگر جبکہ شوہر کو طمانچہ مارا جائے اور اس کے ساتھ مذاق کیا جائے، یا بازار کی طرف نشے کی حالت میں نکلے اور بچے اس کے ساتھ کھیل کریں، اس لئے کہ اس کی وجہ سے وہ حقیر اور خوار ہوگا۔

تشریح : امام محمدؒ کی رائے ہے کہ دیانت داری کو کفو کا مدار قرار نہ دیا جائے، کیونکہ یہ آخرت کے معاملات میں سے ہیں اس لئے اس کو دنیا کے احکام کے لئے مدار نہ بنایا جائے، ہاں وہ آدمی اتنا گرا ہوا ہے کہ لوگ اس کو طمانچہ مار دیتے ہیں، اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں، یا وہ بازار نشے کی حالت میں نکلتے ہیں تو بچے اس سے کھیل کرتے ہیں اور اس کو ذلیل سمجھتے ہیں تو یہ چونکہ بہت گری ہوئی بات ہے تو یہ اچھے لوگوں کا کفو نہیں ہے، لیکن عام حالات میں دیانت داری کو کفو کا معیار نہ بنایا جائے۔

لغت : صفع: تھپڑ مارنا، طمانچہ مارنا۔ سخر: مذاق اڑانا۔ سکران: نشے میں۔ مستخف: خفۃ سے مشتق ہے، ہلکا سمجھنا ذلیل سمجھنا۔

ترجمہ : (۱۵۷۰) اور کفو کا اعتبار کیا جائے گا مال میں۔

تشریح : میاں بیوی مال کے اعتبار سے بھی برابر ہوں، صاحب ہدایہ نے آگے فرمایا کہ مہر معجّل کا مالک ہو اور بیوی کے نفقے کا مالک ہو تو اونچے قسم کے مالدار کا کفو بننے کے لئے اتنا ہی کافی ہے، یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ بیوی کے خاندان کے پاس پانچ لاکھ پونڈ ہے تو شوہر کے پاس بھی پانچ لاکھ پونڈ ہو، بلکہ اس عورت کا مہر اور نفقہ کو ادا کرنے کی قدرت ہونا کفو ہونے کے لئے کافی ہے۔

وجه : (۱) حدیث ہے۔ **عن فاطمة بنت قيس ... ان معاوية بن ابى سفيان وابا جهم خطبانى فقال رسول الله اما ابو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه واما معاوية فصعلوک لا مال له انكحى اسامة بن زيد فكرهته** ۔ (مسلم شریف، باب المطلقۃ البائن لا نفقۃ لھا ص ۴۸۳ نمبر ۱۴۸۰) اس حدیث میں **واما معاوية فصعلوک لا مال له** سے پتہ چلا کہ کفو میں مال کی بھی ضرورت ہے۔ (۲) دوسری حدیث میں ہے **عن سمرة قال قال رسول الله الحسب المال والكرم والتقوى** ۔ (سنن للبیہقی، باب اعتبار الیسار فی الکفاءۃ ج سابع ص ۲۱۹، نمبر ۱۳۷۷۶/دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث، ص ۲۰۹، نمبر ۳۷۵۶) اس حدیث میں بھی مال کی اہمیت ہے۔ اس لئے کفو میں مال کا بھی اعتبار رہے۔ اور مہر اور نفقے کی مقدار مال کی ضرورت اس لئے ہے کہ اسی سے ازدواجی زندگی بحال رہے گی۔

ترجمہ : ا مال کا مطلب یہ ہے کہ مہر اور نفقے کا مالک ہو، اور ظاہر روایت میں یہی معتبر ہے یہاں تک کہ جو دونوں کا مالک نہ ہو، یا دونوں میں سے ایک کا مالک نہ ہو وہ کفو نہیں ہوگا، اس لئے کہ مہر بضع کا بدلہ ہے اس لئے اس کا پورا کرنا ضروری ہے، اور نفقے

قوام الازدواج ودوامه ۲؎ والمراد بالمهر قدر ما تعارفوا تعجيله لان ما وراء ه مؤ جل عرفا

کے ذریعہ سے رشتہ زوجیت کا قوام ہے اور دوام ہے۔

تشریح : ظاہر روایت میں یہ ہے کہ مال میں کفو کا مطلب بہت مالدار ہونا نہیں ہے بلکہ مہر کا ادا کرنا ہے اور نفقہ کے ادا کرنے پر قادر ہونا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مہر اس لئے ضروری ہے کہ اس سے بضع کا مالک ہوتا ہے اس لئے مہر کے ادا کرنے پر قدرت ضروری ہے، اور نفقہ پر قدرت اس لئے ضروری ہے اس سے میاں بیوی کی زندگی گزر سکے گی، اس لئے اس پر بھی قدرت ضروری ہے۔

وجه : (۱) مہر پر قدرت ہو اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ **سمعت سهل بن سعد الساعدی يقول انی لفی القوم عند رسول الله ﷺ اذ قامت امرأة ... فقام رجل فقال يا رسول الله ﷺ أنكحنيها ، قال هل عندك من شیء؟ قال: لا، قال ﷺ اذهب فاطلب ولو خاتما من حديد** . (بخاری شریف، باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق ص ۹۲۷، نمبر ۵۱۴۹ / مسلم شریف، باب الصداق وجواز کونہ تعلیم قرآن، ص ۴۵۷، نمبر ۱۴۲۵ / ۳۴۸۷) اس حدیث میں ہے کہ کم سے کم مہر پر تو قدرت ہو (۲) اس آیت میں بھی اشارہ ہے۔ **و ئاتوا النساء صدقٰتهن نحلة** (آیت ۴، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ بیوی کو مہر خوشی سے دو۔ اس لئے مہر کا مالک ہونا چاہئے۔ (۳) اور بیوی کے نفقے کے بارے میں یہ حدیث ہے. **عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ كان يبيع نخل بنی النضير و يحبس لاهله قوت سنتهم** ۔ (بخاری شریف، باب حبس الرجل قوت سنۃ علی اھلہ وکیف نفقات العیال؟، ص ۹۵۶، نمبر ۵۳۵۷) اس حدیث میں ہے کہ حضور اپنے اہل کے لئے سال بھر کا نفقہ رکھتے تھے ، (۴) اس آیت میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ **و يسئلونك ما ذا ينفقون قل العفو كذالك يبين الله لكم الآيات لعلكم تتفكرون** ۔ (آیت ۲۱۹، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ عفو خرچ کرو۔

ترجمه : ۲؎ اور مہر سے مراد وہ ہے جو جسکو عرف میں جلدی دیتے ہیں اس لئے کہ جو اس کے علاوہ ہے اس کو عرف میں تاخیر کے ساتھ دیتے ہیں۔

تشریح : جو مہر نکاح کرتے وقت دینا ہوتا ہے اس کو مہر معجّل کہتے ہیں، یعنی جلدی کا مہر، اور جو مہر بعد میں دیتے ہیں اس کو مہر مؤجل، یعنی تاخیر کا مہر کہتے ہیں۔ ابھی جو فرمایا کہ مال سے مراد ہے کہ مہر اور نفقے کا مالک ہو، تو یہاں مہر سے مہر معجّل کا مالک ہونا ہے اس لئے کہ عرف میں اسی مہر کو نکاح کے وقت دیتے ہیں، باقی مہر مؤجل جو تاخیر کے ساتھ دینے کا رواج ہے اس کا مالک ابھی نہ بھی ہو تو وہ مالداروں کا کفو ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو مہر جلدی دینے کا رواج ہے اس کو تو ابھی دینا ہوگا اس لئے اس پر قدرت ضروری ہے اور جو مہر بعد میں دینے کا رواج ہے جسکو مہر مؤجل کہتے ہیں وہ تو جب مال آئے گا تب دیتے ہیں، اور بعض مرتبہ مدتوں تک اس کے دینے کی نوبت نہیں آتی اس لئے اس پر دینے کی قدرت ہونا ضروری نہیں۔

۳ وعن ابی یوسفؒ انہ اعتبر القدرة علی النفقة دون المهر لانه تجری المساهلة فی المهور ویعد المرء قادرا علیه بیسار ابیه ۴ فاما الکفاء ة فی الغنیٰ فمعتبرة فی قول ابی حنیفةؒ ومحمدؒ حتی ان الفائقة فی الیسار لایکافیها القادر علی المهر والنفقة لان الناس یتفاخرون بالغنیٰ ویتعیرون بالفقر ۵ وقال ابو یوسفؒ لایعتبر لانه لاثبات له اذا لمال غاد ورائح (۱۵۷۱) وتعتبر فی الصنائع ﴾ ا وهذا عند ابی یوسفؒ ومحمدؒ

ترجمہ : ۳ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ نفقے پر قدرت کا اعتبار ہے نہ کہ مہر پر، اس لئے کہ مہروں میں مساہلت جاری ہے، اور باپ کے مالداری سے آدمی کو قادر سمجھا جاتا ہے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ صرف نفقے پر قدرت ہو تو وہ مالدار آدمی کا کفو ہے چاہے مہر پر قدرت نہ ہو، کیونکہ مہر دینے میں لوگ سستی کرتے ہیں، اور باپ مالدار ہو تو اس کی وجہ سے آدمی اپنے آپ کو مہر پر قادر سمجھتے ہیں، اس لئے صرف نفقے پر قادر ہونا مالدار کے کفو ہونے کے لئے کافی ہے۔

لغت : مساہلۃ: سستی، کسی کام میں دیر کرنا۔ یعد: شمار کرنا۔ یسار: مالداری۔ غاد: غدو سے مشتق ہے صبح جانے والا، رائح: راح سے مشتق ہے شام کو واپس آنے والا۔

ترجمہ : ۴ مالداری میں کفو ہونا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول میں معتبر ہے، یہاں تک کہ مالداری میں جو فائق ہے وہ اس کا کفو نہیں ہے جو صرف مہر پر اور نفقے پر قادر ہو، اس لئے کہ مالداری سے فخر کرتے ہیں اور فقر سے عار محسوس کرتے ہیں۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ تھی کہ صرف نفقہ اور مہر پر قدرت ہونا مالدار کے کفو ہونے کے لئے کافی ہے، اور اب دوسری روایت یہ ہے کہ بڑے مالدار کے کفو ہونے کے لئے خود بھی اس کے قریب قریب مالدار ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ بڑے مالدار ہونے سے لوگ فخر کرتے ہیں اور فقیر ہونے سے عار محسوس کرتے ہیں۔

ترجمہ : ۵ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مال کا اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ مال کو ثبات نہیں ہے اس لئے کہ مال آنے والا اور جانے والا ہے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ کفو میں مالدار ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے اس لئے کفو میں اس کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ : (۱۵۷۱) اور کفو کا اعتبار کیا جائے گا پیشے میں۔

ترجمہ : ا یہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے

۲؎ وعن ابی حنیفۃؒ فی ذلک روایتان ۳؎ وعن ابی یوسفؒ انہ لایعتبر الا ان یفحش کالحجام والحائک والدباغ ۴؎ وجہ الاعتبار ان الناس یتفاخرون بشرف الحرف ویتعیرون بدناء تھا

تشریح: پیشے کے اعتبار سے بھی میاں بیوی قریب قریب ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک عطاری کا پیشہ کرتا ہو اور دوسرا حجامی کا پیشہ کرتا ہو۔

وجہ: (۱) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ العرب بعضهم اکفاء لبعض قبیلة بقبیلة ورجل برجل والموالی بعضهم اکفاء لبعض قبیله بقبیلة ورجل برجل الا حائک او حجام. (سنن للبیہقی، باب اعتبار الصنعۃ فی الکفائۃ ج سابع ص ۲۱۷، نمبر ۱۳۷۶۹) اس حدیث میں ہے کہ مگر جولاہے اور حجام سے عرب لوگ شادی نہ کریں۔ کیونکہ ان کا پیشہ اور ہے اور عرب کا پیشہ اور ہے۔ اس لئے کفو میں پیشے کا بھی اعتبار ہے۔

لغت: صنائع : صنعۃ کی جمع ہے اس کا ترجمہ ہے پیشہ۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ کفو میں پیشے کا اعتبار نہیں ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ پیشے کا اعتبار ہے، دونوں کی دلیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ : ۳؎ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ پیشے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ بہت زیادہ برا ہو جیسے حجام اور جولاہے اور رنگریز۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ کفو ہونے میں پیشے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، ہاں پیشہ بہت زیادہ خراب ہو تو اس وقت اس کا اعتبار کیا جائے گا جیسے کوئی حجام ہو یا کپڑا بننے والا ہو یا رنگریز ہو تو وہ عطر بیچنے والے کا کفو نہیں ہے اس لئے کہ حجامی ذلیل پیشہ ہے اور عطر کا بیچنا اعلی پیشہ ہے اس لئے ایک دوسرے کا کفو نہیں ہے۔

لغت: حجام: بال کاٹنے کا پیشہ۔ حائک: کپڑا بننے کا پیشہ، جولاہا۔ دباغ: دباغت دینے کا پیشہ، کپڑا رنگنے کا پیشہ۔

ترجمہ : ۴؎ کفو میں پیشے کا اعتبار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حرفت کے شرف سے فخر کرتے ہیں اور گھٹیا ہونے سے عار محسوس کرتے ہیں۔

تشریح : جس روایت میں ہے کہ کفو میں پیشے کا اعتبار کیا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ پیشے کے اچھے ہونے کی وجہ سے لوگ فخر کرتے ہیں اور اس کے گھٹیا ہونے کی وجہ سے عار محسوس کرتے ہیں اس لئے کفو میں پیشے کا اعتبار کیا جائے۔۔ حرف: حرفۃ کی جمع ہے، حرفت، پیشہ۔

۵ وجه القول الآخران الحرفة ليست بلازمة ويمكن التحول عن الخسيسة الى النفيسة منها قال

(۱۵۷۲) واذا تزوجت المرأة ونقصت عن مهر مثلها فللاولیا الاعتراض عليها [عندابی حنیفةؒ]

حتى يتم لها مهر مثلها او يفارقها ﴾ ا وقالا ليس لهم ذلك ۲ وهذا الوضع انما يصح على قول

محمدؒ على اعتبار قوله المرجوع اليه فی النكاح بغير الولی وقدصح ذلک وهذه شهادة صادقة

ترجمه :۵ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ حرفت لازم نہیں ہے ممکن ہے کہ گھٹیا سے نفیس کی طرف منتقل ہو جائے

تشریح : جس قول میں ہے کہ کفو کے لئے پیشے میں برابری کا اعتبار نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پیشہ لازم نہیں ہوتا، آج گھٹیا پیشہ کر رہا ہے تو کل اعلی پیشہ اختیار کر لے گا، اس لئے کفو کے لئے پیشے میں برابری ضروری نہیں ہے۔ خسیس: گھٹیا، ادنی۔ نفیس: اعلی، بہتر۔

ترجمہ : (۱۵۷۲) اگر عورت نے شادی کی اور مہر مثل سے کم رکھی تو ولی کو اس پر اعتراض کا حق ہے [امام ابوحنیفہ کے نزدیک]۔ یہاں تک کہ اس کے لئے مہر مثل پورا کر دے یا اس کو جدا کر دے۔

تشریح : اگر عورت نے بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کر لیا اور مہر مثل سے کم مہر رکھا تو ولی کو اعتراض کرنے کا حق ہوگا، اور قاضی کے سامنے شکایت کرنے کا حق ہوگا، اب قاضی یا مہر مثل کو پورا کروائے یا میاں بیوی میں تفریق کروا دے۔

وجہ : امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مہر کے زیادہ ہونے سے ولیوں کو عزت ملتی ہے اور فخر ہوتا ہے۔ اور کم ہونے سے شرمندگی ہوتی ہے۔ اس لئے مہر کم رکھا تو ولیوں کو حق ہوگا کہ قاضی کے سامنے اعتراض پیش کریں اور یا تو اس عورت کا مہر مثل پورا کرے یا پھر تفریق کرے۔

ترجمہ : ا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ولیوں کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ دس درہم متعین کرنا تو شریعت کا حق ہے اور اس سے جو زیادہ ہے وہ عورت کا ذاتی حق ہے اس لئے اس نے اپنا حق ساقط کر دیا تو اس میں ولیوں کا اعتراض کرنے حق نہیں ہوگا۔ (۲) عن عامر بن ربيعة عن ابيه ان امرأة تزوجت على نعلين فجيء بها الى النبی ﷺ فقال لها أرضيت من نفسک و مالک بنعلين ، فقالت نعم فأجازه النبی ﷺ ۔ (سنن بیہقی، باب لا یرد النکاح بنقص المهر اذا رضیت المرأة به وکانت مالکة لأمرها لان المهر لها دون الاولیاء، ج سابع، ص ۲۲۳، نمبر ۱۳۷۸۹) اس حدیث میں ہے کہ عورت کم مہر پر راضی ہو تو ولی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔

ترجمہ : ۲ مسئلے کی یہ وضع امام محمدؒ کے قول پر بغیر ولی کے نکاح کے بارے میں رجوع کئے ہوئے قول پر ہوگا اور یہ رجوع صحیح ہے

علیہ ۳؎ لھما ان مازاد علی العشرۃ حقھا ومن اسقط حقہ لا یعترض علیہ کما بعد التسمیۃ ۴؎ ولابی حنیفۃؒ ان الاولیاء یفتخرون بغلاء المھور ویتعیرون بنقصانھا فاشبہ الکفاءۃ ۵؎ بخلاف الابراء بعد التسمیۃ لانہ لایتعیر بہ

اور یہ اس رجوع پر سچی شہادت ہے۔

تشریح : (مسئلہ نمبر ۱۵۳۳) میں گزرا کہ امام محمدؒ نے فرمایا تھا کہ بغیر ولی کے نکاح کیا تو یہ ولی کے اجازت پر موقوف رہے گا، وہ اجازت دے گا تو نکاح ہوگا اور اجازت نہیں دے گا تو نہیں ہوگا۔ اور یہاں متن میں یہ ہے کہ عورت نے کم مہر میں نکاح کیا تو ولی کو اعتراض کا حق ہوگا، جس کا مطلب یہ نکلا کہ امام محمدؒ نے رجوع کیا اور یہ کہا کہ نکاح ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۳؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ دس درہم سے جو زیادہ ہو وہ عورت کا حق ہے، اور جو اپنا حق ساقط کرے اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ متعین کرنے کے بعد ساقط کر دے [تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے]

تشریح:۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ دس درہم متعین کرنا تو شریعت کا حق ہے اس کے بغیر نکاح ہی نہیں ہوگا، لیکن اس سے زیادہ درہم خود عورت کا حق ہے اور عورت اپنا حق ساقط کر دے تو اس میں دوسرے کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے، جیسے مثلا پانچ سو درہم متعین کیا اور بعد میں عورت نے درہم کم کر دیا تو کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہو گا۔

لغت: بعد التسمیۃ: تسمیہ کا ترجمہ ہے نام لینا، متعین کرنا، یہاں مراد ہے مہر متعین کرنے کے بعد

ترجمہ : ۴؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولی مہر کے زیادہ ہونے سے فخر کرتے ہیں اور اس کے کم ہونے سے عار محسوس کرتے ہیں اس لئے کفو ہونے کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مہر زیادہ ہونے سے ولی کو فخر ہوتا ہے اور کم ہونے سے عار محسوس کرتے ہیں اس لئے مہر کم کرنے سے ولیوں کو اعتراض ہوگا۔ جیسے غیر کفو میں نکاح کرے تو ولیوں کو اعتراض ہوگا۔۔ غلاء: غلو سے مشتق ہے مہنگا ہونا، مہر زیادہ ہونا۔

ترجمہ : ۵؎ بخلاف مہر متعین کرنے کے بعد بری کرنا اس لئے کہ اس سے عار محسوس نہیں کرتے۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کو جواب ہے انہوں نے دلیل دی تھی کہ مہر زیادہ متعین کرنے کے بعد ساقط کر دے تو ولیوں کو اعتراض نہیں ہوتا ہے، اسی طرح کم رکھے تو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مہر زیادہ رکھ کر ساقط کر دے تو اس میں ولیوں کو عار نہیں ہوتا اس لئے اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوتا۔۔ ابراء: بری کرنا۔ یتعیر: عار محسوس کرنا۔

(۱۵۷۳) واذا زوج الاب ابنته الصغيرة ونقص من مهرها اوابنه الصغير وزادفی مهر امرأته جاز ذلک عليهما ولايجوز ذلک لغير الاب والجد ۱؎ وهذا عندابی حنيفةؒ ۲؎ وقالا لايجوز الحط والزيادة الا بما يتغابن الناس فيه ومعنی هذا الکلام انه لايجوز العقد عند هما لان الولاية مقيدة بشرط النظر فعند فواته يبطل العقد وهذا لان الحط عن مهر المثل ليس من النظر فی شئی کما فی البيع ولهذا لم يملک ذلک غير هما

ترجمہ : (۱۵۷۳) اگر باپ نے اپنی چھوٹی بیٹی کی شادی کرائی اور مہر مثل سے کم رکھا۔ یا چھوٹے بیٹے کی شادی کرائی اور اس کی بیوی کے مہر میں زیادہ کیا تو یہ دونوں پر جائز ہے۔ اور نہیں جائز ہے باپ اور دادا کے علاوہ کے لئے۔

ترجمہ : ۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح: باپ اور دادا میں شفقت کاملہ ہے اور عقل بھی ہے۔ اس لئے وہ اگر بیٹے یا بیٹی کے ساتھ مہر کے معاملے میں کچھ زیادتی کرے تو یہ قابل برداشت ہے۔ مثلا چھوٹی بیٹی کی شادی کی اور مہر مثل سے کم مہر رکھا یا چھوٹے بیٹے کی شادی کی اور اس کی بیوی کا جو مہر مثل بنتا ہے اس سے زیادہ رکھا تو ان کے لئے یہ جائز ہے اور نکاح ہو جائے گا، چاہے وہ غبن فاحش ہو۔

وجہ: (۱) مہر کے بارے میں اگر چہ زیادتی کی ہے لیکن اس کے علاوہ اور مصالح ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے یہ زیادتی برداشت کی ہوگی اس لئے مہر کی کمی بیشی قابل قبول ہوگی (۲) عن عائشة ان النبی ﷺ تزوجها وهی بنت ست سنين وادخلت عليه وهی بنت تسع ومكثت عنده تسعا . (بخاری شریف، باب انکاح الرجل ولدہ الصغار ص ۱۷۱ نمبر ۵۱۳۳) اس حدیث میں چھوٹی لڑکی کی شادی باپ نے ترپین سال کے آدمی سے کرائی تا ہم اس لئے جائز ہو گیا کہ حضورؐ کے ساتھ شادی تھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ بڑی مصلحت کی خاطر چھوٹی مصلحت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ (۳) اس اثر میں ہے۔ عن عطاء انه قال اذا انكح الرجل ابنه الصغير فنكاحه جائز و لا طلاق له ۔ (سنن بیہقی، باب الاب یزوج ابنہ الصغیر، ج سابع ص ۲۳۲، نمبر ۱۳۸۱۷ رمصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی رجل یزوج ابنہ وھوصغیر من اجازہ، ج ثالث، ص ۴۴۹، نمبر ۱۶۰۰۹) اس اثر میں ہے کہ اپنے نابالغ بچے یا بچی کی شادی کرائی تو نکاح ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۲؎ صاحبینؒ نے فرمایا کہ کمی اور زیادتی جائز نہیں مگر یہ کہ اس میں عام لوگ دھوکہ کھا جائیں، اور اس کلام کا معنی یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک عقد ہی جائز نہیں اس لئے کہ ولایت مصلحت کی شرط کے ساتھ مقید ہے، اس لئے مصلحت کے فوت ہونے سے عقد ہی باطل ہو جائے گا، اور یہ اس لئے کہ مہر مثل سے کم کرنا کوئی مصلحت کوئی شفقت نہیں ہے، جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ان دونوں کے علاوہ اس کا مالک نہیں ہے۔

۳؎ ولابی حنیفۃؒ ان الحکم یدار علی دلیل النظر وھو قرب القرابۃ وفی النکاح مقاصد تربو علی المھر

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ باپ نابالغ بیٹی کی شادی کرائے اور مہر مثل سے کم رکھے، پس اگر اتنا کم رکھے کہ عام لوگ اتنا کم رکھ سکتے ہیں تو نکاح درست ہوگا، اور اگر اتنا کم رکھ دیا کہ عام لوگ اتنا کم نہیں رکھ سکتے تو اس سے نکاح درست نہیں ہوگا۔اسی طرح نابالغ لڑکے کی شادی کرائی اور مہر مثل سے اتنا زیادہ رکھ دیا کہ لوگ اتنا رکھتے ہیں تو نکاح درست ہو جائے گا، اور لوگ اتنا نہیں رکھتے تو نکاح نہیں ہوگا۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ اور دادے کے لئے بھی یہ ولایت مصلحت کے ساتھ مقید ہے، اور غبن فاحش کے ساتھ مہر رکھنے میں کوئی مصلحت نظر نہیں آتی اس لئے نکاح ہی درست نہیں ہوگا (۲) اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ لڑکی یا لڑکے کی کوئی چیز غبن فاحش میں بیچ دی تو یہ بیچنا جائز نہیں، کیونکہ یہ مصلحت کے خلاف ہے اسی طرح غبن فاحش مہر رکھنا بھی مصلحت کے خلاف ہے اس لئے نکاح درست نہیں ہوگا۔(۳) یہی وجہ ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ غبن فاحش کے ساتھ نکاح کرائے تو نکاح درست نہیں ہوتا ہے۔

لغت : ما یتغابن الناس :[غبن فاحش] اتنا کم قیمت یا مہر ہو کہ لوگ اس کو محسوس کرنے لگیں کہ یہ بہت کم رکھ دیا ہے، یا اتنا زیادہ کہ لوگ اس کو محسوس کرنے لگیں کہ یہ بہت زیادہ رکھ دیا ہے، عام طور پر لوگ اس معاملے میں اتنا زیادہ نہیں رکھیں گے تو اس کو ما یتغابن الناس کہتے ہیں مثلا ایک بکری کی بازاری قیمت ایک سو درہم ہے، اب کسی نے اس کی قیمت ایک سو دس لگا دی تو چل جائے گی کیونکہ دس درہم زیادہ لگانا چل جاتا ہے، لیکن ایک سو بیس درہم قیمت لگانا بہت زیادہ ہے اس کو، مایتغابن الناس، کہیں گے، اسی کو ،غبن فاحش، کہتے ہیں۔الحط : کم کرنا۔

نوٹ : باپ اور دادا کے علاوہ میں یا تو شفقت کاملہ نہیں ہے جیسے چچا وغیرہ یا عقل کامل نہیں ہے جیسے ماں۔اس لئے ان لوگوں نے کمی زیادتی کے ساتھ شادی کرائی تو قابل قبول نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حکم مصلحت کی دلیل پر دائر ہوتا ہے اور وہ رشتہ داری کا قریب ہونا ہے، اور نکاح میں بہت سے مقاصد ہوتے ہیں جو مہر سے بھی اہم ہوتے ہیں [اس لئے اس کی رعایت کی جائے گی]

تشریح :۔امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا تھا کہ باپ دادا نکاح کرائے تو غبن فاحش میں بھی نکاح ہو جائے گا، اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ حکم کا مدار مصلحت کی دلیل پر ہوتا ہے، یعنی ظاہری طور پر مصلحت کے مطابق کیا یا نہیں اس پر نہیں ہوتا، بلکہ وہاں مصلحت کی دلیل اور علامت موجود ہے اسی پر نکاح درست کر دیا جائے گا، اور یہاں باپ اور دادا کی رشتہ داری بہت قریب کی ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ چاہے غبن فاحش میں نکاح کیا ہے لیکن اندرونی طور پر کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوگی، اور نکاح میں مہر کے علاوہ اور بھی بڑی بڑی

۴ اما المالية هی المقصودة فی التصرف المالی ۵ والدليل عدمناه فی حق غيرهما (۱۵۷۴) ومن زوج ابنته وهی صغيرة عبداً او زوج ابنه وهو صغير امة فهو جائز ﴾ ۱ قالؒ وهذا عند ابی حنيفةؒ ايضا لان الاعراض عن الكفاءة لمصلحة تفوقها

مصلحتیں ہوتیں ہیں مثلا کفو ہونا، بڑے درجے کا خاندان ہونا تو ہوسکتا ہے کہ ان مصلحتوں کے خاطر مہر مثل سے کم رکھا ہو، اس لئے نکاح جائز ہوگا۔

لغت: تربو: ربوا سے مشتق ہے، بڑھا ہوا ہونا، اہم ہونا۔

ترجمہ: ۴ بہر حال مالیت تو تصرف مالی میں یہی مقصود ہوتا ہے۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کو جواب ہے، یہاں تصرف مالی سے مراد بیع ہے، کہ خرید وفروخت میں مقصود مال ہوتا ہے اس لئے باپ، یا دادا نے لڑکے یا لڑکی کا مال غبن فاحش میں بیچ دیا تو بیع جائز نہیں ہوگی کیونکہ وہاں مال کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہوتا ہے اور اسی میں کمی ہوئی تو جائز نہیں ہوگی، اور نکاح میں اچھا جوڑا ملنا بھی مقصد ہے اس لئے یہاں جائز ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۵ اور باپ دادا کے علاوہ کے حق میں ہم نے دلیل معدوم پایا [اس لئے نکاح جائز قرار نہیں دیا]۔

تشریح: یہ بھی امام صاحبینؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ باپ اور دادا کے علاوہ کو جس طرح غبن فاحش میں نکاح کرانے کا حق نہیں ہے اسی طرح باپ اور دادا کو بھی حق نہیں ہونا چاہئے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ، باپ اور دادا قریب کے رشتے دار ہیں اس لئے دوسرے مصلحتوں کی امید کی جاسکتی ہے، اور انکے علاوہ جتنے رشتہ دار ہیں وہ دور کے رشتہ دار ہیں اس لئے دوسرے مصلحتوں کی امید بھی نہیں کی جاسکتی ہے، اور ظاہری طور پر لڑکا اور لڑکی کو نقصان ہوا ہے کہ غبن فاحش میں نکاح کرا دیا ہے اس لئے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے نکاح جائز نہیں ہوگا۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کے یہاں باپ دادا کی رشتہ داری اس بات کی علامت ہے کہ کسی مصلحت سے غبن فاحش میں یا غیر کفو میں نکاح کرایا ہوگا۔

اصول: صاحبینؒ کے یہاں ظاہری مصلحت پر نکاح کا مدار ہوگا۔

ترجمہ: (۱۵۷۴) کسی نے اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کسی غلام سے، یا نابالغ بیٹے کا نکاح کسی باندی سے کرایا تو جائز ہے۔

ترجمہ: ۱ یہ بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اس لئے کہ کفو سے اعراض کرنا کسی ایسی مصلحت سے ہوگی جو اس سے بڑھ کر ہو۔

تشریح: باپ نے اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کسی غلام سے کرا دیا، حالانکہ یہ اس کا کفو نہیں ہے، یا نابالغ بیٹے کا نکاح کسی باندی سے

۲؎ وعندهما هو ضرر ظاهر لعدم الکفاء ة فلایجوز و الله اعلم

کرادیا حالانکہ یہ اس کا کفو نہیں ہے تب بھی امام ابوحنیفہؒ کے یہاں نکاح جائز ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہری طور پر اگر چہ باپ نے غیر کفو میں ایک گھٹیا انسان سے نکاح کرایا ہے، لیکن باپ کی محبت سے قوی امید ہے کہ کفو کے علاوہ کوئی اور بڑی مصلحت ہوگی، مثلا غلام بہت پڑھا لکھا ہے، یا ہنر مند ہے جو دوسری جگہ نہیں مل سکتا ہے اس لئے باپ کا کرایا ہوا نکاح جائز ہوگا۔

وجه : اس حدیث میں ہے۔ عن فاطمة بنت قيس ان ابا عمر و بن حفص طلقها البتة و هو غائب فذكر الحديث الى ان قالت فلما حللت ذكرت له يعنى النبى ﷺ ان معاوية و ابا جهم خطبانى فقال رسول الله ﷺ اما ابو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه و اما معاوية فصعلوک لا مال له انكحى اسامة بن زيد قالت فكرهته ثم قال انكحى اسامة فنكحته فجعل الله فيه خيرا و اغتبطت به . (سنن بیہقی، باب لا یرد نکاح غیر الکفو اذا رضیت بہ الزوجۃ ومن لہ الامر معھا وکان مسلما، ج سابع ص ۲۲۰، نمبر ۱۳۷۷۴) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے مصلحت کی بنا پر فاطمہ بنت قیس کا نکاح غیر کفو میں اسامہ بن زید سے کرایا، اور بعد میں اس سے بہت فائدہ ہوا، اس لئے باپ بھی مصلحت کی بنا پر غیر کفو میں نکاح کرائے تو جائز ہوگا۔

نوٹ : یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ امید ہے کہ باپ نے اور دادا نے کم مہر میں یا غیر کفو میں نکاح کرایا ہے تو اس سے کوئی بڑی مصلحت ہوگی، لیکن اگر تحقیق سے پتہ چل جائے کہ انہوں نے نادانی میں یا کسی لالچ میں یہ نکاح کرایا ہے تو قاضی کو اس نکاح کے توڑنے کا اور فسخ کرنے کا حق ہوگا، کیونکہ تحقیق ہوگئی کہ کوئی مصلحت نہیں تھی۔

وجه : (۱) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس ان جارية بكرا اتت النبى ﷺ فذكرت ان اباها زوجها وهى كارهة فخيرها النبى ﷺ. (ابوداؤد شریف، باب فی البکر یزوجھا ابوھا ولا یستامرھا ص ۲۹۲ نمبر ۲۰۹۶ / دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۱۶۳ نمبر ۳۵۱۷) اس حدیث میں ہے کہ رشتہ مناسب نہیں تھا تو حضورؐ نے نکاح کے توڑنے کا اختیار دیا (۲) اس حدیث میں ہے کہ نکاح کو توڑ دیا. عن ابى هريرة ان خنساء بنت خذام انكحها ابو ها و هى كارهة فأتت النبى ﷺ فذكرت ذالک له ، فرد نكاحها ، فتزوجها ابو لبابة بن عبد المنذر .(دار قطنی، کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۱۶۲، نمبر ۳۵۱۴) اس حدیث میں ہے کہ رشتہ مناسب نہیں تھا تو حضور نے اس کے نکاح کو توڑ دیا۔

ترجمه : ۲؎ اور صاحبینؒ کے نزدیک ظاہری ضرر ہے کفو نہ ہونے کی بنا پر اس لئے جائز نہیں ہوگا۔

تشریح : صاحبینؒ کے نزدیک باپ نے غیر کفو میں نکاح کرایا ہے اس لئے یہ ظاہری ضرر ہے اس لئے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

CLIPART\26555.JPEG.jpg not found.

﴿فصل فی الوکالة بالنکاح وغیرھا﴾

﴿فصل فی الوکالة فی النکاح و غیرھا﴾

ضروری نوٹ : وکیل: مثلا زید نے خالد کو نکاح کرانے کا وکیل بنایا تو اس کو وکیل کہا جائے گا۔اور خالد خود اپنا نکاح کرے تو یہ اپنی جانب سے اصیل ہوگا، نکاح کرانے میں چھ صورتیں ہوتی ہیں [۱] دونوں جانب سے اصیل ہو، مثلا لڑکا خود ایجاب کرے، تو یہ اپنی جانب سے اصیل ہوا، اور لڑکی خود قبول کرے تو یہ بھی اپنی جانب سے اصیل ہوئی۔اس حدیث میں حضرت عبد الرحمٰنؓ خود اپنا اصیل ہے۔ **ان عبد الرحمن بن عوف تزوج امرأة علی وزن نواة فرأی النبی ﷺ بشاشة العرس فسأله فقال انی تزوجت امرأة علی وزن نواة** . (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی و اتوا النساء صدقاتھن نحلة (آیت ۴، سورة النساء ۴) ص ۹۲۱، نمبر ۵۱۴۸) اس حدیث میں ہے کہ میں نے خود نکاح کیا تو نکاح کا خود اصیل ہوا۔

[۲] دونوں جانب سے وکیل ہوں مثلا لڑکا کا وکیل خالد ہو، اور لڑکی کا وکیل زید ہو، اور دونوں ایجاب اور قبول کرے۔اس حدیث میں لڑکی کی جانب سے اس کا لڑکا نکاح کا وکیل ہے. **عن ام سلمة قالت قال رسول اللہ ﷺ ......فلما انقضت عدتھا بعث الیھا رسول اللہ ﷺ عمر بن الخطابؓ یخطبھا علیه فقالت لابنھا : یا عمر قم فزوج رسول اللہ ﷺ فزوجه** ۔(سنن بیہقی، باب الابن یزوجھا اذا کان عصبة لھا بغیر البنوة، ج سابع، ص ۲۱۲، نمبر ۱۳۷۵۲) اس حدیث میں اس حدیث میں بیٹا ماں کے نکاح کرانے کا وکیل ہے۔ (۲) **و قال عمر خطب النبی ﷺ الی حفصة فأنکحته** ۔(بخاری شریف، باب تزویج الاب ابنته من الامام، ص ۹۱۸، نمبر ۵۱۳۴) اس حدیث میں باپ بیٹی کا وکیل ہوا ہے، اور حضورؐ اپنی جانب سے اصیل ہیں۔

[۳] لڑکا اور لڑکی دونوں جانب سے ایک ہی وکیل ہو، مثلا لڑکی نے بھی زید کو نکاح کا وکیل بنایا اور لڑکے نے بھی زید کو ہی نکاح کا وکیل بنایا، اس صورت میں زید دونوں کی جانب سے ایجاب اور قبول کرے گا، نکاح میں ایسا ہو سکتا ہے،، کہ دونوں جانب سے ایک ہی وکیل ہو۔بیع میں ایسا نہیں ہو سکتا۔اس حدیث میں حضور دونوں جانب سے وکیل تھے. **سمعت سھل ابن سعد الساعدی یقول انی لفی القوم عند رسول اللہ ﷺ اذقامت امرأة فقالت یا رسول اللہ ﷺ انھا قد وھبت نفسھا لک....فقام رجل فقال : یا رسول اللہ ﷺ أنکحنیھا ....قال اذھب فقد أنکحتکھا بما معک من القرآن** ۔(بخاری شریف، باب التزویج علی القرآن و بغیر صداق، ص ۹۲۱، نمبر ۵۱۴۹) اس حدیث میں حضورؐ لڑکی اور لڑکا دونوں جانب سے وکیل تھے، اس لئے دونوں جانب سے حضورؐ نے انکحتکھا، فرمایا اور دونوں کا نکاح ایک ہی جملے میں کرا دیا، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ لڑکا یا لڑکی کی جانب سے وکیل ہو سکتا ہے۔

(۱۵۷۵) ویجوز لابن العم ان یزوج بنت عمه من نفسه ﴾ ۱؎ وقال زفرؒ لایجوز (۱۵۷۶) واذا اذنت المرأة للرجل ان یزوجها من نفسه فعقد بحضرة شاھدین جاز ﴾

ترجمه : (۱۵۷۵) چچازاد بھائی کے لئے جائز ہے کہ اپنے چچازاد بہن کا نکاح اپنے سے کرلے۔

ترجمه : ۱؎ اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔

تشریح : قریب کا کوئی ولی نہیں تھا اور چچازاد بھائی ولی تھا تو وہ اپنی شادی اپنی اس چچازاد بہن سے کرسکتا ہے جس کا وہ ولی ہے، اس صورت میں اپنی جانب سے اصیل ہوگا اور لڑکی کی جانب سے وکیل ہوگا۔ امام زفرؒ نے فرمایا کہ ایک ہی آدمی دونوں جانب سے ایجاب اور قبول کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ دلیل آگے آرہی ہے۔

وجه : (۱) نکاح میں جو وکیل ہوتا ہے وہ دو گواہوں کے سامنے مؤکل کی بات کو نقل کرتا ہے، اور اس کا معبر ہوتا ہے، اس کے بعد جو حقوق ہیں وہ مؤکل ہی کو کرنا پڑتا ہے، وہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس لئے ایک ہی آدمی ایک جانب سے اصیل اور دوسری جانب سے وکیل بن سکتا ہے اور دو گواہوں کے سامنے ایک ہی آدمی اپنی جانب سے ایجاب اور مؤکل کی جانب سے قبول کرسکتا ہے۔ (۲) اس حدیث میں حضورؐ دونوں جانب سے وکیل تھے اور ایک جانب سے ایجاب اور دوسری جانب سے قبول کیا تھا۔ حدیث یہ ہے۔ .سمعت سھل ابن سعد الساعدی یقول انی لفی القوم عند رسول الله ﷺ اذقامت امرأة فقالت یا رسول الله ﷺ انھا قد وھبت نفسھا لک.... فقام رجل فقال : یا رسول الله ﷺ أنکحنیھا .... قال اذھب فقد أنکحتکھا بما معک من القرآن ۔ (بخاری شریف، باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق، ص ۹۲۱، نمبر ۵۱۴۹) اس حدیث میں , انکحتکھا ، کہہ کر ایک جانب سے ایجاب اور دوسری جانب سے قبول کیا ہے اور ایک ہی آدمی دونوں جانب سے وکیل ہوئے۔

ترجمه : (۱۵۷۶) اگر عورت نے کسی آدمی کو اجازت دی کہ وہ اپنے آپ سے شادی کرادے، پس دو گواہوں کے سامنے عقد کیا تو جائز ہے۔

تشریح : اوپر کے مسئلے میں چچازاد بھائی اپنی جانب سے اصیل تھا اور لڑکی کی جانب سے ولی تھا جو گویا کہ وکیل ہوتا ہے، اور اس مسئلے میں مرد اپنی جانب سے اصیل ہے اور لڑکی کی جانب سے وکیل ہے، کیونکہ عورت نے مرد کو نکاح کا وکیل بنایا ہے۔ اب اس وکیل نے دو گواہوں کے سامنے ایجاب اور قبول کیا تو نکاح ہو جائے گا، اس کی وجہ اوپر گزر چکی ہے کہ حنفیہ کے یہاں نکاح میں ایک ہی آدمی اپنی جانب سے اصیل اور لڑکی کی جانب سے وکیل بن سکتا ہے۔

۱؎ وقال زفرؒ والشافعیؒ لایجوز لھما ان الواحد لایتصوران یکون مملکا ومتملکا کما فی البیع ۲؎ الا ان الشافعیؒ یقول فی الولی ضرورة لانه لایتولاه سواه ولاضرورة فی الوکیل ۳؎ ولنا ان الوکیل فی النکاح معبر وسفیر والتمانع فی الحقوق دون التعبیر ولاترجع الحقوق الیه بخلاف البیع لانه مباشر حتی رجعت الحقوق الیه واذا تولی طرفیه فقوله زوجت یتضمن الشطرین ولایحتاج الی القبول

ترجمہ : ۱؎ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے، ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ یہ تصور نہیں کیا جا سکتا ہے ایک ہی آدمی مالک بنانے والا بھی ہو اور مالک بننے والا بھی ہو، جیسے کہ بیع میں ہوتا ہے۔

تشریح : امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی آدمی اپنی جانب سے اصیل اور لڑکی کی جانب سے وکیل بنے، اور ایک ہی آدمی نکاح کا ایجاب بھی کرے اور اس کو قبول بھی کرے یہ جائز نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کا ایجاب کر کے بضع کا مالک بنا رہا ہے، اور وہی قبول کر کے خود بضع کا مالک بن رہا ہے، تو ایک ہی آدمی مالک بنا رہا ہو اور پھر خود ہی مالک بن بھی رہا ہو یہ نہیں ہو سکتا، اس لئے ایک ہی آدمی اصیل بھی ہو اور وہی لڑکی کے لئے وکیل بھی ہو اس سے نکاح نہیں ہوگا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں، کہ بیع میں ایک ہی آدمی بیچنے والا ہو اور وہی وکیل کے طور پر خریدنے والا ہو ایسا نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں بھی نہیں ہوگا۔

لغت : مملکا: باب تفعیل سے ہے، مالک بنانا، یہاں مراد ہے لڑکی کی جانب سے نکاح کا ایجاب کر کے اس کے بضع کا مالک بنانا۔ متملکا: باب تفعل سے ہے، مالک بننا، خود اپنی جانب سے نکاح کو قبول کرنا۔

ترجمہ : ۲؎ مگر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ولی میں ضرورت ہے اس لئے کہ اس کے علاوہ ولی نہیں بن سکتا، اور وکیل میں ضرورت نہیں ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ اس بات کے قائل ہیں کہ ایک ہی آدمی دونوں جانب سے وکیل نہیں بن سکتا، لیکن چونکہ ولی دوسرا نہیں بن سکتا اس لئے ولی میں ضرورت ہے اس لئے اگر ولی ہے تو خود اپنی جانب سے اصیل ہو کر ایجاب کرے گا اور ولی ہونے کی حیثیت سے لڑکی کی جانب سے قبول کرنے کی گنجائش ہوگی۔

ترجمہ : ۳؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح میں وکیل تعبیر کرنے والا اور سفیر ہوتا ہے اور ممانعت حقوق میں ہے نہ کہ تعبیر میں، اور حقوق وکیل کی طرف نہیں لوٹتے، بخلاف بیع کے وہاں خود کرنے والا ہے یہاں تک کہ حقوق وکیل ہی کے طرف لوٹتے ہیں، اور جب دونوں طرف کا ولی بنا تو اس کا قول زوجت، دونوں طرف کو شامل ہوگا اور قبول کی ضرورت نہیں ہوگی۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح میں وکیل حقوق کا ذمہ دار نہیں ہوتا ہے، صرف مؤکل کی بات کو نقل کرنے والا اور اس کو تعبیر

(۱۵۷۷) قال وتزویج العبد والامة بغیر اذن مولاھما موقوف فان اجاز المولیٰ جاز وان ردہ بطل

(۱۵۷۸) وکذٰلک لو زوج رجل امرأة بغیر رضاھا او رجلا بغیر رضاہ ﴿

کرنے والا ہوتا ہے کہ جو بات مؤکل کو کہنا چاہئے وہ وکیل کہہ رہا ہے اس لئے دونوں جانب سے ایک ہی آدمی وکیل بن سکتا ہے، ہاں حقوق کی ذمہ داری وکیل پر ہوتو دونوں جانب سے حقوق کا ذمہ دار نہیں بن سکتا، چنانچہ خرید وفروخت میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو وکیل ہوتا ہے بیع کی ساری ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، کوئی عیب ہوتو وکیل ہی کی طرف مبیع لوٹائی جاتی ہے اس لئے بیع میں بائع اور مشتری دونوں جانب سے ایک ہی آدمی وکیل نہیں بن سکتا۔ اور جب دونوں جانب سے ایک ہی آدمی وکیل بن گیا تو ایک ہی آدمی نے ,زوجت، کہہ دیا تو نکاح ہو جائے گا اور قبول کی ضرورت نہیں ہو گی ،جس طرح اوپر کی حدیث میں حضورؐ نے صرف , أنکحتکھا، کہا تو نکاح ہوگیا۔

لغت: معبر: تعبیر کرنے والا، بات نقل کرنے والا۔ سفیر: درمیان کا آدمی، بات نقل کرنے والا۔ تمانع: ممنوع ہو۔ مباشر: باشر سے مشتق ہے، خود کرنے والا۔ تولی: ولی سے مشتق ہے، دونوں طرف کا ذمہ دار۔ شطرین: دونوں کنارہ، دونوں طرف، یہاں ایجاب اور قبول مراد ہے۔ یتضمن شطرین کا مطلب ہے کہ ایک ہی لفظ ایجاب اور قبول دونوں کو شامل ہے۔

ترجمہ: (۱۵۷۷) غلام اور باندی نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا تو نکاح موقوف رہے گا، پس اگر آقا نے اجازت دی تو نکاح جائز ہو جائے گا، اور اگر رد کر دیا تو نکاح باطل ہو جائے گا۔

تشریح: آقا کی اجازت کے بغیر غلام اور باندی کا نکاح موقوف رہے گا، پس اگر اس نے نکاح کی اجازت دی تو پہلے کیا ہوا نکاح جائز ہو جائے گا اور نکاح کی اجازت نہیں دی تو نکاح باطل ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) غلام اور باندی آقا کے مال ہیں اور نکاح کرنے سے اس مال میں نقصان ہوگا مثلا غلام نے نکاح کیا تو وہ مہر میں بیچا جا سکتا ہے اور یہ آقا کا نقصان ہے، اور باندی نکاح کرے گی تو آقا کا اس سے وطی کرنا حلال نہیں رہے گا، یہ بھی آقا کا نقصان ہے اس لئے آقا کی اجازت کے بغیر یہ نقصان برداشت نہیں کیا جائے گا، اس لئے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔ (۲) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ -عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال اذا نکح العبد بغیر اذن مولاہ فنکاحه باطل. (ابوداؤد شریف، باب فی نکاح العبد بغیر اذن موالیہ ص ۲۹۱ نمبر ۲۰۷۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فی نکاح العبد بغیر اذان سیدہ، ص ۲۶۸، نمبر ۱۱۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام باندی کا نکاح بغیر آقا کی اجازت کے باطل ہے، اس لئے انکی اجازت پر موقوف رہے گا۔

ترجمہ: (۱۵۷۸) ایسے ہی اگر کسی آدمی نے کسی عورت کی شادی بغیر اس کی اجازت کے کرادی، یا کسی مرد کی شادی بغیر اس کی رضامندی کے کرادی [تو وہ اس کی اجازت پر موقوف رہے گی۔

۱ وھذا عند نا فان کل عقد صدر من الفضولی و له مجیز انعقد موقوفاً علی الاجازة

تشریح : کسی آدمی نے کسی عورت کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے کرا دیا، یا کسی مرد کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے کرا دیا [جسکو فضولی کہتے ہیں] تو یہ نکاح نکاح کرنے والی کی اجازت پر موقوف رہے گا، وہ اجازت دے گی تو نکاح ہو جائے گا اور اجازت نہیں دے گی تو ایجاب اور قبول باطل ہو جائے گا۔

وجہ : (۱) نکاح کرانے والا ناکح کا نہ ولی ہے اور نہ اس نے نکاح کرانے کا حکم دیا ہے، یہ تو اپنی جانب سے نکاح کرایا ہے، اور نکاح ایک عقد ہے اس لئے اس کی اجازت کے بغیر اس پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی (۲) اس اثر میں ہے کہ بغیر اجازت کے نکاح نہیں ہوگا۔ **عن الزھری و قتادة فی رجل خطب علی رجل فأنکحوہ ثم جاء المخطوب له فأنکر، قال لم آمرہ بشیء.** دوسرے اثر میں۔ **عن شبرمة قال لیس بینھما نکاح** ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الغائب یخطب علیه فزوج، والغائبة تزوج، ج سادس، ص ۱۷۵، نمبر ۱۰۶۲۵، نمبر ۱۰۶۲۶) اس اثر میں ہے کہ فضولی کے نکاح کرنے سے نکاح نہیں ہوگا۔ (۳) اس اثر میں ہے کہ اجازت دے گا تو نکاح ہو جائے گا۔ **عن شبرمة فی رجل تزوج امراة و ھو بارض و ھی بأخری فمات فان قامت بینة انه قد ملکھا و رضیت قبل ان یموت فلھا المیراث و الصداق** ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الغائب یخطب علیه فزوج، والغائبة تزوج، ج سادس، ص ۱۷۶، نمبر ۱۰۶۲۸) اس اثر میں ہے کہ اصیل نے نکاح قبول کر لیا ہو تو نکاح ہو جائے گا، اور میراث اور مہر ملے گا، اور قبول نہیں کیا تو نکاح رد ہو جائے گا۔

لغت : نکاح کرنے والے چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں [۱] خود اپنا نکاح کرنے والا اس کو اصیل کہتے ہیں [۲] کوئی کسی کا ولی ہو وہ نکاح کرائے، جیسے باپ اپنی بیٹی کا نکاح کرائے اس کو ولی کہتے ہیں۔ [۳] کوئی دوسرے کو نکاح کرانے کا حکم دے، مثلا زید نے خالد کو نکاح کرانے کا حکم دیا تو یہ وکیل ہوا، اور جسکا نکاح کرا رہا ہے وہ مؤکل ہوا۔ [۴] آدمی کسی کا ولی بھی نہ ہو اور اس نے اس کو نکاح کرانے کا حکم بھی نہیں دیا ہو اس لئے وکیل بھی نہ ہو اور نکاح کرائے تو اس کو فضولی کہتے ہیں، اس لئے کہ بغیر اس کے حکم کے نکاح کرا رہا ہے، اوپر میں اسی فضولی کا مسئلہ ہے۔

ترجمہ : ۱ یہ ہمارے نزدیک ہے اس لئے کہ ہر وہ عقد جو فضولی سے صادر ہوا ہو اور اس کا جواب دینے والا ہو تو اجازت پر موقوف ہو کر نکاح منعقد ہوگا۔

تشریح : ہمارے نزدیک یہ ہے کہ فضولی کی جانب سے عقد صادر ہوا یعنی ایجاب کیا ہو اور مجلس ہی میں اس کو قبول کرنے والا ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ اصل ناکح کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فضولی عاقل بالغ آدمی ہے اس لئے وہ ایجاب کرنے کا اہل ہے اور جس کا نکاح کرا رہا ہے وہ عورت ہے اس لئے وہ نکاح کرانے کا محل ہے اس لئے نکاح منعقد ہو جائے گا۔ مجیز: اجازت دینے والا، قبول کرنے والا۔

۲ وقال الشافعیؒ تصرفات الفضولی کلها باطلة لان العقد وضع لحکمه والفضولی لا یقدر علی اثبات الحکم فتلغو ۳ ولنا ان رکن التصرف صدر من اهله مضافا الی محله ولا ضرر فی انعقاده فینعقد موقوفاً حتی اذا رای المصلحة فیه ینفذه ۴ وقد یتراخی حکم العقد عن العقد

ترجمہ : ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فضولی کا سب تصرفات باطل ہیں اس لئے کہ عقد اس کے حکم کے لئے وضع ہوا ہے، اور فضولی حکم کے ثابت کرنے پر قادر نہیں ہے اس لئے لغو ہو جائے گا۔

تشریح : امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ فضولی کا ایجاب اور قبول سب باطل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عقد حکم کے لئے وضع کیا گیا ہے، کہ ابھی نکاح ہو ہی جائے، اور فضولی نکاح کے مؤکد کرنے پر قادر نہیں ہے اس لئے اس کا ایجاب اور قبول کیا ہوا باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۳ ہماری دلیل ہے کہ تصرف کا رکن اہل سے صادر ہوا ہے اور محل کی طرف منسوب ہے [اس لئے نکاح منعقد ہوگا] اور اس کے منعقد کرنے میں نقصان نہیں ہے اس لئے کہ موقوف منعقد ہوگا، یہاں تک کہ اس میں مصلحت دیکھے تو اس کو نافذ کر دے۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ ایجاب اور قبول جس فضولی کی جانب سے کیا گیا ہے وہ اس کا اہل ہے اور جس کے لئے کیا گیا ہے یعنی عورت کے لئے وہ اس کا محل ہے اس لئے اس کی بات باطل نہیں ہوگی، نکاح منعقد ہو جائے گا، اور موقوف نکاح منعقد کرانے میں کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ ناکح مصلحت سمجھے گا تو اس کی اجازت دے دیگا اور نکاح مؤکد کر دے گا، اور نقصان دکھے گا تو نکاح کو رد کر دے گا۔

لغت: رکن التصرف صدر من اہلہ مضافا الی محلّہ: یہ ایک محاورہ ہے، صدر من اہلہ کا مطلب یہ ہے کہ جسکی جانب سے بات صادر ہوئی ہے وہ اس کا اہل ہے، یعنی وہ عاقل بالغ آدمی ہے، اس لئے وہ ایجاب کر سکتا ہے، اور مضافا الی محلّہ: کا مطلب یہ ہے کہ جسکے لئے یہ بات کہی گئی ہے وہ اس کا محل ہے، یعنی وہ عورت ہے، اس لئے فضولی کا ایجاب اور قبول صحیح ہے۔

ترجمہ : ۴ اور عقد کا حکم عقد سے مؤخر ہو سکتا ہے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ عقد کا حکم اسی وقت ثابت ہونا چاہئے ان کو جواب دیا جا رہا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے عقد کا حکم عقد کے وقت سے مؤخر ہوتا ہے، مثلا خیار شرط لیکر بیع کرے تو بیع آج ہوئی لیکن بیع کا حکم تین دن کے بعد خیار شرط کی مدت ختم ہونے کے بعد آئے گا اس لئے فضولی کے بارے میں نکاح کا حکم اجازت کے بعد آئے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

(۱۵۷۹) ومن قال اشهد وا انی قد تزوجت فلانةً فبلغها الخبر فاجازت فهو باطل وان قال اٰخر اشهدوا انی زوجتها منه فبلغها الخبر فاجازت جاز وکذلک ان کانت المرأة هی التی قالت جمیع ذلک ﴿ ل وهذا عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ

ترجمه : (۱۵۷۹) کسی نے کہا کہ گواہ رہو کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا، اور فلاں عورت کو خبر ہوئی پس اس نے اجازت دی تو نکاح باطل ہے۔ اور اگر دوسرے نے کہا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے فلاں عورت کا فلاں مرد سے نکاح کرا دیا، پھر عورت کو خبر پہونچی اور اس نے اجازت دی تو نکاح جائز ہے، اور یہی حال ہے اگر عورت نے یہ سب کہا۔

ترجمه : ل یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ دو قاعدوں پر ہے [۱] ایک اصول یہ ہے کہ فضولی کی شکل میں مجلس ہی میں قبول کرنے والا ہو [۲] اور دوسرا اصول یہ ہے کہ دوسرا آدمی قبول کرنے والا ہو، اور نکاح کرے اور ناکح کو اس کی خبر ملے اور وہ اس کی اجازت دے تو نکاح مؤکد ہو جائے گا۔ اور اگر مجلس میں کوئی دوسرا آدمی قبول کرنے والا نہ ہو، ایک ہی آدمی ایجاب اور قبول کرے تو فضولی کا ایجاب اور قبول باطل ہو جائے گا، بعد میں ناکح قبول بھی کرے گا تو نکاح نہیں ہوگا۔ اسکی کل چھ صورت بنتی ہیں، تین میں نکاح درست ہوتا ہے اور تین صورتوں میں باطل ہو جائے گا۔ [۱] دلہا اور دلہن دونوں کی جانب سے فضولی ہو، اور دو گواہوں کے سامنے کہے کہ میں نے زید کا نکاح فریدہ سے کرا دیا تو قول باطل ہو جائے گا، کیونکہ سامنے قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوا [۲] اپنی جانب سے اصیل ہو اور عورت کی جانب سے فضولی ہو، اور زید یوں کہے کہ میں نے اپنا نکاح فریدہ سے کر لیا تو بھی باطل ہو جائے گا، کیونکہ دو آدمی ایجاب اور قبول کرنے والا نہیں ہوا اور نہ مجلس میں قبول ہوا۔ [۳] ایک ہی آدمی ایک جانب سے وکیل ہو اور لڑکی یا لڑکا کی جانب سے فضولی ہو، اور مثلا خالد کہے کہ میں نے زید کا نکاح فریدہ سے کرا دیا تو ایجاب اور قبول باطل ہو جائے گا، کیونکہ مجلس میں قبول نہیں ہوا، اور دوسرا آدمی قبول کر نے والا نہیں ہوا اس لئے ایجاب اور قبول باطل ہو جائے گا۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلا زید نے دو گواہوں کے سامنے کہا کہ میں نے اپنا نکاح مثلا فریدہ سے کیا، اور فریدہ کو اس کی خبر پہونچی اور اس نے اس کی اجازت دی تب بھی نکاح نہیں ہوگا، ایجاب اور قبول باطل ہو جائے گا۔

وجه : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ زید اپنی جانب سے اصیل ہے اور فریدہ کی جانب سے فضولی ہے، کیونکہ اس نے نکاح کرانے کے لئے نہیں کہا، اور نہ اس کا ولی ہے، اور ایک ہی آدمی نے ایجاب اور قبول کیا ہے مجلس میں دوسرا آدمی قبول کرنے والا نہیں تھا، اور قاعدہ گزرا کہ فضولی کی شکل میں ایک ہی آدمی ایجاب اور قبول کرنے والا ہو تو قول باطل ہو جاتا ہے، اس لئے ایجاب اور قبول ہی باطل ہو گیا، اب بعد میں اجازت دینے سے بھی نکاح نہیں ہوگا۔

۲؎ وقال ابویوسفؒ اذا زوجت نفسها غائبا فبلغه فاجاز جاز ۳؎ وحاصل هذا ان الواحد لایصلح

وان قال آخر اشهدوا انی زوجتها منه :اس عبارت میں آخر سے مراد ہے کہ نکاح کی مجلس میں قبول کرنے والا دوسرا آدمی موجود تھا اور اس نے قبول کیا اس لئے ایجاب اور قبول باطل نہیں جائے گا ،لڑکی کو خبر ملنے کے بعد اس نے اجازت دی تو نکاح ہو جائے گا۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلا خالد نے فضولی کے طور پر دو گواہ کے سامنے کہا کہ میں نے زید کا نکاح فریدہ سے کرایا ،اور زید نے اصیل ہونے کے اعتبار سے مجلس میں قبول کیا،تو نکاح ہو جائے گا اور فریدہ کی اجازت پر موقوف رہے گا ،وہ اجازت دے گی تو نکاح ہو جائے گا۔

وجہ : (۱) خالد اگر چہ فضولی ہے لیکن زید اصیل ہے اور مجلس میں قبول کیا ہے اس لئے دوسرا آدمی مجلس ہی میں قبول کرنے والا ہوا اس لئے نکاح ہو جائے گا۔

و کذالک ان کانت المرأة هی التی قالت جمیع ذالک :اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ پہلے جو صورت فرض کی ہے اس میں مرد نے اپنا نکاح فریدہ سے کیا ،اور اس کی تین صورتیں بنی تھیں ،اب اسی طرح کا نکاح عورت کرے ،اور عورت کی جانب سے تین صورتیں بنے تو اس کا حکم بھی اوپر ہی کی طرح ہوگا۔[۱] مثلا عورت نے دو گواہوں کے سامنے کہا کہ ،میں نے نکاح زید سے کر دیا ،اور زید یا زید کا وکیل مجلس میں نہیں تھا کہ قبول کرتا تو عورت کا قول باطل ہو جائے گا ، کیونکہ عورت اپنی جانب سے اصیل ہے اور زید کی جانب سے فضولی ہے ،اور عورت کے ایجاب کے بعد کوئی دوسرا آدمی مجلس میں قبول کرنے والا نہیں ہے اس لئے اس کا قول باطل ہو جائے گا ،زید کو خبر پہونچنے کے بعد اس کی اجازت بھی دے گا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔[۲] یا عورت دونوں جانب سے فضولی ہو ،[۳] ایک جانب سے وکیل ہو اور دوسری جانب سے فضولی ہو ،اور اس مجلس میں دوسرا آدمی قبول کرنے والا نہ ہو تو عورت کا قول باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر عورت نے اپنا نکاح کسی غائب سے کیا اور اس کو خبر پہونچی اور اس نے جائز قرار دیا تو نکاح ہو جائے گا۔

تشریح : حضرت اامام ابو یوسفؒ کے نزدیک فضولی کی شکل میں مجلس میں دوسرے آدمی کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے ،اس لئے کسی عورت نے دو گواہوں کے سامنے کسی غائب مرد سے نکاح کیا اور مجلس میں کوئی دوسرا قبول کرنے والا نہیں تھا ، پھر مرد کو اس کی خبر پہونچی اور اس نے اس نکاح کو جائز قرار دیا تو نکاح ہو جائے گا ،اس میں عورت اپنی جانب سے اصیل ہے ،اور مرد کی جانب سے فضولی ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ایک آدمی دونوں جانب سے فضولی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ،یا ایک جانب سے فضولی ہو اور دوسری جانب سے اصیل ہو ،خلاف امام ابو یوسفؒ کے۔

فضولیا من الجانبین او فضولیا من جانب واصیلا من جانب عندهما خلافاً له (۱۵۸۰) ولو جری العقد بین الفضولیین اوبین الفضولی والاصیل جاز بالاجماع ﴿۱﴾ هو یقول لو کان ماموراً من الجانبین ینفذ فاذا کان فضولیا یتوقف وصار کالخلع والطلاق والاعتاق علی مال

تشریح : اوپر کی عبارت کا حاصل بتا رہے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک [۱] ایک ہی آدمی میاں بیوی دونوں جانب سے فضولی ہو یہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ پھر مجلس میں قبول کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہوگا [۲] اسی طرح وہ آدمی اپنی جانب سے تو اصیل ہو اور لڑکی کی جانب سے فضولی ہو، یہ بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس صورت میں بھی مجلس میں قبول کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہوگا، [۳] اور ایک تیسری شکل رہ گئی کہ ایک جانب سے وکیل ہو اور دوسری جانب سے فضولی ہو، یہ بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس میں مجلس میں کوئی دوسرا آدمی قبول کرنے وال نہیں ہوگا، جو ضروری ہے۔ خلاف امام ابو یوسفؒ کے اس لئے کہ انکے یہاں ایک ہی آدمی دونوں جانب سے فضولی بن سکتا ہے، کیونکہ انکے یہاں فضولی کی شکل میں مجلس میں دوسرے آدمی کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ : (۱۵۸۰) اگر عقد دو فضولیوں کے درمیان جاری ہوا، یا ایک فضولی اور ایک اصیل کے درمیان جاری ہوا تو بالاتفاق نکاح جائز ہوگا۔

تشریح : مثلا خالد بھی زید کی جانب سے فضولی تھا، اور عمر بھی فریدہ کی جانب سے فضولی تھا، ایک فضولی نے ایجاب کیا اور مجلس میں دوسرے فضولی نے قبول کیا تو سب کے نزدیک نکاح ہو جائے گا، اس لئے کہ مجلس میں دوسرا آدمی قبول کرنے والا ہو گیا، اور ایک ہی آدمی دونوں جانب سے فضولی نہیں ہوا۔ [۲] دوسری شکل یہ ہے کہ ایک جانب سے فضولی ہے اور دوسری جانب سے اصیل ہے، اور ایک نے ایجاب کیا اور دوسرے نے مجلس میں قبول کیا تو نکاح ہو جائے گا، کیونکہ مجلس میں قبول کرنے والا دوسرا ہو گیا۔

ترجمہ : ۱ وہ یعنی امام ابو یوسفؒ قائل ہیں کہ اگر دونوں جانب سے حکم دیا ہوا ہوتا تو نکاح نافذ ہو جاتا، پس جب فضولی ہو تو موقوف ہوگا اور خلع اور مال کے بدلے طلاق اور آزادگی کی طرح ہو جائے گا۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا تھا کہ ایک ہی آدمی دونوں جانب سے فضولی ہو تو بھی نکاح ہو جائے گا، کیونکہ انکے یہاں مجلس میں دوسرے آدمی کے قبول کرنے کی شرط نہیں ہے، اس کی ایک دلیل دے رہے ہیں اور تین مثالیں دے رہے ہیں [۱] ایک دلیل یہ ہے کہ ایک ہی آدمی کو میاں بیوی دونوں نے نکاح کا حکم دیا ہوا اور دونوں نے وکیل بنایا ہوا اور ایک ہی آدمی نے دونوں کی جانب سے ایجاب اور قبول کر لیا تو نکاح نافذ ہو جاتا ہے، اسی طرح دونوں جانب سے فضولی ہو تو نکاح ہو جائے گا لیکن فضولی ہے اس لئے ناکح کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ تین مثالیں یہ ہیں [۱] خلع کی شکل یہ ہے کہ، شوہر نے کہا کہ میں فلاں بیوی سے پانچ سو درہم کے بدلے خلع کرتا ہوں اور بیوی مجلس میں موجود نہیں اور بعد میں عورت قبول کر لے پھر بھی خلع صحیح ہو جاتا ہے، حلانکہ یہاں صرف

۲؎ ولهما ان الموجود شطر العقد لانه شطر حالة الحضرة فكذا عند الغيبة وشطر العقد لايتوقف على ما وراء المجلس كما فى البيع ۳؎ بخلاف المامور من الجانبين لانه ينتقل كلامه الى العاقدين

شوہر مجلس میں ہے،[ا] طلاق علی مال کی شکل یہ ہے کہ شوہر کہے کہ میں نے پانچ سو درہم میں بیوی کو طلاق دیا اور بعد میں بیوی اس کی اجازت دے دے تو طلاق ہو جاتی ہے [۳] اعتاق علی مال کی شکل یہ ہے کہ آقا کہے کہ میں نے غلام کو پانچ سو درہم کے بدلے آزاد کیا اور غلام مجلس میں نہیں تھا اور بعد میں اس کو قبول کر لے تو آزادگی ہو جاتی ہے، اور غلام پر پانچ سو درہم لازم ہو جائے گا، اسی طرح یہاں بھی ایک ہی آدمی دونوں جانب سے فضولی بن کر نکاح کرائے تو نکاح ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابوحنیفہ: اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ عقد کا ایک ہی حصہ موجود ہے اس لئے کہ موجودگی کی حالت میں بھی ایک ہی حصہ ہے تو ایسے ہی غیبوبت کی حالت میں بھی ایک ہی حصہ ہے اور عقد کا ایک حصہ مجلس کے باہر پر موقوف نہیں رہتا جیسے کہ بیع میں ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں جانب سے ایک ہی فضولی ہو تو نکاح کے ایجاب اور قبول میں سے ایک ہی حصہ ہے کیونکہ دوسرا قبول کرنے والا تو نہیں ہے اور ایک حصہ ہو یعنی صرف ایجاب ہو یا صرف قبول ہو تو مجلس ختم ہوتے ہی باطل ہو جاتا ہے، مجلس کے باہر قبول کرنے پر موقوف نہیں رہتا، جیسے بیع کا صرف ایجاب کرے اور اس کا کوئی قبول کرنے والا نہ ہو تو بیع کا عقد باطل ہو جاتا ہے، مجلس کے باہر قبول کرنے پر موقوف نہیں رہتا، اسی طرح نکاح میں بھی صرف ایجاب ہو تو وہ باطل ہو جائے گا۔

لغت: شطر العقد: بیع نکاح طلاق وغیرہ کے عقد کرنے میں دو حصہ ہوتا ہے، ایک ایجاب اور دوسرا قبول دونوں مجلس میں موجود ہو تو عقد تام ہوتا ہے اور دونوں میں سے ایک ہو تو عقد باطل ہو جاتا ہے، اور ایجاب، یا قبول اس کا ایک حصہ ہوا جسکو شطر کہتے ہیں۔ ماوراء المجلس: مجلس سے باہر۔

ترجمہ : ۳؎ بخلاف جسکو دونوں جانب سے حکم دیا گیا ہو اس لئے کہ اس کا کلام دو عقد کرنے والوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

تشریح : یہ امام ابو یوسفؒ کے استدلال کا جواب ہے، انہوں نے دلیل دی تھی کہ دونوں جانب کا ایک ہی وکیل ہو تو ایک ہی آدمی کے قول سے نکاح ہو جاتا ہے، اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ وہاں دو آدمی حکم دینے والے ہیں، اس لئے جب ایک جملہ بولا تو یہ جملہ دو آدمیوں کی طرف منتقل ہو گیا تو گویا کہ مجلس میں دو آدمیوں نے ایجاب اور قبول کیا اس لئے وہاں نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اور یہاں دونوں طرف سے ایک ہی فضولی ہے اس لئے اس کا ایک جملہ دو آدمیوں کی طرف منتقل نہیں ہوا اس لئے صرف ایجاب ہی باقی رہ گیا اور ایک ایجاب سے عقد نہیں ہوتا اس لئے نکاح باطل ہو جائے گا۔

۴؎ وما جری بین الفضولیین عقد تام ۵؎ وکذا الخلع واختاه لانه تصرف یمین من جانبه حتی یلزم فیتم به (۱۵۸۱) ومن امر رجلا ان یزوجه امرأة فزوجه اثنین فی عقدة لم تلزمه واحدة منهما ﴾ ۱؎ لانه لا وجه الی تنفیذ هما للمخالفة ولا الی التنفیذ فی احدٰ هما غیر عین للجهالة ولا الی التعیین

ترجمہ : ۴؎ اور جو دوفضولیوں کے درمیان جاری ہوا وہ عقد تام ہے۔

تشریح : دوآدمی میاں بیوی دونوں جانب سے فضولی تھے تو چونکہ مجلس میں ایجاب اور قبول دونوں ہوئے اس لئے نکاح تام ہو جائے گا، البتہ چونکہ یہ ولی یا وکیل نہیں ہیں اس لئے دونوں کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

ترجمہ : ۵؎ ایسے ہی خلع اور اس کی بہنیں [یعنی مال کے بدلے طلاق اور مال کے بدلے آزادگی] کا عقد تام ہے اس لئے کہ شوہر کی جانب سے یمین کا تصرف ہے یہی وجہ ہے کہ اس پر لازم ہے۔

تشریح : ایک ہے ایجاب اور قبول، اس میں ایجاب کرنے کے بعد مجلس میں قبول کرے تو عقد ہوگا اور مجلس ختم ہو جائے تو ایجاب باطل ہو جاتا ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ ایجاب کرنے کے بعد قبول کرنے سے پہلے اپنی بات سے رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔[۲] دوسرا ہے، یمین، جسکو شرط بھی کہتے ہیں اور قسم بھی کہتے ہیں، اگر یہ بول دیا تو اس کا قبول کرنا مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہے، مجلس کے باہر بھی قبول کر سکتا ہے، اور جو بولا ہے وہ اپنی بات واپس بھی نہیں لے سکتا، کیونکہ یہ قسم ہے ۔شوہر کی جانب سے خلع کا ایجاب یمین ہی ہے اس لئے مجلس میں عورت کا قبول کرنا ضروری نہیں مجلس سے باہر بھی قبول کر سکتی ہے، اس لئے امام ابو یوسفؒ کا اپنے استدلال میں ان مثالوں کا پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ ہاں عورت اگر کہے میں اتنے درہم میں خلع کرتی ہوں تو یہ اس کی جانب سے طلاق کے بدلے میں معاوضہ ہے اس لئے یہ بیع کی طرح عقد ہو گیا، یمین نہیں ہے اس لئے شوہر کا مجلس میں قبول کرنا ضروری ہے۔ یہی حال مال کے بدلے میں طلاق اور عتاق کا ہے، شوہر کی جانب سے ہو تو یہ یمین ہے مجلس سے باہر بھی قبول کر سکتی ہے۔ اور عورت کی جانب سے ہو تو عقد بیع کی طرح ہے اس لئے شوہر کو مجلس میں قبول کرنا ہوگا، ورنہ تو ایجاب باطل ہو جائے گا۔

لغت : حتی یلزم: کا مطلب ہے کہ شوہر کو لازم ہو جائے گا خلع، یا طلاق علی مال، عتاق علی مال کا اقدام کرنے کے بعد وہ اپنی بات کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔ فیتم بہ: کا مطلب یہ ہے کہ صرف شوہر یہ کہے کہ میں نے اتنے مال پر خلع کیا، اسی سے بات پوری ہو جائے گی اور یمین پورا ہو جائے گا، مجلس میں عورت کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ : (۱۵۸۱) کسی نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ایک عورت سے نکاح کرا دے تو اس نے ایک ہی عقد میں دو عورتوں سے نکاح کرا دیا تو اس کو دونوں بیویوں میں سے کوئی بھی لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ کوئی وجہ نہیں ہے دونوں کو نافذ کرنے کی حکم کی مخالفت کی وجہ سے۔ اور نہ دونوں میں سے کسی ایک کے

لعدم الاولویة فتعین التفریق (۱۵۸۲) ومن امرہ امیر بان یزوجه امرأة فزوجه امة لغیرہ جاز ﴿۱﴾ عند ابی حنیفةؒ رجوعاً الی اطلاق اللفظ وعدم التهمة ۲ و قال ابویوسفؒ ومحمدؒ لایجوز الا ان یزوجه کفوا لان المطلق ینصرف الی المتعارف وهو التزوج بالاکفاء

بغیر متعین نافذ کرنے کی جہالت کی بنا پر۔اور کسی ایک کو متعین بھی کرنے کی وجہ نہیں ہے افضل نہ ہونے کی وجہ سے اس لئے جدا کرنا ہی متعین ہے۔

تشریح : ایک آدمی نے کسی کو حکم دیا کہ کسی ایک عورت سے اس کا نکاح کرادیا جائے،اب اس نے ایک کے بجائے دوعورتوں سے نکاح کرادیا تو اس کو دونوں میں سے کوئی عورت بھی لازم نہیں ہوگی،اور عورت جدا کرنا ہی پڑے گا۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ [۱] دوعورتوں سے نکاح کرانے کے لئے نہیں کہا تھا اور اس نے دوعورتوں سے نکاح کرادیا اس لئے حکم کی مخالفت کی وجہ سے دونوں عورتیں لازم نہیں ہونگیں [۲] اب دونوں میں سے ایک کو متعین کرنا یہ بھی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ایک کو متعین کرنے کی کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے [۳] اور دونوں میں سے ایک عورت کے نکاح کو نافذ کریں یہ بھی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ دونوں کا نکاح ایک ساتھ ہوا ہے اور کسی کو اولیت نہیں ہے اس لئے یہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ دونوں کے نکاح کو توڑ دیا جائے اور حکم دینے والے کو کوئی عورت لازم نہ ہو۔

ترجمه : (۱۵۸۲) کسی کو حاکم نے حکم دیا کہ کسی عورت سے اس کی شادی کرادے، پس اس نے دوسرے کی باندی سے نکاح کرادیا۔

ترجمه : ۱ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے،مطلق لفظ کو دیکھتے ہوئے اور تہمت نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : یہاں امیر سے مطلب ہے ایسا آدمی جو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو،اس نے کسی کو حکم دیا کہ کسی عورت سے اس کی شادی کرادی جائے،اس نے آزاد کے بجائے کسی دوسری کی باندی سے نکاح کرادیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ نکاح ہوجائے گا،امیر کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

وجه : اپنی باندی سے نکاح کراتا تو یہ تہمت ہوسکتی ہے کہ کسی فائدے کے لئے اس نے یہ نکاح کرایا ہے، یہاں تو دوسرے کی باندی سے کرایا ہے اس لئے یہ تہمت بھی نہیں ہے،البتہ آزاد کے بجائے باندی سے کرایا ہے تو یہ کفو کے خلاف کیا ہے اس لئے یہ بھی ہوجائے گا،کیونکہ امیر نے مطلق عورت سے نکاح کرانے کے لئے کہا تھا،اور باندی بھی عورت ہے اس لئے اس کے حکم کے خلاف نہیں کیا اس لئے نکاح ہوجائے گا۔

ترجمه : ۲ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نکاح جائز نہیں ہے مگر یہ کہ کفو سے شادی کرائے،اس لئے مطلق عورت

۳؎ قلنا العرف مشترک او ھو عرف عملی فلا یصلح مقیداً ۴؎ و ذکر فی الوکالۃ ان اعتبار الکفاء ـة فی ھـذا استحسان عندھما لان کل احد لا یعجز عن التزوج بمطلق الزوج فکانت الاستعانۃ فی التزوج بالکفو و اللہ اعلم .

متعارف کی طرف پھیرا جائے گا اور وہ کفو کے ساتھ شادی کرانا ہے۔

تشریح : حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ یہ نکاح نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر چہ امیر نے مطلق عورت سے نکاح کرانے کے لئے کہا ہے لیکن یہ متعارف کی طرف پھیرا جائے گا، اور متعارف یہ ہے کہ کفو والی عورت سے نکاح کرانے کے لئے کہا ہے اور باندی امیر کا کفو نہیں ہے اس لئے یہ نکاح نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ عرف مشترک ہے، یا عملا یہ عرف ہے اس لئے یہ عرف مقید کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

تشریح: ۔یہ امام صاحبینؒ کو جواب ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ عرف میں امراۃ کا لفظ آزاد اور باندی عورت پر بھی بولا جاتا ہے، اور کبھی صرف آزاد عورت پر بھی بولا جاتا ہے، چنانچہ امیر آدمی عموما آزاد عورت سے شادی کرتا ہے، اور کبھی باندی سے بھی شادی کرتا ہے، اور جب امرأۃ کا لفظ مشترک ہوا تو صرف آزاد پر مقید کرنے کی صلاحیت نہیں رکھے گا اس لئے باندی سے بھی نکاح ہو جائے گا، دوسرا جواب یہ ہے کہ عملا تو یہی عرف ہے کہ شادی کے وقت امرأۃ بول کر آزاد عورت مراد لیتے ہیں، لیکن لغت اور لفظی اعتبار سے امرأۃ کا لفظ آزاد اور باندی دونوں پر بولا جاتا ہے، اس لئے حکم میں باندی بھی داخل ہوگی اور نکاح درست ہو جائے گا۔

لغت: عرف عملی: کا مطلب یہ ہے کہ عملی طور پر عرف یہ ہے کہ امرأۃ بول کر آزاد مراد لیتے ہیں، لیکن لفظی طور پر آزاد اور باندی دو نوں کو شامل ہے۔

ترجمہ : ۴؎ مبسوط کے کتاب الوکالۃ میں لکھا ہے کہ یہاں کفو کا اعتبار کرنا صاحبینؒ کے نزدیک استحسان ہے، اس لئے کہ مطلق عورت سے نکاح کرنے میں کوئی بھی عاجز نہیں ہوتا اس لئے کفو میں نکاح کرنے کی مدد طلب کرنا مراد ہے۔

تشریح : امام محمدؒ کی کتاب الاصل میں ہے کہ یہاں پر صاحبینؒ کے یہاں امراۃ بول کر آزاد عورت استحسان کے طور پر مراد ہے، ورنہ امراۃ کا لفظ آزاد اور باندی دونوں کو شامل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی گھٹیا عورت سے نکاح کرنے کی طاقت تو ہر ایک کو ہے، اب جو دوسرے کو نکاح کا حکم دے رہا ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ کسی اچھے گھرانے کی عورت سے شادی کرا دو جو میرا کفو ہو، اس لئے استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں امراۃ سے آزاد عورت اور کفو کی عورت مراد ہے اس لئے باندی سے نکاح کرا دیا تو نکاح نہیں ہوگا۔

CLIPART\Feather.jpg not found.

﴿باب المهر﴾

(۱۵۸۳) قال ويصح النكاح وان لم يسم فيه مهرا ﴾ لِلان النكاح عقد انضمام وازدواج لغةً فيتم بالزوجين

﴿باب المہر﴾

ضروری نوٹ : عورت سے نکاح کرتے وقت جو بضع کی قیمت متعین کرتے ہیں اس کو مہر کہتے ہیں، اس کا ثبوت اس آیت سے ہے(۱) و آتو النساء صدقتهن نحلة (آیت۴، سورۃ النساء۴)(۲) و احل لكم ما وراء ذالكم ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مصافحين ۔(آیت۲۴، سورۃ النساء۴)(۳) او تفرضوا لهن فريضة (آیت۲۳۶، سورۃ البقرۃ ۲)(۴) اس حدیث میں مہر کا ثبوت ہے۔ عن سهل بن سعد أن النبي ﷺ قال لرجل : تزوج و لو بخاتم من حديد۔(بخاری شریف، باب المہر بالعروض وخاتم من حدید، ص۹۲۱، نمبر ۵۱۵۰) اس حدیث میں بھی مہر کا ثبوت ہے۔

ترجمہ : (۱۵۸۳) اور صحیح ہے نکاح اگرچہ متعین نہیں کیا ہو اس میں مہر۔

تشریح: نکاح کرتے وقت مہر کا نام لے یا نہ لے دونوں صورتوں میں نکاح درست ہے۔

وجہ: (۱) اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ لا جناح عليكم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن أو تفرضوا لهن فريضه و متعوهن على الموسع قدره و على المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا على المحسنين ۔(آیت ۲۳۶، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جس عورت کا مہر متعین نہیں کیا ہو اور طلاق دے دیا ہو تو اس کو کچھ فائدہ اٹھانے دیا جائے گا یعنی متعہ دیا جائے گا، جس سے معلوم ہوا کہ بغیر مہر متعین کئے ہوئے بھی نکاح ہوسکتا ہے۔(۲) اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ عن عقبة بن عامر ان النبي ﷺ قال لرجل أترضى ان أزوجك فلانة ؟ قال نعم و قال للمرأة ترضين ان أزوجك فلانا ؟ قالت نعم فزوج أحدهما صاحبه فدخل بها الرجل و لم يفرض لها صداقا و لم يعطها شيئا و كان ممن شهد الحديبية (ابوداود شریف، باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا حتی مات، ص۳۰۶، نمبر ۲۱۱۷) اس حدیث میں ہے کہ مہر متعین نہیں فرمایا پھر بھی نکاح ہو گیا۔

ترجمہ : لِ اس لئے کہ نکاح کا لغوی معنی ہے انضمام اور ازدواج اس لئے میاں بیوی سے پورا ہو جائے گا۔

تشریح : مہر کے بغیر نکاح ہو جائے گا اس کی یہ دلیل عقلی ہے، کہ نکاح کا لغوی معنی ہے انضمام یعنی ملنا اس لئے میاں بیوی مل گئے تو نکاح کا معنی پایا گیا اس لئے ایجاب اور قبول سے نکاح ہو جائے گا چاہے مہر کا ذکر کرے یا نہ کرے۔

لغت: نکح: شادی کرنا۔ انضم: ملنا۔ زوج: نکاح کرنا، میاں بیوی کا جوڑا ہونا۔

۲ ثم المهر واجب شرعا ابانة لشرف المحل فلایحتاج الی ذکرہ لصحۃ النکاح (۱۵۸۴) وکذا اذا تزوجها بشرط ان لا مهر لها لما بینا ۱ وفیه ۲ خلاف مالکؒ

ترجمه : ۲ پھر مہر محل کے شرف کو ظاہر کرنے کے لئے شرعا واجب ہوا ہے اس لئے نکاح کے صحیح ہونے کے لئے مہر کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح : مہر کا ذکر بضع کے شرف کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ یہ ایک قیمتی چیز ہے اس لئے نکاح میں مہر کا ذکر شرط کے درجے میں نہیں ہے اس کے ذکر کئے بغیر بھی نکاح ہو جائے گا۔ اس آیت سے اس کا شرف ظاہر ہوتا ہے۔ **و احل لکم ما وراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مصافحین** ۔ (آیت ۲۴، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ مال کے بدلے بضع تلاش کرو، اس لئے مہر بغیر ذکر کئے بھی نکاح ہو جائے گا۔

ترجمه : (۱۵۸۴) ایسے ہی اگر اس شرط پر نکاح کیا کہ عورت کے لئے مہر ہی نہیں ہوگا [تب بھی مہر لازم ہو جائے گا]

ترجمه : ۱ اس عقلی دلیل کی وجہ سے جو میں نے بیان کیا۔

تشریح : ایک شکل یہ ہے کہ نکاح کرتے وقت مہر کا کوئی تذکرہ ہی نہیں آیا، دوسری شکل یہ ہے کہ مہر کا ذکر کیا اور یہ کہا کہ عورت کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگا، تب بھی نکاح ہو جائے گا، اور مہر لازم ہوگا۔

وجه : (۱) **عن عبد الله فی رجل تزوج امرأۃ فمات عنها و لم یدخل بها و لم یفرض لها الصداق ؟فقال لها الصداق کاملا و علیها العدۃ و لها المیراث** ۔ اسی حدیث کے دوسرے ٹکڑے میں۔ **یا ابن مسعود !نحن نشهد ان رسول الله ﷺ قضاها فینا فی بروع بنت واشق** ۔ (ابوداود شریف، باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا حتی مات، ص ۳۰۵، نمبر ۲۱۱۴ رنمبر ۲۱۱۶) اس حدیث میں ہے کہ مہر کے ذکر کئے بھی نکاح ہو جائے گا۔ (۲) اور مہر اس آیت کی وجہ سے لازم ہوگا جو ابھی گزرا کہ مال کے بدلے تلاش کرو، اس لئے مہر کا انکار کیا تب بھی مہر لازم ہوگا۔ (۳) اس آیت میں بھی اس کا ثبوت ہے ۔ **و آتو النساء صدقتهن نحلة** (آیت ۴، سورۃ النساء ۴) کہ عورت کو اس کا مہر خوشی سے دو۔ (۴) اس حدیث میں بھی اس کی تاکید ہے۔ **عن سهل بن سعد أن النبی ﷺ قال لرجل : تزوج و لو بخاتم من حدید** ۔ (بخاری شریف، باب المهر بالعروض وخاتم من حدید، ص ۹۲۱، نمبر ۵۱۵۰) اس حدیث میں بھی مہر کا ثبوت ہے۔ اس لئے مہر کی نفی کی تب بھی نکاح ہو جائے گا اور مہر لازم ہوگا۔

ترجمه : ۲ اس بارے میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح : حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مہر کی نفی کر دی تو نکاح نہیں ہوگا۔

(۱۵۸۵) واقل المهر عشرة دراھم ﴾ ۱؎ وقال الشافعیؒ مایجوز ان یکون ثمناً فی البیع یجوز ان یکون مھراً لھا لانہ حقھا فیکون التقدیر الیھا

ترجمہ : (۱۵۸۵) اورکم سے کم مہر دس درہم ہے۔

تشریح : نکاح میں کم سے کم مہر دس درہم ہے۔اوراگراس سے کم مہر رکھا پھر بھی عورت کودس درہم ملیں گے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ مہر دس درہم سے کم نہ ہو،جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کیا ہے۔عن جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ ﷺ قال لا صداق دون عشرۃ دراھم (دار قطنی ، کتاب النکاح ، ج ثالث ،ص ۱۷۳ ،نمبر ۳۵۶۰ رسنن للبیہقی ، باب ما یجوز ان یکون مہراج سابع ،ص ۳۹۲ ،نمبر ۱۴۳۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مہر دس درہم سے کم نہ ہو(۲)اوپرآیت میں تھا کہ تبتغوا باموالکم جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی اہم مال ہو۔اوردس درہم سے کم اہم مال نہیں ہے۔اس لئے بضعہ کی قیمت اہم مال ہونا چاہئے اوروہ دس درہم ہے۔(۳)دوسری حدیث میں ہے۔عن عائشۃ قالت قال النبی ﷺ تقطع الید فی ربع دینار فصاعدا (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما وفی کم یقطع ص ۱۰۰۳ نمبر ۶۷۸۹)اس حدیث میں چوتھائی دینار کے بدلے چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔جس سے معلوم ہوا کہ ایک عضو کی کم سے کم قیمت چوتھائی دینار ہے۔اورمہر بھی ایک عضو کی قیمت ہے اس لئے وہ بھی چوتھائی دینار سے کم نہیں ہونا چاہئے۔(۴)اس آیت میں ہے کہ عورت کومعروف مہر دو، اورمعروف مہر دس درہم سے کیا کم ہوگا،آیت یہ ہے۔ فانکحوھن باذن اھلھن و اتوھن أجورھن بالمعروف (آیت ۲۵، سورۃ النساء۴)اس آیت میں ہے کہ معروف کے ساتھ مہر دو۔

ترجمہ : ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جو بیع میں ثمن بن سکتا ہو جائز ہے کہ وہ عورت کے لئے مہر ہو،اس لئے کہ یہ عورت کا حق ہے اس لئے متعین کرنا اسی کی طرف ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کی رائے ہے اگر میاں بیوی متفق ہو جائیں تو جتنی کم چیز بیع میں قیمت بن سکتی ہو وہ مہر بن سکتی ہے۔چاہے وہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔موسوعۃ میں عبارت یہ ہے. و دلت علیہ السنۃ و القیاس علی الاجماع فیہ فاقل ما یجوز فی المھر اقل ما یتمول الناس و ما لو استھلکہ رجل لرجل کانت لہ قیمۃ و ما یتبایعہ الناس بینھم . (موسوعۃ امام شافعیؒ ، باب کتاب الصداق ، ج عاشر ص ۱۹۷ ،نمبر ۱۶۰۳۰)اس عبارت میں ہے کہ بیع میں جو قیمت بن سکتی ہو وہ مہر بن سکتی ہے۔

وجہ: (۱)وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم ۔(آیت ۲۳۷ ،سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں کہ عورت کے کوئی چیز فرض کی ہو اوراس میں کوئی مقدار متعین نہیں کی ہے(۲)اس حدیث میں ہے عن جابر بن عبد اللہ ان النبی ﷺ قال من اعطی فی صداق امراۃ ملء کفیہ سویقا اوتمرا فقد استحل ۔(ابو داود شریف ، باب قلۃ المھر ،ص ۳۰۵ ،نمبر ۲۱۱۰)اس

۲؎ ولنا قوله عليه السلام ولامهر اقل من عشرة ۳؎ ولانه حق الشرع وجوباً اظهاراً لشرف المحل فيقدر بماله خطر وهو العشرة استدلالا بنصاب السرقة

حدیث میں ہے کہ ایک مٹھی ستو بھی دے دے تو مہر بن جائے گا۔(۳) اس حدیث میں ہے ۔سمعت سهل بن سعد الساعدی یقول انی لفی القوم عند رسول الله ﷺ اذ قامت امرأة ... قال ﷺ اذهب فاطلب ولو خاتما من حديد . (بخاری شریف، باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق ص ۷۷۴ نمبر ۵۱۴۹ مسلم شریف، باب الصداق وجواز کونہ تعلیم قرآن ص ۴۵۷ نمبر ۱۴۲۵/۳۴۸۷) اس حدیث میں لوہے کی انگوٹھی تلاش کرنے کے لئے کہا جو بہت کم قیمت ہوتی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ کم قیمت کی چیز بھی مہر بن سکتی ہے۔(۴) یہ حدیث بھی دلیل ہے۔سمعت عبد الله بن عامر بن ربيعة عن ابيه ان امرأة من بنی فزارة تزوجت على نعلين فقال رسول الله ارضيت من نفسک ومالک بنعلين قالت نعم قال فاجازه (ترمذی شریف، باب ماجاء فی مہور النساء ص ۲۱۱ نمبر ۱۱۱۳) اس حدیث میں دو جوتے مہر رکھا جس سے معلوم ہوا کہ کم سے کم مہر رکھ سکتا ہے۔

ترجمه : ۲؎ ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے، کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہے۔

تشريح : یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمه : ۳؎ اور اس لئے کہ مہر شریعت کا واجبی حق ہے محل کی شرافت کو ظاہر کرنے کے لئے اس لئے اتنا متعین کیا جائے جسکی کوئی اہمیت ہو اور وہ دس درہم ہے چوری کے نصاب پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشريح : یہ دوسری دلیل ہے، کہ شریعت نے مہر کو بضع کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے واجب کیا ہے اس لئے اتنا مہر متعین کیا جائے جسکی کوئی اہمیت ہو، اور ہم دیکھتے ہیں چوری میں ایک ہاتھ کاٹا جاتا ہے جسکا نصاب کم سے کم دس درہم ہے، یعنی دس درہم چوری کرے تو ہاتھ کاٹا جاتا ہے اس لئے بضع بھی ایک عضو ہے اس لئے اس کا مہر بھی دس درہم ہونا چاہئے، اس سے کم میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

وجه : (۱) اس حدیث میں ہے کہ دس درہم چورانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔عن ابن عباس قطع رسول ﷺ يد رجل فی مجن قيمته دينار او عشرة دراهم (ابوداؤد شریف، باب مایقطع فیہ السارق، ص ۶۱۷، نمبر ۴۳۸۷/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی کم یقطع السارق، ص ۳۵۱، نمبر ۱۴۴۶) (۲) اثر میں ہے۔عن ابن عباس لايقطع السارق فی دون ثمن المجن وثمن المجن عشرة دراهم (مصنف ابن ابی شیبة ۴۰ من قال لاتقطع فی اقل من عشرة دراھم ج خامس ص ۴۷۳ نمبر ۲۸۰۹۵/ سنن للبیہقی، ۴۸ باب اختلاف الناقلین فی ثمن المجن وما یصح منہ ومالا یصح، ج ثامن، ص ۴۴۸، نمبر ۱۷۱۷۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دس

(۱۵۸۶) ولو سمی اقل من عشرة فلها العشرة ﴾ ۱ عندنا ۲ وقال زفرؒ مهر المثل لان تسمية مالا یصلح مهراً کعدمها ۳ ولنا ان فساد هذه التسمية لحق الشرع وقد صار مقضیا بالعشرة

درہم کی چیز ہوتو ہاتھ کاٹا جائے گا اس لئے اتنا ہی مہر ہونا چاہئے۔

لغت: شرف المحل: محل کی شرافت، اس بضع کی شرافت مراد ہے۔ خطر: اہمیت۔

ترجمه: (۱۵۸۶) اور اگر دس درہم سے کم رکھا تو اس کے لئے دس درہم ہے۔

ترجمه: ۱ ہمارے نزدیک۔

تشریح: اگر دس درہم سے کم مہر متعین کیا تب بھی دس درہم ہی مہر لازم ہوگا۔ ۱ ہمارے نزدیک۔

وجه: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ جب شریعت نے کم سے کم دس درہم متعین کر دیا تو اس سے کم متعین کرنے میں اتنا ہی لازم ہوگا، اور جب عورت اس سے کم میں راضی ہوگئی تو اس سے زیادہ دس درہم میں بدرجہ اولی راضی ہوگی۔

ترجمه: ۲ امام زفرؒ نے فرمایا کہ مہر مثل ہوگا، اس لئے کہ جو تعین مہر کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو تو اس کے نہ ہونے کی طرح ہے۔

تشریح: امام زفرؒ کی رائے ہے کہ اگر دس درہم سے کم مہر رکھا تو اس صورت میں دس درہم مہر لازم نہیں ہوگا، بلکہ مہر مثل لازم ہوگا، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ ایسا مہر متعین کرنا جو مہر بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو گویا کہ مہر متعین ہی نہیں کیا، اور مہر متعین نہ کیا ہو تو اس وقت مہر مثل لازم ہوتا ہے، اسلئے یہاں مہر مثل لازم ہوگا۔

وجه: مہر متعین نہ کیا ہو تو مہر مثل لازم ہوگا، اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ **عن ابن مسعود انه سئل عن رجل تزوج امرأة ولم یفرض لها صداقا ولم یدخل بها حتی مات فقال ابن مسعود لها مثل صداق نسائها لا وکس ولا شطط وعلیها العدةولها المیراث فقام معقل ابن سنان الاشجعی فقال قضی رسول الله فی بروع بنت واشق امرأة منا مثل ما قضیت ففرح بها ابن مسعود** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت عنها قبل ان یفرض لها ص ۲۱۲ نمبر ۱۱۴۵ / ابوداؤد شریف، باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا حتی مات ص ۲۹۵ نمبر ۲۱۱۴) اس حدیث میں ہے کہ مہر متعین نہ کیا ہو تو مہر مثل ہوگا۔

ترجمه: ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس تعین کا فساد شریعت کے حق کی وجہ سے ہے اور اس میں دس کا فیصلہ ہو گیا

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر بالکل متعین ہی نہ کرتا تب تو مہر مثل لازم ہوتا اور یہاں تو متعین کیا ہے، اپنے طور سے دس درہم سے کم کیا تھا اور شریعت نے اس سے بڑھا کر دس کر دیا ہے بہر حال یہاں متعین ہے اس لئے مہر مثل لازم نہیں ہوگا۔

۴ فاما مايرجع الى حقها فقد رضيت بالعشرة لرضاها بمادونها ۵ ولا معتبر بعدم التسمية لانها قد ترضىٰ بالتمليک من غير عوض تكرما ولاترضى فيه بالعوض اليسير (۱۵۸۷) ولو طلقها قبل الدخول بها تجب خمسة ﴿ ا عند علمائنا الثلاثة ۲ وعنده تجب المتعة كما اذا لم يسم شيئا

ترجمہ : ۴ بہر حال جوعورت کے حق کی طرف لوٹتا ہے تو وہ دس درہم پر راضی ہو جائے گی اس سے کم پر راضی ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے اعتبار سے شریعت کی رعایت اس طرح ہے کہ اس کے مطابق دس درہم متعین کر دیا گیا اور عورت کی رعایت اس طرح ہے کہ اس کو کم ملا تھا تو اس سے زیادہ دلوا دیا گیا، اس لئے اس میں دونوں کی رعایت ہے۔

ترجمہ : ۵ بالکل متعین نہ کرنے کا اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ عزت کے لئے کبھی بغیر عوض کے بھی مالک بنانے پر راضی ہوتی ہے، لیکن اس میں کم عوض میں راضی نہیں ہوتی۔

تشریح : یہ امام زفرؒ کو جواب ہے کہ، انہوں نے مہر نہ متعین کرنے پر قیاس کیا تھا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مہر بالکل متعین نہ کرنے سے مہر مثل لازم ہوتا ہے اس پر قیاس نہ کیا جائے کیونکہ ایسا ہوتا ہے کہ بالکل مہر متعین نہ ہو تو عزت کے لئے سب چھوڑ دے، لیکن کم مہر پر راضی نہ ہو، اس لئے جب کم مہر پر راضی ہوئی تو اس صورت میں مہر مثل لازم نہ کیا جائے۔۔ تکرما: عزت کے لئے، یسیر: کم چیز۔

ترجمہ : (۱۵۸۷) اگر عورت کو دخول سے پہلے طلاق دی تو۔

ترجمہ : ا ہمارے تینوں علماء کے نزدیک پانچ درہم لازم ہونگے۔

تشریح : قاعدہ یہ ہے کہ اگر دخول سے پہلے طلاق دے دے اور مہر پہلے سے متعین ہو تو اس کا آدھا مہر لازم ہوتا ہے، اب چونکہ ہمارے علماء کے یہاں مہر دس درہم متعین ہے اور دخول سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہے اس لئے اس کا آدھا پانچ درہم لازم ہوگا۔

ترجمہ : ۲ اور امام زفرؒ کے نزدیک متعہ واجب ہوگا جیسا کہ اگر کچھ متعین نہ کیا ہو۔

تشریح : امام زفرؒ کے یہاں چونکہ مہر گویا کہ متعین نہیں ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ مہر متعین نہ ہو اور دخول سے پہلے طلاق واقع ہو جائے تو متعہ لازم ہوتا ہے، اس لئے انکے یہاں متعہ لازم ہوگا۔

(۱۵۸۸) ومن سمی مهرا عشرۃ فمازاد فعلیہ المسمی ان دخل بھا اومات عنھا ﴾

﴿مہر فاطمی کیا ہے اس کی تفصیل﴾

گنجائش ہوتو مہر فاطمی مستحب ہے۔ کیونکہ آپ کی ازواج مطہرات کا مہر بھی مہر فاطمی یعنی پانچ سو درہم تھا۔ حدیث میں ہے۔ سألت عائشۃ زوج النبی ﷺ کم کان صداق رسول اللہ ؟ قالت کان صداقہ لازواجہ ثنتی وشرۃ اوقیۃ و نشا،قالت اتدری ما النش؟ قال قلت لا،قالت نصف اوقیۃ فتلک خمس مائۃ درھم،فھذا صداق رسول اللہ لازواجہ (مسلم شریف، باب الصداق وجواز کونہ تعلیم قرآن الخ،ص ۴۵۷،نمبر ۳۴۸۹/۱۴۲۶ /ابوداود شریف، باب الصداق،ص ۳۰۴،نمبر ۲۱۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ ایک درہم 0.262 تولہ کا ہوتا ہے اس لئے اگر اس کو 500 درہم سے ضرب دیا جائے تو مہر فاطمی 131.25 تولہ چاندی ہوگا۔ اور ایک درہم چاندی 3.061 گرام کا ہوتا ہے اس لئے 500 درہم چاندی کو اس سے ضرب دیں تو مہر فاطمی 1530.50 گرام چاندی ہوگی۔

0.262x500 برابر 131.25 تولہ چاندی مہر فاطمی ہوگا۔

500 x 3.061 برابر 1530.50 گرام چاندی مہر فاطمی ہوگا۔

حساب اس طرح ہے۔

درہم	برابر	تولہ	برابر	کتنا تولہ یا گرام چاندی
ایک درہم	برابر	0.262 تولہ		
500 درہم	×	0.262 تولہ	برابر	131.25 تولہ چاندی
ایک درہم	برابر	3.061 گرام چاندی		
500 درہم	×	3.061 گرام چاندی	برابر	1530.50 گرام چاندی

نوٹ: روپے یا پاؤنڈ کا حساب خود لگالیں، یعنی ایک تولہ کا کتنا روپیہ، یا کتنا پونڈ ہے اس کو 131.25 ضرب دے دیں تو روپیہ اور پونڈ میں مہر فاطمی نکل جائے گا۔

ترجمہ : (۱۵۸۸) کسی نے متعین کیا مہر دس درہم یا اس سے زیادہ تو اس پر متعین کردہ مہر ہے اگر اس سے صحبت کی یا شوہر مر گیا۔

تشریح: دس درہم یا اس سے زیادہ مہر متعین ہے تو اب مہر متعین ہی دینا ہوگا۔ مہر مثل لازم نہیں ہوگا۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ صحبت کی ہو یا پھر صحبت سے پہلے دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا ہو۔

۱ لانہ بـالـدخول يتحقق تسليم المبدل وبه يتاكد البدل ۲ وبـالـمـوت ينتهى النكاح نهايته والشئ بـانتهـائه يتقرر ويتاكد فيتقرر بجميع مواجبه (۱۵۸۹) وان طـلـقها قبل الدخول والخلوة فلها نصف

وجــــه : (۱) صحبت کی تو گویا کہ اپنا مال وصول کیا اس لئے اس کی قیمت یعنی مہر دینا ہوگا۔ اسی طرح صحبت سے پہلے انتقال ہو گیا تو ایک معاملہ طے ہو گیا اب وطی سے پہلے طلاق دینے کا امکان نہیں رہا اس لئے اب پورا مہر ادا کرنا ہوگا آدھا مہر نہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عـن عـبـد الـلـه ابـن مسـعـود فی رجل تزوج امرأة فمات عنها ولم يدخل بها ولم يفرض لها الـصـداق؟ فقال لها الصداق كاملا وعليها العدة ولها الميراث قال معقل بن سنان سمعت رسول الله قضى بـه فـى بروع بنت واشق ۔ (ابوداؤد شریف، باب فیمن تزوج ولم یسم لھا صداقا حتی مات ص ۲۹۵ نمبر ۲۱۱۴ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأۃ فیموت عنھا قبل ان یفرض لھا ص ۲۱۷، نمبر ۱۱۴۵ / سنن للبیہقی، باب احد الزوجین یموت ولم یفرض لھا صداقا ولم یدخل بھا ج سابع، ص ۳۹۹، نمبر ۱۴۴۱۱) اس حدیث میں صحبت سے پہلے انتقال ہوا تو پورا مہر دلوایا۔ اس لئے صحبت سے پہلے انتقال ہو جائے تو پورا مہر دلوایا جائے گا۔

ترجمه : ۱ اس لئے کہ دخول کرنے سے بدل سپرد کرنا متحقق ہو گیا اور اس سے بدل مؤکد ہو گیا۔

تشریح : جب شوہر نے وطی کر لیا تو اپنا سامان وصول کر لیا اس لئے اب اس کو اس کی قیمت لازم ہوگی اور پہلے سے مہر متعین ہے اس لئے وہ پورا مہر دینا ہوگا۔

تـرجـمه : ۲ اور موت سے نکاح آخیر تک پہونچ گیا اور چیز آخیر تک پہونچنے سے پکی ہو جاتی ہے اس لئے تمام موجب کے ساتھ ثابت ہوگا۔

تشــــریـح : وبالموت ینتہی النکاح نہایتہٗ: یہ ایک محاورہ ہے، ابھی تک دخول نہیں کیا ہے اس لئے موت سے پہلے اس بات کا خطرہ تھا کہ دخول سے پہلے طلاق دے دے جسکی وجہ سے آدھا مہر لازم ہو جائے، لیکن جب موت ہوگئی تو اب دخول سے پہلے طلاق دینے کا امکان نہیں رہا اب نکاح کا معاملہ پکا ہو گیا، اور جب نکاح پکا ہو گیا تو پورا مہر ہی لازم ہوگا، کیونکہ نکاح پکا ہو تو اس کا موجب ہے کہ پورا مہر لازم ہو اس لئے پورا مہر لازم ہوگا۔

وجه : (۱) اس اثر میں ہے. سمعت ابن عباس سئل عن المرأة يموت عنها زوجها و قد فرض لها صداقا قال : لهـا الـصداق و الميراث و الله اعلم ۔ (سنن بیہقی، باب احد الزوجین یموت وقد فرض لھا صداقا ج، ص ۴۰۳، نمبر ۱۴۴۲۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ موت کی وجہ سے پورا مہر ملے گا۔

تـرجـمه : (۱۵۸۹) اور اگر بیوی کی صحبت سے پہلے یا خلوت سے پہلے طلاق دی تو اس کے لئے متعین کردہ مہر سے آدھا ہوگا۔

المسمی ﴾ ۱؎ لقوله تعالی وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن الآیة ۲؎ والاقیسة متعارضة ففیه تفویت الزوج الملک علی نفسه باختیاره وفیه عود المعقود علیه الیها سالما فکان المرجع فیه النص وشرط ان یکون قبل الخلوة لانها کالدخول عندنا علی ما نبینه ان شاء الله قال (۱۵۹۰) وان تزوجها ولم یسم لها مهرا اوتزوجها علی ان لامهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها ﴾

ترجمه : ۱؎ اللہ تعالی کا قول وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن (آیت ۲۳۷، سورۃ البقرۃ ۲) کی وجہ سے۔

تشریح: نکاح کیا لیکن ابھی اس کے ساتھ صحبت نہیں کی یا خلوت نہیں کی۔ کیونکہ خلوت بھی ہمارے یہاں صحبت کے درجے میں ہے۔ اور طلاق دے دی تو عورت کے لئے آدھا مہر ہوگا۔

وجه: (۱) شادی ہو چکی ہے اور اس کو طلاق دے کر متوحش کیا اس لئے عورت کو کچھ نہ کچھ ملنا چاہئے۔ لیکن عورت کا مال سالم واپس گیا ہے اس لئے پورا مہر نہیں ملے گا بلکہ آدھا مہر ملے گا (۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فریضة فنصف ما فرضتم الا ان یعفون او یعفو الذی بیده عقدة النکاح (آیت ۲۳۷، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ صحبت سے پہلے طلاق دے تو عورت کو آدھا مہر ملے گا۔

ترجمه : ۲؎ قیاس متعارض ہے اس لئے اس میں شوہر نے اپنی ملکیت کو اپنے اختیار سے فوت کیا ہے، اور اس میں معقود علیہ عورت کی طرف سالم واپس آ گیا، اس لئے اس میں نص کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

تشریح : یہاں دو طرح کے قیاس ہیں [۱] ایک دیکھا جائے تو شوہر نے اپنے اختیار سے دخول سے پہلے عورت کو طلاق دیا ہے اور اپنی ملکیت کو فوت کیا ہے تو اس میں عورت کا کیا قصور! اس لئے اس کو پورا مہر ملنا چاہئے۔ [۲] اور دوسرا قیاس یہ ہے کہ عورت کو اس کا بضع صحیح سالم مل گیا شوہر نے تو اس کو استعمال ہی نہیں کیا اس لئے شوہر پر کچھ بھی لازم نہیں ہونا چاہئے، اس لئے دونوں قیاس متعارض ہونے کی وجہ سے ہم آیت کی طرف جائیں گے اور آیت میں ہے کہ آدھا مہر لازم ہوگا اس لئے آدھا مہر لازم کیا جائے گا۔

ترجمه : ۳؎ اور شرط یہ ہے کہ خلوت سے پہلے طلاق دی ہو، کیونکہ ہمارے نزدیک خلوت صحیحہ دخول کی طرح ہے۔ اس کو اپنی جگہ پر ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ایسی خلوت جو وطی سے مانع نہ ہو وہ مہر کے بارے میں دخول کی طرح ہے اس لئے اگر خلوت صحیحہ ہو گئی تو گویا کہ دخول ہو گیا اور اس سے پورا مہر لازم ہوگا۔

ترجمه : (۱۵۹۰) اور اگر شادی کی اور عورت کے لئے مہر متعین نہیں کیا، یا شادی کی اس شرط پر کہ عورت کے لئے مہر نہیں ہوگا تو اس کے لئے مہر مثل ہے اگر اس سے صحبت کی یا انتقال کر گیا۔

۱ وقال الشافعیؒ لایجب شئ فی الموت واکثرھم علی انہ یجب فی الدخول لہ ان المھر خالص حقھا فتتمکن من نفیہ ابتداءً کما تتمکن من اسقاطہ انتھاءً ۲ ولنا ان المھر وجوبا حق الشرع علی مامر وانما یصیر حقا لھا فی حالۃ البقاء فتملک الابراء دون النفی

تشریح: عورت سے شادی کی اور شادی کے وقت مہر متعین نہیں کیا، یا یوں کہا کہ تمہارے لئے مہر نہیں ہے تو ان دونوں صورتوں میں اگر صحبت کی تب بھی مہر مثل ملے گا یا مرد کا انتقال ہو جائے تب بھی عورت کو مہر مثل ملے گا۔

وجہ: (۱) اگر مہر متعین نہ کیا ہو اور صحبت کرے تو مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ عن ابن مسعود انہ سئل عن رجل تزوج امرأۃ ولم یفرض لھا صداقا ولم یدخل بھا حتی مات فقال ابن مسعود لھا مثل صداق نسائھا لا وکس ولا شطط وعلیھا العدۃ ولھا المیراث فقام معقل ابن سنان الاشجعی فقال قضی رسول اللہ فی بروع بنت واشق امرأۃ منا مثل ما قضیت ففرح بھا ابن مسعود (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأۃ فیموت عنھا قبل ان یفرض لھا ص۲۱۲ نمبر ۱۱۴۵ / ابوداؤد شریف، باب فیمن تزوج ولم یسم لھا صداقا حتی مات ص ۲۹۵ نمبر ۲۱۱۴) اس حدیث میں ہے کہ مہر متعین نہ کیا ہو اور شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔

ترجمہ: ۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ موت میں کچھ لازم نہیں ہے، اور اکثر شوافع اس بات پر ہیں کہ دخول میں مہر واجب ہے، انکی دلیل یہ ہے کہ مہر عورت کا خالص حق ہے اس لئے وہ شروع میں بھی نفی کرنے کی قدرت رکھتی ہے جیسے کہ آخری میں ساقط کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ کوئی مہر متعین نہ کیا ہو اور شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا، اور دخول کیا ہو پھر انتقال ہوا ہو تو اکثر شوافع کی رائے ہے کہ مہر لازم ہوگا۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن علی قال فی المتوفی عنھا ولم یفرض لھا صداقا لھا المیراث ولا صداق لھا (سنن للبیہقی، باب من قال لاصداق لھا ج سابع، ص۴۰۳، نمبر ۱۴۴۲۲) اس اثر میں ہے کہ ایسی عورت کو مہر نہیں ملے گا۔ (۲) دلیل عقلی یہ ہے کہ مہر عورت کا ذاتی حق ہے جس طرح مہر متعین ہونے کے بعد عورت اس کو ساقط کر سکتی ہے اسی طرح پہلے سے مہر کی نفی بھی کر سکتی ہے اس لئے پہلے سے مہر متعین نہیں کیا اور دخول سے پہلے انتقال ہو گیا تو اس کو مہر نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر شریعت کے حق کی وجہ سے واجب ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا، اور عورت کا حق بقاء کی حالت میں ہوتا ہے اس لئے بعد میں بری کرنے کا مالک ہوگی نفی کا مالک نہیں ہوگی۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل تو پہلے شریعت کا حق ہے کہ دخول ہوا ہو اور شوہر نے بضع لیا ہو تو

(۱۵۹۱) ولو طلقها قبل الدخول بها فلها المتعة ﴾ ل لقوله تعالى ومتعوهن على الموسع قدره الأية
۲ ثم هذه المتعة واجبة رجوعاً الى الامر ۳ وفيه خلاف مالكؒ

اس کا بدلہ مہر ضرور لازم ہوگا، یا مرنے کی وجہ سے نکاح پکا ہو گیا ہو تب بھی مہر لازم ہوگا، کیونکہ یہ شریعت کا حق ہے، اور عورت کا حق اس کے بعد آتا ہے اس وقت مہر متعین ہونے کے بعد اس کو نہ لینا چاہے اور شوہر کو بری کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔

لغت: ابراء: لازم ہونے کے بعد بری کرنا۔ نفی: شروع ہی سے مہر کو انکار کرنے کو نفی کہتے ہیں۔ تتمکن: قدرت رکھتی ہے۔

ترجمہ: (۱۵۹۱) اور اگر اس کو طلاق دی اس سے صحبت سے پہلے، یا خلوت سے پہلے تو اس کے لئے متعہ ہوگا۔

ترجمہ: ل ومتعوهن على الموسع قدره (آیت ۲۳۶، سورۃ البقرۃ ۲) کی وجہ سے۔

تشریح: اگر عورت کے لئے مہر متعین نہ کیا ہو اور اس کو صحبت یا خلوت سے پہلے طلاق دے دی ہو تو ایسی عورت کو متعہ ملے گا۔

وجہ: (۱) آیت میں ہے کہ ایسی عورت کو متعہ دیا جائے گا۔ لا جناح عليكم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن او تفرضوا لهن فريضة ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا على المحسنين (آیت ۲۳۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت کی تفسیر عبداللہ بن عباس سے یوں ہے۔ عن ابن عباس فى هذه الآية قال هو الرجل يتزوج المرأة ولم يسم لها صداقا ثم طلقها من قبل ان ينكحها فامر الله تعالى ان يمتعها على قدر يسره وعسره فان كان موسرا متعها بخادم او نحو ذلك وان كان معسرا فبثلاثة اثواب او نحو ذلك. (سنن للبیہقی، باب التفویض، کتاب الصداق، ج سابع، ص ۳۹۸، نمبر ۱۴۴۰۵) اس سے معلوم ہوا کہ جس عورت کے لئے مہر متعین نہ ہو اور صحبت سے پہلے طلاق ہو جائے اس کو متعہ دینا واجب ہے۔ اور اس اثر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متعہ تین کپڑے ہیں۔

ترجمہ: ۲ پھر یہ متعہ واجب ہے رجوع کرتے ہوئے امر کی طرف۔

تشریح: ایسی عورت کو متعہ دینا واجب ہے۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت میں ,ومتعوهن، امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ,حقا على المحسنين، فرمایا کہ احسان کرنے والوں پر حق ہے، یعنی واجب ہے اس لئے یہ متعہ واجب ہے، (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسی عورت کو مہر بھی کچھ نہیں ملے گا اور شوہر ہاتھ سے چلا گیا اس لئے کم سے کم متعہ ہی دے دیں۔

ترجمہ: ۳ اس بارے میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح: امام مالکؒ کی رائی ہے کہ متعہ دینا مستحب ہے۔

وجہ: (۱) انکی دلیل یہ ہے کہ آیت میں حقا على المحسنين، ہے اور محسن اس کو کہتے ہیں جو نفل کام کرے اور وہ کام اس پر واجب نہ ہو

(۱۵۹۲) والمتعة ثلثة اثواب من كسوة مثلها وهى درع وخمار وملحفة ﴾ ۱؎ وهذا التقدير مروى عن عائشة وابن عباسؓ ۲؎ وقوله من كسوة مثلها اشارة الى انه يعتبر حالها وهو قول الكرخیؒ فى المتعة الواجبة لقيامها مقام مهر المثل ۳؎ والصحيح انه يعتبر حاله عملاً بالنص وهو قوله تعالیٰ على

اس لئے متعہ دینا واجب نہیں ہوگا۔

ترجمه : (۱۵۹۲) متعہ تین کپڑے ہیں ان کپڑوں میں سے جو وہ پہنتی ہیں، اور وہ کرتا، اوڑھنی، اور چادر ہیں۔

ترجمه : ۱؎ یہ اندازہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

تشریح : متعہ تین کپڑے ہیں [۱] کرتا [۲] اوڑھنی [۳] اور چادر۔ اور یہ اس درجے کا کپڑا ہو جس درجے کا کپڑا وہ پہنتی ہے، مثلا مالدار گھرانے کی ہو تو اعلی درجے کا کپڑا ہو، اور غریب گھرانے کی ہو تو ادنی درجے کا کپڑا ہو اور درمیانہ گھرانے کی ہو تو اوسط درجے کا کپڑا دیا جائے۔

وجه : (۱) اس کپڑے کے بارے حضرت عائشہؓ کی حدیث یہ ہے، جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کی ہے۔ حضورؐ نے صحبت سے پہلے عمرہ بنت جون کو طلاق دی تو تین کپڑے متعہ دیا۔ عن عائشة ان عمرة بنت الجون تعوذت من رسول الله ﷺ حين ادخلت عليه فقال لقد عذت بمعاذ فطلقها وامر اسامة او انسا فمتعها بثلاثة اثواب رازقية ۔ (ابن ماجہ شریف، باب متعۃ الطلاق ص ۲۹۲ نمبر ۲۰۳۷) (۲) اور ابن عباسؓ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس فى هذه الآية قال هو الرجل يتزوج المرأة ولم يسم لها صداقا ثم طلقها من قبل ان ينكحها فامر الله تعالى ان يمتعها على قدر يسره وعسره فان كان موسرا متعها بخادم او نحو ذلك وان كان معسرا فبثلاثة اثواب او نحو ذلك . (سنن للبیہقی، باب التفویض، کتاب الصداق، ج سابع، ص ۳۹۸، نمبر ۱۴۴۰۵)

ترجمه : ۲؎ ماتن کا قول، من كسوة مثلها ، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کے حال کا اعتبار کیا جائے گا، اور امام کرخیؒ کا قول متعہ واجبہ میں یہی ہے اس لئے کہ وہ مہر مثل کے قائم مقام ہے۔

تشریح : متن میں مثلھا کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ عورت کی حالت کے مطابق کپڑا دیا جائے گا ، چنانچہ امام کرخیؒ کی رائے یہی ہے کہ متعہ واجبہ میں عورت کی حالت کے مطابق کپڑا دیا جائے، کیونکہ دخول نہ ہونے کی وجہ سے اس کو مہر مثل نہیں ملا تو یہ کپڑا مہر مثل کے قائم مقام ہے، اور مہر مثل میں عورت کے خاندان کے مہر کا اعتبار کیا جاتا ہے اس لئے اس کپڑے میں بھی عورت کے خاندان کا اعتبار کیا جائے گا۔

ترجمه : ۳؎ صحیح بات یہ ہے کہ اعتبار کیا جائے گا مرد کی حالت کا آیت پر عمل کرتے ہوئے اور وہ اللہ تعالی کا قول ۔ على

الـمـوسـع قدره وعلى المقتر قدره ﴿ ثـم هـي لاتـزاد عـلـى نصف مهر مثلها ولا تنقص عن خمسة دراهم ويعرف ذلک في الاصل (۱۵۹۳) وان تـزوجهـا ولـم يسم لها مهراً ثم تراضيا على تسميته فهي لها ان دخل بها او مات عنها وان طلقها قبل الدخول بها فلها المتعة ﴾

الموسع قدره وعلى المقتر قدره (آیت ۲۳۶ سورۃ البقرۃ ۲) ہے۔

تشــریح : آیت میں ,قـدره، مذکر کا صیغہ استعمال کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مرد کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔صحیح بات یہی ہے۔

ترجمه : ﴿ پھر وہ مہر مثل کے آدھے سے زیادہ نہ ہو، اور پانچ درہم سے کم نہ ہو۔ کتاب الاصل میں یہ پہچانا جائے گا۔

تشــریح : مبسوط کتاب الاصل میں اس بات کا ذکر ہے کہ عورت کا جو مہر مثل ہے، متعہ کی قیمت مہر مثل کے آدھے سے زیادہ نہ ہو، کیونکہ دخول سے پہلے طلاق ہوئی ہے اس لئے مہر مثل کا آدھا ہونا چاہئے ، لیکن مہر مثل کا آدھا کے بجائے متعہ واجب ہوا تو اس کی قیمت بھی مہر مثل کے آدھے سے زیادہ نہ ہو، اور شریعت میں کم سے کم مہر دس درہم ہے اس لئے اس کا آدھا پانچ درہم ہے اس لئے متعہ کی قیمت پانچ درہم سے کم نہو۔نوٹ امام محمدؒ کی کتاب الاصل [مبسوط] میں کتاب النکاح، کتاب الطلاق کا باب ہی نہیں ہے۔

تـرجـمـه : (۱۵۹۳) اگر عورت سے شادی کی اور اس کے لئے مہر متعین نہیں کیا پھر دونوں راضی ہو گئے مہر کی مقدار پر تو وہ اس کے لئے ہوگا اگر اس سے صحبت کی یا انتقال کر گیا۔اور اگر اس کو دخول سے پہلے طلاق دی تو اس کے لئے متعہ ہے۔

تشریح: عورت سے شادی کی اور اس کے لئے مہر متعین نہیں کیا بعد میں دونوں کسی مقدار پر راضی ہو گئے تو صحبت کرنے کے بعد یا شوہر کے انتقال کے بعد وہی مہر لازم ہوگا جس پر دونوں راضی ہو گئے ہیں۔

وجـه : (۱) مہر مثل اس وقت واجب ہوتا ہے جب کچھ بھی طے نہ ہو اور یہاں بعد میں ایک مقدار طے کر لی اور عورت اس پر راضی ہو گئی اس لئے مہر مثل لازم نہیں ہوگا بلکہ جو طے ہوا ہے وہی لازم ہوگا۔

اور اگر اس کو طلاق دی صحبت سے پہلے اور خلوت سے پہلے تو اس کے لئے متعہ ہے۔

اور اگر صحبت سے پہلے یا خلوت سے پہلے طلاق دے دی تو اس مقدار کا آدھا نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے متعہ ہوگا۔

وجه: (۱) چونکہ نکاح کے وقت مہر متعین نہیں کیا بعد میں مقدار متعین کی ہے اس لئے اس متعینہ مقدار کا آدھا نہیں ہوگا۔اور یوں سمجھا جائے گا کہ مہر متعین نہیں ہے اس لئے بغیر خلوت کے طلاق دی ہے تو اس کے لئے صرف متعہ ہوگا (۲) آیت گزر چکی ہے۔لا جناح عـلـيـكـم ان طـلـقـتم النساء مالم تمسوهن او تفرضوا لهن فريضة ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قـدره. (آیت ۲۳۶، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ نکاح کے وقت کچھ متعین نہ کیا ہو اور چھونے سے پہلے طلاق دی ہو تو اس

۱؎ وعلى قول ابى يوسفؒ الاول نصف هذا المفروض وهو قول الشافعیؒ لانه مفروض فيتنصف بالنص ۲؎ ولنا ان هذا الفرض تعيين للواجب بالعقد وهو مهر المثل وذلک لايتنصف فكذا ما نزل منزلته ۳؎والمراد بما تلا الفرض فی العقد اذ هوالفرض المتعارف قال

کے لئے متعہ ہے۔

ترجمہ : ۱؎ حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول اول پر یہ ہے کہ بعد میں متعین کئے ہوئے کا آدھا مہر لازم ہوگا، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے، اس لئے کہ یہ متعین کیا ہوا ہے، اس لئے آیت کی وجہ سے آدھا ہوگا۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول یہ ہے کہ اس عورت کو بعد میں جو مہر متعین کیا ہے اس کا آدھا ملے گا، اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ چاہے بعد میں مہر متعین کیا ہو لیکن کیا تو ہے، اور آیت میں ہے کہ مہر متعین ہوا اور دخول سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہو تو اس کا آدھا دیا جائے گا اس لئے اس عورت کو آدھا مہر ملے گا۔ (۲) اس آیت میں ہے۔ **وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم الا ان يعفون او يعفو الذی بيده عقدة النكاح** (آیت ۲۳۷، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ صحبت سے پہلے طلاق دے تو عورت کو آدھا مہر ملے گا۔

ترجمہ : ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ بعد میں متعین کرنا عقد کی وجہ سے جو واجب ہوا ہے اس کو متعین کرنا ہے اور وہ مہر مثل ہے، اور مہر مثل کا آدھا نہیں ہوتا تو ایسے ہی جو اس کی جگہ میں ہے وہ بھی آدھا نہیں ہوگا

تشریح : ہم یہ کہتے ہیں کہ نکاح کے عقد کے وقت جو متعین ہوا ہے اصل مہر وہی ہے، اور عقد کے وقت کچھ متعین نہیں ہوا ہے اس لئے مہر مثل لازم ہوا، اور مہر مثل اصل ہو گیا، اور نکاح کے بعد جو متعین کیا ہے وہ مہر مثل ہی کا تعین ہے یا اسکی ہی وضاحت ہے، اور دخول سے پہلے طلاق واقع ہونے سے مہر مثل کا آدھا نہیں ہوتا اس لئے جو مہر بعد میں متعین کیا اس کا بھی آدھا نہیں ہوگا، اس لئے متعہ لازم ہوگا۔۔ فرض: یہاں فرض کا معنی ہے متعین کرنا۔

ترجمہ : ۳؎ اور جو آیت تلاوت کی گئی اس سے مراد وہ تعین ہے جو عقد کے وقت ہو اس لئے کہ وہی متعین متعارف ہے۔

تشریح : یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، کہ آپ نے جو۔ **وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم** (آیت ۲۳۷، سورۃ البقرۃ ۲) تلاوت کی اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے عقد کے وقت جو متعین کیا ہو اس کا آدھا ہوتا ہے، اور یہاں نکاح کے عقد کے وقت کچھ متعین نہیں کیا ہے بلکہ بعد میں متعین کیا ہے اس لئے اس کا آدھا نہیں ہوگا، کیونکہ اس سے مہر مثل لازم ہوا اور مہر مثل کا آدھا نہیں ہوتا ہے اس لئے بعد والے کا بھی آدھا نہیں ہوگا، اور متعہ لازم ہو جائے گا۔

(۱۵۹۴) فان زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزیادة ﴾ ۱؎ خلافاً لزفرؒ وسنذکره فی زیادة الثمن والمثمن انشاء الله ۲؎ واذا صحت الزیادة تسقط بالطلاق قبل الدخول

ترجمه : (۱۵۹۴) اور اگر زیادہ کیا مہر میں عقد کے بعد تو اس کو زیادتی لازم ہوگی [اگر اس سے صحبت کی یا مر گیا۔]

تشریح : عقد کے وقت مثلا پانچ سو درہم مہر متعین کیا۔ بعد میں ایک سو اور زیادہ کر دیا۔ پس اگر صحبت کی یا صحبت سے پہلے شوہر یا بیوی کا انتقال ہو گیا تو یہ ایک سو مہر بھی لازم ہوگا۔

وجه : (۱) قاعدہ یہ ہے کہ بعد میں جو کچھ زیادتی کرے وہ اصل مہر کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ اس لئے صحبت کی ہو یا انتقال کیا ہو تو زیادتی بھی لازم ہوگی (۲) اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ و لا جناح علیکم فیما تراضیتم به من بعد الفریضة ان الله کا ن علیما حکیما . (آیت ۲۴، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ مہر مقرر ہونے کے بعد کچھ زیادہ دو تو دے سکتے ہو۔ (۳) مہر بیع کی طرح ہے۔ اور بیع میں مشتری ثمن میں زیادتی کر سکتا ہے۔ اس لئے مہر میں بھی زیادتی کر سکتا ہے۔ ثمن میں زیادتی کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی رافع قال استسلف رسول الله ﷺ بکرا فجائته ابل من الصدقة فامرنی ان اقضی الرجل بکره فقلت لم اجد فی الابل الا جملا خیارا رباعیا فقال النبی ﷺ اعطه ایاه فان خیار الناس احسنهم قضاء (ابو داؤد شریف، باب فی حسن القضاء، ص ۱۱۹، نمبر ۳۳۴۶) اس حدیث میں حضورؐ نے زیادہ دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہر بھی زیادہ دے سکتا ہے۔

اصول : عقد کے بعد جو مہر کم یا زیادہ کیا ہو تو وہ اصل عقد کے ساتھ مل جائے گا، لیکن جہاں اس کا آدھا کرنے کی ضرورت ہو وہاں عقد کے وقت کے مہر کا آدھا کیا جائے اور باقی ساقط ہو جائے گا۔

ترجمه : ۱؎ خلاف امام زفرؒ کے۔ اور اس بحث کو ثمن اور مبیع کے زیادہ کرنے کے بحث میں ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

تشریح : امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر بعد میں مہر زیادہ کیا تو یہ مستقل ہبہ ہے اس لئے یہ اصل مہر کے ساتھ متصل نہیں ہوگا۔ اس کی اصل بحث کتاب البیوع میں آئے گی۔

ترجمه : ۲؎ اور جب زیادہ کرنا صحیح ہے تو دخول سے پہلے طلاق دینے سے زیادتی ساقط ہو جائے گی۔

تشریح : نکاح کے عقد کے بعد جو ایک سو زیادہ کیا تھا اگر وطی سے پہلے طلاق دے دی تو وہ ایک سو ساقط ہو جائے گا اس کا آدھا نہیں کیا جائے گا، صرف جو نکاح کے وقت پانچ سو مہر باندھا تھا اس کا آدھا ہوگا اور ڈھائی سو لازم ہوگا۔ اس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے کہ نکاح کے وقت جو مہر متعین ہوا ہے صرف اس کا آدھا ہوتا ہے، بعد میں جو زیادتی کی اس کا آدھا نہیں ہوتا۔

۳؎ وعلى قول ابی یوسفؒ اولا تتنصف مع الاصل لان النصف عندهما یختص بالمفروض فی العقد وعنده المفروض بعده کالمفروض فیه علی مامر (۱۵۹۵) وان حطت عنه من مهرها صح الحط ۱؎ لان المهر حقها والحط یلاقیه حالة البقاء

ترجمه : ۳؎ اورامام ابو یوسفؒ کے پہلے قول پر اصل کے ساتھ آدھا ہوگا۔اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کے نزدیک عقد میں جو متعین ہوا اس کے ساتھ آدھا خاص ہے۔اورامام ابو یوسفؒ کے نزدیک جو بعد میں متعین ہوا وہ ایسا ہی ہے جو عقد میں متعین ہوا ،جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

تشریح : جو مہر بعد میں متعین کیا مثلا پانچ سو نکاح کے وقت متعین کیا تھا اور بعد میں شوہر نے ایک سو درہم اور زیادہ کیا تو امام ابو یوسفؒ کے پہلے قول کے مطابق اس ایک سو کا بھی آدھا ہوگا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد میں متعین کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ نکاح کے وقت متعین کرنا،پس نکاح کے وقت متعین کئے ہوئے کا آدھا ہوتا ہے تو اس ایک سو کا بھی آدھا ہوگا۔

وجه : (۱)ان کا استدلال اس آیت کے اشارے سے ہے۔ و لا جناح علیکم فیما تراضیتم به من بعد الفریضة ان الله کا ن علیما حکیما . (آیت ۲۴،سورة النساء۴)اس آیت میں ہے کہ مہر مقرر ہونے کے بعد کچھ زیادہ دو تو دے سکتے ہو، اس آیت کے اشارے میں یہ بھی ہے کہ اس کا بھی آدھا ہو سکتا ہے۔

اصول : امام ابو یوسفؒ کے یہاں بعد میں زیادہ کیا ہوا مہر عقد کے وقت کی طرح ہے۔

اورامام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کے یہاں جو مہر نکاح کے وقت متعین ہوا ہو اس کا ہی آدھا ہوگا اور جو بعد میں زیادہ کیا ہو اس کا آدھا نہیں ہوگا،اس لئے کہ وہ اصل کے ساتھ پورے طور پر ملحق نہیں ہوتا ہے۔

وجه : (۱) آیت میں اشارہ ہے کہ جو نکاح کے وقت متعین کیا ہے اسی کا آدھا ہوگا،بعد کی زیادتی کا آدھا نہیں ہوگا۔وان طلقتموهن من قبل ان تمسو هن وقد فرضتم لهن فریضة فنصف ما فرضتم. (آیت ۲۳۷ سورة البقرة ۲)اس آیت میں ہے کہ جو تم نے نکاح کے وقت متعین کیا ہے صحبت سے پہلے طلاق دی ہو تو اس کا آدھا ہوگا۔جس کا مطلب یہ ہوگا کہ بعد میں جو زیادہ دیا ہے اس کا آدھا نہیں ہوگا۔

ترجمه :(۱۵۹۵) پس اگر عورت کم کر دے اس کے مہر سے تو کم کرنا صحیح ہے۔

ترجمه : ۱؎ اس لئے کہ مہر عورت کا حق ہے اور کم کرنا بقاء کی حالت میں ہے [اس لئے اس کا کم کرنا صحیح ہے]

تشریح : عورت بعد میں مہر کم کرنا چاہے تو کر سکتی ہے،اس لئے کہ نکاح منعقد ہوتے وقت تو شریعت کا بھی حق ہوتا ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہ رکھے،لیکن بعد میں بقا کی حالت میں عورت کا حق ہوتا ہے اس لئے وہ اس وقت کم کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔

(۱۵۹۲) واذا خلا الرجل بامرأته وليس هناك مانع من الوطی ثم طلقها فلها كمال المهر ﴾ ۱ وقال الشافعیؒ لها نصف المهر لان المعقود عليه انما يصير مستوفىً بالوطی فلايتأكد المهر دونه

وجه : مہر کم کرنا عورت کا حق ہے اس لئے اگر وہ متعین مہر میں سے کچھ کم کرنا چاہے تو کم کر سکتی ہے (۲) آیت میں کم کرنے کا ثبوت ہے بلکہ ترغیب دی گئی ہے۔ وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم الا ان يعفون او يعفو الذى بيده عقدة النكاح وان تعفوا اقرب للتقوى (آیت ۲۳۷، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں فرمایا الا يعفون جس سے عورت کو ترغیب ہے کہ وہ مہر میں سے کم کر دے۔ حط: کم کرنا۔

ترجمہ : (۱۵۹۲) اگر خلوت کرے شوہر اپنی بیوی کے ساتھ اور وہاں وطی سے کوئی مانع نہ ہو پھر اس کو طلاق دے تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا۔

تشریح: شوہر اپنی بیوی سے خلوت کرے اور وہاں وطی کرنے سے کوئی مانع نہ ہو مثلا مرد یا عورت روزے کی حالت میں نہ ہو، یا احرام کی حالت میں نہ ہو، وہاں کوئی آدمی نہ ہو اور عورت وطی کرنے سے انکار بھی نہ کرے وطی کرنے کا پورا موقع ہو پھر بھی مرد نے وطی نہیں کی تو اس پر پورا مہر لازم ہو جائے گا۔

وجہ : (۱) عورت نے مال سپرد کر دیا اور گویا کہ شوہر نے قبضہ کر لیا اس لئے پورا مہر لازم ہوگا۔ اب شوہر اس کو استعمال نہ کرے تو یہ اس کی کوتاہی ہے (۲) حدیث مرسل میں ہے۔ عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ من كشف خمار امرأة ونظر اليها فقد وجب الصداق دخل بها او لم يدخل بها (دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۳ نمبر ۳۸۰۷ رسنن للبیہقی، باب من قال من اغلق بابا اوارخی سترا فقد وجب الصداق ج، سابع ص ۴۱۸، نمبر ۱۴۴۸۷) (۳) اثر میں بھی ہے۔ قال عمر بن الخطاب اذا اغلق بابا وارخى سترا فقد وجب لها الصداق وعليها العدة ولها الميراث (دار قطنی، کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۲۱۲، نمبر ۳۷۹۷ رسنن للبیہقی، باب من قال من اغلاق بابا اوارخی سترا فقد وجب الصداق، ج سابع، ص ۴۱۶، نمبر ۱۴۴۸۱ رمصنف عبد الرزاق، باب وجوب الصداق، ج سادس، ص ۲۲۸، نمبر ۱۰۹۱۱) اس اثر اور حدیث سے معلوم ہوا کہ خلوت صحیحہ ہو جائے تو مہر کامل لازم ہو جائے گا چاہے صحبت نہ کی ہو۔

اصول : پورے طور پر بدل [یعنی بضع] سونپنے سے مہر لازم ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کے لئے آدھا مہر ہوگا اس لئے کہ جس پر عقد ہوا ہے وہ وطی سے وصول ہوگا اس لئے مہر اس کے بغیر مؤکد نہیں ہوگا۔

تشریح : امام شافعیؒ نے فرمایا کہ خلوت صحیحہ سے بھی آدھا مہر ہی لازم ہوگا، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ وطی سے بضع وصول ہوتا ہے اور جب تک بدل وصول نہیں کیا تو اس کی قیمت مہر بھی پورا لازم نہیں ہوگا۔

۲؎ ولنا انها سلمت المبدل حيث رفعت الموانع وذلک وسعها فيتأكد حقها فى البدل اعتبارا بالبيع (۱۵۹۷) وان كان احدهما مريضاً او صائما فى رمضان او محرما بحج فرض اونفل او بعمرة او كانت حائضا فليست الخلوة صحيحةً ﴾ ۱؎ حتى لو طلقها كان لها نصف المهر لان هذه الاشياء موانع

وجه: (۱) ان کی دلیل ابن عباس کا اثر ہے۔ عن ابن عباس قال لا يجب الصداق حتى يجامعها، لها نصفه. (مصنف عبد الرزاق، باب وجوب الصداق، ج سادس، ص ۲۳۰، نمبر ۱۰۹۲۴) اس اثر میں ہے کہ جماع نہ کیا ہو تو پورا مہر لازم نہیں ہوگا۔

لغت: معقود علیہ: جس پر عقد ہوا ہو، اس سے مراد بضع کا منافع حاصل کرنا ہے۔ مستوفی: وفی سے مشتق ہے، وصول کرنا۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ بدل کو سپرد کر دیا اس طرح کہ موانع کو اٹھا دیا اور یہ اس کی طاقت میں تھا اس لئے عورت کا حق بدل میں مؤکد ہو گیا بیع پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ عورت کی طاقت میں یہ ہے کہ وطی کے موانع ہٹا دے اور بضع شوہر کے سپرد کر دے اور وہ اس نے کر دیا اس لئے اپنا بدل سپرد کر دیا اب شوہر اپنا مال وصول نہ کرے تو اس کی غلطی ہے اس لئے عورت کو پورا مہر ملے گا۔ جیسے بائع مبیع مشتری کو سپرد کر دے اور اس نے نہیں لیا اور مبیع ہلاک ہو گئی تو مشتری پر اس کی قیمت لازم ہو جاتی ہے، اسی طرح یہاں بھی لازم ہو جائے گا۔

وجه: (۱) عن ابراهيم قال قال عمر: ما ذنبهن ان جاء العجز من قبلكم، لها الصداق كاملا و العدة كاملة۔ (مصنف عبد الرزاق، باب وجوب الصداق، ج سادس، ص ۲۲۸، نمبر ۱۰۹۱۵) اس اثر میں ہے کہ عورت کی کیا غلطی ہے اس کو پورا مہر ملے گا۔

ترجمہ: (۱۵۹۷) اور اگر ان دونوں میں سے ایک بیمار ہو، یا رمضان میں روزہ ہو، یا حج، یا عمرہ کا محرم ہو، یا حائضہ ہو تو یہ خلوت صحیحہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اگر طلاق دیدی تو آدھا مہر واجب ہوگا، اس لئے کہ یہ چیزیں وطی سے مانع ہیں۔

وجہ: (۱) ان چیزوں کے ہوتے ہوئے آدمی صحبت نہیں کر سکتا اس لئے پوری خلوت نہیں ہوئی۔ اور عورت کی جانب سے مال سپرد کرنا نہیں پایا گیا اس لئے پورا مہر لازم نہیں ہوگا۔ مثلا بیمار ہو تو رغبت نہیں ہوگی۔ اور رمضان کا روزہ ہو تو صحبت کرنے سے کفارہ لازم ہوگا۔ اور احرام ہو تو صحبت کرنے سے دم لازم ہوگا۔ اور حائضہ ہو تو صحبت ممنوع ہے۔ اس لئے ان چیزوں سے خلوت صحیحہ نہیں

۲؎ أما المرض فالمراد منه مایمنع الجماع او یلحقه به ضررٌ ۳؎ وقیل مرضه لایعری عن تکسر وفتور وهذا التفصیل فی مرضها ۴؎ واما صوم رمضان لما یلزمه من القضاء والکفاءة ۵؎ والاحرام لما یلزمه من الدم وفساد النسک والقضاء ۶؎ والحیض مانع طبعا وشرعاً

ہوئی۔

ترجمہ : ۲؎ بہر حال مرض تو اس سے مراد وہ مرض ہے جو جماع سے روکنے والا ہو، یا اس سے ضرر ہوتا ہو۔

تشریح : متن میں فرمایا کہ مرض ہو تو اس سے خلوت صحیحہ نہیں ہوگی، تو اس سے مراد وہ مرض ہے جس کی وجہ سے جماع نہیں کر سکتا ہو، یا جماع کرنے سے مرد یا عورت کو نقصان ہونے کا خطرہ ہو، مثلا شرمگاہ میں زخم ہو یا سوجن ہو تو جماع نہیں کر سکے گا، اس لئے اگر ایسا مرض ہو اور اس حال میں خلوت ہوئی ہو تو اس سے مہر لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اس سے خلوت صحیحہ نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۳؎ کہا گیا کہ مرد کا مرض اعضاء شکنی اور سستی سے خالی نہیں ہوتا، اور اوپر کی یہ تفصیل عورت کے مرض میں ہے۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ مرد کو کوئی بھی مرض ہو چاہے وطی سے نقصان ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو ہر حال میں خلوت صحیحہ نہیں ہوگی، کیونکہ مرد کو تھوڑا بھی مرض ہو تو جماع کرنے کا نشاط نہیں ہوتا اس لئے اس سے خلوت صحیحہ نہیں ہوگی۔ اور اوپر جو کہا کہ ایسا مرض جو جماع سے مانع ہو یا نقصان ہوتا ہو اس سے خلوت صحیحہ نہیں ہوگی، اور یہ مرض نہ ہو تو خلوت صحیحہ ہو جائے گی، یہ تفصیل عورت کے مرض کے سلسلے میں ہے۔

لغت: یعری: خالی نہیں ہے۔ تکسر: کسر سے مشتق ہے، ٹوٹنا، جسم میں انکسار ہونا۔ فتور: سستی، جسم کا کمزور ہونا۔

ترجمہ : ۴؎ بہر حال رمضان کا روزہ تو اس میں قضا واجب ہے اور کفارہ بھی واجب ہے۔

تشریح : عورت یا مرد رمضان کا روزہ رکھا ہوا ہے اور اس حال میں خلوت ہوئی تو یہ خلوت صحیحہ نہیں ہوگی، کیونکہ اگر اس حال میں وطی کر لی تو رمضان کی قضا لازم ہوگی اور کفارہ بھی لازم ہوگا۔

ترجمہ : ۵؎ اور احرام اس لئے کہ اس سے دم لازم ہوتا ہے، اور عبادت کا فساد لازم ہوتا ہے، اور قضا بھی لازم ہوتی ہے۔

تشریح : فرض حج، یا نفل حج، یا عمرے کا احرام کی حالت میں ہو تو یہ بھی خلوت صحیحہ سے مانع ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حال میں وطی کرے گا تو احرام ٹوٹ جائے گا [۱] اور اس کو دم لازم ہوگا [۲] اور حج یا عمرے کی عبادت فاسد ہو جائے گی۔ [۳] اور اس کی قضا بھی لازم ہوگی۔ اس لئے اس حال میں خلوت صحیحہ نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۶؎ اور حیض طبعی طور پر اور شرعی طور پر خلوت صحیحہ سے مانع ہے۔

تشریح : حیض کا خون آ رہا ہو اس حال میں طبعی طور پر وطی سے نفرت ہوتی ہے، اور اس وقت وطی کرنے سے مرض کا بھی خطرہ

(۱۵۹۸) وان کـان احد هماصائماً تطوعاً فلها المهر کله ﴿ ۱؎ لانه یباح له الافطار من غیر عذر فی روایة المنتقی وهذا القول فی المهر هو الصحیح ۲؎ وصوم القضاء والمنذور کالتطوع فی روایة لانه لا کفارة فیه ۳؎ والصلوة بمنزلة الصوم فرضها کفرضه ونفلها کنفله

ہے، اورشرعی طور بھی اس وقت جماع سے منع کیا ہے اس لئے حیض کی حالت میں خلوت صحیحہ نہیں ہوگی۔اس آیت میں دونوں کی تصریح ہے۔ **و یسئلونک عن المحیض قل هو أذی فاعتزلوا النساء فی المحیض و لا تقربو هن حتی یطهرن**۔(آیت ۲۲۲،سورة البقرة ۲) کہ حیض کی حالت میں عورت کے قریب مت جاؤ۔

ترجمہ : (۱۵۹۸) اوراگر دونوں میں سے ایک نفلی روزہ دار ہوتو اس کو پورا مہر ملے گا۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ منتقی کتاب کی روایت میں ہے کہ بغیر عذر کے اس کے لئے روزہ توڑنا مباح ہے، اورمہر کے بارے میں یہی قول صحیح ہے۔

تشریح : منتقی کی روایت میں ہے کہ نفلی روزہ کو بغیر کسی عذر کے بھی توڑ سکتا ہے اس لئے میاں بیوی میں سے کوئی نفلی روزے کی حالت میں ہوتب بھی خلوت صحیحہ ہوجائے گی، کیونکہ توڑ کر وطی کر سکتا ہے۔

وجه : . **عن ام هانی .....فقالت یا رسول الله ! لقد افطرت و کنت صائمة فقال لها أکنت تقضین شیئا ؟ قالت لا قال فلا یضرک ِان کان تطوعا** ۔(ابوداودشریف، باب فی الرخصة فیہ [ای فی القضاء] ص ۳۵۶، نمبر ۲۴۵۶)
اس حدیث میں ہے کہ نفلی روزہ ہوتو اس کو توڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس لئے مہر واجب کرنے کے بارے میں اسی قول کو لینا بہتر ہے تا کہ عورت کا فائدہ ہوجائے۔

لغت: المنتقی: حاکم شہید کی کتاب ہے۔

ترجمہ : ۲؎ قضاء کا روزہ، اورنذر کا روزہ ایک روایت میں نفل روزے کی طرح ہے، اس لئے کہ اس میں کفارہ نہیں ہے۔

تشریح : رمضان کا روزہ قضاء کر رہا تھا، یا نذر کا روزہ رکھ رہا تھا تو اس کو توڑنے میں صرف قضا ہے کفارہ نہیں ہے اس لئے اس روزے کو توڑ کر وطی کر سکتا ہے، زیادہ سے زیادہ اس کے بدلے میں قضا لازم ہوگی اس لئے اس حالت میں خلوت ہوئی تو وہ خلوت صحیحہ ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اورنماز روزے کی طرح اس کا فرض روزے کے فرض کی طرح ہے، اوراس کا نفل روزے کے نفل کی طرح ہے۔

تشریح : جو حکم فرض روزے کا ہے خلوت صحیحہ میں وہی حکم فرض نماز کا ہے، یعنی اگر فرض نماز پڑھ رہا ہو اوراسی حالت میں خلوت ہوگئی تو یہ خلوت صحیحہ نہیں ہوگی، کیونکہ فرض نماز توڑ کر وطی کرنا صحیح نہیں ہے، جس طرح فرض روزہ توڑ کر وطی کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور جو

(۱۵۹۹) واذا خلا المجبوب بامرأته ثم طلقها فلها كمال المهر ﴾ ۱؎ عند ابی حنیفۃؒ ۲؎ وقالا علیہ نصف المهر لانه اعجز من المريض بخلاف العنين لان الحكم ادير على سلامة الألة

حکم نفلی روزے کا ہے وہی حکم نفلی نماز کا ہے، یعنی نفلی نماز کی حالت میں خلوت ہوگئی تو یہ خلوت صحیحہ ہوگی نفلی روزے کی طرح اس کو توڑ کر وطی کرسکتا ہے۔

ترجمہ : (۱۵۹۹) اگر خلوت کی ذکر کٹے ہوئے آدمی نے اپنی بیوی کے ساتھ پھر اس کو طلاق دی تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا۔

ترجمہ : ۱؎ امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح: ذکر کٹا ہوا ہے ایسا آدمی بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کرسکتا اس کے باوجود اگر اپنی بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ کی تو اس پر پورا مہر لازم ہوگا۔

وجہ : عورت نے اپنا مال سپرد کر دیا۔ یہ اور بات ہے کہ مرد کی مجبوری کی وجہ سے وہ وصول نہیں کر پا رہا ہے۔ اس لئے اس پر پورا مہر لازم ہوگا عن ابراهيم قال قال عمر : **ما ذنبهن ان جاء العجز من قبلكم ، لها الصداق كاملا و العدة كاملة۔** (مصنف عبد الرزاق، باب وجوب الصداق، ج سادس، ص ۲۲۸، نمبر ۱۰۹۱۵) اس اثر میں ہے کہ عورت کی کیا غلطی ہے اس کو پورا مہر ملے گا۔ (۲)۔عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ **من كشف خمار امرأة ونظر اليها فقد وجب الصداق دخل بها او لم يدخل بها** (دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۳ نمبر ۳۷۸۰ رسنن للبیہقی، باب من قال من اغلق بابا او ارخی سترا فقد وجب الصداق ج، سابع ص ۴۱۸، نمبر ۱۴۴۸۷) (۳) اثر میں بھی ہے۔ **قال عمر بن الخطاب اذا اغلق بابا و ارخى سترا فقد وجب لها الصداق وعليها العدة ولها الميراث** (دار قطنی، کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۲۱۲، نمبر ۳۷۷۹ رسنن للبیہقی ، باب من قال من اغلاق بابا او ارخی سترا فقد وجب الصداق ، ج سابع ، ص ۴۱۶، نمبر ۱۴۴۸۱ رمصنف عبد الرزاق، باب وجوب الصداق، ج سادس، ص ۲۲۸، نمبر ۱۰۹۱۱) اس اثر اور حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت سے خلوت صحیحہ ہوگئی تو پورا مہر لازم ہوگا، واقعی وطی کی ہو یا نہ کی ہو، یہ مرد کی مجبوری ہے، عورت کی نہیں۔

ترجمہ : ۲؎ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ آدھا مہر ہے اس لئے کہ مرض کی وجہ سے وطی سے عاجز ہوگیا، بخلاف عنین کے اس لئے کہ حکم آلہ کے سلامت پر گھومتا ہے۔

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ذکر کٹے ہوئے آدمی نے خلوت کی تو عورت کو آدھا مہر ملے گا۔

وجہ : اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ بیمار خلوت کرے تو اس پر آدھا مہر لازم ہوتا ہے، اور یہ تو بیمار سے بھی زیادہ عاجز ہے کیونکہ اس کے پاس تو آلہ بھی نہیں ہے اس لئے وطی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے اس لئے بدرجہ اولی خلوت نہیں ہوئی۔ اس کے برخلاف عنین ،

۳؎ ولابی حنیفۃؒ ان المستحق علیھا التسلیم فی حق السحق وقد اتت بہ (۱۶۰۰) قال و علیھا العدۃ فی جمیع ھذہ المسائل ﴾ ۱؎ احتیاطا استحسانا لتوھم الشغل والعدۃ حق الشرع والولد فلایصدق فی ابطال حق الغیر ۲؎ بخلاف المھر لانہ مال لایحتاط فی ایجابہ

یعنی جس کا آلہ صحیح سالم ہے لیکن اس میں جماع کرنے کی طاقت نہیں ہے تو اس کے خلوت کرنے سے خلوت صحیحہ ہوگی، کیونکہ اس کے پاس آلہ تناسل موجود ہے، اور حکم کا دارمدار آلہ پر ہوتا ہے اس لئے وہاں خلوت صحیحہ ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت پر رگڑنے کے لئے سپرد کر دینا لازم ہے اور وہ کر دیا ہے [اس لئے اس کو پورا مہر ملے گا]

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت پر یہ لازم ہے کہ شوہر کو شرمگاہ پر رگڑنے کے دے دے اور یہ اس نے کر دیا ہے، اور شوہر کا عضو اگر چہ کٹا ہوا ہے لیکن شرمگاہ پر رگڑ سکتا ہے اور لذت حاصل کر سکتا ہے، بس اسی سے عورت پورا مہر لے سکتی ہے۔

لغت: السحق : شرمگاہ پر رگڑنا۔ اتت بہ: ایسا لایا، ایسا کر دیا ہے۔

ترجمہ : (۱۶۰۰) اور ان تمام مسائل میں عورت پر عدت ہے۔

ترجمہ : ۱؎ استحسانا احتیاط کے طور پر رحم کے مشغول ہونے کے وہم کی وجہ سے۔

تشریح : اوپر کے تمام خلوتوں میں عدت لازم ہوگی، چاہے خلوت صحیحہ ہو چاہے خلوت فاسدہ ہو۔

وجہ : عدت لازم ہونے کی تین وجہ بیان فرما رہے ہیں (۱) اگر چہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جب خلوت صحیحہ نہیں ہوئی تو عدت لازم نہیں ہونی چاہئے لیکن استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ خلوت فاسدہ میں بھی عدت لازم ہو، اور اسی میں احتیاط بھی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہو کہ رگڑنے کی وجہ سے منی اندر داخل ہوگئی ہو اور پیٹ میں حمل ٹھہر گیا ہو، یا خلوت فاسدہ میں حمل ٹھہر گیا ہو اس لئے اس حمل کے وہم کی بنا پر عدت گزارنا لازم ہے۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ عدت گزارنا شریعت کا حق ہے، اس لئے میاں بیوی اس بات پر اتفاق بھی کر لے کہ وطی نہیں ہوئی ہے پھر بھی انکے کہنے سے شریعت کا حق باطل نہیں ہوگا، کیونکہ ایک کے کہنے سے دوسرے کا حق باطل نہیں ہوتا۔ (۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہو کہ پیٹ میں بچہ ہو اور عدت بچے کے لئے ہی گزاری جاتی ہے، اس لئے میاں بیوی کے کہنے سے بچے کا حق باطل نہیں ہوگا۔ اس لئے ان ساری صورتوں میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عدت گزاری جائے۔

ترجمہ : ۲؎ بخلاف مہر کے اس لئے کہ وہ مال اس کے واجب کرنے میں احتیاط نہیں کیا جاتا ہے۔

تشریح : عدت کا معاملہ اہم ہے اس لئے خلوت صحیحہ اور خلوت فاسدہ دونوں واجب کی جائے گی، اور مہر مال ہے اس لئے اس

۳؎ وذكر القدوريؒ فی شرحه ان المانع ان كان شرعياً تجب العدة لثبوت التمكن حقيقة وان كان حقيقيا كالمرض والصغر لاتجب لعدم التمكن حقيقة (١٦٠١) قال وتستحب المتعة لكل مطلقةٍ الا لمطلقة واحدة وهی التی طلقها الزوج قبل الدخول بها وقد سمی لها مهراً ﴾

کے واجب کرنے میں اتنی احتیاط نہیں کی جاتی ہے، جیسے خلوت فاسدہ میں مہر لازم نہیں کیا جاتا۔

ترجمہ : ۳؎ قدوری نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ اگر وطی سے مانع شرعی ہو تو عدت واجب ہوگی، کیونکہ حقیقت میں وطی کی قدرت ہے، اور اگر وطی سے مانع حقیقی ہو جیسے بیمار ہونا اور نابالغ ہونا تو عدت واجب نہیں ہے حقیقت میں قدرت نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : صاحب قدوریؒ نے مختصر الکرخی کی شرح لکھی ہے جس میں ہے کہ اگر حقیقت میں وطی کرسکتا ہو لیکن شرعی طور پر وطی نہ کر سکتا ہو جیسے حیض آنے کا موقع ہو تو خلوت سے عدت واجب ہوگی، کیونکہ حقیقت میں وطی کرنے کی قدرت ہے، صرف شرعی طور پر مانع وطی ہے، اور اگر ایسا مرض ہو کہ اس کی وجہ سے وطی ہی نہ کرسکتا ہو مثلا ذکر کٹا ہوا ہو، یا عورت نابالغ ہو، یا مرد نابالغ ہو جس کی وجہ سے وطی نہ کرسکتا ہو تو چونکہ حقیقت میں وطی نہیں کرسکتا ہے اس لئے رحم مشغول ہونے کا امکان نہیں ہے اس لئے اس کی خلوت سے عدت لازم نہیں ہوگی۔

ترجمہ : (۱۶۰۱) مستحب ہے متعہ ہر مطلقہ کے لئے مگر ایک مطلقہ کے لئے وہ یہ ہے کہ طلاق دی ہو صحبت سے پہلے اور اس کے لئے مہر متعین کیا ہو۔[اس کے لئے متعہ دینا مستحب بھی نہیں ہے]

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ نکاح کے بدلے میں کچھ نہ کچھ مال دینا ہوگا چاہے مہر دیں یا متعہ دیں۔ کیونکہ آیت میں ہے. و احل لكم ما وراء ذالكم ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مصافحين ۔(آیت ۲۴، سورۃ النساء ۴) پس جس صورت میں مہر کچھ بھی نہیں ملا اس صورت میں متعہ دینا واجب ہوگا، تاکہ عورت کو کچھ نہ کچھ مال مل جائے، اور جس صورت میں مہر متعین یا مہر مثل ملا ہے تو چونکہ مال مل چکا ہے اس لئے متعہ دینا واجب نہیں ہوگا، مستحب ہوگا، اور جس صورت میں عورت نے بضع بھی نہیں دیا اور آدھا مہر لے گئی تو اس صورت میں متعہ مستحب بھی نہیں ہے۔

اس قاعدے کے بعد اب صورت مسئلہ یہ ہے۔ جس عورت کا مہر متعین ہے اور وطی سے پہلے طلاق ہوئی ہے اس کو آدھا مہر ملے گا، جب شوہر کو عورت کی جانب سے کچھ نہیں ملا اور اس کو آدھا مہر دینا پڑ گیا تو اب مزید متعہ دلوانا ٹھیک نہیں ہے اس لئے اس کے لئے متعہ مستحب نہیں ہے۔

وجہ: (۱)عن ابن عمر انه كان يقول لكل مطلقة متعة الا التی تطلق وقد فرض لها الصداق ولم تمس

لـ وقال الشافعیؒ تجب لكل مطلقة الا لهذه لانها وجبت صلة من الزوج لانه اوحشها بالفراق الا ان فی هذه الصورة نصف المهر طريقة المتعة لان الطلاق فسخ فی هذه الحالة و المتعة لا تتكرر

فحسبها نصف ما فرض لها (سنن للبیہقی، باب المتعۃ، ج سادس، ص ۴۱۹، نمبر ۱۴۴۹۱) اس سے معلوم ہوا کہ جس کا مہر متعین ہو اور صحبت سے پہلے طلاق دیدے تو اس کو آدھا مہر ملے گا۔ اس لئے اس کے لئے متعہ ضروری نہیں ہے۔

قدوری کی عبارت میں ہے ولم یسم لھا مہرا (قدوری کتاب النکاح، ص ۱۳۷) اور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ہر عورت کے لئے متعہ مستحب ہے لیکن جس کے لئے مہر متعین نہیں ہے اور دخول سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا اس لئے اس کے لئے متعہ واجب ہے، اور اسی عبارت کے انداز سے آگے صاحب ہدایہ نے تفصیل کی ہے۔

﴿متعہ کے لئے چار صورتیں﴾

[۱] مہر متعین ہے اور وطی کے بعد طلاق واقع ہوئی ہے۔ اس کو پورا مہر ملے گا، اس لئے اس کے لئے متعہ مستحب ہے

[۲] مہر متعین ہے اور وطی سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہے۔ اس کو آدھا مہر ملے گا، اس لئے اس کے لئے متعہ مستحب بھی نہیں ہے

[۳] مہر متعین نہیں ہے اور وطی کے بعد طلاق واقع ہوئی ہے۔ اس کو مہر مثل ملے گا، اس لئے اس کے لئے متعہ مستحب ہے

[۴] مہر متعین نہیں ہے اور وطی سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہے۔ اس کو کچھ نہیں ملے گا، اس لئے اس کے لئے متعہ واجب ہے۔۔ اس چوتھے درجے کو متعہ دینا اس لئے واجب ہے کہ اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا اب شوہر جیسی نعمت ہاتھ سے گئی اور کچھ بھی نہ ملے تو افسوس زیادہ ہوگا اس لئے کم سے کم اس کو متعہ دلوایا جائے،

وجه : (۱) ایسی عورت کو متعہ دینے کے لئے آیت میں امر کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ **لا جناح عليكم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن او تفرضو لهن فريضة و متعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره متاعا بالمعروف** (آیت ۲۳۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ ابن عباس کی عبارت یہ ہے۔ **عن ابن عباسؓ فی هذه الآية قال هو الرجل يتزوج المرأة و لم يسم لها صداقا ثم طلقها من قبل ان ينكحها فأمر الله تعالى ان يمتعها على قدر يسره و عسره فان كان موسرا متعها بخادم أو نحو ذالک و ان كان معسرا فبثلاثة اثواب أو نحو ذالک** ۔(سنن للبیہقی، باب التفویض، ج سابع، ص ۴۴۴، نمبر ۱۴۴۰۵) اس آیت میں فرمایا جس کے لئے مہر متعین نہ کیا ہو اور اس سے خلوت صحیحہ بھی نہ کیا ہو اس کو ضرور متعہ دو اپنی حیثیت کے مطابق ۔(۲) اس آیت میں بھی اس کا اشارہ ہے۔ **و للمطلقات متاع بالمعروف حقا على المتقين.** (آیت ۲۴۱، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ متقین پر متعہ دینا واجب ہے۔

ترجمه : لـ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہر مطلقہ کے لئے متعہ واجب ہے، سوائے اس مطلقہ کے لئے اس لئے کہ نکاح کے صلے کے

۲ ولنا ان المتعة خلف عن مهر المثل فی المفوضة لانه سقط مهر المثل ووجبت المتعة والعقد یوجب العوض فکان خلفا ۳ والخلف لایجامع الاصل ولاشیئا منه فلاتجب مع وجوب شئ من المهر وھو

لئے واجب ہوا ہے اس لئے کہ اس کو جدا کر کے متوحش کیا، لیکن اس صورت میں اس کو متعہ کے طور پر آدھا مہر مل گیا، اس لئے کہ طلاق اس صورت میں فسخ نکاح ہے، اور متعہ مکرر نہیں ہوتا، اس لئے اس کو دوبارہ متعہ نہیں ملے گا۔

تشریح : امام شافعیؒ کے یہاں ہر مطلقہ کے لئے متعہ واجب ہے، لیکن جس صورت میں مہر متعین کیا ہوا اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہو اس میں متعہ واجب نہیں۔ مستحب ہے، کیونکہ بغیر بضعہ دئے ہوئے اس کو آدھا مہر مل گیا ہے۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ عورت کو طلاق دے کر متوحش کیا ہے اس لئے اس کا دل رکھنے کے لئے متعہ واجب کیا ہے، لیکن اس عورت کو متعہ کے بدلے میں آدھا مہر مل گیا اس لئے دوبارہ متعہ نہیں ملے گا کیونکہ متعہ مکرر نہیں ہوتا۔

ترجمہ : ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ خود سے پیش کرنے کی صورت میں متعہ مہر مثل کا خلیفہ ہے، اس لئے کہ مہر مثل ساقط ہو گیا اور اس کے بدلے میں متعہ واجب ہو گیا، اور عقد عوض کو واجب کرتا ہے، اس لئے یہ متعہ مہر کا خلیفہ بن جائے گا۔

تشریح : یہاں متن کی عبارت اور اسکی دلیل میں تسامح ہے۔ یہ عبارت طلاق کی چوتھی صورت کی دلیل ہے۔ [۴] چوتھی صورت یہ تھی کہ۔ مہر متعین نہیں ہے اور وطی سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہے۔ اس کو کچھ نہیں ملے گا، اس لئے اس کے لئے متعہ واجب ہے۔ اس صورت میں چونکہ مہر متعین نہیں ہے تو گویا کہ عورت نے بغیر مہر کے اپنے آپ کو سپرد کر دیا اس لئے اس کو مفوضہ، کہتے ہیں۔ اس صورت میں اگر دخول ہوا ہو تو مہر مثل واجب ہوتا ہے، اور دخول نہ ہوا ہو تو مہر مثل کا چونکہ آدھا نہیں ہوتا اس لئے آدھا مہر لازم نہیں ہوگا، اس لئے اس کے بدلے میں متعہ دینا واجب ہوگا۔ تاکہ عورت کو کچھ نہ کچھ مال مل جائے۔ اور یہ متعہ مہر کا خلیفہ بن جائے گا۔

ترجمہ : ۳ اور خلیفہ اصل کے ساتھ جمع نہیں ہوتا، اور نہ اس کے کسی جز کے ساتھ جمع ہوتا ہے، اس لئے مہر کے کچھ بھی واجب ہونے سے متع واجب نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ ایک قاعدہ بیان فرما رہے ہیں کہ، مہر اصل ہے اور متعہ اس کا خلیفہ ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ اصل کے ساتھ، یا اصل کے کسی حصے کے ساتھ خلیفہ جمع نہیں ہوسکتا، اس لئے جن تین صورتوں میں مہر متعین، یا مہر مثل، یا آدھا مہر لازم ہوتا ہے ان صورتوں میں متعہ دینا واجب نہیں ہوگا، بلکہ دو صورتوں میں صرف مستحب ہے اور ایک صورت میں تو مستحب بھی نہیں ہے۔ یعنی جس صورت میں مہر متعین ہے اور وطی سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہو تو آدھا مہر لازم ہوتا ہے تو اس صورت میں متعہ دینا مستحب بھی نہیں ہے۔

ﷺ وهو غير جان فی الایحاش فلا تلحقه الغرامة به فکان من باب الفضل (۱۶۰۲) واذا زوج الرجل بنته علی ان یزوجه المتزوج بنته او اخته لیکون احد العقدین عوضا عن الآخر فالعقد ان جائزان ولکل واحدة منهما مهر مثلها ﴾

ترجمہ : ﷺ طلاق دینے والا متوحش کرنے میں جنایت کرنے والا نہیں ہے اس لئے طلاق کی وجہ سے اس کو تاوان بھی لازم نہیں ہوگا اس لئے متعہ دینا فضیلت کی چیز ہے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ طلاق دے کر عورت کو متوحش کیا اس لئے اس کے جرم میں متعہ دینا واجب ہوگا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ طلاق دینے سے عورت متوحش ضرور ہوئی ہے لیکن یہ کوئی جرم کی چیز نہیں ہے اس لئے کہ شریعت کی اجازت سے دی ہے، اور میاں بیوی کا ساتھ رہنا مشکل ہو گیا ہو تو طلاق دینا واجب ہو جاتا ہے اس لئے یہ کوئی جرم نہیں ہے کہ اس کا تاوان دینا پڑے، اس لئے متعہ دینا تاوان نہیں ہے بلکہ احسان کے طور پر دیتے ہیں، اور فضیلت کے طور پر دیتے ہیں۔

لغت : جان: اسم فاعل کا صیغہ ہے، جنایت کرنے والا، جرم کرنے والا۔ ایحاش: وحشی بنانا، متوحش کرنا، متنفر کرنا۔ غرامۃ: تاوان۔

ترجمہ : (۱۶۰۲) اگر شادی کرائی آدمی نے اپنی بیٹی کی اس شرط پر کہ وہ شادی کرا دے اپنی بہن کی یا اپنی بیٹی کی تا کہ دونوں میں سے ایک بدلہ ہو جائے دوسرے کا تو دونوں عقد جائز ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح: اس نکاح کو نکاح شغار کہتے ہیں۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی لڑکی یا بہن کی کسی سے شادی کرائے اور اس کے لئے مہر متعین یہ کرے کہ سامنے والا اپنی بہن یا بیٹی کی شادی اس سے کرا دے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ دونوں عقد جائز ہیں اور دونوں عورتوں کے لئے مہر مثل ہوگا۔

وجہ: (۱) یہ ایسا ہوا کہ نکاح کیا لیکن مہر متعین نہیں کیا اور مہر متعین نہ کرے تو مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ اس لئے اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔ مہر متعین نہ کرے تو مہر مثل لازم ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث گزر چکی ہے۔ عن ابن مسعود انه سئل عن رجل تزوج امرأة ولم یفرض لها صداقا ولم یدخل بها حتی مات فقال ابن مسعود لها مثل صداق نسائها لا وکس ولا شطط و علیها العدة ولها المیراث فقام معقل ابن سنان الاشجعی فقال قضی رسول الله فی بروع بنت واشق امرأة منا مثل ما قضیت ففرح بها ابن مسعود (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت عنها قبل ان یفرض لها ص ۲۱۲ نمبر ۱۱۴۵ / ابو داؤد شریف، باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا حتی مات ص ۲۹۵ نمبر ۲۱۱۴) اس حدیث میں ہے کہ مہر متعین نہ کیا ہو اور شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔ (۲) اور شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا بلکہ

لے وقال الشافعیؒ بطل العقد ان لانه جعل نصف البضع صداقا والنصف منکوحة ولا اشتراک فی هذا الباب فبطل الایجاب ۲ے ولنا انه سمی مالا یصلح صداقا یصح العقد ویجب مهر المثل کما اذا سمی الخمر والخنزیر

نکاح ہوجاتا ہے۔اورشرط فاسد خود معدوم ہوجاتی ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔قال جاء رجل الی ابن عباس ... فقال انی تزوجت امرأة وشرطت لها ان لم اجی بکذا وکذا والی کذاوکذا فلیس لی نکاح،فقال ابن عباس النکاح جائز والشرط لیس شیء . (سنن للبیہقی، باب الشروط فی النکاح، ج سابع ،ص ۴۰۸،نمبر۱۴۴۴۲)اس اثر میں ہے کہ نکاح جائز ہوجائے گا اورشرط فاسد کا اعتبار نہیں ہوگا(۳)اثر میں ہے۔عن عطاء فی المشاغرین یقران علی نکاحهما ویوخذ لکل واحد منهما صداق. (مصنف ابن ابی شیبة ۲۲۲ ما قالوا فی النکاح الشغار، ج رابع ،ص ۳۴،نمبر ۱۷۴۹۹)اس اثر میں ہے کہ شغار میں سے دونوں کا نکاح بحال رہے گا اور دونوں کے لئے الگ سے مہر متعین ہوگا جو مہر مثل ہوگا۔

ترجمہ : لے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں عقد باطل ہیں اس لئے کہ آدھا بضع مہر قرار دیا،اورآدھا نکاح کے طور پر ہے،اوراس باب میں اشتراک نہیں ہے اس لئے ایجاب باطل ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں عورتوں کا عقد باطل ہیں۔

وجہ : (۱)اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں جب بضع کو مہر قرار دیا تو گویا کہ آدھا بضع مہر ہوااورآدھا بضع نکاح میں ہوااور بضع انسانی جسم ہے وہ مہر میں نہیں ہوسکتا اس لئے شروع سے ایجاب ہی باطل ہے اس لئے نکاح نہیں ہوگا۔(۲)ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ نهی عن الشغار والشغار ان یزوج الرجل ابنته علی ان یزوجه الآخر ابنته لیس بینهما صداق۔(بخاری شریف، باب الشغار،ص ۹۱۴،نمبر ۵۱۱۲/ترمذی شریف، باب ماجاء فی النهی عن نکاح الشغار،ص ۲۱۳،نمبر ۱۱۲۴/مسلم شریف، باب تحریم نکاح الشغار،ص ۴۵۴،نمبر ۱۴۱۵/۳۴۶۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے۔اس لئے اس طرح سے نکاح ہی نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۲ے ہماری دلیل یہ ہے کہ ایسی چیز کو متعین کیا جو مہر نہیں بن سکتا اس لئے عقد صحیح ہے اور مہر مثل واجب ہوگا جیسا کہ اگر شراب اور سور متعین کرتا۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر ایسی چیز مہر میں متعین کیا جو مہر نہیں بن سکتی پھر بھی بغیر مہر کے نکاح ہوجائے گا،اور مہر مثل لازم ہوگا، جیسے شراب یا سور کے مہر پر نکاح کیا تو نکاح ہوجائے گا اور مہر مثل لازم ہوگا اسی طرح یہاں بضع پر نکاح کیا تو نکاح ہوجائے گا اور مہر مثل لازم ہوگا۔

۳؎ ولا شركة بدون الاستحقاق (۱۶۰۳) وان تزوج حر امرأةً على خدمته اياها سنة او على تعليم القرآن فلها مهر مثلها ﴾ ۱؎ وقال محمدؒ لها قيمة خدمة (۱۶۰۴) وان تزوج عبد امرأة باذن مولاه على خدمته سنة جاز ولها خدمته ﴾

ترجمه : ۳؎ اور بغیر استحقاق کے شرکت نہیں ہوگی۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ بضع میں شرکت ہوئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرعی طور پر بضع کو مہر بنانے کا مستحق ہی نہیں ہے تو اس میں شرکت کیسے ہوگی! اس لئے یہ مہر باطل ہو جائے گا، اور نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا اس لئے نکاح باقی رہے گا۔

ترجمه : (۱۶۰۳) اگر آزاد نے شادی کی کسی عورت سے اس کی ایک سال کی خدمت پر یا قرآن کی تعلیم پر تو جائز ہے اور اس کے لئے مہر مثل ہوگا۔

وجه : (۱) بیوی اس لئے ہوتی ہے کہ وہ شوہر کی خدمت کرے اور یہاں الٹا شوہر بیوی کی خدمت کرے گا۔ اس لئے مہر کے لئے شوہر کی خدمت متعین کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے گویا کہ مہر ہی متعین نہیں کیا۔ اور جب مہر متعین نہ کیا ہوتا تو مہر مثل لازم ہوتا ہے (۲) خدمت ہمارے نزدیک مال نہیں ہے تو گویا کہ عدم مال کو مہر متعین کیا اس لئے مہر مثل لازم ہوگا۔ مہر مثل کی دلیل اور شرط فاسد سے نکاح فاسد نہ ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ قال جاء رجل الى ابن عباسؓ ... فقال انى تزوجت امرأة وشرطت لها ان لم اجى بكذا وكذا والى كذا وكذا فليس لى نكاح، فقال ابن عباس النكاح جائز والشرط ليس شىء . (سنن للبیہقی، باب الشروط فی النکاح، ج سابع، ص ۴۰۸، نمبر ۱۴۴۴۲) اس اثر میں ہے کہ نکاح جائز ہو جائے گا اور شرط فاسد کا اعتبار نہیں ہوگا۔

ترجمه : ۱؎ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ عورت کے لئے شوہر کی خدمت کی قیمت ہوگی۔

تشریح : امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ آزاد شوہر کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ بیوی کی خدمت کرے، لیکن خدمت مہر میں ہے اس لئے سال بھر کی خدمت کی جو قیمت ہوگی وہ لازم ہوگی۔

ترجمه : (۱۶۰۴) اگر غلام نے آزاد عورت سے شادی کی اپنے مولی کی اجازت سے ایک سال کی خدمت پر تو جائز ہے۔ اور عورت کے لئے غلام کی خدمت ہوگی۔

تشریح: غلام نے آزاد عورت سے شادی کی اور اپنے آقا کی اجازت سے بیوی کے لئے ایک سال کی خدمت مہر متعین کیا تو نکاح ہو جائے گا۔ اور مہر مثل لازم نہیں ہوگا بلکہ ایک سال کی خدمت ہی لازم ہوگی۔

لے وقال الشافعیؒ لها تعلیم القراٰن والخدمة فی الوجهین لان مایصلح اخذ العوض عنه بالشرط یصلح مهرا عنده لانه بذلک تتحقق المعاوضة وصار کما اذا تزوجها علی خدمة حر اٰخر برضاه وعلی رعی الزوج غنمها

وجہ: (۱) آقا کی اجازت سے بیوی کی خدمت کرنا گویا کہ آقا ہی کی خدمت کرنا ہے۔اس لئے اس کے لئے خدمت مہر بن سکتی ہے (۲) غلام کے پاس خدمت کے علاوہ کوئی مال ہے بھی نہیں۔جو کچھ مال ہے وہ مولی کا ہے اس لئے بھی خدمت مہر بنے گی (۳) قال انی ارید ان انکحک احدی ابنتی هاتین علی ان تأجرنی ثمانی حجج فان اتممت عشرا فمن عندک (آیت ۲۷ سورۃ القصص ۲۸) اس آیت میں دس سال کی خدمت پر حضرت موسیٰؑ نے نکاح کیا،اس لئے اگر غلام اپنی خدمت پر نکاح کرے تو جائز ہوگا۔

ترجمہ: لے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں قرآن کی تعلیم اور خدمت ہوگی جو چیز شرط کر کے عوض لینے کی صلاحیت رکھتی ہو وہ انکے نزدیک مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے ، اس لئے کہ اس سے معاوضہ متحقق ہو جاتا ہے،اور ایسا ہو گیا کہ دوسرے آدمی کی رضامندی سے اس کی خدمت پر نکاح کیا ہو، یا شوہر عورت کی بکری چرانے پر نکاح کیا ہو۔

تشریح: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ شوہر آزاد ہو اور بیوی کی خدمت پر شادی کرے تب بھی جائز ہے اور شوہر غلام ہو اور بیوی کی خدمت پر نکاح کیا ہو تب بھی نکاح جائز ہے،اس کے لئے ایک دلیل عقلی پیش کی ہے اور دو مثالیں پیش کی ہیں۔

وجہ: (۱) ان کا قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز اجرت بن سکتی ہو، یا بیع میں قیمت بن سکتی ہو وہ مہر بھی بن سکتی ہے،اور سال بھر کی خدمت اور سال بھر قرآن کی تعلیم اجرت بن سکتی ہے اسلئے یہ مہر بھی بن سکتی ہے (۲) اور مثال یہ ہے کہ کوئی دوسرا آزاد آدمی سال بھر تک اس عورت کی خدمت کے لئے راضی ہو گیا اور یہ خدمت مہر بنائے تو سب کے نزدیک جائز ہے اسی طرح خود شوہر کی خدمت بھی مہر بننے کے لئے جائز ہے۔(۳) اور دوسری مثال یہ ہے کہ خود شوہر اپنی بیوی کی بکری چرانے کو مہر میں رکھے تو جائز ہے اس طرح اس کی خدمت بھی جائز ہے،اس لئے کہ یہ سب معنوی چیز ہے اور اجرت بن سکتی ہے۔(۴) حدیث میں ہے کہ تعلیم قرآن کو حضورؐ نے مہر بنایا۔اس کے لئے لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔سمعت سهل بن سعد الساعدی یقول ... قال ﷺ هل معک من القرآن شیء؟ قال معی سورة کذا وسورة کذا قال اذهب فقد انکحتکها بما معک من القرآن. (بخاری شریف، باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق ص ۷۷۳ نمبر ۵۱۴۹ر مسلم شریف، باب الصداق وجواز کونہ تعلیم قرآن وخاتم حدید الخ ص ۴۵۷ نمبر ۱۴۲۵ر ۳۴۸۷) اس حدیث میں تعلیم قرآن کو مہر بنایا ہے اس لئے قرآن کی تعلیم دینا مہر بن سکتا ہے (۵) اور شوہر کی خدمت کو مہر متعین کرنے کی دلیل یہ آیت ہے۔قال انی ارید ان انکحک احدی ابنتی هاتین علی ان تأجرنی

۲؎ ولنا ان المشروع انما هو الابتغاء بالمال والتعليم ليس بمال وكذلك المنافع على اصلنا
۳؎ وخدمة العبد ابتغاء بالمال لتضمنه تسليم رقبته ولا كذلك الحر

ثمانی حجج فان اتممت عشرا فمن عندك. (آیت ۲۷ سورۃ القصص ۲۸) اس آیت میں آٹھ اور دس سال تک حضرت موسی علیہ السلام کے بکری چرانے کو مہر بنایا ہے (۶) عن عبد الرحمن بن البیلمانی قال قال رسول الله ﷺ انكحوا الايامى منكم قالوا: يا رسول الله فما العلائق بينهم قال ما تراضى عليه أهلوهم. (سنن للبیہقی، باب مایجوز ان یکون مہرا، سابع ص ۳۹۰، نمبر ۱۴۳۷۵) اس حدیث میں ہے کہ عورت اور مرد کا اہل جس پر راضی ہو جائے وہ مہر بن جائے گا، پس خدمت پر راضی ہو جائے تو وہ بھی مہر بن جائے گا۔ (۷) ان عليا قال الصداق ما تراضى به الزوجان. (سنن للبیہقی، باب ما یجوز ان یکون مہرا، سابع ص ۳۹۴، نمبر ۱۴۳۹۲) اس اثر میں ہے کہ میاں بیوی جس چیز پر راضی ہو جائیں وہ مہر بن جائے گی۔ اس لئے خدمت پر راضی ہو جائیں تو وہ بھی مہر بن جائے گی۔

لغت : ما يصلح اخذ العوض عنه بالشرط يصلح مهرا عنده: اس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو چیز شرط کر کے عوض لینے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ مہر بننے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے، مثلا شرط لگائی کہ ایک دن خدمت کروگے تو ایک درہم ملے گا تو خدمت کی شرط عوض میں درہم ملا، اس لئے خدمت مہر بننے کی صلاحیت رکھے گی۔ رعی: بکری چرانا۔ غنم: بکری۔

ترجمہ : ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ مشروع وہ مال کے بدلے تلاش کرنا ہے اور تعلیم مال نہیں ہے اور ایسے ہی ہمارے قاعدے پر منافع مال نہیں ہیں۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت میں جو حکم ہے وہ مال کے بدلے بضع تلاش کرنا ہے اور قرآن کی تعلیم دینا مال نہیں ہے، اسی طرح ہمارے قاعدے کے اعتبار سے منافع مثلا خدمت کرنا مال نہیں ہے، بلکہ وہ نفع ہے اس لئے وہ بھی مہر نہیں بن سکتا۔

وجہ : (۱) آیت میں ہے۔ و احل لكم ما وراء ذالكم ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين ۔ (آیت ۲۴، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ مال کے بدلے نکاح کرو اور منافع مال نہیں ہے اس لئے یہ مہر نہیں بن سکتا۔ (۲) حدیث میں ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہ ہو اور منافع درہم اور مال کے درجے میں نہیں ہیں اس لئے وہ مہر نہیں بن سکتے۔ عن جابر بن عبد الله ان رسول الله ﷺ قال لا صداق دون عشرة دراهم (دار قطنی، کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۱۷۳، نمبر ۳۵۶۰ / سنن للبیہقی، باب مایجوز ان یکون مہرا سابع، ص ۳۹۲، نمبر ۱۴۳۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مہر دس درہم سے کم نہ ہو۔

ترجمہ : ۳؎ اور غلام کی خدمت حقیقت میں مال کے ذریعہ سے ہی بضع تلاش کرنا ہے اس لئے کہ گویا کہ اس نے اپنی گردن سونپ دی، اور آزاد کی خدمت ایسی نہیں ہے۔

تشریح : یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ خدمت مال نہیں ہے تو پھر غلام کی خدمت اس کی بیوی کے لئے مہر

۴؎ ولان خدمة الزوج الحر لایجوز استحقاقها بعقد النکاح لما فیه من قلب الموصوع ۵؎ بخلاف خدمة حر اٰخر برضاہ لانه لا مناقضة ٦؎ وبخلاف خدمة العبد لانه یخدم مولاہ معنیً حیث یخدمها باذنه وامرہ ۷؎ وبخلاف رعی الاغنام لانه من باب القیام بامور الزوجیة فلا مناقضة علی انه ممنوع فی روایة

کیسے بنتی ہے؟ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ غلام کی خدمت کا مطلب یہ ہے کہ اس نے آقا کی اجازت سے اپنی گردن بیوی کو سپرد کر دیا، اور غلام کی گردن مال ہے تو گویا کہ مال کے بدلے میں نکاح ہوا۔ اور آزاد کی گردن مال نہیں ہے اس لئے وہ اپنی خدمت یا گردن بیوی کو سپرد نہیں کر سکتا۔

لغت : ابتغاء: تلاش کرنا۔ تسلیم رقبتہ: گردن کو سپرد کرنا، خدمت کرنا گویا کہ اپنی گردن کو بیوی کو سپرد کرنا ہے۔

ترجمہ : ۴؎ اور اس لئے کہ آزاد شوہر کی خدمت عقد نکاح کی وجہ سے اس کا استحقاق جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں موضوع کو پلٹنا ہے۔

تشریح : یہ دوسری دلیل ہے کہ بیوی اس لئے ہوتی ہے کہ وہ شوہر کی خدمت کرے، اور شوہر کی خدمت مہر بنائیں تو شوہر عورت کی خدمت کرے گا، یہ الٹا معاملہ ہو گیا اس لئے نکاح کی وجہ سے عورت شوہر کی خدمت کا مستحق نہیں بن سکتی، اس لئے شوہر کی خدمت مہر نہیں بن سکتی۔

لغت : قلب موضوع: موضوع کو پلٹنا، الٹا کام ہونا۔

ترجمہ : ۵؎ بخلاف دوسرے آزاد کی خدمت اس کی رضا مندی سے اس لئے کہ اس میں مناقضت نہیں ہے

تشریح : دوسرا آزاد آدمی اپنی رضا مندی سے عورت کی خدمت کرے تو اس میں قلب موضوع نہیں ہے، کیونکہ اپنی بیوی کی خدمت شوہر ہونے کے خلاف ہے دوسرے کی خدمت تو شوہر ہونے کے خلاف نہیں ہے، اس لئے اس کو مہر میں رکھا جا سکتا ہے۔

ترجمہ : ٦؎ بخلاف غلام کی خدمت کے اس لئے کہ حقیقت میں وہ اپنے آقا کی خدمت کر رہا ہے اس لئے کہ اس کی اجازت اور اس کے حکم سے بیوی کی خدمت کر رہا ہے۔

تشریح : غلام کی خدمت بیوی کے مہر میں رکھے تو اس میں حرج نہیں ہے، کیونکہ غلام آقا کی اجازت اور اس کے حکم سے بیوی کی خدمت کر رہا ہے تو حقیقت میں آقا کی ہی خدمت کر رہا ہے اس لئے یہ قلب موضوع نہیں ہے۔

ترجمہ : ۷؎ بخلاف بکری کے چرانے کے اس لئے کہ یہ نکاح کے امور کے قائم کرنے کے باب سے ہے اس لئے کوئی مناقضت نہیں ہے، اس کے باوجود ایک روایت میں ممنوع ہے۔

۸ ثم على قول محمدؒ تجب قيمة الخدمة لان المسمى مال الا انه عجز عن التسليم لمكان المناقضة فصار كالتزوج على عبد الغير ۹ وعلى قول ابى حنيفةؒ وابى يوسفؒ يجب مهر المثل لان الخدمة ليست بمال اذ لا يستحق فيه بحال فصار كتسمية الخمر والخنزير ۱۰ وهذا لان تقومها بالعقد للضرورة فاذا لم يجب تسليمه فى العقد لايظهر تقومها فيبقى الحكم على الاصل وهو مهر المثل

تشریح : بیوی کی بکری چرانا مہر میں رکھے تو اس سے گھر کا انتظام صحیح رہتا ہے اس میں بیوی کی خدمت نہیں ہے اس لئے یہ قلب موضوع نہیں ہے اس لئے یہ مہر رکھا جا سکتا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ بیوی کی بکری چرانا مہر رکھے یہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ یہ منافع ہے اور اوپر گزرا کہ منافع مال نہیں ہے اس لئے اس کو مہر میں رکھنا صحیح نہیں ہے ۔

لغت : رعی: بکری چرانا، اغنام: غنم کی جمع ہے، بکری۔ مناقضت: تناقض سے مشتق ہے، دو باتوں کا ٹکرا جانا۔

ترجمہ : ۸ پھر امام محمدؒ کے قول پر خدمت کی قیمت واجب ہوگی اس لئے کہ جو متعین ہے وہ مال ہے مگر مناقضت کی وجہ سے سونپنے سے عاجز ہے تو ایسا ہوا کہ دوسرے کے غلام پر شادی کی ۔

تشریح : امام محمد کا قول گزرا کہ شوہر کی خدمت مہر ہو تو اس کا دینا قلب موضوع ہے اس لئے اس کی قیمت لازم ہوگی، اور اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ دوسرے کا غلام مہر میں باندھا ہو اور وہ غلام نہ دے سکتا ہو تو اس کی قیمت مہر میں لازم ہوگی ۔ اسی طرح یہاں خدمت نہیں دے سکتا ہے اس لئے بازار میں اس خدمت کی جو قیمت ہوگی وہ لازم ہوگی ۔

ترجمہ : ۹ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر مہر مثل لازم ہوگا، اس لئے کہ خدمت مال نہیں ہے اس لئے نکاح میں کسی حال میں مستحق نہیں ہے، تو ایسا ہوا کہ شراب اور سور مہر میں باندھا ہو۔

تشریح : شیخینؒ کے یہاں تعلیم قرآن اور شوہر کی خدمت دونوں صورتوں میں مہر مثل لازم ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ خدمت اور تعلیم قرآن مال نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ عورت کسی حال میں اس کے وصول کرنے کا استحقاق نہیں رکھتی، تو ایسا ہو گیا کہ مہر میں شراب اور سور متعین کیا ہو تو اس میں مہر مثل لازم ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی مہر مثل ہی لازم ہوگا ۔ تسمیۃ: متعین کرنا۔

ترجمہ : ۱۰ اور یہ مہر مثل متعین کرنا اس لئے ہے کہ عقد کی وجہ سے خدمت کی قیمت لگانا ضرورت کی وجہ سے ہے، پس جب عقد میں خدمت کو سونپنا واجب نہیں تو اس کی قیمت لگانا بھی ظاہر نہیں ہوگا، اس لئے حکم اصل پر باقی رہے گا، اور وہ مہر مثل ہے ۔

تشریح : یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ خدمت متقوم نہیں ہے، یعنی اس کی قیمت نہیں ہے تو آزاد آدمی کو خدمت کے لئے اجرت پر کیوں رکھا جاتا ہے! تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ خدمت لینا انسانی ضرورت ہے اس لئے جہاں خدمت کی

(۱۶۰۵) فان تزوجها على الف فقبضتها ووهبتها له ثم طلقها قبل الدخول بها رجع عليها بخمسمائة ﴿۱﴾ لانه لم يصل اليه بالهبة عين مايستوجبه لان الدراهم والدنانير لاتتعينان في العقود

اجرت طے پاتی ہے وہاں اس کی قیمت ہوتی ہے لیکن نکاح کے عقد میں اس کا دینا واجب نہیں اس لئے اس کا متقوم ہونا بھی ظاہر نہیں ہوگا، اس لئے خدمت کا حکم اپنے اصل پر باقی رہے گا یعنی بغیر مجبوری کے وہ متقوم نہیں ہے، اور قاعدہ گزر چکا ہے کہ ایسی چیز مہر باندھی جسکی کوئی قیمت نہیں ہے تو وہاں مہر مثل لازم ہوتا ہے اس لئے یہاں بھی مہر مثل لازم ہوگا۔

لغت:۔تقومہ: تقوم قیمت سے مشتق ہے، کسی چیز کا قیمت والا ہونا۔

ترجمہ : (۱۶۰۵) اگر ہزار پر نکاح کیا اور عورت نے اس کو قبضہ کرلیا اور وہ ہزار شوہر کو دے دیا، پھر شوہر نے عورت کو دخول سے پہلے طلاق دی تو شوہر عورت سے پانچ سو واپس لے گا۔

تشریح : [۱] یہاں سے لیکر مسئلہ نمبر ۱۶۱۰ تک ایک قاعدے پر ہے کہ ہبہ کا مطلب یہ ہے کہ میں آدھا مہر واپس نہیں کر رہی ہوں بلکہ میں اپنی چیز الگ سے شوہر کو دے رہی ہوں، اور دخول سے پہلے طلاق واقع ہونے کی وجہ سے شوہر کو آدھا مہر واپس چاہئے اس لئے عورت سے الگ دوبارہ آدھا مہر مانگ سکتا ہے [۲] یہاں ایک اصول یہ ہے کہ شوہر سے جو مہر لیا ہے اگر وہی چیز عورت نے واپس نہیں کی تو شوہر اپنے دئے ہوئے مہر کو واپس لے سکتا ہے، اور اگر وہی چیز واپس دے دی تو شوہر اب اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ [۳] دوسرا اصول یہ ہے کہ درہم اور دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا، اس لئے جو دینار یا درہم لے کر عورت نے واپس دیا ہے وہ شوہر والا درہم دینار نہیں ہے، وہ عورت کا اپنا درہم اور دینار ہے۔[۴] اور تیسرا اصول یہ ہے کہ دخول سے پہلے طلاق دینے سے عورت آدھے ہی مہر کا حقدار ہوتی ہے، پورے کا نہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہزار درہم پر شادی ہوئی تھی، اور عورت نے شوہر سے ہزار درہم لیا، پھر شوہر کو ہزار درہم واپس ہبہ بھی کر دیا اب دخول سے پہلے طلاق دے دی، تو عورت کو آدھا مہر پانچ سو ہی ملنا چاہئے اور عورت نے ایک ہزار شوہر سے لیا ہے، اس لئے شوہر کو حق ہے کہ باقی پانچ سو عورت سے واپس لے لے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت نے جو ایک ہزار شوہر کو دیا ہے وہ شوہر والا درہم یا دینار نہیں ہے بلکہ عورت کا اپنا درہم ہے اور گویا کہ الگ سے عورت نے شوہر کو درہم دیا ہے، شوہر ہی کا مہر اس کو واپس نہیں لوٹایا، کیونکہ درہم اور دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہو تا، اس لئے شوہر کو دوبارہ پانچ سو لینے کا حق ہے، ہاں اگر عورت دیتے وقت یہ کہہ دیتی کہ یہ مہر ہی کا درہم ہے تو پھر شوہر کو دوبارہ لینے کا حق نہیں ہوتا، اور یہاں ایسا کہا نہیں ہے بلکہ الگ سے ہبہ کیا ہے اس لئے لینے کا حق ہوگا۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ ہبہ کے ذریعہ عین وہی چیز اس کو نہیں پہونچی جس کا وہ حقدار تھا، اس لئے کہ درہم اور دینار عقد اور فسخ میں

والفسوخ ۲؎ وكذا اذا كان المهر مكيلا اوموزونا آخر فى الذمة لعدم تعينها (١٦٠٦) فان لم تقبض الالف حتى وهبتها له ثم طلقها قبل الدخول بها لم يرجع واحد منهما على صاحبه بشئ ﴾۱؎ وفى القياس يرجع عليها بنصف الصداق وهو قول زفرؒ لانه سلم المهر له بالابراء فلاتبرأ عما يستحقه

متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے، کہ ہبہ میں اگر چہ وہی درہم شوہر کو دیا ہے لیکن عقد کرنے میں اور عقد کے فسخ کرنے میں درہم اور دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہی درہم شوہر کو دیا، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ بیوی نے الگ سے اپنا درہم شوہر کو دیا ہے، اس لئے شوہر نے جو ایک ہزار دیا ہے اس میں آدھا ہی عورت کا حق ہے کیونکہ دخول سے پہلے طلاق دی ہے اس لئے باقی پانچ سو درہم بیوی سے واپس لے سکتا ہے۔

ترجمہ : ۲؎ ایسے ہی اگر مہر کیلی یا وزنی چیز ذمے میں ہو، اس کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : کیلی چیز جیسے گیہوں چاول، وزنی چیز جیسے لوہا تانبا اگر یہ سامنے موجود ہو اور اس کی طرف اشارہ کر کے متعین کیا تب تو متعین ہو جاتا ہے، لیکن اگر کسی کے ذمے ہو مثلا چار کیلو گیہوں تمہارے ذمے ہے تو یہ متعین نہیں ہوتا، پس اگر مثلا ایک سو کیلو گیہوں شوہر کے ذمہ ہو اس کو مہر بنایا اور شوہر نے وہ ذمہ والا گیہوں بیوی کو دیا، اور بیوی نے اپنی جانب سے دوسرا ایک سو کیلو گیہوں شوہر کو ہبہ کیا اور دخول سے پہلے طلاق ہوئی تو شوہر اپنے دئے ہوئے مہر کا آدھا عورت سے واپس لے سکتا ہے، کیونکہ عورت نے شوہر ہی کے مہر کو واپس نہیں دیا بلکہ اپنی جانب سے ایک سو کیلو گیہوں ہبہ کیا ہے۔

لغت : موزونا آخر: یہاں موزونا آخر کا مطلب یہ ہے کہ وہ متعین نہ ہو۔

ترجمہ : (۱۶۰۶) اور اگر ہزار پر عورت نے قبضہ نہیں کیا اور عورت نے شوہر کو ہزار ہبہ کر دیا پھر عورت کو دخول سے پہلے طلاق دی تو کوئی کسی پر رجوع نہیں کرے گا۔

تشریح : یہ دوسری صورت ہے کہ بیوی نے شوہر کے ایک ہزار مہر پر قبضہ نہیں کیا اور اس کو ایک ہزار درہم ہبہ کر دیا، پھر شوہر نے بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دی بیوی شوہر سے کچھ نہیں لے گی، کیونکہ اس کو تو پانچ سو کے بجائے ایک ہزار مل گیا ہے اس لئے بیوی شوہر سے کچھ نہیں لے گی۔ اور شوہر بیوی سے آدھا مہر اس لئے وصول نہیں کر پائے گا کہ جو درہم اس کے ہاتھ میں تھا وہی اس کے ہاتھ میں رہ گیا تو اس کا درہم اس کو واپس مل گیا اس لئے بھی نہیں لے سکے گا۔ اس صورت میں عورت ہبہ کرتے وقت یہ کہہ دے کہ یہ مہر کا ہی درہم واپس کر رہی ہوں تو بالاتفاق شوہر عورت سے کچھ واپس نہیں لے سکے گا، کیونکہ شوہر کو اپنا درہم واپس مل گیا۔

ترجمہ : ۱؎ اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شوہر عورت سے آدھا مہر واپس لے، یہی قول امام زفرؒ کا ہے، اس لئے کہ عورت کے بری

بالطلاق قبل الدخول ۲؎وجه الاستحسان انه وصل اليه عين ما يستحقه بالطلاق قبل الدخول وهو براء ة ذمته عن نصف المهر ولا يبالى باختلاف السبب عند حصول المقصود (۱۶۰۷) ولو قبضت خمسمائة ثم وهبت الالف كلها المقبوض وغيره او وهبت الباقي ثم طلقها قبل الدخول بها لم يرجع واحد منهما على صاحبه شئ ﴾

کرنے کی وجہ سے شوہر کا مہر سالم رہا ،تو عورت اس آدھے مہر سے بری نہیں ہوگی جو دخول سے پہلے طلاق دینے کی وجہ سے شوہر مستحق ہے۔

تشریح : قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس صورت میں بھی شوہر عورت سے آدھا مہر واپس لے کیونکہ عورت نے اپنی جانب سے گویا کہ الگ سے ایک ہزار ہبہ کیا ہے، اس لئے گویا کہ شوہر نے جو ایک ہزار دیا ہے اس میں سے آدھا مہر واپس لینے کا حق رکھتا ہے، کیونکہ دخول سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہے۔

لغت : **لانه سلم له المهر بالابراء**: عورت نے اپنے مہر سے شوہر کو بری کر دیا تو شوہر کے لئے اس کا ایک ہزار سالم رہ گیا۔ **فلا تبرأ عما يستحقه بالطلاق قبل الدخول** :شوہر نے گویا کہ عورت کو ایک ہزار دیا، اور دخول سے پہلے طلاق ہوگئی اس لئے اس کا آدھا مہر پانچ سو درہم واپس لینے کا حقدار ہوا عورت اس سے بری نہیں ہوئی، کیونکہ عورت نے گویا کہ اس کے علاوہ اپنی جانب سے ایک ہزار دیا ہے اس لئے شوہر کا پانچ سو ابھی بھی عورت کے ذمے باقی ہے۔ ابراء: براۃ سے مشتق ہے، بری کرنا۔

ترجمہ : ۲؎ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کو وہ عین چیز مل گئی دخول سے پہلے طلاق سے جس کا مستحق تھا اور وہ ہے آدھے مہر سے ذمے سے بری ہونا، اور مقصد کے حاصل ہوتے وقت سبب کے اختلاف کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

تشریح : استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ شوہر بیوی سے کچھ بھی نہ لے، کیونکہ دخول سے پہلے طلاق ہونے کی وجہ سے جو آدھا مہر شوہر کو چاہئے تھا عورت کے بری کرنے کی وجہ سے وہی درہم اس کو مل گیا، اس لئے اب مزید اس کو لینے کا حق نہیں ہونا چاہئے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ درہم عورت کے بری کرنے کی وجہ سے ملا عورت نے یہ کہہ کر نہیں دیا کہ میں آپ کا آدھا مہر واپس کر رہی ہوں، تاہم اس کو اس کا ہی درہم مل چکا ہے چاہے بری کرنے کی وجہ سے ملے اس لئے سبب کے مختلف ہونیکی پرواہ نہیں کیا جائے گی۔

اصول: عورت نے الگ سے کوئی چیز ہبہ کی تو شوہر کو اپنی چیز مانگنے کا حق باقی رہے گا۔ اور اگر شوہر ہی کی چیز واپس کر دی تو چونکہ اس کو اپنی چیز مل گئی اس لئے دوبارہ مانگنے کا حق نہیں ہوگا۔

ترجمہ : (۱۶۰۷) اور اگر پانچ سو پر قبضہ کیا پھر عورت نے قبضہ کیا ہوا اور بغیر قبضہ کیا ہوا ایک ہزار ہبہ کیا، یا باقی پانچ سو ہبہ کیا پھر دخول سے پہلے طلاق دی تو دونوں میں سے کوئی دوسرے سے کچھ بھی واپس نہیں لے گا۔

۱؎ عند ابی حنیفةؒ ۲؎ وقالا یرجع علیها بنصف ماقبضت اعتبارا للبعض بالکل ۳؎ ولان هبة البعض حط فیلحق باصل العقد ۴؎ ولابی حنیفةؒ ان مقصود الزوج حصل وهو سلامة نصف الصداق بلاعوض فلایستوجب الرجوع عند الطلاق

ترجمه : ۱؎ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح : ایک ہزار مہر تھا عورت نے اس میں سے پانچ سو شوہر سے قبضہ کیا، پھر جو پانچ سو قبضہ کیا وہ بھی اور اپنی طرف سے پانچ سو ملا کر ایک ہزار شوہر کو ہبہ کر دیا، بعد میں دخول سے پہلے طلاق دی تو عورت بھی شوہر سے کچھ نہیں لے سکے گی، اور شوہر بھی عورت سے کچھ نہیں لے سکے گا۔

وجہ : عورت تو اس لئے نہیں لے سکے گی، کہ اس کا حق آدھا مہر پانچ سو درہم کا تھا وہ شوہر سے وصول کر لیا ہے۔ اور شوہر عورت سے اس لئے نہیں لے سکے گا کہ اس نے صرف پانچ سو ہی عورت کو دیا تھا جو اس کا آدھا مہر بنتا تھا، اس لئے شوہر اب عورت سے کیا لے گا!۔

ترجمه : ۲؎ صاحبینؒ نے فرمایا کہ عورت نے جتنا قبضہ کیا ہے شوہر اس کا آدھا واپس لے گا، بعض کو کل پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح : اوپر مسئلہ نمبر ۱۶۰۵ میں گزرا کہ کل ایک ہزار درہم عورت نے قبضہ کیا ہو اور پھر سب کو ہبہ کر دیا تو شوہر آدھے کے واپس لینے کا حق رکھتا ہے تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے آدھے پر قبضہ کیا ہو اور اس کو ہبہ کر دیا تو شوہر اس کے آدھے یعنی ڈھائی سو درہم کے واپس لینے کا حق رکھتا ہے۔ تو یہاں آدھے کے قبضے کو کل پر قیاس کیا ہے۔

ترجمه : ۳؎ اور اس لئے کہ بعض کا ہبہ کرنا کم کرنا ہے اس لئے اصل عقد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا۔

تشریح : صاحبینؒ کی یہ دوسری دلیل ہے، ایک ہزار میں سے پانچ سو ہبہ کر دیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ اصل مہر میں سے پانچ سو کم کر دیا اور اب مہر پانچ سو ہی رہا، اور عورت نے شوہر سے پانچ سو لیا ہے تو گویا کہ کل مہر لے لیا ہے اور دخول سے پہلے طلاق واقع ہونے کی وجہ سے وہ آدھے مہر یعنی ڈھائی سو کا مستحق تھی اس لئے شوہر کو عورت سے ڈھائی سو درہم واپس لینے کا حق ہے۔

لغت : حط : اصل مہر میں سے کم کرنا، هبة البعض حط : کا مطلب یہ ہے کہ بعض مہر کو ہبہ کرنا گویا کہ اصل مہر میں سے کم کر دینا ہے۔

ترجمه : ۴؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر کا مقصد حاصل ہو گیا ہے اور وہ ہے بغیر عوض کے آدھے مہر کا سالم رہ جانا اس لئے طلاق کے وقت رجوع کا حق نہیں ہوگا۔

تشریح : امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے شوہر سے پانچ سو لیا تھا اور ہزار دے دیا تو شوہر کا پانچ سو بغیر کسی بدلے کے

۵ والحط لايلتحق باصل العقد فی النکاح الا تری ان الزیادة فیه لا تلتحق حتی لاتنصف

(۱۶۰۸) ولو کانت وهبت اقل من النصف وقبضت الباقی فعنده یرجع علیها الی تمام النصف ﴾

۱ وعندهما بنصف المقبوض

واپس آہی گیا ہے اس لئے اس کا مقصد حاصل ہو گیا ہے اس لئے مزید اس کو لینے کا حق نہیں دیا جائے گا۔۔صداق: مہر۔یستوجب: واجب ہونا۔

ترجمه : ۵ اور مہر کم کرنا نکاح میں اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا، کیا نہیں دیکھتے ہیں کہ مہر میں زیادتی کرنا اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ زیادتی کا آدھا نہیں ہوتا۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ مہر میں کمی اصل عقد کے ساتھ لاحق کیا جائے گا، اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ نکاح کے بعد مہر میں کم یا زیادہ کیا جائے تو یہ دلوایا جائے گا لیکن یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر دخول سے پہلے طلاق ہو جائے تو نکاح کے وقت جو مہر متعین ہوا ہے اسی کا آدھا ہوگا اور بعد میں جو زیادہ کیا اس کا آدھا نہیں دلوایا جائے گا، مثلا نکاح کے وقت ایک ہزار درہم مہر متعین ہوا اور شوہر نے بعد میں دو سو درہم اور بڑھا دیا اور دخول سے پہلے طلاق ہوئی تو اس ایک ہزار درہم کا آدھا دلوایا جائے گا، مزید جو دو سو درہم زیادہ کیا تھا اس کا آدھا ایک سو نہیں دلوایا جائے گا، کیونکہ بعد کی کمی زیادتی اصل مہر کے ساتھ لاحق نہیں کیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں جو عورت نے ہبہ کر کے پانچ سو کم کیا ہے یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہو گا، اور شوہر کو اس کا آدھا واپس لینے کا حق نہیں ہوگا۔

ترجمه : (۱۶۰۸) اور اگر عورت نے آدھے سے کم ہبہ کیا اور باقی پر قبضہ کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورت سے آدھے مہر تک وصول کرے گا۔

تشریح : عورت نے آدھے سے کم ہبہ کیا اور باقی مہر کو شوہر سے لے لیا، مثلا ہزار میں سے دو سو درہم شوہر کو ہبہ کیا اور آٹھ سو درہم شوہر سے لے لیا، اور طلاق دخول سے پہلے واقع ہوئی ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں شوہر عورت سے اتنا واپس لے لے کہ آدھا مہر شوہر کے پاس آجائے، مثال مذکور میں دو سو درہم عورت پہلے ہبہ کر چکی ہے اس لئے تین سو مزید عورت سے واپس لے لے تو پانچ سو درہم شوہر کے پاس ہو جائے گا، اسی کو ،یرجع الی تمام النصف ، کہتے ہیں ۔

وجه : امام ابو حنیفہؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ دخول سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہے اس لئے کسی نہ کسی طرح شوہر کے پاس آدھا مہر واپس آنا چاہئے، چاہے ہبہ کے ذریعہ، یا واپس لے کر۔

ترجمه : ۱ اور صاحبینؒ کے نزدیک عورت نے جتنا قبضہ کیا اس کا آدھا شوہر وصول کرے گا۔

(١٦٠٩) ولو كان تزوجها على عرض فقبضت اولم تقبض فوهبت له ثم طلقها قبل الدخول بها لم يرجع عليها بشئ ﴾ ﴿ وفي القياس وهو قول زفرؒ رجع عليها بنصف قيمته لان الواجب فيه رد نصف عين المهر على ما مر تقريره

تشریح : صاحبینؒ کا اصول گزر چکا ہے کہ عورت نے دوسو درہم شوہر کو ہبہ کیا تو گویا کہ اصل مہر ایک ہزار میں سے دوسو درہم کم کر دیا[جسکو حط، کہتے ہیں]اور اب مہر آٹھ سو درہم ہی رہا، اور عورت آٹھ سو قبضہ کر چکی ہے اس لئے اس کا آدھا چار سو شوہر کو واپس دے۔

ترجمہ : (١٦٠٩) اگر نکاح کیا سامان پر اور عورت نے اس پر قبضہ کیا یا نہیں کیا اور شوہر کو ہبہ کر دیا، پھر دخول سے پہلے طلاق دے دی تو شوہر عورت سے کچھ نہیں لے گا۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مہر ایسی چیز تھی جو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہو اور اسی چیز کا آدھا شوہر کو مل گیا تو بیوی سے کچھ نہیں لے سکے گا، کیونکہ اس کو اپنی چیز مل گئی۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی متعین سامان پر نکاح کیا، اور عورت نے اس پر قبضہ کیا، یا اس پر قبضہ نہ کیا ہو[دونوں کا حکم ایک ہی ہے]اور عورت نے اس چیز کو شوہر کو ہبہ کر دیا، بعد میں دخول سے پہلے طلاق ہوئی تو شوہر عورت سے کچھ نہیں لے گا۔

وجہ : (۱) دخول سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہے تو شوہر کو اپنے مہر کا آدھا چاہئے اور وہ مل گیا اس لئے اب مزید عورت سے کچھ نہیں لے سکے گا۔ جس صورت میں عورت نے قبضہ کیا اور پھر وہی سامان دے دیا تو شوہر کو اپنا سامان مل گیا، جس صورت میں عورت نے سامان پر قبضہ نہیں کیا اور عورت نے وہ چیز شوہر کو دے دیا تب بھی شوہر کے پاس اس کا سامان موجود رہا، اس لئے مزید نہیں لے سکتا ہے۔

ترجمہ : ﴿ اور قیاس میں یہ ہے اور وہی قول امام زفرؒ کا ہے کہ سامان کی آدھی قیمت عورت سے وصول کرے اس لئے کہ اس میں عین مہر کا آدھا واپس کرنا واجب تھا، جیسا کہ اس کی تقریر گزر چکی۔

تشریح : قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے اور امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ عورت نے مہر کا جو سامان قبضہ کیا ہے اس کی آدھی قیمت شوہر کو واپس کرے۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ دخول سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہے اس لئے عورت پر یہ لازم تھا کہ آدھا سامان یہ کہہ کر واپس کرتی کہ یہ آدھا مہر واپس کر رہی ہوں، اور اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ پورے سامان کو ہبہ کیا، اور ہبہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں مہر واپس نہیں کر رہی ہوں بلکہ میں الگ سے اپنی چیز دے رہی ہوں، اس لئے شوہر کا آدھے مہر کا جو حق تھا وہ ابھی بھی باقی رہ گیا اس لئے

۲ وجه الاستحسان ان حقه عند الطلاق سلامة نصف المقبوض من جهتها وقد وصل اليه ولهذا لم يكن لها دفع شئ اٰخر مكانه ۳ بخلاف ما اذا كان المهر دينا ۴ وبخلاف ما اذا باعت من زوجها لانه وصل اليه ببدل (۱۶۱۰) ولو تزوجها على حيوان او عروض فى الذمة فكذلك الجواب ۱ لان المقبوض متعين فى الرد

سامان کی آدھی قیمت واپس لے سکتا ہے۔

ترجمه : ۲ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کا حق طلاق دیتے وقت عورت کی جانب سے قبضہ کئے ہوئے کا آدھا کا سالم رہنا ہے، اور یہ شوہر کو پہونچ گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قبضہ کی ہوئی چیز کے بجائے دوسری چیز عورت کے لئے دینا ٹھیک نہیں ہے۔

تشریح : استحسان کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کا حق یہ تھا کہ جو چیز قبضہ کیا عورت کی جانب سے اس کا آدھا اس کو پہنچ جائے اور وہ پہنچ گئی اس لئے مزید اس کو لینے کا حق نہیں ہوگا۔ وہی چیز ملنے کی علامت یہ ہے کہ وہ چیز رہتے ہوئے عورت اس کے بجائے دوسری چیز دینا چاہے تو دینا ٹھیک نہیں ہے۔

ترجمه : ۳ بخلاف جبکہ مہر دین ہو۔

تشریح : یہاں دین سے مراد درہم اور دینار ہیں، جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ مہر میں ایک ہزار درہم تھا، عورت نے اس پر قبضہ کیا، اور پھر وہی درہم شوہر کو ہبہ کر دیا، تو چونکہ درہم متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا، اس لئے یہ سمجھا جائے گا کہ یہ شوہر والا درہم نہیں ہے بلکہ عورت کا اپنا درہم ہے جو ہبہ کیا، اس لئے شوہر کو آدھا مہر واپس لینے کا حق ہوگا۔

ترجمه : ۴ اور بخلاف جبکہ عورت نے شوہر سے وہی چیز بیچی اس لئے کہ شوہر کو بدلے میں ملی۔

تشریح : عورت نے جو متعین کیلی اور وزنی چیز شوہر سے مہر میں لی اس کو شوہر کے ہاتھ میں بیچ دیا تو شوہر کو دئے ہوئے مہر کی آدھی قیمت لینے کا حق ہوگا۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں شوہر کو اپنی چیز ملی تو ضرور ہے لیکن اس کو عورت سے خرید کر لیا ہے، حالانکہ دئے ہوئے مہر کا آدھا مفت واپس آنا چاہئے، کیونکہ آدھا شوہر کا حق ہے، اس لئے اس کو مہر کی آدھی قیمت واپس لینے کا حق ہوگا۔

ترجمه : (۱۶۱۰) اور اگر حیوان پر نکاح کیا، یا ذمے میں سامان پر نکاح کیا تو جواب ایسے ہی ہے [یعنی شوہر عورت سے کچھ نہیں لے سکے گا]۔

ترجمه : ۱ اس لئے کہ جو قبضہ کیا ہے وہ واپسی کے وقت متعین ہے۔

تشریح : نکاح کرتے وقت کوئی متعین جانور نہیں تھا بلکہ یوں کہا کہ ایک گھوڑا مہر میں دیا جائے گا، یعنی جنس اور نوع بیان کر دیا، تو

۲؎ وهذا لان الجهالة تحملت فی النکاح فاذا عین یصیر کان التسمیة وقعت علیه (۱۶۱۱) واذا تزوجها علی الف علی ان لایخرجها من البلدة او علی ان لایتزوج علیها اخریٰ فان وفی بالشرط فلها المسمی ۱؎ لانه صلح مهرا وقد تم رضاها به

اوسط گھوڑا مہر میں لازم ہوگا اور نکاح صحیح ہو جائے گا، یا سامان متعین نہیں تھا بلکہ یوں کہا کہ ایک سو کیلو گیہوں مہر میں دیا جائے گا جو شوہر کے ذمے ہے، تو نکاح درست ہو جائے گا اور اوسط گیہوں شوہر کو لازم ہوگا۔ اب عورت نے اس حیوان پر یا سامان پر قبضہ کیا اور اسی کو شوہر کی طرف واپس کیا تو شوہر کو اپنی چیز مل گئی اس لئے دوبارہ عورت سے وصول کرنے کا حق نہیں رہے گا۔ اور اگر عورت نے حیوان پر اور سامان پر قبضہ نہیں کیا اور شوہر کو واپس کر دیا تو ذہنی طور پر جو حیوان اور سامان عورت کو دیتا وہی حیوان اور سامان عورت نے شوہر کو واپس کیا ہے، تو اس صورت میں بھی شوہر کو اپنی چیز واپس مل گئی اس لئے بھی شوہر دوبارہ عورت سے لینے کا حق نہیں رکھے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اس لئے کہ جہالت نکاح میں برداشت کی جاتی ہے، پس جب دیتے وقت متعین ہو گیا تو گویا کہ اسی پر نکاح ہوا تھا۔

تشریح: بیع میں اگر حیوان متعین نہ ہوا تو بیع درست نہیں ہوتی ہے، اسی طرح اگر سامان متعین نہ ہو تو بیع درست نہیں ہوتی ہے، لیکن نکاح میں اگر حیوان متعین نہ ہو یا سامان متعین نہ ہو تب بھی نکاح ہو جاتا ہے، اور یہ تھوڑی سی جہالت برداشت کی جاتی ہے۔ اور جس وقت شوہر حیوان یا سامان عورت کو دینے لگے گا اس وقت وہ حیوان یا سامان متعین ہو جائے گا، اور یوں کہا جائے گا کہ اسی حیوان یا سامان پر مہر متعین ہوا تھا، اور جب حیوان یا سامان دیتے وقت متعین ہو گیا، اور وہی حیوان یا سامان شوہر کو واپس مل گیا تو اب مزید عورت سے وصول کرنے کا حقدار نہیں ہوگا۔

اصول: جو چیز متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے، اگر وہ چیز عورت نے شوہر کو واپس کر دیا تو شوہر دوبارہ لینے کا حقدار نہیں ہوگا۔

لغت: تحملت: برداشت کیا جاتا ہے، عین: دیتے وقت متعین کرے گا۔

ترجمہ: (۱۶۱۱) اگر شادی کی ہزار درہم پر اس شرط پر کہ اس کو شہر سے نہیں نکالے گا، یا اس شرط پر کہ اس عورت پر دوسری شادی نہیں کرے گا، پس اگر شرط پوری کی تو اس کو متعین کردہ مہر ملے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ یہ مہر کی صلاحیت رکھتا ہے اور عورت کی رضامندی بھی پوری ہوئی۔

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مہر مثل اصل ہے، اگر مہر کے تعین میں گڑبڑی ہوئی تو مہر مثل جو اصل ہے وہ لازم ہوگا، یا اسی کی روشنی میں مہر طے کیا جائے گا۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اس شرط پر ایک ہزار پر شادی کی کہ عورت کو اس شہر سے باہر رہنے کے لئے نہیں لے جائے گا، یا اس شرط پر کہ اس عورت پر دوسری شادی نہیں کرے گا، اور زندگی بھر اس نے ایسا ہی کیا تو عورت کو ایک ہزار ملے گا، کیونکہ شرط بھی شوہر نے پوری کی، اور عورت اس شرط کے ساتھ ایک ہزار پر راضی ہے اس لئے اس کو ایک ہزار ملے گا۔

(۱۶۱۲) وان تزوج عليها اخرى او اخرجها فلها مهر مثلها ﴾ ل لانه سمى مالها فيه نفع فعند فواته ينعدم رضاها بالالف فيكمل مهر مثلها كما فى تسمية الكرامة والهدية مع الالف (۱۶۱۳) ولو تزوجها على الف ان اقام بها وعلى الفين ان اخرجها فان اقام بها فلها الالف وان اخرجها فلها مهر المثل لايزاد على الفين ولاينقص عن الالف ﴾ ل وهذا عند ابى حنيفةؒ

ترجمه : (۱۶۱۲) اور اگر اس پر دوسری شادی کی یا اس کو شہر سے نکالا تو عورت کے لئے مہر مثل ہے۔

تشریح : لیکن اگر شرط پوری نہیں کی، بلکہ عورت کو شہر سے باہر لے گیا، یا عورت کے رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح کیا تو چونکہ شرط کے خلاف کیا جس میں عورت کا نفع تھا اس لئے اب عورت اس مہر پر راضی نہیں ہوگی، اس لئے یہ مہر معدوم ہو گیا، اس لئے اب مہر مثل لازم ہوگا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مہر متعین نہ ہو یا اس میں گڑ بڑی ہو تو مہر مثل جو اصل ہے وہ لازم ہوتا ہے۔

ترجمه : ل اس لئے کہ وہ شرط لگائی جس میں عورت کا نفع ہے اس لئے اس کے فوت ہوتے وقت ہزار پر عورت کی رضامندی فوت ہو جائے گی اس لئے عورت کا مہر مثل مکمل کیا جائے گا، جیسا کہ ہزار کے ساتھ عزت کرنے اور ہدیہ دینے کا بھی تعین ہو۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ، ایک ہزار کے ساتھ شہر سے باہر نہ نکلنے کی شرط لگائی ہے، یا شادی نہ کرنے کی شرط لگائی ہے جس میں عورت کا فائدہ ہے اور اس کے فوت ہونے سے وہ ایک ہزار پر راضی نہیں ہوگی اس لئے اب اصل یعنی مہر مثل کی طرف رجوع کیا جائے گا اور وہ لازم ہوگا۔ جیسے یہ طے ہوا ہو کہ ایک ہزار کے ساتھ عورت کی عزت بھی کرے گا، یا ایک ہزار کے ساتھ عورت کو ہدیہ بھی دے گا، تو ہدیہ نہ دے یا عزت نہ کرے تو مہر مثل لازم ہوگا ، ایسے ہی یہاں بھی مہر مثل لازم ہوگا۔

لغت: یکمل مهر مثلها : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ [۱] اگر مہر مثل ایک ہزار سے زیادہ ہے تو مہر مثل دلوایا جائے گا، کیونکہ عورت اس سے کم پر راضی نہیں ہوگی۔ [۲] اور اگر مہر مثل ایک ہزار سے کم ہے تب ایک ہزار دلوایا جائے گا، کیونکہ شوہر نے ایک ہزار دینے کا وعدہ کیا ہے۔ [۳] اور اگر مہر مثل ایک ہزار کے برابر ہے تو دونوں میں سے کوئی بھی دے دو کافی ہے، حاصل یہ ہے کہ مہر مثل کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے گا، یہی ترجمہ ہے ,یکمل مهر مثلها ، کا۔

ترجمه : (۱۶۱۳) اور نکاح کیا ایک ہزار پر اگر عورت کو شہر میں رکھے، اور دو ہزار پر اگر اس کو شہر سے نکالے، پس اگر اس کو شہر میں رکھا تو عورت کے لئے ایک ہزار ہے اور اگر اس کو شہر سے نکالا تو اس کے لئے مہر مثل ہے جو دو ہزار سے زیادہ نہ ہو اور ایک ہزار سے کم نہ ہو۔

ترجمه : ل یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح : اس مسئلے میں مہر شرط پر رکھا ہے اور اجارات کا اصول جاری ہوا ہے ، صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر گھر پر عورت کو رکھے گا تو

۲؎ وقالا الشرطان جميعا جائزان حتى كان لها الالف ان اقام بها و الالفان ان اخرجها ۳؎ وقال زفرؒ الشرطان جميعا فاسد ان ويكون لها مهر مثلها لاينقص من الف ولايزاد على الفين ۴؎ واصل المسألة فى الاجارات فى قوله ان خطته اليوم فلک درهم وان خطته غدا فلک نصف درهم و سنبينها فيه ان شاء الله

ایک ہزار مہر ہوگا، اور شہر سے باہر رکھے گا تو دو ہزار درہم مہر ہوگا، پس اگر گھر پر رکھا تو ایک ہزار مہر ہوگا کیونکہ شرط یہی ہے، لیکن اگر شہر سے باہر رکھا تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ دو ہزار مہر نہیں ہوگا بلکہ مہر مثل لازم ہوگا، لیکن مہر مثل بھی اتنا کہ دو ہزار سے زیادہ نہ ہو۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ شہر میں رکھا تو وعدے کے مطابق کیا اس لئے ایک ہزار ملے گا، اور شہر میں نہیں رکھا تو عورت کو نقصان ہوا اس لئے وہ ایک ہزار پر راضی نہیں ہوگی، اور دو ہزار شرط پر معلق ہے اس لئے وہ بھی طے نہیں ہوا، اور پہلے قاعدہ گزرا کہ مہر طے نہ ہو تو مہر مثل لازم ہوتا ہے، اس لئے گھر پر نہ رکھنے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔

ترجمه : ۲؎ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں شرطیں جائز ہیں، یہاں تک کہ اگر عورت کو گھر میں ٹھہرایا تو ایک ہزار ہوگا، اور اگر اس کو باہر نکالا تو دو ہزار ہوگا۔

تشريح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں جائز ہیں، اور جس شرط کے مطابق کرے گا اسی کے مطابق مہر لازم ہوگا، یعنی گھر میں رکھے گا تو ایک ہزار اور باہر نکالے گا تو دو ہزار لازم ہوگا۔

وجه : (۱) انکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عقبة عن النبی ﷺ قال احق ما اوفيتم من الشروط ان تو فوا به ما استحللتم به الفروج ۔ (بخاری شریف باب الشروط فی النکاح، ص ۹۲۱، نمبر ۵۱۵۱) اس حدیث میں ہے کہ نکاح کی شرط پوری کیا کرو۔ (۲) اس حدیث میں بھی ہے۔ و قال النبی ﷺ المسلمون عند شروطهم ۔ (بخاری شریف، باب اجر السمسرة، ص ۳۶۳، نمبر ۲۲۷۴) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان پر شرط کی رعایت ضروری ہے۔

ترجمه : ۳؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ دونوں شرط فاسد ہیں اور عورت کے لئے مہر مثل ہوگا جو ایک ہزار سے کم نہ ہو اور دو ہزار سے زائد نہ ہو۔

تشريح : امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں شرط فاسد ہیں اس لئے گھر میں رکھے تب بھی اور باہر لیجائے تب بھی مہر مثل لازم ہوگا، وہ فرماتے ہیں کہ شرط پر مہر کو معلق کرنا ایسا ہے کہ کوئی مہر ہی متعین نہیں ہوا، اور قاعدہ گزرا کہ مہر متعین نہ ہو تو مہر مثل لازم ہوگا، اس لئے دونوں صورتوں میں مہر مثل لازم ہوگا۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ مہر مثل دو ہزار سے زائد نہ ہو اور ایک ہزار سے کم نہ ہو۔

ترجمه : ۴؎ اصل مسئلہ کتاب الاجارات میں قوله: ان خطته اليوم فلک درهم و ان خطته غدا فلک نصف

(۱۶۱۴) ولو تزوجها علی هذا العبد او علی هذا العبد فاذا احدهما اوکس والآخر ارفع فان کان مهر مثلها اقل من اوکسهما فلها الاوکس وان کان اکثر من ارفعهما فلها الارفع وان کان بینهما فلها مهر مثلها ﴿ ١ وهذا عند ابی حنیفةؒ ٢ وقالا لها الاوکس فی ذلک کله

درھم ، کے تحت میں ہے

تشریح : اس مسئلے کا اصول کتاب الاجارات میں اس قول: **ان خطته الیوم فلک درهم و ان خطته غدا فلک نصف درهم** ، کے تحت میں ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

ترجمہ : (۱۶۱۴) اور اگر نکاح کیا اس غلام پر یا اس غلام پر، اور دونوں میں سے ایک غلام نیچے درجے کا ہے اور دوسرا اعلی درجے کا ہے، پس اگر مہر مثل نچلے غلام سے بھی کم ہے تو عورت کے لئے نچلا غلام ہے، اور اگر اعلی درجے سے بھی زیادہ ہے تو عورت کے لئے اعلی غلام ہے، اور اگر مہر مثل دونوں کے درمیان میں ہے تو عورت کے لئے مہر مثل ہے۔

ترجمہ : ١ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح : یہاں مہر متعین نہیں ہے بلکہ دو غلاموں کے درمیان ہے اس لئے مہر میں جہالت ہے اور جب مہر میں جہالت ہو تو مہر مثل لازم ہوتا ہے، یا مہر مثل کی روشنی میں اعلی یا ادنی غلام لازم ہوگا۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ، کہا کہ مہر یہ غلام ہے یا یہ غلام ہے، یعنی دو نوں میں سے ایک کو متعین نہیں کیا، اور دونوں میں سے ایک ادنی درجے کا غلام ہے اور دوسرا اعلی درجے کا ہے، اس لئے دیکھا جائے گا کہ مہر مثل کسکی موافقت کرتا ہے وہی غلام لازم ہوگا، [۱] پس اگر مثلا مہر مثل اعلی غلام سے بھی زیادہ ہے، مثلا اعلی غلام کی قیمت پانچ سو درہم ہے اور مہر مثل چھ سو درہم ہے تو اعلی غلام لازم ہوگا اس سے زیادہ اس لئے لازم نہیں ہوگا عورت مہر مثل سے کم یعنی اعلی غلام [پانچ سو] پر راضی ہے۔ [۲] اور اگر مہر مثل ادنی غلام سے بھی کم ہے مثلا غلام کی قیمت تین سو درہم ہے اور مہر مثل دو سو درہم ہے، تو ادنی غلام [تین سو] لازم ہوگا، کیونکہ شوہر ادنی غلام یعنی تین سو درہم دینے پر پہلے سے راضی ہے۔ [۳]، اور اگر مہر مثل دونوں غلاموں کے درمیان ہیں، مثلا چار سو مہر مثل ہے، تو مہر مثل لازم ہوگا تا کہ نہ شوہر کی رعایت ہو اور نہ بیوی کی رعایت ہو۔

لغت : وکس: گھٹیا درجے کا۔

ترجمہ : ٢ صاحبینؒ نے فرمایا کہ ان تینوں صورتوں میں ادنی درجے کا غلام ہی ہوگا۔

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اوپر کے تینوں صورتوں میں عورت کے لئے ادنی غلام ہی ہوگا۔

وجہ : اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ مہر مثل اس وقت ہوتا ہے جب مہر متعین نہ ہو اور یہاں ادنی غلام دینا تو یقینی ہے اس لئے ادنی غلام لازم ہو جائے گا، مہر مثل لازم نہیں ہوگا۔

(۱۶۱۵) فان طلقها قبل الدخول بها فلها نصف الاوكس فی ذلک کله ﴾ ل بالاجماع ۲ لهما ان المصير الى مهر المثل لتعذر ايجاب المسمىٰ وقد امكن ايجاب الاوكس اذا الاقل متيقن وصار كالخلع والاعتاق على مال ۳ ولابى حنيفةؒ ان الموجب الاصلی مهر المثل اذهو الاعدل والعدول عنه عند صحة التسمية وقد فسدت لمكان الجهالة

ترجمه : (۱۶۱۵) اور اگر عورت کے دخول سے پہلے طلاق ہوگئی تو بالاتفاق ان تمام صورتوں میں ادنی غلام کا آدھا ہوگا۔

ترجمه : ل سب کے نزدیک۔

تشریح : صورت وہی ہے کہ یہ غلام مہر میں ہوگا یا وہ غلام، اور دخول سے پہلے طلاق ہوگئی تو سب کے نزدیک جو ادنی غلام ہے اس کا آدھا، یعنی اس کے آدھے کی قیمت لازم ہوگی۔

وجه : (۱) صاحبینؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ انکے یہاں ہر حال میں ادنی غلام ہے اس لئے دخول سے پہلے طلاق واقع ہونے کی وجہ سے اس کا آدھا لازم ہوگا، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل تو مہر مثل تھا، اور دخول سے پہلے طلاق واقع ہوئی اس لئے متعہ لازم ہونا چاہئے تھا، لیکن ادنی غلام کی آدھی قیمت متعہ کے قریب قریب ہوتی ہے [یعنی تین کپڑے کی قیمت کے قریب ہوتی ہے] اس لئے ادنی غلام کی آدھی قیمت لازم کردی جائے گی۔ (۲) شوہر ہر حال میں ادنی غلام تو دینا ہی چاہتا تھا اس لئے دخول سے پہلے طلاق ہونے کی وجہ سے اس کا آدھا لازم ہونا چاہئے۔

ترجمه : ۲ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مہر مثل کی طرف جانا متعین مہر کے واجب کرنے کے متعذر ہوتے وقت ہوتا ہے، اور یہاں ادنی کو واجب کرنا ممکن ہے اس لئے کہ کم درجہ متیقن ہے اس لئے خلع اور مال کے بدلے میں آزاد کی طرح ہوگیا۔

تشریح : صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ جب تک ہو سکے متعین مہر لازم کیا جائے، [جسکو مہر مسمی کہتے ہیں] وہ نہ ہو سکے تب مہر مثل ہوگا، اور یہاں ادنی غلام کو مہر متعین کرنا ممکن ہے، کیونکہ وہ دینا یقینی ہے، اعلی غلام دیگا تب بھی ادنی اس کے تحت میں آہی جائے گا، اس لئے مہر مثل کی طرف نہیں جائے گا ادنی غلام لازم کیا جائے گا۔ اس کی دو مثالیں دے رہے ہیں [۱] اگر اس طرح خلع کیا ہو کہ میں نے اس غلام پر خلع کیا یا اس غلام پر، اور ایک غلام اعلی ہو اور دوسرا ادنی ہو تو سب کے نزدیک ادنی غلام لازم ہوگا۔ [۲] یا آقا نے کہا میں نے اس غلام کے بدلے آزاد کیا یا اس غلام کے بدلے، تو یہاں بھی ادنی غلام ہی لازم ہوتا ہے، اسی طرح مہر میں بھی ادنی ہی لازم کیا جائے گا۔

ترجمه : ۳ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصلی وجوب مہر مثل ہے، اس لئے کہ وہی انصاف کی چیز ہے، اور مہر مثل سے عدول کرنا تعین کے صحیح ہوتے وقت ہوتا ہے، اور جہالت کی وجہ سے تعین فاسد ہوگیا [اس لئے مہر مثل لازم ہوگا]۔

۴ بخلاف الخلع والاعتاق لانه لا موجب له فی البدل ۵ الا ان مهر المثل اذا کان اکثر من الارفع فالمرأة رضیت بالحط وان کان انقص من الاوکس فالزوج رضی بالزیادة

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصلی وجوب مہر مثل ہے کیونکہ وہ خاندان کی رعایت کرکے باندھا جاتا ہے اور اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی اس لئے اس سے عدول اسی وقت ہوگا جبکہ پورے طور پر مہر متعین ہو، اور یہاں یہ غلام ہے یا وہ غلام مہر اس میں جہالت کی وجہ سے مہر متعین نہیں ہے اس لئے مہر مثل لازم ہوگا۔

ترجمہ : ۴ بخلاف خلع اور آزادگی کے اس لئے کہ بدل میں اس کا موجب نہیں ہے۔

تشریح : یہ صاحبین کو جواب ہے۔ مہر میں مہر مثل اصل ہے اس لئے تعین نہ ہو تو مہر مثل کی طرف فورا چلے جاتے ہیں، نچلے غلام کی طرف نہیں جاتے، اور خلع میں یا مال کے بدلے آزادگی میں پہلے سے کوئی چیز متعین نہیں ہے اس لئے جب کہا کہ اس غلام کے بدلے خلع کرتا ہوں یا اس غلام کے بدلے، تو تعین میں جہالت کے باوجود آخر غلام ہی کی طرف آنا ہے اس لئے نچلا غلام واجب کر دیا جاتا ہے کیونکہ وہ یقینی ہے۔

اصول : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر مثل اصل ہے، اس لئے مہر کا صحیح تعین ہو تب ہی مہر مثل سے تعین کی طرف جایا جائے گا، ورنہ نہیں۔

اصول : صاحبینؒ کے نزدیک مہر تعین اصل ہے، اس لئے کسی نہ کسی درجے میں تعین ہو تو اسی پر رہا جائے گا، تعین کی کوئی شکل نہ ہو تب مہر مثل کی طرف جایا جائے گا۔

لغت : مہر مثل: لڑکی کے خاندان، مثلا بہن، چچازاد بہن، پھوپھی کا جو مہر ہو اس کو مہر مثل، کہتے ہیں

ترجمہ : ۵ مگر یہ کہ مہر مثل اگر اعلی غلام سے بھی زیادہ ہو تو عورت کم کرنے پر راضی ہے [اس لئے اعلی غلام لازم ہوگا]، اور اگر نچلے درجے سے بھی کم ہو تو شوہر زیادہ دینے پر راضی ہے [اس لئے ادنی غلام لازم ہوگا]

تشریح : یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ جب مہر مثل اعلی غلام سے بھی زیادہ ہو تو مہر مثل کیوں نہیں دلواتے؟ اعلی غلام کیوں دلواتے ہیں، تو اس کا جواب دیا گیا کہ خود عورت پہلے سے اعلی غلام پر راضی ہے اس لئے مہر مثل کے بجائے اعلی غلام دلواتے ہیں۔ اسی طرح مہر مثل ادنی غلام سے بھی کم ہو تو مہر مثل نہیں دلواتے بلکہ مہر مثل سے زیادہ ادنی غلام دلواتے ہیں کیونکہ خود شوہر ادنی غلام دینے کے لئے راضی ہے۔

لغت : حط: کم کرنا۔ اوکس: ادنی غلام۔

۶؎ والواجب فی الطلاق قبل الدخول فی مثله المتعة ونصف الاوکس یزید علیها فی العادة فوجب لاعترافه بالزیادة (۱۶۱۶) واذا تزوجها علی حیوان غیر موصوف صحت التسمیة ولها الوسط منه والزوج مخیر ان شاء اعطاها ذلک وان شاء اعطاها قیمته ﴾

ترجمہ : ۶؎ ایسی صورت میں دخول سے پہلے طلاق ہونے میں متعہ واجب ہے، اورادنی غلام کا آدھا عادۃ متعہ کی قیمت سے زیادہ ہوتا ہے، اس لئے شوہر کے زیادہ اعتراف کرنے کی وجہ سے آدھا غلام دلوایا جاتا ہے۔

تشریح : یہ بھی اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ اس صورت میں جب مہر مثل واجب ہے، تو دخول سے پہلے طلاق کی صورت میں متعہ واجب ہونا چاہئے تو آپ ادنی غلام کا آدھا کیوں دلواتے ہیں؟ اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ، دخول سے پہلے طلاق ہونے کی صورت میں ادنی غلام کا آدھا دینے پر خود شوہر راضی ہے، کیونکہ ادنی غلام دینے کے لئے وہ خود راضی ہے، اور عموما ادنی غلام کی آدھی قیمت تین کپڑے سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے متعہ کے بجائے آدھا غلام دلوا دیتے ہیں، ورنہ حقیقت میں متعہ ہی دلوانا چاہئے۔

ترجمہ : (۱۶۱۶) اگر عورت سے شادی کی بغیر وصف بیان کئے ہوئے جانور پر تو تعین صحیح ہے اور عورت کے لئے اس کا وسط ہوگا۔ اور شوہر کو اختیار ہے اگر چاہے تو عورت کو جانور کا وسط دیدے۔ اور اگر چاہے تو اس کو اس کی قیمت دیدے۔

تشریح: عورت سے حیوان پر شادی کی اور اس کی جنس بیان کی کہ مثلا گھوڑے پر شادی کرتا ہوں لیکن اس کی صفت بیان نہیں کی کہ اعلی درجے کا گھوڑا ہوگا یا ادنی درجے کا تو ایسی صورت میں مہر صحیح ہو جائے گا۔ لیکن وسط گھوڑا لازم ہوگا جو قیمت کے اعتبار سے نہ اعلی ہو اور نہ ادنی ہو۔

وجہ: (۱) اس حدیث میں ہے کہ گٹھلی کے برابر سونا دیا تو اس میں گٹھلی تو متعین ہے لیکن اس کی قسم متعین نہیں ہے پھر بھی نکاح ہو گیا، جس سے معلوم ہوا کہ صفت متعین نہ ہو تب بھی نکاح ہو جائے گا کیوں کہ نکاح کا معاملہ تھوڑی سہولت پر ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن انس أن عبد الرحمن بن عوف تزوج امراة علی وزن نواة فرأی النبی بشاشة العروس فساله فقال انی تزوجت امرأة علی وزن نواة.. من ذهب . (بخاری شریف، باب قولہ تعالی وآتوا النساء صدقاتھن نحلۃ، ص ۹۲۰، نمبر ۵۱۴۸) (۲) اور اوسط لازم ہوگا اس کی دلیل یہ ہے، کہ اوسط دینے میں کسی کا نقصان نہیں ہے۔ نہ دینے والے کا اور نہ لینے والے کا (۳) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ ایک عورت کا مہر متعین نہیں تھا اور اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے وسط کا فیصلہ فرمایا تھا۔ اس میں یہ جملہ ہے۔ فقال ابن مسعود لها مثل صداق نسائها لا وکس ولا شطط (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت عنها قبل ان یفرض لها ص ۲۱۷ نمبر ۱۱۴۵ / ابوداؤد شریف، باب فیمن تزوج ولم یسم

۱ قالؓ معنی هذه المسألة ان یسمی جنس الحیوان دون الوصف بان یتزوجها علی فرس او حمار اما اذا لم یسم الجنس بان یتزوجها علی دابة لاتجوز التسمیة و یجب مهرالمثل ۲ وقال الشافعیؒ یجب مهر المثل فی الوجهین جمیعا لان عنده مالایصلح ثمناً فی البیع لایصلح مسمی اذ کل واحد منهما معاوضة ۳ ولنا انه معاوضة مال بغیر مال فجعلناه التزام المال ابتداء حتی لایفسد باصل الجهالة کالدیة والاقاریر

لھا صداقا تحتی مات ص ۲۹۵ نمبر ۲۱۱۶) اس حدیث میں ہے کہ نہ کم ہو اور نہ زیادہ ہو (۴) آیت میں بھی ایسے موقع پر معروف کا فیصلہ ہوتا ہے یعنی جو عام معاشرہ میں رائج ہے وہ لازم ہوگا۔ **وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین** (آیت ۲۴۱ سورۃ البقرۃ ۲) البتہ اوسط کا پتہ قیمت سے چلے گا۔ اس لئے شوہر کو یہ بھی حق ہے کہ اوسط جانور خرید کر دیدے۔ اور یہ بھی اختیار ہے کہ اوسط جانور کی قیمت بیوی کو سپرد کر دے۔ کیونکہ اوسط کا پتہ قیمت ہی سے چلے گا۔ اس لئے قیمت بھی سپرد کر سکتا ہے۔

ترجمہ : ۱ اس مسئلے کا معنی یہ ہے کہ حیوان کی جنس متعین کرے صفت متعین نہ کرے، اس طور پر کہ گھوڑے یا گدھے پر شادی کرے، بہر حال اگر جنس متعین نہ کرے اس طور پر کہ دابہ پر نکاح کرے تو تسمیہ جائز نہیں ہے اور مہر مثل واجب ہوگا۔

تشریح : متن میں حیوان غیر موصوف، ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جنس متعین ہو یعنی کون سا جانور ہے گھوڑا یا گدھا، اور صفت متعین نہ ہو کہ اعلی درجے کا گھوڑا ہے یا ادنی تب نکاح ہوگا، اور اگر جنس بھی متعین نہ ہو یعنی مطلقا بولا کہ مہر میں جانور ہے لیکن یہ نہیں بولا کہ کون سا جانور ہے گھوڑا یا گدھا تو مہر بھی متعین نہیں ہوگا اس لئے مہر مثل لازم ہو جائے گا۔

لغت : جنس: بہت سارے نوع کو شامل ہو اس کو جنس کہتے ہیں، جیسے دابۃ: [جانور] میں گھوڑا گدھا وغیرہ سب شامل ہیں، اور گھوڑا اس کا ایک نوع ہے جسکو یہاں ایک جنس کہا ہے۔ دابۃ: بہت سے جانور۔ مسمی: جو مہر متعین ہو اس کو مسمی کہتے ہیں۔

ترجمہ : ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں مہر مثل لازم ہوگا اس لئے کہ انکے نزدیک بیع میں جو قیمت نہ بن سکتی ہو وہ مسمی نہیں بن سکتی ہے، اس لئے کہ مہر اور قیمت دونوں معاوضہ ہیں۔

تشریح : امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں مہر مثل لازم ہوگا، یعنی جنس متعین کیا ہو تب بھی اور نوع متعین کیا ہو تب بھی، اس لئے کہ مہر بضع کی قیمت ہے، اس لئے جس طرح بیع کی قیمت متعین ہو تب صحیح ہوتی ہے اسی طرح مہر میں حیوان متعین ہو تب مہر بنے گا اور مہر مثل لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح مال کا معاوضہ بغیر مال کے ساتھ ہے اس لئے ہم نے شروع میں التزام مال قرار دیا، یہاں تک کہ اصل جہالت سے بھی فاسد نہ ہو، جیسے دیت اور اقرار۔

۴ وشرطنا ان يكون المسمى مالاً وسطه معلوم رعاية للجانبين وذلك عند اعلام الجنس لانه يشتمل على الجيد والردى والوسط والوسط ذوحظ منهما

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ یہاں دو باتیں پہلے سمجھیں تب مسئلہ سمجھ میں آئے گا[۱] پہلی بات ہے، التزام مال: اپنے اوپر کسی کے مال کا لازم کرنا، یعنی کسی کے لئے مال کا اقرار کرنا، اس اقرار میں جہالت کاملہ بھی چل جائے گا۔ مثلا زید اقرار کرے کہ میرے اوپر عمر کا کچھ ہے، اور کچھ کا نہ جنس بیان کرے نہ نوع بیان کرے تب بھی اقرار درست ہے، البتہ بعد میں اقرار کر نے والے سے پوچھا جائے گا کہ کچھ سے کیا مراد ہے۔[۲] دوسری بات ہے، معاوضہ مال بالمال: مال کے بدلے میں مال، جیسے بیع میں ہوتا ہے، اس میں جو قیمت ہے اس کی جنس اور نوع اور صفت سب معلوم ہونا اور متعین ہونا ضروری ہے ورنہ بیع فاسد ہو جائے گی۔[۳] اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ مہر کا معاملہ ایسا ہے کہ وہ پورے طور پر معاوضہ مال بالمال نہیں ہے، اور نہ پورے طور پر التزام المال، یعنی اقرار ہے، بلکہ وہ، معاوضہ المال بالجسم، ہے، اور اقرار اور معاوضہ کے درمیان میں ہے، چونکہ وہ اقرار کی طرح نہیں ہے اس لئے جہالت کاملہ نہیں چلے گی اس لئے مال کی جنس بیان کرنا ہوگا، اور مکمل بیع کی طرح نہیں ہے اس لئے تھوڑی سی جہالت چل جائے گی اور اعلی اور ادنی نہ بھی بیان کرے تب بھی مہر درست ہو جائے گا۔

عبارت کی تشریح یہ ہے کہ مہر میں مال کا عوض مال نہیں ہے، بلکہ مال کا عوض جسم ہے اس لئے شروع میں اس کو التزام مال قرار دیا، یعنی اقرار کے درجے میں رکھا اسی لئے اصل جہالت سے بھی مہر فاسد نہیں ہوگا، جیسے دیت ایک قسم کا مال کا اقرار ہے اس لئے دیت میں سو اونٹ لازم ہوتا ہے لیکن اس کی صفت معلوم نہیں ہوتی اور اوسط اونٹ دینے سے دیت ادا ہو جاتی ہے، یا کسی چیز کا اقرار کرے کہ میرے اوپر دس اونٹ ہے تو چاہے صفت بیان نہ کرے تب بھی اقرار درست ہے اور اوسط اونٹ لازم ہوگا، اسی طرح مہر میں بھی اوسط اونٹ لازم ہوگا۔

لغت : دیۃ: قتل کرنے پر قاتل کو سو اونٹ لازم ہوتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں۔ اقاریر: اقرار کی جمع ہے۔

ترجمہ : ۴ ہماری شرط یہ ہے کہ مہر متعین ایسا مال ہو جس کا وسط معلوم ہو سکے دونوں جانب کی رعایت کرتے ہوئے، اور وسط معلوم کرنا جنس معلوم ہوتے وقت ہوگا، اس لئے کہ جنس اچھے اور ردی اور وسط پر شامل ہوتی ہے، اور اوسط دونوں کے درمیان ہے۔

تشریح : ماتن نے یہ شرط لگائی جس مہر کو متعین کیا جا رہا ہے کم از کم ایسا ہو جسکی اوسط معلوم ہو سکے، اور اوسط اسی وقت معلوم ہوگا جبکہ اس کی جنس معلوم ہو، کیونکہ جنس میں اعلی درجہ، اوسط درجہ اور ادنی درجہ تینوں شامل ہوتے ہیں، اور اوسط درجہ ایسا ہے کہ اعلی سے کم ہے اور ادنی سے زیادہ ہے اس لئے وہ دونوں کا حصہ لئے ہوا ہے، اور دونوں کے درمیان ہے۔ اس لئے مہر اسی وقت درست ہوگا

۵ بخلاف جهالة الجنس لانه لا واسطة لاختلاف معانی الاجناس ۶ وبخلاف البيع لان مبناه علی المضايقة والمماكسة اما النكاح فمبناه علی المسامحة ۷ وانما يتخير لان الوسط لا يعرف الا بقيمة فصارت اصلا فی حق الايفاء والعبد اصل تسمية فيتخير بينهما

جبکہ کم سے کم اس چیز کی جنس معلوم ہو، اور اگر جنس کا بھی تعین نہیں کیا بہت سی جنسیں شامل ہو جائیں گی، اس لئے تعین صحیح نہیں ہوگا، اور مثل لازم ہو جائے گا۔

لغت : اعلام الجنس: جنس کا معلوم ہونا۔ مہر میں کم سے کم اس کی جنس معلوم ہو کہ وہ کون سی چیز ہے، گھوڑا یا گدھا۔ جید: اچھا، اعلی ۔الردی: گھٹیا، ادنی۔ الوسط: درمیانہ، بیچ کا۔ ذو حظ منھما: دونوں کا حصہ لئے ہوا ہے، یعنی اوسط درجہ جو کچھ اعلی کا حصہ بھی لئے ہوا ہے اور کچھ ادنی کا حصہ بھی لئے ہوا ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ اوسط شوہر کا حصہ بھی لئے ہوا ہے اور بیوی کا حصہ بھی لئے ہوا ہے۔

ترجمه : ۵ بخلاف جنس کی جہالت کے اس لئے کہ کوئی واسطہ نہیں ہے اجناس کے معانی کے اختلاف کی وجہ سے۔

تشریح : جنس کا تعین نہ ہو تو اوسط نہیں نکل سکتا، کیونکہ بہت سے جنسوں میں کس کا اوسط نکالا جائے گا، مثلا کہا کہ دابہ [جانور] مہر میں ہے اور دابہ میں گھوڑا، گدھا، بکری، گائے، بھیس سب داخل ہیں تو کسکا اوسط نکالیں، کیونکہ ایک دوسرے کے اوسط میں کوئی واسطہ نہیں ہے، اس لئے جنس کی جہالت ہو تو نہ اس کا اوسط نکل سکے گا اور نہ مہر متعین ہو سکے گا، اس لئے اس وقت مہر مثل لازم ہوگا۔

لغت : لاختلاف معانی الاجناس: بہت سے جنس ہوں، مثلا گھوڑا، گدھا، بکری، گائے، بھیس تو ہر ایک کے معانی اور قیمت میں بہت بڑا فرق رہتا ہے، اس کو اختلاف معانی الاجناس، کہتے ہیں۔

ترجمه : ۶ بخلا بیع کے اسلئے کہ اس کی بنیاد تنگی پر ہے، اور بہر حال نکاح تو اس کی بنیاد سہولت پر ہے۔

تشریح : بیع کی بنیاد تنگی پر اس لئے اس میں حیوان کی جنس کے ساتھ وصف بھی متعین ہونا ضروری ہے تب بیع درست ہوگی، اور نکاح کی بنیاد سہولت پر ہے اس لئے یہاں صرف جنس بیان کر دے صفت بیان نہ بھی کرے تب بھی مہر درست ہو جائے گا۔

لغت : مضایقة: ضیق سے مشتق ہے، تنگی۔ مماکسة: مکس سے مشتق ہے، روکنا، یہاں مراد ہے تنگی کرنا۔ مسامحة: سمح سے مشتق ہے، آسان کرنا، معاف کرنا، یہاں مراد ہے سہولت۔

ترجمه : ۷ شوہر کو قیمت دینے کا اختیار ہوگا اس لئے کہ اوسط قیمت ہی سے پہچانا جاتا ہے، اس لئے دینے کے حق میں قیمت اصل ہوگئی، اور غلام اصل ہے متعین کرنے کے اعتبار سے اس لئے شوہر کو دونوں کا اختیار ہوگا۔

تشریح : متن میں فرمایا کہ شوہر کو اختیار ہے چاہے اوسط حیوان دے دے اور چاہے تو اوسط حیوان کی قیمت دے دے، تو یہاں مہر میں حیوان متعین ہوا ہے پھر بھی اوسط حیوان کی قیمت دینے کا اختیار کیوں دیا گیا اس کی وجہ بیان فرما رہے ہیں۔ کہ اوسط حیون کا

(۱۶۱۷) وان تزوجها علی ثوب غیر موصوف فلها مهر المثل ﴾ ۱؎ ومعناه انه ذکر الثوب ولم یزد علیه ۲؎ ووجهه ان هذه جهالة الجنس لان الثیاب اجناس (۱۶۱۸) ولو سمی جنسا بان قال هروی تصح التسمیة ویخیر الزوج ۱؎ لما بینا

پتہ اس کی قیمت ہی سے چلے گا، جس حیوان [مثلا گھوڑے] کی قیمت زیادہ ہوگی وہ اعلی ہوگا، اور جسکی قیمت کم ہوگی وہ ادنی حیوان ہوگا، اور جس کی قیمت اس کے درمیان میں ہے وہ اوسط ہوگا، تو چونکہ قیمت ہی سے اوسط کا پتہ چلتا ہے اس لئے دینے میں قیمت اصل ہوئی، اس لئے قیمت دینے کا بھی اختیار رہا، اور مہر متعین کرتے وقت مثلا غلام کا [یا گھوڑے] کا تعین ہوا تھا اس لئے تعین کے اعتبار سے وہ بھی اصل ہوگیا، اس لئے شوہر کو دونوں دینے کا اختیار ہوگا۔

لغت: الایفاء: وعدہ پورا کرنا، دینا۔ العبد: غلام، شارح نے مثال کے طور پر العبد کہا ہے ورنہ متن میں یہ لفظ نہیں ہے۔ بعض نسخے میں العین، کا لفظ ہے، یعنی عین شیء جو مہر میں متعین ہوا سکو بھی دینے کا اختیار ہوگا۔

اصول: عین شیء کا اوسط دینے کا بھی اختیار ہے، اور اس کی قیمت دینے کا بھی اختیار ہے۔

ترجمہ: (۱۶۱۷) اور اگر شادی کی ایسے کپڑے پر جس کی صفت بیان نہ کی گئی ہو تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ اس کا معنی یہ ہے صرف ثوب کا لفظ بولا اور اس سے اور نوع کا اضافہ نہیں کیا۔

تشریح کپڑا بہت قسم کا ہوتا ہے ہر قسم کا کپڑا الگ الگ جنس ہے۔ اس لئے اس کی نوع بیان نہ کرے اور اس کی صفت بیان نہ کرے تو کپڑے کا تعین نہیں ہو سکے گا اور اس کا اوسط معلوم نہیں ہوگا، اس لئے مہر مجہول ہو گیا اس لئے مہر مثل لازم ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہالت کاملہ ہو تو گویا کہ مہر متعین نہیں ہوا اس لئے مہر مثل لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جنس کی جہالت ہے اس لئے کہ ثوب مختلف جنس کا ہوتا ہے۔

تشریح: ثوب کا لفظ بہت سے کپڑوں کو شامل ہے اس لئے گویا کہ اس میں کپڑے کی بہت سی جنس شامل ہیں، جیسے کہے کہ دابہ پر نکاح کیا تو اس میں بہت سے جانور شامل ہیں اس لئے مہر مجہول ہو گیا

ترجمہ: (۱۶۱۸) اور اگر جنس کا نام لیا اس طرح کہ کہا ہروی کپڑا ہے متعین کرنا صحیح ہے اور شوہر کو اختیار ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ اس وجہ سے جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح: کپڑے کے ساتھ اس کی جنس متعین کر دی، مثلا کہا کہ ہروی کپڑا ہے تو مہر متعین کرنا صحیح ہے کیونکہ جنس متعین کرنے کے بعد اس کپڑے کے اوسط کو متعین کرنا آسان ہو گیا اور شوہر کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو اوسط ہروی کپڑا ادے دے، اور چاہے تو اس کی قیمت دے دے، اور دلیل وہی ہے جو اوپر گزری کہ قیمت ہی سے اوسط کا پتہ چل سکتا ہے اس لئے قیمت دینے کا بھی اختیار رہے، اور

(۱۶۱۹) وكذا اذا بالغ في وصف الثوب ﴾ ۱ؕ في ظاهر الرواية لانها ليست من ذوات الامثال

(۱۶۲۰) وكذا اذا سمى مكيلا او موزونا وسمى جنسه دون صفته وان سمى جنسه وصفته لا يخير ﴾

کپڑا متعین کیا ہے اس لئے کپڑا دینے کا بھی اختیار ہے۔

لغت: ہروی: ہروایک جگہ کا نام ہے اس زمانے میں اس شہر کا کپڑا مشہور تھا جسکو ہروی کپڑا کہتے ہیں۔

ترجمہ : (۱۶۱۹) ایسے ہی اگر کپڑے کی صفت میں مبالغہ کیا۔

ترجمہ : ۱ؕ ظاہری روایت میں اس لئے کہ کپڑا ذوات الامثال نہیں ہے۔

تشریح : کپڑے کی جنس بھی بیان کی، اور نوع بھی بیان کی اور صفت بھی بیان کی مثلا کپڑے کی موٹائی اور، لمبائی، چوڑائی سب متعین کر دیا پھر بھی شوہر کو اختیار ہوگا کہ اوسط کپڑا دے دے، یا اوسط کپڑے کی قیمت دے دے۔ ظاہری روایت یہی ہے، اگر چہ ایک روایت میں یہ ہے کہ صفت میں مبالغے کے بعد کپڑا ذوات الامثال کے درجے میں آجائے گا اس لئے شوہر کو صرف اوسط کپڑا ہی دینے کا اختیار ہوگا، اس کی قیمت دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔

وجہ : (۱) ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ کپڑا ذوات الامثال نہیں ہے بلکہ ذوات القیم ہے، یعنی کپڑا ہلاک ہو جائے تو اس کے مثل کپڑا لازم نہیں ہوگا بلکہ اس کی قیمت لازم ہوگی، چونکہ کپڑا ذوات القیم ہے اس لئے قیمت ہی سے اوسط کپڑے کا پتہ چلے گا اس لئے شوہر کو قیمت دینے کا بھی اختیار ہوگا۔

لغت : ذوات الامثال: اگر وہ چیز کسی دوسرے سے ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلے میں اسی کی مثل واجب ہو اس کی قیمت واجب نہ ہو تو اس کو ذوات الامثال کہتے ہیں، جیسے گیہوں، چاول، کیلی اور وزنی چیزیں کسی سے ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلے میں گیہوں، چاول ہی لازم ہوگا، کیونکہ چاول چاول کے مثل ہے، گیہوں گیہوں کے مثل ہے اس کی قیمت لازم نہیں ہوگی، اور اس میں اعلی گیہوں اور ادنی گیہوں کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور ذوات القیم اس کو کہتے ہیں کہ اگر وہ کسی سے ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلے میں اس کی قیمت لازم ہوگی، اس چیز کی مثل لازم نہیں ہوگی، جیسے کپڑا کسی سے ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلے میں اسی کے مثل کپڑا لازم نہیں ہوگا بلکہ اس کپڑا کی بازاری قیمت لازم ہوگی، یا جانور ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلے میں اس کی مثل جانور لازم نہیں ہوگا، بلکہ اس کی قیمت لازم ہوگی اس کو ذوات القیم کہتے ہیں۔

ترجمہ : (۱۶۲۰) اور ایسی ہی اگر کیلی یا وزنی چیز کو متعین کیا اور اس کی جنس متعین کی لیکن صفت متعین نہیں کی، [تو شوہر کو اس کی قیمت دینے کا بھی اختیار ہوگا] اور اگر اس کی جنس متعین کی اور صفت بھی متعین کی تو اختیار نہیں ہوگا۔

ل لان الموصوف منها يثبت فی الذمة ثبوتاً صحيحاً (۱۶۲۱) فان تزوج مسلم علی خمر او خنزير فالنكاح جائز ولها مهر مثلها ل لان شرط قبول الخمر شرط فاسد فيصح النكاح ويلغو الشرط ٢ بخلاف البيع لانه يبطل بالشروط الفاسدة ٣ لكن لم تصح التسمية لما ان المسمی ليس بمال فی حق المسلم فوجب مهر المثل

ترجمه : ل اس لئے کہ جواتنی باتوں سے متصف ہوتو وہ ذمے میں ثبوت صحیح کے طور پر ثابت ہوتا ہے۔

تشریح : اگر مہر میں کیلی چیز جیسے گیہوں، چاول، یا وزنی چیز جیسے لوہا تانبا متعین کیا اور اس کی جنس متعین کی لیکن صفت متعین نہیں کی تو شوہر کو اس چیز کا اوسط دینے کا اختیار ہے اور اس کی قیمت بھی دینے کا اختیار رہے۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت متعین نہ کرنے کی وجہ سے پورے طور پر متعین نہیں ہوئی اس لئے یہ کیلی اور وزنی چیز کپڑے کی طرح ذوات القیم ہوگئی، اور پیچھے گزرا کہ ذوات القیم ہو تو اس میں اصل قیمت ہے اس لئے اوسط قیمت دینے کا بھی شوہر کو اختیار ہوگا، اور اوسط چیز دینے کا بھی اختیار ہوگا۔ اور اگر کیلی اور وزنی چیز کی جنس کے ساتھ صفت بھی متعین کر دی تو وہ ذوات الامثال بن گئی اور ذمے میں پورے طور پر ثبوت صحیح کے طور پر ثابت ہوگئی اس لئے اب اسی چیز کا اوسط لازم ہوگا، اس کی قیمت دینے کا شوہر کو اختیار نہیں ہوگا۔

ترجمه : (۱۶۲۱) اگر مسلمان نے شراب اور سور پر نکاح کیا تو نکاح جائز ہے، اور عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔

ترجمه : ل اس لئے کہ شراب کے قبول کرنے کی شرط شرط فاسد ہے اس لئے نکاح صحیح ہوگا اور شرط لغو ہو جائے گی۔

تشریح : مسلمان نے شراب یا سور پر نکاح کیا تو نکاح تو ہو جائے گا، البتہ شراب اور سور مسلمان کے لئے حرام ہیں اس لئے مہر میں اس کی شرط لگانا شرط فاسد ہے اور شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا اس لئے نکاح تو درست ہو جائے گا، البتہ شرط فاسد خود ختم ہو جائے گی، تو گویا کہ بغیر مہر ہی کے نکاح کیا اس لئے مہر مثل لازم ہوگا۔

وجه : شراب اور سور مال نہیں ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ یآیھا الذین آمنوا انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطان (آیت ۹۰، سورۃ المائدۃ ۵)

ترجمه : ٢ بخلاف بیع کے اس لئے کہ شرط فاسد سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

تشریح : اگر مسلمان نے شراب یا سور کی بیع کی تو خود بیع ہی فاسد ہو جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع شرط فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے اس لئے شراب یا سور کی شرط لگانے سے خود بیع ہی فاسد ہو جائے گی۔

ترجمه : ٣ لیکن مہر متعین کرنا صحیح نہیں ہوا اس لئے کہ مسمی مسلمان کے حق میں مال نہیں ہے اس لئے مہر مثل واجب ہوا۔

(۱۶۲۲) فان تزوج امرأة على هذا الدن من الخل فاذا هو خمر فلها مهر مثلها ﴾ ۱؎ عند ابی حنيفةؒ ۲؎ وقالا لها مثل وزنه خلا (۱۶۲۳) وان تزوجها على هذا العبد فاذا هو حر يجب مهر المثل ﴾ ۱؎ عند ابی حنيفةؒ ومحمدؒ وقال ابو يوسفؒ تجب القيمة

تشریح : اس عبارت کا تعلق قبول الخمر کے ساتھ ہے، کہ شراب اور سور مسلمان کے حق میں مال نہیں ہیں اس لئے مہر میں ان کا تعین کرنا صحیح نہیں ہوا اس لئے مہر مثل لازم ہوگا۔

ترجمہ : (۱۶۲۲) اگر عورت سے سر کے کے اس مٹکے پر نکاح کیا حالانکہ وہ شراب تھی تو عورت کے مہر مثل ہوگا۔

ترجمہ : ۱؎ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح : عورت سے نکاح اس مٹکے پر کیا لیکن اس میں شراب تھی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر مثل لازم ہوگا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اشارہ کیا شراب کی طرف اور منہ سے بولا سرکہ تو کوئی بھی مہر متعین نہ ہوسکا اور قاعدہ گزرا کہ مہر متعین نہ ہو تو مہر مثل لازم ہوتا ہے،(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اشارہ کیا اور نام بولا [تسمیہ کیا] تو اس میں امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اشارہ کا اعتبار کیا جائے گا، اور اشارے کے اعتبار سے شراب ہے جو مال نہیں ہے اور جب مہر مال نہیں ہوا تو مہر مثل لازم ہوگا۔

لغت: الدن :مٹکہ۔الخل : سرکہ۔

ترجمہ : ۲؎ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مٹکے کے برابر سرکہ لازم ہوگا۔

تشریح : صاحبینؒ نے فرمایا کہ یہاں نام کا اعتبار کیا جائے گا اشارے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور نام کے اعتبار سے سرکہ ہے اس لئے مہر متعین کرنا درست ہوا اس لئے مہر مثل لازم نہیں ہوگا، بلکہ اس مٹکے کے وزن کے برابر سرکہ لازم ہوگا۔

ترجمہ : (۱۶۲۳) اور اگر اس غلام پر نکاح کیا اور حقیقت میں آزاد تھا تو۔

ترجمہ : ۱؎ امام ابوحنیفہ:اور امام محمدؒ کے نزدیک مہر مثل لازم ہوگا۔اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قیمت لازم ہوگی۔

تشریح : یہ دو مسئلے ان اصولوں پر ہیں۔

اصول : امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ اشارہ اور مسمی میں اتحاد جنس ہو یا اختلاف جنس ہو ہر حال میں اشارے کا اعتبار ہوگا، اور اشارے کے اعتبار سے پہلے مسئلے میں شراب ہے اور دوسرے مسئلے میں آزاد ہے جو مال نہیں ہیں اس لئے ہر حال میں مہر مثل لازم ہو گا۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا صول یہ ہے کہ ہر حال میں مسمی کا اعتبار ہوگا، اور مسمی کے اعتبار سے مال ہے، پہلے مسئلے میں سرکہ اور دوسرے مسئلے میں غلام، اس لئے اس کی قیمت لازم ہوگی۔ مسمی کا معنی ہے متعین کیا ہوا مہر، اور یہی معنی تسمیہ کا بھی ہے۔

۲؎ لابی یوسفؒ انه اطمعها مالا وعجز عن تسلیمه فتجب قیمته او مثله ان کان من ذوات الامثال کما اذا هلک العبد المسمی قبل التسلیم ۳؎ وابو حنیفةؒ یقول اجتمعت الاشارة والتسمیة فتعتبر الاشارة لکونها ابلغ فی المقصود وهو التعریف فکانه تزوج علی خمر او حر

اصــــول : امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ، اتحاد جنس میں اشارے کا اعتبار ہوگا، جیسے آزاد اور غلام، دونوں ایک جنس ہیں دونوں آدمی ہیں، اس لئے اشارے کا اعتبار ہوگا اور اشارہ کے اعتبار سے آزاد ہے اس لئے مال نہیں ہے اس لئے مہر مثل لازم ہوگا۔ اور اختلاف جنس میں مسمی کا اعتبار ہوگا، جیسے شراب اور سرکہ۔ اور مسمی کے اعتبار سے سرکہ کہا ہے جو مال ہے اس لئے مہر متعین کرنا درست ہے اس لئے اس کی قیمت لازم ہوگی، مہر مثل لازم نہیں ہوگا۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اس غلام پر نکاح کیا اور حقیقت میں وہ آزاد تھا تو نام کے اعتبار سے غلام بولا اور اشارہ کے اعتبار سے آزاد کی طرف اشارہ کیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مہر مثل لازم ہوگا، اس آدمی کو غلام فرض کر کے اس کی قیمت لازم نہیں ہوگی۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس آدمی کو غلام فرض کر کے اس کی جو قیمت ہوسکتی ہے وہ لازم ہوگی۔ دلیل آگے ہے

تــرجــمــه : ۲؎ امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے کہ عورت کو مال کی لالچ دی اور اس کو سونپنے سے عاجز ہو گیا تو اس کی قیمت واجب ہو گی، اور اگر ذوات الامثال میں سے ہے تو اس کی مثل لازم ہوگی، جیسے کی سونپنے سے پہلے مسمی غلام ہلاک ہو جائے۔

تشریح : دونوں مسئلوں میں امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کو مال کی لالچ دی اور شوہر اسی چیز کو دینے سے عاجز ہے اس لئے کہ نام تو مال کا لیا لیکن حقیقت میں وہ چیز مال نہیں ہے اس لئے اگر وہ ذوات القیم ہے تو اس کی قیمت واجب ہوگی، اور اگر وہ چیز ذوات الامثال ہے تو اس کی مثل واجب ہوگی، جیسے واقعی وہ غلام ہوتا اور اس کو سپرد کرنے سے پہلے غلام ہلاک ہو جاتا تو اس کی قیمت لازم ہوتی ہے مہر مثل لازم نہیں ہوتا اسی طرح یہاں اس کی قیمت لازم ہوگی۔

تــرجــمــه : ۳؎ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اشارہ اور تسمیہ دونوں جمع ہوں تو اشارے کا اعتبار کیا جائے گا اس لئے کہ وہ مقصود میں زیادہ بلیغ ہے اور وہ تعریف ہے، اس لئے گویا کہ شراب اور آزاد پر شادی کی۔

تشــــریح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں اشارے کے اعتبار سے شراب اور آزاد ہے کیونکہ شراب اور آزاد ہی کی طرف اشارہ کیا، اور تسمیہ یعنی نام بولنے کے اعتبار سے پہلی مسئلے میں سرکہ ہے اور دوسرے مسئلے میں غلام ہے، اور جب اشارہ اور نام دو نوں جمع ہو جائیں اور دونوں کا مفہوم الگ الگ ہوں تو اشارہ کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے کہ اس کا مقصد ہے تعریف اور اشارہ تعریف میں زیادہ بلیغ ہے اس لئے اشارہ کا اعتبار کیا جائے گا، تو ایسا ہو گیا کہ شروع ہی سے شراب اور آزاد پر نکاح ہوا اور یہ دونوں مال نہیں ہیں اس لئے مہر مثل لازم ہوگا۔

۱؎ ومحمدؒ یقول الاصل ان المسمی اذا کان من جنس المشار الیه یتعلق العقد بالمشار الیه لان المسمی موجود فی المشار ذاتا والوصف یتبعه وان کان من خلاف جنسه یتعلق بالمسمی لان المسمی مثل للمشار الیه ولیس بتابع له

ترجمه : ۱؎ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کی طرف اشارہ کیا اگر مسمی اس کی جنس سے ہوتو عقد مشارالیہ کے ساتھ تعلق رکھے گا، کیونکہ جس کی طرف اشارہ کیا ذات کے اعتبار سے مسمی اس کے اندر ہے، اور وصف اس کے تابع ہے۔ اور اگر مسمی مشارالیہ کے جنس کے خلاف ہو، تو عقد مسمی کے ساتھ تعلق رکھے گا، اس لئے کہ مسمی اور مشارالیہ برابر ہو گیا، اس لئے مسمی مشارالیہ کے تابع نہیں ہوگا۔

تشریح : یہاں دلیل منطقی ہے اس کو پہلے سمجھیں۔ ذات: جو چیز خارج میں موجود ہے اور اس کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں منطق میں اس کو ذات، کہتے ہیں۔ ماہیت: کسی چیز کا نام لیں اور اس کی حقیقت بیان کریں، تو اس حقیقت کا نام ماہیت ہے، اس لئے مسمی میں ماہیت ہوتی ہے، اور اشارے میں ذات ہوتی ہے۔ پس اگر مسمی اور جسکی طرف اشارہ کیا ہو [مشارالیہ] دونوں کی جنس ایک ہو تو مشارالیہ کی ذات میں مسمی بھی پائی جائی گی۔ جیسے غلام اور آزاد دونوں کی جنس ایک ہے، کیونکہ دونوں انسان ہیں، صرف صفت کا فرق ہے، اس لئے جب آزاد کی طرف اشارہ کیا اور بولا غلام تو غلام کی ماہیت یعنی انسان آزاد کی ذات میں موجود ہے، کیونکہ دونوں انسان ہیں۔ اور اگر دونوں کی جنس الگ الگ ہوں تو مسمی الگ ہو جائے گا، اور مشارالیہ الگ ہو جائے گا، دونوں کی جنس الگ الگ ہو نے کی وجہ سے ایک دوسرے کا تابع نہیں ہو سکے گا۔۔ مشارالیہ: جس کی طرف اشارہ کیا ہو۔

۔جنس: دو چیزوں کی حقیقت ایک ہو البتہ صفت کا فرق ہو تو دونوں کی جو ایک حقیقت ہے اس کو جنس کہتے ہیں، جیسے غلام اور آزاد دونوں کی حقیقت انسان ہے البتہ ایک کی صفت آزادگی ہے اور دوسرے کی صفت غلامیت ہے، اس لئے دونوں کی جنس ایک ہوئی۔ اور شراب اور سرکہ دونوں کی حقیقت بھی دو ہیں، کیونکہ ایک حرام ہے اور دوسرا حلال ہے ایک نشہ آور ہے دوسرے میں سرور ہے اس لئے دونوں دو جنس کے ہوئے۔

عبارت کا حل یہ ہے۔ امام محمدؒ کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر مسمی مشارالیہ کی جنس سے ہوتو عقد کا تعلق مشارالیہ کے ساتھ ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کی جنس ایک ہے اس لئے مسمی ذات کے اعتبار سے مشارالیہ میں موجود ہے، اس لئے جب مشارالیہ کے ساتھ عقد ہوا تو اس کے اندر مسمی کے ساتھ بھی عقد ہو گیا۔ اور اگر مشارالیہ اور مسمی کی جنس الگ الگ ہوں تو مسمی مشارالیہ کے اندر نہیں آئے گا کیونکہ دونوں کی جنس الگ الگ ہو گئی اور دونوں برابر برابر ہو گئے اس لئے مسمی مشارالیہ کے تابع نہیں ہوگا، اور جب الگ الگ ہو گئے تو عقد کا تعلق مسمی کے ساتھ ہوگا، کیونکہ مسمی تعریف میں بلیغ ہے اور زیادہ واضح ہے۔

۵ والتسمية ابلغ فی التعريف من حيث انها تعرف الماهية والاشارة تعرف الذات ٦ الا ترى ان من اشترى فصاً على انه ياقوت فاذا هو زجاج لاينعقد العقد لاختلاف الجنس ولو اشترى على انه ياقوت احمر فاذا هواخضر ينعقد العقد لاتحاد الجنس ۷وفی مسألتنا العبد مع الحر جنس واحد لقلة التفاوت فی المنافع والخمر مع الخل جنسان لفحش التفاوت فی المقاصد

ترجمه : ۵ اورتسمیہ تعریف میں زیادہ بلیغ ہےاس لئے کہ وہ ماہیت کا تعارف کراتا ہے،اوراشارہ ذات کا تعارف کراتا ہے۔

تشریح : تسمیہ یعنی جونام لیا گیاوہ حقیقت اور ماہیت کا تعارف کراتا ہےاس لئے تعارف کرانے میں وہ زیادہ بلیغ اورواضح ہے، اوراشارہ صرف ذات کا اورخارج کا تعارف کراتا ہے،اس لئے جب دونوں کی جنس الگ ہوں اور ماہیت ذات کا تابع نہیں بن سکتی ہوتو اس وقت عقد کا تعلق تسمیہ اور ماہیت سے ہوگا ،اور پہلے مسئلے میں تسمیہ سرکہ ہے جومہر بن سکتا ہے اسلئے مہر مثل لازم نہیں ہوگا سرکے کی قیمت لازم ہوگی۔

ترجمه : ٦ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ کسی نے نگینہ خریدااس شرط پر کہ وہ یاقوت ہےاوروہ شیشہ نکلاتو عقد منعقد نہیں ہوگا جنس کے مختلف ہونے کی وجہ سے،اورنگینہ خریدااس شرط پر کہ وہ سرخ یاقوت ہے پس وہ سبز یاقوت نکلاتو عقد منعقد ہوجائے گا جنس کے متحد ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : اوپر کے مسئلے کی ایک مثال دے رہے ہیں۔کسی نے انگوٹھی کا نگینہ اس شرط پر خریدا کہ وہ یاقوت ہےاوروہ شیشہ نکلاتو عقد منعقد نہیں ہوگا ،کیونکہ مسمی یاقوت ہےاوراشارہ شیشہ کی طرف ہےاوردونوں کی جنس الگ الگ ہےاس لئے مشارالیہ تسمیہ کے تحت میں نہیں ہےاس لئے بیع فاسد ہوجائے گی۔اوراگر نگینہ اس شرط پر خریدا کہ وہ لال ہےاور بعد میں سبز نکلاتو بیع ہوجائے گی، کیونکہ دونوں کی جنس ایک ہے،صرف صفت الگ الگ ہےاس لئے مسمی مشارالیہ کے تحت میں ہےاس لئے دونوں چیز ایک ہی شمار کرکے بیع ہوجائے گی۔

لغت : فص :نگینہ۔یاقوت:ایک قسم کا قیمتی پتھر۔زجاج:شیشہ۔احمر:لال۔اخضر:سبز رنگ۔

ترجمه : ۷ ہمارے مسئلے میں غلام آزاد کے ساتھ ایک جنس ہے منافع میں تفاوت کم ہونے کی وجہ سے،اورشراب سرکہ کے ساتھ دوجنس ہے مقصد میں بہت تفاوت ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : متن کے مسئلے میں غلام اورآزاد ایک ہی جنس ہیں، کیونکہ دونوں کے منافع میں زیادہ فرق نہیں ہیں اوردونوں ہی انسان ہیں۔اورشراب اورسرکہ دوجنس ہیں، کیونکہ دونوں کے منافع میں بہت فرق ہے۔ سرکہ حلال ہےاورشراب حرام ہے،سرکہ میں کھٹا پن ہےاورشراب میں کڑواپن ہےاس لئے دونوں کے منافع میں فرق ہےاس لئے دونوں دوجنس ہیں۔

(۱۶۲۴) فان تزوجها على هذين العبدين فاذا احدهما حر فليس لها الا الباقى اذا ساوى عشرة دراهم ﴾ ١؎عند ابى حنيفةؒ لانه مسمى ووجوب المسمى وان قل يمنع وجوب مهر المثل ٢؎وقال ابويوسفؒ لها العبد وقيمة الحر لو كان عبدا لانه اطعمها سلامة العبدين وعجز عن تسليم احدهما فتجب قيمته ٣؎وقال محمدؒ و هو رواية عن ابى حنيفةؒ لها العبد الباقى الى تمام مهر مثلها ان كان

ترجمه : (۱۶۲۴) اگر شادی کی ان دونوں غلاموں پر اوران میں سے ایک آزاد نکلا تو عورت کے لئے باقی غلام ہے اگر اس کی قیمت دس درہم کے برابر ہے۔

ترجمه : ١؎ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس لئے کہ یہ مہر تعین کیا ہوا ہے، مسمی چاہے کم ہو مہر مثل سے روکتا ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر مہر متعین کیا ہو چاہے کم مہر ہو تو مہر مثل لازم نہیں ہوگا بشرطیکہ دس درہم سے کم نہ ہو۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو غلاموں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان دونوں پر نکاح کرتا ہوں، بعد میں ان میں سے ایک غلام نکلا اور ایک آزاد نکلا تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ جو آزاد ہے وہ مہر میں نہیں رہے گا، کیونکہ اس کو مہر میں دے ہی نہیں سکتے، اور جو غلام ہے وہی مہر میں دیا جائے گا، بشرطیکہ اس کی قیمت دس درہم سے کم نہ ہو۔

وجه : پہلے گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اشارہ اور تسمیہ دونوں جمع ہوں تو اشارہ کا اعتبار ہوتا ہے تسمیہ کا نہیں، اور یہاں بولا تو ہے دو غلام، لیکن اشارہ ایک ہی غلام کی طرف ہوا کیونکہ دوسرا تو آزاد تھا اس لئے جس غلام کی طرف اشارہ ہوا وہی غلام مہر بن گیا اور باقی ساقط ہو گیا، اور یہ قاعدہ گزر چکا ہے کہ تھوڑا بھی مہر بن گیا تو مہر مثل لازم نہیں ہوگا، اور نہ قیمت کے ساتھ مہر مثل کو جمع کیا جائے گا اس لئے یہاں مہر مثل بھی لازم نہیں ہوگا۔

ترجمه : ٢؎ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ عورت کے لئے غلام ہوگا اور آزاد کی قیمت ہوگی اگر اس کو غلام فرض کر دیا جائے، اس لئے کہ عورت کو دونوں غلام کے سالم ہونے کا لالچ دلوایا ہے اور ان میں سے ایک کے سپرد کرنے سے عاجز ہو گیا اس لئے اس کی قیمت لازم ہوگی۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عورت کو مہر میں موجودہ غلام ملے گا، اور جو آزاد نکلا اس کو غلام فرض کر کے اس قسم کے غلام کی قیمت جو ہو سکتی ہے وہ لازم ہوگی۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کو دونوں غلام کا لالچ دیا ہے اور عورت دو غلام لینے پر راضی ہوئی ہے اور دوسرے غلام کے سپرد کرنے سے عاجز ہو چکا ہے اس لئے اسکی قیمت لازم ہوگی۔

ترجمه : ٣؎ اور امام محمدؒ نے فرمایا اور وہی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ کی بھی ہے کہ عورت کے لئے موجودہ غلام ہے مہر مثل کے

مهر مثلها اكثر من قيمة العبد لانهما لو كانا حرين يجب تمام مهر المثل عنده فاذا كان احدهما عبدا يجب العبد الى تمام مهر المثل (۱۶۲۵) واذا فرق القاضى بين الزوجين فى النكاح الفاسد قبل الدخول فلا مهر لها ﴾

پورا کرنے تک، اگر مہر مثل غلام کی قیمت سے زیادہ ہو، اس لئے کہ دونوں آزاد ہوتے تو انکے نزدیک پورا مہر مثل ملتا پس جبکہ ایک غلام ہے تو غلام واجب ہوگا مہر مثل کے پورا کرنے تک۔

تشریح:۔امام محمدؒ نے فرمایا اور امام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے کہ اگر مہر مثل ایک غلام کی قیمت سے زیادہ ہے مثلا مہر مثل تین ہزار ہے اور غلام کی قیمت دو ہزار ہے تو غلام دلوایا جائے گا اور مہر مثل پورا کرنے کے لئے ایک ہزار درہم الگ سے دلوایا جائے گا۔

وجہ : اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں آزاد ہوتے تو پہلے گزرا کہ مہر مثل دلوایا جائے گا اس لئے اگر ایک آزاد نکلا تو مہر مثل اصل قرار دیا جائے اور غلام دینے کے بعد جو باقی بچے وہ رقم دلوائی جائے تا کہ مہر مثل پورا ہو جائے۔اور اگر مہر مثل اس غلام کی قیمت سے بھی کم ہے تو غلام ہی کی قیمت بہتر ہے،اور اگر مہر مثل ایک غلام کی قیمت کے برابر ہے تو غلام دینا گویا کہ مہر مثل دینا ہے، اس لئے مہر مثل پورا ہو گیا۔

ترجمہ : (۱۶۲۵) اگر قاضی نے نکاح فاسد میں بیوی شوہر کے درمیان تفریق کرائی صحبت سے پہلے تو اس کے لئے مہر نہیں ہے۔

تشریح: نکاح فاسد میں دخول سے پہلے قاضی نے میاں بیوی کے درمیان تفریق کرائی تو عورت کے لئے مہر نہیں ہے۔اور اگر نکاح صحیح ہوتا تو آدھا مہر دلواتا۔

وجہ: (۱) نکاح فاسد مجبوری کے درجہ میں نکاح ہے۔اس لئے با ضابطہ صحبت سے پہلے نکاح کا انعقاد نہیں ہوگا۔اس لئے اس سے پہلے مہر بھی لازم نہیں ہوگا۔اور چونکہ نکاح صحیح نہیں ہے اس لئے خلوت کرنا صحبت کے درجے میں نہیں ہے۔اس لئے قاضی نے صحبت سے پہلے یا خلوت سے پہلے یا خلوت کے بعد تفریق کرادی تو مہر لازم نہیں ہوگا (۲) نکاح فاسد نکاح نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن عطاء قال من نكح على غير وجه النكاح ثم طلق فلا يحسب شيئا انما طلق غير امرأته. (مصنف عبد الرزاق، باب النكاح على غير وجه النكاح، ج سادس، ص۱۶۳، نمبر۱۰۵۵۱) اس اثر میں ہے کہ نکاح کے طریقے کے علاوہ جو نکاح کیا اس کا اعتبار نہیں ہے۔اس لئے نکاح فاسد کا اعتبار نہیں ہے۔(۳) اس اثر میں ہے کہ نکاح فاسد میں دخول کے بعد مہر لازم ہو گا۔عن ابراهيم قال كل نكاح فاسد نحو الذى تزوج فى عدتها واشباهه ماذا من النكاح الفاسد اذا كان قد دخل بها؟ فلها الصداق ويفرق بينهما. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۶۱ ما قالوا فی المرأۃ تزوج فی عدتها الها الصداق ام لا؟، ج

لے لان المهر فيه لا يجب بمجرد العقد لفساده وانما يجب باستيفاء منافع البضع (١٦٢٦) وكذا بعد الخلوة ﴿ لے لان الخلوة فيه لا يثبت بها التمكن فلاتقام مقام الوطى

رابع ،ص۴ ،نمبر ۱۷۱۹۰(۴) اورمیاں بیوی دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے اس کے لئے یہ اثر ہے .عن الشعبی قال : عمر يفرق بينهما و لها الصداق بما استحل من فرجها .(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۶۱ما قالوافی المرأۃ تزوج فی عدتھا الھا الصداق ام لا؟ ،ج رابع ،ص۴ ،نمبر ۱۷۱۸۷ ،رمصنف عبدالرزاق ،باب نکاحھا فی عدتھا ،ج سادس ،ص ۱۶۷ ،نمبر ۱۰۵۸۲)اس اثر میں ہے کہ دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے اور یہ بھی ہے کہ وطی کرنے کی وجہ سے مہر ملے گا۔

نوٹ: نکاح فاسد یہ ہیں[۱]عورت عدت گزار رہی ہواسی درمیان نکاح کرنا نکاح فاسد کی شکل ہے۔[۲] یا بغیر گواہ کے نکاح کرنا نکاح فاسد ہے۔[۳] بہن کوطلاق دیا تھاوہ عدت گزار رہی تھی اسی کی عدت میں اس کی دوسری بہن سے نکاح کرلیا یہ نکاح فاسد ہے [۴] چار بیویاں تھیں ،چوتھی کوطلاق دی وہ عدت گزرر ہی تھی کہ پانچویں سے نکاح کیا ، یہ چوتھی کی عدت میں پانچویں سے نکاح کرنا نکاح فاسد ہے[۵] آزادعورت نکاح میں تھی ،اس پر باندی کا نکاح کیا یہ نکاح فاسد ہے۔

ترجمہ : لے اس لئے کہ مہر نکاح فاسد میں محض عقد سے واجب نہیں ہوتا عقد کے فاسد ہونے کی وجہ سے صرف بضع کے منافع کو حاصل کرنے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے، چونکہ نکاح گویا کہ ہے ہی نہیں اس لئے نکاح کی وجہ سے مہر لازم نہیں ہوگا ،صرف بضع کے منافع حاصل کرنے کی وجہ سے یعنی وطی کرنے کی وجہ سے مہر لازم ہوگا ،اور وطی نہیں ہوئی ہے تو مہر بھی لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ : (١٦٢٦) اور ایسے ہی خلوت کے بعد بھی مہر لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ : لے اس لئے نکاح فاسد میں خلوت قدرت کو ثابت نہیں کرتا ،اس لئے وہ وطی کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

تشریح : بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ وطی کے قائم مقام اس وقت ہے جبکہ وہ بیوی ہو ،اور یہ حقیقت میں بیوی ہی نہیں ہے کیونکہ نکاح فاسد ہے ،اس لئے اس کے ساتھ خلوت صحیحہ ہونے سے وطی کے قائم مقام نہیں ہوگی ،اور پورا مہر لازم نہیں ہوگا۔ایک اجنبیہ کے ساتھ کیسے کہا جائے گا کہ اس نے وطی کرلی ہوگی !۔۔التمکن :قدرت ، یہاں مراد ہے وطی پر قدرت دینا۔

(۱۶۲۷) فان دخل بھا فلھا مھر مثلھا ولا یزاد علی المسمی ﴾ ۱؎ عندنا

﴿نکاح صحیح اور نکاح فاسد میں یہ فرق ہے۔﴾

	نکاح صحیح کا حکم	نکاح فاسد کا حکم
۱	وطی سے پہلے تفریق ہو تو آدھا مہر لازم ہوگا	وطی سے پہلے تفریق ہو تو کچھ لازم نہیں ہوگا
۲	خلوت صحیحہ وطی کے درجے میں ہے	خلوت صحیحہ وطی کے درجے میں نہیں ہے
۳	دخول سے مہر مسمی، یا مہر مثل لازم ہوگا	دخول سے دونوں میں سے جو کم ہو وہ لازم ہوگا
۴	نکاح کے وقت سے نسب ثابت ہوگا	دخول کے وقت سے نسب ثابت ہوگا

ترجمه : (۱۶۲۷) اور اگر اس سے صحبت کر لے تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا اور متعین مہر پر زیادہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمه : ۱؎ ہمارے نزدیک۔

تشریح نکاح فاسد میں عورت سے صحبت کرے تو عورت کے لئے مہر مثل اور مسمی میں سے جو کم ہوگا وہ ملے گا [۱] مثلا آپس میں پانچ سو درہم مہر طے کیا ہے اور مہر مثل چھ سو درہم ہے تو پانچ سو درہم ہی دیئے جائیں گے چھ سو درہم نہیں دیئے جائیں گے۔[۲] اور اگر آپس میں پانچ سو طے ہوا ہے اور مہر مثل چار سو ہے تو چار سو ہی دلوایا جائے گا۔

وجه : (۱) مسمی تو اس لئے نہیں دیا جائے گا کہ نکاح فاسد کی وجہ سے مسمی کا اعتبار نہیں ہے اس لئے مہر مثل کم ہو تو مہر مثل دلوایا جائے گا۔ اور مسمی کم ہو تو وہ اس لئے دلوایا جائے گا کہ عورت کم پر خود راضی ہوگئی ہے۔(۲) اس حدیث میں ہے کہ نکاح باطل یعنی نکاح فاسد میں وطی کرے گا تب مہر لازم ہوگا، کیونکہ اس نے مال یعنی بضع وصول کیا۔ عن عائشة قالت قال رسول الله ایما امرأة نکحت بغیر اذن موالیھا فنکاحھا باطل ثلاث مرات فان دخل بھا فالمھر لھا بما اصاب منھا فان تشاجروا فالسلطان ولی من لا ولی له. (ابوداؤد شریف، باب فی الولی ص ۲۹۱ نمبر ۲۰۸۳) اس حدیث میں ہے کہ دخول کرے گا تو عورت کے بضع کو لینے کی وجہ سے مہر لازم ہوگا۔(۵) اس اثر میں بھی ہے۔ عن الشعبی قال : عمر یفرق بینھما و لھا الصداق بما استحل من فرجھا . (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۶۱ ما قالوا فی المرأة تزوج فی عدتھا الھا الصداق ام لا؟، ج رابع، ص ۴، نمبر ۱۷۱۸۷ / مصنف عبد الرزاق، باب نکاحھا فی عدتھا، ج سادس، ص ۱۶۷، نمبر ۱۰۵۸۲) اس اثر میں ہے کہ وطی کرنے کی وجہ سے مہر لازم ہوا جس کا مطلب یہ ہوا کہ نکاح کرنے کی وجہ سے مہر لازم نہیں ہوا۔

لغت: لا یزاد علی المسمی : کا مطلب یہ ہے کہ مہر مثل مسمی سے زیادہ ہو تو زیادہ لازم نہیں ہوگا، مسمی ہی لازم ہوگا، کیونکہ

۲ خلافا لزفرؒ هو يعتبر بالبيع الفاسد ۳ ولنا ان المستوفى ليس بمال وانما يتقوم بالتسمية فاذا زادت على مهر المثل لم يجب الزيادة لعدم صحة التسمية وان نقصت لم تجب الزيادة على المسمى لعدم التسمية ۴ بخلاف البيع لانه مال متقوم فى نفسه فيتقدر بدله بقيمته (۱۶۲۸) وعليها العدة ﴾

عورت مسمی پر راضی ہوگئی ہے۔

ترجمہ : ۲ خلاف امام زفرؒ کے وہ قیاس کرتے ہیں بیع فاسد پر۔

تشریح : امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ نکاح فاسد میں وطی ہو جائے اور پھر علیحدہ گی ہو تو مہر مثل دلوایا جائے گا چاہے جتنا ہو جائے۔ انکی دلیل یہ ہے کہ بیع فاسد ہو جائے تو بازار میں اس مبیع کی جو قیمت ہے وہ لازم ہوگی چاہے جتنی ہو جائے اسی طرح نکاح جب فاسد ہو گیا اور بضع استعمال کر لیا تو اس کی جو بھی قیمت ہو یعنی مہر مثل ہو وہ لازم ہونی چاہئے۔

ترجمہ : ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ وصول کیا ہوا بضع مال نہیں ہے، مہر متعین کرنے کے بعد اس کی قیمت بنتی ہے اس لئے اگر مہر مثل سے زیادہ ہوا تو تسمیہ صحیح نہ ہونے کی وجہ سے زیادتی واجب نہیں ہوگی، اور اگر مسمی کم رہ گیا تو مسمی سے زیادہ واجب نہیں ہوگا تسمیہ نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : یہ امام زفرؒ کو جواب ہے۔ مسمی : اور تسمیہ کا ترجمہ ہے مہر کا متعین کرنا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بضع مبیع کی طرح مال نہیں ہے، یہ تو نکاح صحیح ہو جسکی وجہ سے مسمی صحیح ہو تو بضع مال متقوم قرار دے دیا جاتا ہے، یہاں نکاح فاسد ہے اس لئے تسمیہ ہی صحیح نہیں ہے اس لئے مہر مثل لازم ہونا چاہئے، اور اگر تسمیہ مہر مثل سے کم ہو اور مہر مثل زیادہ ہو تو وہ زیادہ نہیں دلوایا جائے گا، کیونکہ عورت کم پر راضی ہو چکی ہے۔

ترجمہ : ۴ بخلاف بیع کے اس لئے کہ وہ بذاتہ مال متقوم ہے اس لئے اس کی قیمت سے بدل کا اندازہ ہوگا

تشریح : مبیع میں وہ خود بخود مال ہے [بضع کی طرح مال بنانے سے مال نہیں ہے] اس لئے بیع فاسد ہو جائے تو بازار کی قیمت سے اس کا اندازہ کیا جائے گا اور بازار میں جو قیمت ہو وہ لازم ہوگی۔

ترجمہ : (۱۶۲۸) اور عورت پر عدت ہے۔

تشریح: نکاح فاسد میں تفریق کے بعد عورت پر عدت بھی لازم ہوگی۔

وجہ : (۱) اخبرنی عطاء ان علی بن ابی طالب اتی بامرأة نکحت فی عدتها وبنی فیها ففرق بینهما وامرها ان تعتد بما بقی من عدتها الاولی ثم تعتد من هذا عدة مستقبلة (مصنف عبد الرزاق، باب نکاحها فی عدتها، ج سادس

۱ الحاقا للشبهة بالحقيقة فی موضع الاحتیاط وتحرزا عن اشتباه النسب (۱۶۲۹) ویعتبر ابتداؤها من وقت التفریق لا من آخر الوطیات ۱ هو الصحیح لانها تجب باعتبار شبهة النکاح و رفعها بالتفریق

،ص ۱۶۶، نمبر ۱۰۵۷۳ / مصنف ابن ابی شیبة ، ۱۶۱ ما قالوا فی المرأة تزوج فی عدتها الها الصداق ام لا؟، ج رابع ،ص ۴ ،نمبر ۱۷۱۹۲) اس اثر میں ہے کہ دوسرے کی عدت میں شادی کی تو یہ نکاح فاسد ہوا اس لئے پہلے نکاح کی عدت بھی پوری کرنی ہے اور دوسری شادی جو نکاح فاسد ہے اس کی عدت بھی پوری کرنی ہے۔جس سے ثابت ہوا کہ نکاح فاسد کی فرقت میں عدت ہے (۲) عدت اس لئے گزروائی جائے گی تا کہ پتہ چل جائے کہ اس کے پیٹ میں کسی قسم کا بچہ نہیں ہے۔

ترجمه : ۱ شبہ نکاح کو حقیقت نکاح کے ساتھ لاحق کرنے کے لئے احتیاط کی جگہ میں، اور نسب کے اشتباہ سے بچنے کے لئے۔

تشریح : نکاح فاسد میں جب میاں بیوی کے درمیان تفریق ہو جائے تو چاہے وطی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو عدت ضروری ہے اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں نکاح فاسد میں نکاح کا شبہ ہے احتیاط کے لئے اس کو صحیح نکاح کے ساتھ شامل کر دیا، اگر صحیح نکاح ہوا اور اس میں تفریق ہو تو اس میں عدت ہے، اسی کے ساتھ لاحق کرنے کے لئے یہاں بھی عدت ہے، دوسری وجہ یہ فرماتے ہیں کہ پیٹ میں بچے کا شبہ بھی ہو تو اس سے بچنے کے لئے بھی نکاح فاسد میں عدت گزرواتے ہیں۔

وجه : عن علیؓ فی التی تزوج فی عدتها قال : تکمل بقیة عدتها من الاول ثم تعتد من الآخر عدة جدیدة ۔(سنن بیہقی ، باب اجتماع العدتین ، ج سابع ،ص ۷۲۵، نمبر ۱۵۵۴۱) اس اثر میں بھی ہے کہ نکاح فاسد میں عدت گزارے۔

ترجمه : (۱۶۲۹) اور عدت کی ابتداء تفریق کے وقت سے ہوگی آخری وطی سے نہیں۔

ترجمه : ۱ صحیح یہی ہے اس لئے کہ نکاح کے شبہ کی وجہ سے ہے اور نکاح تفریق سے ختم ہوتا ہے۔

تشریح : نکاح فاسد میں قاضی تفریق کرے اس دن سے عدت شروع ہوگی، شوہر نے آخری مرتبہ وطی کی اس دن عدت شروع نہیں ہوگی، مثلا شوہر نے چھ ماہ پہلے وطی کی تھی اور قاضی نے چھ مہینے بعد تفریق کی تو چھ مہینے بعد سے عدت شروع ہوگی، آخری وطی سے نہیں، صحیح روایت یہی ہے۔

وجه : (۱) عدت نکاح کے شبہ کی وجہ سے ہے، اور نکاح صحیح میں تفریق کی وجہ سے نکاح ختم ہوتا ہے اور اس کے بعد سے عدت شروع ہوتی ہے اس لئے یہاں بھی تفریق کے بعد سے عدت شروع ہوگی (۲) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابی قلابة قال تزوج رشید الثقفی امراة فی عدتها ، ففرق بینهما عمر وامرها ان تعتد بقیة عدتها من الاول ، ثم تستقبل

(۱۶۳۰) ویثبت نسب ولدها ﴾ ۱؎ لان النسب یحتاط فی اثباته احیاءً للولد فیترتب علی الثابت من وجه (۱۶۳۱) وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول ﴾ ۱؎ عند محمدؒ وعلیه الفتوی لان النکاح الفاسد لیس بداع الیه و الاقامة باعتباره

عدة اخری من رشید۔ (مصنف عبدالرزاق، باب نکاحھا فی عدتھا، ج سادس، ص ۱۶۸، نمبر ۱۰۵۸۳) اس اثر میں ہے تفریق کا حکم دیا پھر عدت گزارنے کا حکم دیا۔

ترجمه : (۱۶۳۰) اوراس کے بچے کا نسب ثابت ہوگا۔

ترجمه : ۱؎ اس لئے کہ نسب کے ثابت کرنے میں احتیاط کیا جاتا ہے بچے کو زندہ رکھنے کے لئے، پس جو من وجہ نکاح ثابت ہو اس پر بھی نسب مرتب ہوگا۔

تشـریح : نکاح فاسد میں بھی بچے کا نسب باپ سے ثابت کیا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کی پرورش کے لئے بچے کے نسب ثابت کرنے میں احتیاط کیا جاتا ہے اس لئے من وجہ بھی نکاح ہو تو اس سے نسب ثابت کیا جائے گا، تا کہ بچہ بغیر نسب کے نہ رہ جائے۔

وجه : (۱) اس حدیث میں ثبوت ہے۔ عن عائشة انها قالت ..... الولد للفراش (مسلم شریف، باب الولد للفراش و توقی الشبهات، ص ۶۲۰، نمبر ۱۴۵۷/۳۶۱۳) اور چونکہ نکاح فاسد کی وجہ سے عورت ناکح کی فراش ہے اس لئے اس وقت کے بچے کا نسب ناکح سے ثابت ہوگا۔

ترجمه : (۱۶۳۱) نسب کی مدت کا اعتبار کیا جائے گا دخول کے وقت سے۔

تـرجمه : ۱؎ امام محمدؒ کے نزدیک، اور اسی پر فتوی ہے، اس لئے کہ نکاح فاسد دخول کی طرف بلانے والا نہیں ہے اور نکاح کو وطی کے قائم مقام اسی اعتبار سے ہے کہ وہ وطی کی طرف بلانے والا ہو۔

تشریح : نکاح صحیح میں جس وقت سے نکاح ہوا ہو اسی وقت سے بچے کا نسب باپ سے ثابت کیا جائے گا، لیکن نکاح فاسد میں جب سے دخول کیا ہے اس وقت سے چھ مہینے کے بعد بچہ پیدا ہوا ہو تب بچے کا نسب باپ سے ثابت کیا جائے گا۔ امام محمدؒ کا قول یہی ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ نسب کی اصل بنیاد وطی ہے، البتہ نکاح صحیح وطی کی طرف بلانے والی چیز ہے اس لئے نکاح کے وقت سے ہی نسب ثابت کیا جائے گا، اور نکاح فاسد وطی کی طرف بلانے والی چیز نہیں ہے اس لئے وطی کے بعد نکاح مؤکد ہوگا اور اس کے بعد نسب ثابت کیا جائے گا۔

لغت : والاقامة باعتبارہ: نکاح وطی کے قائم مقام اس لئے کیا گیا ہے کہ نکاح صحیح وطی کی طرف بلانے والی چیز ہے۔

(۱۶۳۲) قال ومهر مثلها يعتبر باخواتها وعماتها وبنات اعمامها ﴾ لقول ابن مسعودؓ لها مهر مثل نسائها لا وكس فيه ولا شطط ۲؎ وهن اقارب الاب ولان الانسان من جنس قوم ابيه وقيمة الشئ انما تعرف بالنظر فی قيمة جنسه (۱۶۳۳) ولا يعتبر بامها وخالتها اذا لم تكونا من قبيلتها

﴿ مہر مثل کا بیان ﴾

ترجمه : (۱۶۳۲) اس کے مہر مثل کا اعتبار کیا جائے گا اس کی بہنوں، پھوپیوں اور چچازاد بہنوں سے۔

ترجمه : ۱؎ عبداللہ ابن مسعودؓ کے قول کی وجہ سے کہ اس کے لئے اسکی عورتوں کے مہر کے مثل ہوگا، نہ کم ہو اور نہ زیادہ ہو۔

تشریح: مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ اس خاندان کی قریبی عورتوں مثلا بہن، پھوپی، چچازاد بہن کا جو مہر ہے ان مہروں کے مثل ان کا مہر ہو اس کو مہر مثل کہتے ہیں۔

لغت: وکس: نقصان، گھٹنا۔ شطط: زیادتی کرنا۔

وجه: (۱) مہر کا اعتبار خاندان کی عورتوں کے ساتھ ہے حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے عورت کے لئے مہر مثل کا فیصلہ کیا حدیث یہ ہے۔ عن ابن مسعود انه سئل عن رجل تزوج امرأة ولم يفرض لها صداقا ولم يدخل بها حتى مات فقال ابن مسعود لها مثل صداق نسائها لا وكس ولا شطط و عليها العدة و لها الميراث فقام معقل ابن سنان الاشجعی فقال : قضی رسول الله ﷺ فی بروع بنت واشق ، امراة منا مثل ما قضيت ، ففرح بها ابن مسعود . (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت عنها قبل ان یفرض لها، ص ۲۱۷، نمبر ۱۱۴۵ / ابوداؤد شریف، باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا حتی مات، ص ۲۹۵، نمبر ۲۱۱۶) اس حدیث میں ہے، لها مثل صداق نسائها لا وكس ولا شطط، جس کا مطلب یہ ہے کہ خاندان کی عورت کا جو مہر ہے وہ مہر مثل ہے۔ نہ اس سے کم ہو اور نہ زیادہ ہو۔ اور خاندان کی عورتیں بہن، پھوپیاں اور چچازاد بہن ہوتی ہیں۔ اس لئے انہیں عورتوں کے مہر کو مہر مثل کہتے ہیں۔

ترجمه : ۲؎ وہ عورتیں اپ کے رشتہ دار ہیں، اور اس لئے کہ انسان اپنے باپ کی قوم جنس سے ہیں اور کسی چیز کی قیمت اس کی جنس کی قیمت میں غور کر کے پہچانی جاتی ہے۔

تشریح : باپ کی نسل جو عورتیں ہیں، مثلا بہن، پھوپیاں اور چچازاد بہن، وہ مراد ہیں اس لئے کہ یہ عورتیں باپ کی قوم کی جنس سے ہیں، اور کسی چیز کی قیمت پہچاننا ہو تو اس کی جنس کی قیمت دیکھنی ہوگی، اسی طرح کسی عورت کا مہر دیکھنا ہو تو اس کے باپ کے خاندان کی عورت جو اس کی جنس کی ہے اس کا مہر دیکھنا ہوگا، اور اسی کے مہر کو مہر مثل کہتے ہیں۔

ترجمه : (۱۶۳۳) مہر مثل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس کی ماں کے ساتھ اور اس کی خالہ کے ساتھ اگر وہ عورت کے قبیلے سے

ل لما بینا (۱۶۳۴) فان کانت الام من قوم ابیها بان کانت بنت عمه فحینئذ یعتبر بمهر ها ﴾ لما انها من قوم ابیها (۱۶۳۵) ویعتبر فی مهر المثل ان تتساوی المرأتان فی السن والجمال والمال والعقل والدین والبلد والعصر ﴾

نہ ہوں۔

ترجمہ : ل اس دلیل کی وجہ سے جو بیان کیا۔

تشریح: ماں کا مہر اور خالہ کا مہر عورت کے لئے مہر مثل نہیں ہوگا کیونکہ یہ دوسرے خاندان کی عورتیں ہوتیں ہیں، ہاں اگر عورت کے خاندان سے ہی ماں اور خالہ ہوتو ان کے مہر کا اعتبار کیا جائے گا۔

وجہ : اوپر کی حدیث, مثل صداق نسائها ، سے پتہ چلا کہ خاندان کی عورت ہو اس کے مہر کا اعتبار ہوگا۔اور ماں اور خالہ خاندان میں سے عموما نہیں ہوتیں اس لئے ان کے مہر کا اعتبار نہیں ہوگا۔البتہ اگر وہ اپنی خاندان ہی کی عورتیں ہوں تو ان کے مہر کا اعتبار ہوگا۔مثلا باپ نے چچازاد بہن سے شادی کی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے خاندان کی ہی عورت تھی۔

ترجمہ : (۱۶۳۴) پس اگر ماں باپ کی قوم سے ہو اس طرح کہ چچا کی بیٹی ہو تو اس وقت اس کے مہر کا اعتبار کیا جائے گا۔

ترجمہ : ل اس لئے کہ وہ باپ کے قوم سے ہے۔

تشریح : اگر ماں باپ کے خاندان سے ہے مثلا باپ نے اپنے چچا کی بیٹی سے نکاح کیا تھا تو یہ عورت اس لڑکی کی پھوپھی بھی ہوئی اور باپ کے خاندان کی عورت ہوئی اس لئے ایسی ماں کا مہر بھی مہر مثل بنے گا۔

ترجمہ : (۱۶۳۵) اعتبار کیا جائے گا مہر مثل میں یہ کہ برابر ہوں دونوں عورتیں عمر میں، خوبصورتی میں اور مال میں، عقل میں اور دین میں اور شہر میں اور زمانہ میں۔

تشریح: اس عورت کا دوسری عورت کے ساتھ مہر کے مثل ہونے کا اعتبار اس وقت کیا جائے گا جبکہ دونوں عورتیں اوپر کی آٹھ چیزوں میں یکساں ہوں۔

وجہ: ان چیزوں کے تفاوت سے مہر میں تفاوت ہوتا ہے۔مثلا ایک عورت کی شادی تیس سال میں ہوئی تھی جس کا مہر پانچ سو درہم رکھا تھا۔اور اس عورت کی عمر بیس سال ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا مہر زیادہ ہوگا۔اس لئے دونوں عورتوں کی عمر، خوبصورتی، مال، عقل، دین تقریبا یکساں ہوں۔اسی طرح ایک عورت برطانیہ کی ہو تو اس کا مہر کچھ اور ہوگا اور دوسری عورت پاکستان کی ہے تو اس کا مہر کچھ اور ہوگا۔اس لئے دونوں عورتیں ایک شہر کی ہوں۔اور دونوں کا زمانہ بھی تقریبا ایک ہوں۔عبد اللہ ابن مسعود کی حدیث میں ہے۔لها مثل صداق نسائها (ترمذی شریف، نمبر ۱۱۴۵) جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں عورتیں ایک طرح کی ہوں۔

ل لان مهر المثل يختلف باختلاف هذه الاوصاف وكذا يختلف باختلاف الدار والعصر ٢ قالوا ويعتبر التساوى ايضاً فى البكارة لانه يختلف بالبكارة والثيوبة (١٦٣٦) واذا ضمن الولى المهر صح ضمانه ﴿ ل لانه اهل الالتزام وقد اضافه الى ما يقبله فيصح

ترجمه : ل اس لئے کہ ان اوصاف کے مختلف ہونے سے مہر مثل مختلف ہو جاتا ہے، اور ایسے ہی ملک کے مختلف ہونے سے اور زمانہ کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے۔

تشریح : یہ جو بیان کیا کہ آٹھ وصف میں دونوں برابر ہوں تب دونوں کا مہر ایک گنا جائے گا، اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ان اوصاف کے مختلف ہونے سے مہر مختلف ہو جاتا ہے اس لئے ان اوصاف میں دونوں برابر ہوں تو اس عورت کا مہر مثل گنا جائے گا۔ اسی طرح ملک الگ الگ ہو تو اس کی وجہ سے بھی مہر الگ الگ ہو جاتا ہے، اسی طرح زمانہ الگ الگ ہو تو مہر الگ الگ ہو جاتا ہے اس لئے مہر مثل کے لئے زمانہ بھی ایک ہو۔

لغت : دار: گھر، یہاں مراد ہے ملک۔ عصر: زمانہ۔

ترجمہ : ٢ علماء نے فرمایا کہ بکارت میں بھی برابر ہونا ضروری ہے اس لئے باکرہ ہونے اور ثیبہ ہونے سے بھی مہر مختلف ہوتا ہے۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ دونوں عورتیں باکرہ اور ثیبہ ہونے میں بھی برابر ہوں تب اس کا مہر مہر مثل ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ باکرہ کا مہر زیادہ ہوتا ہے اور ثیبہ کا مہر کم ہوتا ہے اس لئے دونوں کا برابر ہونا چاہئے۔

ترجمہ : (١٦٣٦) اور ولی ضامن بن جائے مہر کا عورت کے لئے تو اس کا ضامن بننا صحیح ہے۔

ترجمہ : ل اس لئے کہ وہ اپنے اوپر لازم کرنے کا اہل ہے اور مہر کو ایسی چیز کی طرف منسوب کیا جو التزام کے قابل ہے اس لئے التزام کرنا صحیح ہے۔

تشریح : عورت کے جس ولی نے نکاح کرایا اسی نے شوہر کی جانب سے مہر دینے کی ذمہ داری لے لی کہ میں مہر دونگا تو یہ ذمہ داری لینا صحیح ہے۔

وجہ : (١) اس کی دلیل عقلی یہ ہے کہ ولی عاقل بالغ ہے اس لئے ذمہ داری لینے کا اہل ہے اور مہر دین ہے جو کفالت اور ضمانت کو قبول کرتا ہے اس لئے ولی نے اگر اس کی ذمہ داری لے لی تو جائز ہے، اتنی بات ضرور ہے کہ عورت کے ولی ہونے کی حیثیت سے وہ مہر لینے والا ہوا اور شوہر کے کفیل ہونے کی حیثیت سے وہی آدمی مہر دینے والا بھی ہوا تو یہ ضامن لنفسہ ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح میں ولی صرف معبر اور سفیر ہوتا ہے اصل حقوق تو میاں بیوی کی طرف لوٹتے ہیں اس لئے ولی ضامن ہو سکتا ہے، یہ ضمان لنفسہ

(۱۶۳۷) ثم المرأة بالخيار فى مطالبتها زوجها او وليها ﴾ ل اعتباراً بسائر الكفالات
۲ ويرجع الولى اذا ادى على الزوج ان كان بامره كما هو الرسم فى الكفالة

نہیں ہے۔(۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے. عن ام حبيبة انها كانت تحت عبيد الله ابن جحش فمات بأرض الحبشة فزوجها النجاشى النبى ﷺ و أمهرها عنه أربعة آلاف و بعث بها الى رسول الله ﷺ مع شرحبيل ابن حسنة ۔(ابوداود شریف، باب الصداق، ص۳۰۴، نمبر ۲۱۰۷) اس حدیث میں نجاشیؒ بادشاہ ہونے کی حیثیت سے نکاح کرانے کے ولی تھے اور مہر دینے کے ذمہ دار بھی وہی بنے اور چار ہزار درہم مہر دیا جس سے معلوم ہوا کہ ولی مہر کا ضامن بھی بن سکتا ہے۔

ترجمہ : (۱۶۳۷) پھر عورت کو اختیار ہے کہ شوہر سے مہر کا مطالبہ کرے یا ولی سے مطالبہ کرے۔

ترجمہ : ل تمام کفالت پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح : عورت کو یہ حق ہے کہ اپنے شوہر سے مہر کا مطالبہ کرے اور یہ بھی حق ہے کہ مہر دینے کا جو کفیل بنے ہیں اس سے مہر کا مطالبہ کرے، کفالت پر قیاس کرتے ہوئے، کوئی آدمی قرض ادا کرنے کا کفیل بن جائے تو قرض دینے والے کو اختیار ہوتا ہے کہ جس کو قرض دیا ہے اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے اور اس کا بھی اختیار ہوتا ہے کہ کفیل سے مطالبہ کرے، اسی طرح یہاں بھی اختیار ہے کہ شوہر سے مطالبہ کرے اور یہ بھی اختیار ہے کہ ضامن سے مطالبہ کرے۔

وجہ: (۱) حدیث میں دونوں سے مطالبہ کرنے کا اشارہ ہے۔ قال جابر توفى رجل فغسلناه وحنطناه وكفناه ثم اتينا النبى ﷺ فقلنا له تصلى عليه فقال فخطا خطى ثم قال عليه دين؟ قال فقيل ديناران قال فانصرف قال فتحملهما ابو قتادة قال فاتيناه قال فقال ابو قتادة الديناران علىّ فقال النبىؐ حق الغريم وبرى منهما الميت قال: نعم فصلى عليه رسول الله ﷺ قال فقال :له بعد ذلك بيوم مافعل الديناران قال انما مات امس قال فعاد اليه كالغد قال قد قضيتهما فقال النبى ﷺ الآن بردت عليه جلده ۔(سنن للبیہقی، باب الضمان علی المیت، ج سادس، ص۱۲۴، نمبر ۱۱۴۰۵) اس حدیث میں اس وقت تک میت کی چمڑی ٹھنڈی نہیں ہوئی جب تک کہ دونوں دینار ابو قتادہ نے ادا نہ کر دیئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دو دینار کی ذمہ داری اصل میت پر بھی رہی۔ اس لئے کفیل اور مکفول عنہ شوہر دونوں مہر کے ذمہ دار ہوں گے۔

ترجمہ : ۲ اگر مہر ادا کیا تو شوہر سے وصول کرے گا اگر اس کے حکم سے ہو، جیسا کہ کفالہ میں دستور ہے۔

تشریح : اگر ولی شوہر کے حکم سے مہر کا ضامن بنا تھا اور اس نے عورت کو مہر دے دیا تو ولی اب شوہر سے وہ مہر وصول کرے گا۔

۳؎ وکذلک یصح ھذا الضمان وان کانت الزوجۃ صغیرۃ ۴؎ بخلاف ما اذا باع الاب مال الصغیر وضمن الثمن لان الولی سفیر ومعبر فی النکاح وفی البیع عاقد ومباشر حتی ترجع العھدۃ علیہ والحقوق الیہ ویصح ابراؤہ عند ابی حنیفۃؒ ومحمدؒ ویملک قبضہ بعد بلوغہ فلو صح الضمان یصیر ضامنا لنفسہ

کیونکہ ولی شوہر کے حکم سے کفیل بنا ہے، اور کفالت کا دستور یہ ہے کہ اگر قرض دینے والے کو اپنا درہم دیا تو وہ درہم اس سے وصول کرے گا جس کی جانب سے کفیل بنے ہیں، اس لئے یہاں بھی شوہر سے وصول کرے گا، کیونکہ اس کا قرض تھا۔ اور اگر بغیر شوہر کے حکم سے ضامن بنا ہے تو اب شوہر سے وصول نہیں کر سکے گا، کیونکہ یہ ولی کی جانب سے شوہر پر تبرع اور احسان ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور ایسے ہی صحیح ہے یہ ضمان اگر چہ بیوی نابالغ ہو۔

تشریح : بیوی بڑی ہو تب تو خود عورت مہر پر قبضہ کر سکتی ہے اس لئے دینے والا ولی ہوا اور لینے والی عورت ہوئی، اس لئے لینے والی کوئی اور ہوئی اور دینے والا دوسرا ہوا، لیکن اگر بیوی نابالغ ہے تو اس کی جانب سے مہر پر قبضہ کرنے والا یہی ولی ہے، تو دینے والا بھی ولی ہی ہوا اور لینے والا بھی ولی ہی ہوا، تو ایک ہی شخص دینے اور لینے والا کیسے ہو گیا، اس سلسلے میں فرمایا کہ نکاح میں یہ بھی صحیح ہے، کیونکہ نکاح میں ولی ناکح کی جانب سے صرف سفیر اور معبر ہوتا ہے، اصل ذمہ دار خود نکاح کرنے والا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ عورت نفقہ کا مطالبہ شوہر سے کرے گی ولی سے نہیں، اور شوہر وطی کا مطالبہ بیوی سے کرے گا اس کے ولی سے نہیں، اس لئے ولی نے مہر پر قبضہ کیا وہ لڑکی کی جانب سے کیا، اور جو مہر دیا وہ شوہر کی جانب سے دیا، اس لئے حقیقت میں ایک ہی آدمی دونوں جانب سے نہیں ہوا۔

ترجمہ : ۴؎ بخلاف جبکہ باپ نے نابالغ بیٹے کا مال بیچا اور اس کی قیمت کا ضامن بن گیا، اس لئے کہ ولی نکاح میں سفیر اور معبر ہوتا ہے، اور بیع میں عقد کرنے والا اور مباشر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسی پر ذمہ داری لوٹتی ہے اور اسی کی طرف حقوق لوٹتے ہیں، اور ولی مشتری کو بری کر دے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صحیح ہے، اور بیٹے کے بالغ ہونے کے بعد بھی ثمن کے قبضہ کرنے کا مالک ہے، پس اگر باپ کا ضمان صحیح ہو تو تو اپنے لئے ضامن بننا ہو جائے گا۔

تشریح : نکاح میں اور بیع میں کیا فرق ہے یہاں سے وہ بتا رہے ہیں۔ کہ بیع میں جو وکالت کے طور پر بیچنے والا ہوتا ہے وہ سفر اور معبر نہیں ہوتا اصل ذمہ دار وہی ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے چار دلیلیں دے رہے ہیں [۱] پہلی دلیل یہ ہے کہ مبیع میں کوئی خامی ہو تو اس کو دور کرنے کی ذمہ داری اصل مالک کی نہیں ہوتی، بلکہ جو بیچنے والا ہے اس کی ذمہ داری ہوتی ہے، اس لئے تمام ذمہ داریاں اسی کی طرف لوٹتی ہے اگر باپ نے نابالغ بیٹے کی چیز بیچی تو اصل ذمہ دار باپ ہوگا [۲] دوسری دلیل یہ ہے کہ مبیع کی قیمت لینا، اور اس

۵؎ وولاية قبض المهر للاب بحكم الابوة لا باعتبار انه عاقد الاترى انه يملك القبض بعد بلوغها فلايصير ضامنا لنفسه (۱۶۳۸) قال وللمرأة ان تمنع نفسها حتى تاخذ المهر وتمنعه ان يخرجها ﴾

میں کوئی نقص ہو تو مشتری سے اس نقص کی قیمت لینا یہ مالک کی ذمہ داری نہیں ہوتی بلکہ وکیل کی ذمہ داری ہوتی ہے، اور تمام حقوق اسی کی طرف لوٹتے ہیں [۳] تیسری دلیل یہ ہے کہ وکیل اگر چاہے کہ مشتری سے مبیع کی قیمت نہ لیں اس کو ثمن سے بری کر دیں تو طرفینؒ کے یہاں وکیل کو اس کا بھی اختیار ہے، اس سے مشتری بری ہو جائے اور وکیل مالک کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ [۴] چوتھی دلیل یہ ہے کہ باپ نے نابالغ بیٹے کا سامان بیچا تو بیٹے کے بالغ ہونے کے بعد بھی باپ ہی اس کی قیمت وصول کرے گا اور اس قیمت پر قبضہ کرے گا، بیٹا نہیں کرے گا، کیونکہ بیٹے کے بالغ ہونے کے بعد بھی باپ ہی قیمت وصول کرنے کا ذمہ دار ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بیچنے میں باپ اصل ذمہ دار ہے، اس لئے اگر وہ بیٹے کے سامان کی قیمت کا ضامن بن جائے تو ضامن لنفسہ [اپنے ہی لئے ضامن ہونا] ہو جائے گا اس لئے بیع میں ضامن نہیں بن سکتا، اور نکاح میں صرف سفیر اور معبر ہے، حقوق کے ذمہ دار نہیں ہے اس لئے وہاں مہر کا ضامن بن سکتا ہے۔

لغت : سفیر: دوسرے کی بات کو نقل کرنے والا۔ معبر: تعبیر کرنے والا، دوسرا آدمی جو بات کہتا، اس کی جانب سے اس نے کہہ دی، اس کو معبر کہتے ہیں۔ عاقد: عقد کرنے والا۔ مباشر: باشر سے مشتق ہے کسی کام کو خود کرنا۔ مباشر: خود کرنے والا۔ عھدۃ: ذمہ داری، ضمانت میں ہونا۔

ترجمہ : ۵؎ اور مہر کے قبضے کی ولایت باپ ہونے کے حکم سے ہے اس اعتبار سے نہیں کہ وہ عاقد ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد مہر پر قبضہ کرنے کا مالک نہیں ہوتا، اس لئے باپ ضامن لنفسہ نہیں ہوگا۔

تشریح : لڑکی نابالغ ہو تو اس کے مہر پر قبضہ کرنے کا حق باپ ہونے کی وجہ سے ہے اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس نے نکاح کرایا اور وہ عاقد ہے، یہی وجہ ہے کہ لڑکی بالغ ہو جائے تو باپ کو مہر پر قبضہ کرنے کا حق نہیں رہتا اب لڑکی خود مہر وصول کرے گی، کیونکہ اب وہ بالغ ہو چکی ہے، پس جب باپ ہونے کی وجہ سے مہر پر قبضہ کرنے کا حقدار ہے تو اگر لڑکی کے مہر کا ضامن ہو جائے تو ضامن لنفسہ [اپنے لئے ضامن ہونا] نہیں ہوا اس لئے ضامن ہو سکتا ہے۔

اصول : مہر میں عاقد سفیر محض ہوتا ہے، اور بیع میں ذمہ دار ہوتا ہے۔

ترجمہ : (۱۶۳۸) عورت کے لئے جائز ہے کہ اپنے آپ کو روکے رکھے یہاں تک کہ مہر لے، اور شوہر کو شہر سے باہر نکالنے سے روکے۔

ل اى يسافر بها ليتعين حقها فى البدل كما تعين حق الزوج فى المبدل وصار كالبيع

(۱۶۳۹) وليس للزوج ان يمنعها من السفر والخروج من منزله وزيارة اهلها حتى يوفيها المهر كله ل اى المعجل

ترجمه : ل یعنی عورت کے ساتھ سفر کرے، تاکہ عورت اپنا حق بدل میں متعین کر سکے جیسا کہ شوہر کا حق مبدل میں متعین ہے، اور بیع کی طرح ہو گیا۔

تشریح : مہر کی دو قسمیں ہیں مؤجل، اور معجّل۔ جو مہر تاخیر کے ساتھ ادا کرنے کی شرط ہو اس کو مہر مؤجل کہتے ہیں، اس کو لینے کے لئے عورت شوہر کو وطی سے نہیں روک سکتی، اس لئے کہ خود اس نے اپنا حق مؤخر کر دیا ہے۔ اور دوسرا ہے مہر معجّل، جلدی والا مہر، اس کو وصول کرنے کے لئے شوہر کو وطی سے بھی روک سکتی ہے، اور انکے ساتھ سفر میں بھی جانے سے منع کر سکتی ہے۔

وجه : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ بضع گویا کہ مبیع ہے شوہر اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو عورت کو حق ہے کہ اس کے بدلے میں جو مہر ہے وہ پہلے وصول کرے، اور اس کو وصول کرنے سے پہلے وطی کرنے نہ دے، اور نہ اس کے ساتھ سفر میں جائے۔ جیسے بائع کو حق ہے کہ قیمت کے لئے مبیع کو نہ دے۔ (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ ان علیاً لما تزوج فاطمة بنت رسول الله ﷺ اراد ان يدخل بها فمنعه رسول الله ﷺ حتى يعطها شيئا فقال يا رسول الله ! ليس لى شىء فقال النبى ﷺ أعطها درعك فأعطاها درعه ثم دخل بها . (ابو داود شریف، باب فی الرجل یدخل بامرأته قبل ان ینقد شیئا، ص ۳۰۷، نمبر ۲۱۲۶) اس حدیث میں ہے کہ مہر معجّل دو پھر وطی کرنا۔ (۲) اس اثر میں بھی ہے. و اذا تزوج الرجل المرأة على مهر مسمى فهو عليه حال كله و لها ان تأبى حتى يوفيها مهر ها ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یتزوج المرأة ولم یدخل بها فیقول قد اوفیتک ھدیتک، ص ۲۳۵، نمبر ۱۰۹۵۱) اس اثر میں ہے کہ پورا مہر وصول کرنے کے لئے جانے سے انکار کر سکتی ہے۔ (۳) اور بغیر مہر لئے اجازت دینا چاہے تو دے سکتی ہے، اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عائشة قالت أمرنى رسول الله ﷺ ان ادخل امرأة على زوجها قبل ان يعطيها شيئا ۔ (ابو داود شریف، باب فی الرجل یدخل بامرأته قبل ان ینقد شیئا، ص ۳۰۷، نمبر ۲۱۲۶) اس حدیث میں ہے کہ مہر مؤجل لینے سے پہلے شوہر کو وطی کرنے دینا چاہئے تو دے سکتی ہے اس لئے کہ یہ اس کا ذاتی حق ہے۔

ترجمه : (۱۶۳۹) شوہر کے لئے جائز نہیں ہے عورت کو سفر سے روکے، یا گھر سے نکلنے سے روکے، یا اپنے اہل خانہ کی زیارت سے روکے یہاں تک کہ اس کو پورا مہر دے دے۔

ترجمه : ل یعنی مہر معجّل کے لئے۔

۲ لان حق الحبس لاستيفاء المستحق وليس له حق الاستيفاء قبل الايفاء (۱۶۴۰) ولو كان المهر كله مؤجلا ليس لها ان تمنع نفسها ﴾ ۱ لاسقاطها حقها بالتاجيل كما فی البيع ۲ وفيه خلاف ابی يوسفؒ (۱۶۴۱) وان دخل بها فكذلك الجواب ﴾ ۱ عند ابی حنيفةؒ

تشریح : شوہر نے ابھی تک مہر معجّل نہیں دیا ہے تو جب تک پورا مہر ادا نہ کردے اس وقت تک عورت کو سفر کرنے سے نہیں روک سکتا، اور نہ گھر سے باہر نکلنے سے روک سکتا ہے، اور نہ اپنے خاندان والوں کی زیارت کے لئے جانا چاہے تو روک سکتا ہے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کو گھر میں رکھنے کی وجہ یہ ہے اس سے وطی کرے، اور مہر دینے سے پہلے وطی نہیں کرسکتا تو اس کو روکے گا کس مقصد کے لئے! اس لئے عورت کو روک بھی نہیں سکتا ہے۔

ترجمہ : ۲ اس لئے کہ روکنے کا حق بضع کو وصول کرنے کے لئے ہے اور مہر کو ادا کرنے سے پہلے اس کے لئے بضع وصول کرنے کا حق نہیں ہے [اس لئے عورت کو کیوں روکے گا]

تشریح : یہ اوپر کی دلیل عقلی ہے، کہ عورت کو گھر میں روکنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے وطی کرے اور مہر دینے سے پہلے وطی کا ہی حق نہیں ہے تو عورت کو روکے گا کس کام کے لئے، اس لئے شوہر کو زیارت وغیرہ سے روکنے کا حق نہیں ہے۔

لغت : استیفاء: وصول کرنا، اسی سے ہے، ایفاء، پورا پورا ادا کرنا۔ مستحق: سے مراد ہے بضع حاصل کرنا، جو مستحق ہے۔

ترجمہ : (۱۶۴۰) اگر پورا مہر مؤخر ہو تو عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے آپ کو روکے۔

ترجمہ : ۱ تاخیر کرکے اپنے حق کو ساقط کرنے کی وجہ سے، جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے۔

تشریح : اگر تمام مہر مؤجل ہو تو عورت شوہر کو وطی سے نہیں روک سکتی اور نہ سفر سے روک سکتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خود سے مہر مؤخر کیا تو اپنا حق ساقط کردیا اس لئے اب روکنے کا حق نہیں رہا، جیسے مبیع کی قیمت مؤخر کردے تو قیمت لینے کے لئے مبیع کو نہیں روک سکتا۔

ترجمہ : ۲ اس میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مہر مؤجل ہونے کے باوجود عورت کو وطی سے روکنے کا حق ہے، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ جب شوہر نے مہر مؤخر کیا تو یہ بھی جان لیا کہ مہر دینے تک مجھے وطی نہیں کرنے دے گی اور عورت نے بھی جان لیا کہ مہر دینے تک وطی کا حق نہیں ہوگا اس لئے عورت کو منع کرنے کا حق ہے۔

ترجمہ : (۱۶۴۱) اور اگر عورت سے دخول کرلیا تو ایسے ہی جواب ہے۔

ترجمہ : ۱ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک

۲ وقالا ليس لها ان تمنع نفسها ۳ والخلاف فيما اذا كان الدخول برضاها حتى لو كانت مكرهة او كانت صبيةً او مجنونة لا يسقط حقها فى الحبس بالاتفاق وعلى هذا الخلاف الخلوة بها برضاها ۴ ويبتنى على هذا استحقاق النفقة

تشریح : مہر معجّل تھا اور عورت نے اپنی رضامندی سے وطی کرنے دیا پھر بھی منع کرنے کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ ہر وطی کے بدلے میں گویا کہ مہر ہے پس جب اگلا وطی کرنے جائے گا تو اس کے بدلے میں بھی مہر لینے کا حق ہوگا، اس لئے پہلی وطی کے وقت معاف کر دیا تو اگلی وطی کے وقت اس کا بدلہ لینے کا حق ہوگا، اس لئے مہر لینے کے لئے اگلی وطی سے منع کر سکتی ہے۔ (۲) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الحسن قال الصداق حال فمتى شائت اخذته . (مصنف عبد الرزاق، باب متی یحل الصداق والذی تجحد امرأته صداقها، ص ۲۳۴، نمبر ۱۰۹۴۶) اس اثر میں ہے کہ مہر معجّل ہو تو جب چاہے وصول کرے۔

ترجمہ : ۲ صاحبینؒ نے فرمایا کہ عورت کو اپنے آپ سے روکنے کا حق نہیں ہے۔

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مہر معجّل تھا پھر بھی ایک مرتبہ وطی کرنے دے دیا تو اب مہر لینے کے لئے شوہر کو وطی کرنے سے روکنے کا حق نہیں ہے۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع کی طرح ہے کہ مبیع سپرد کر دیا تو اب قیمت لینے کے لئے مبیع روکنے کا حق نہیں ہے، اسی طرح بضع سپرد کر دیا تو اب اگلی وطی سے روکنے کا حق نہیں ہے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن قتادة قال : تلزم المرأة زوجها بصداقها ما لم يدخل بها فاذا دخل بها فلا شيء لها . (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یتزوج المرأة ولم یدخل بها فیقول قد اوفیتک ہدیتک، ص ۲۳۵، نمبر ۱۰۹۵۱) اس اثر میں ہے کہ وطی کر لیا تو اب اس کو روکنے کا حق نہیں ہے۔

ترجمہ : ۳ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ دخول عورت کی رضامندی سے ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر زبردستی کی ہو، یا لڑکی نابالغ ہو، یا مجنونہ ہو تو بالاتفاق روکنے میں عورت کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ اور اسی اختلاف پر ہے اس کی رضامندی سے خلوت کرنا۔

تشریح : اوپر جو اختلاف آیا کہ ایک مرتبہ وطی کی اجازت دینے کے بعد مہر لینے کے لئے اگلی وطی سے روکنے کا حق نہیں ہوگا، یہ اس صورت میں ہے کہ عورت نے رضامندی سے وطی کی اجازت دی ہو، لیکن اگر شوہر نے زبردستی وطی کر لیا، یا لڑکی نابالغ تھی اور اس سے وطی کر لی، یا عورت مجنونہ تھی اور شوہر نے وطی کر لی تو روکنے کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ اسی طرح رضامندی سے خلوت کر لیا تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں اگلی وطی سے روکنے کا حق ہوگا اور صاحبینؒ کے یہاں نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۴ اور اسی اختلاف پر نفقے کا استحقاق مبنی ہے۔

۵؎ لهما ان المعقود عليه كله قد صار مسلما اليه بالوطية الواحدة او بالخلوة ولهذا يتاكدبها جميع المهر فلم يبق لها حق الحبس كالبائع اذا سلم المبيع ۶؎ وله انها منعت منه ما قابل بالبدل لان كل وطية تصرف فی البضع المحترم فلا يخلى عن العوض ابانةً لخطره

تشریح : قاعدہ یہ ہے کہ بغیر استحقاق کے وطی کرنے نہ دے تو عورت نافرمان سمجھی جاتی ہے اور اس درمیان اس کو نان نفقہ نہیں ملتا ہے، اور استحقاق کی وجہ سے وطی کرنے نہ دے تو عورت نافرمان نہیں سمجھی جاتی اور اس کو روکنے کی مدت کا نان نفقہ ملتا ہے، اس اصول پر امام ابو حنیفہؒ کے یہاں عورت کو وطی نہ کرنے دینے کا حق ہے اس لئے اس مدت کا نان نفقہ ملے گا اور عورت نافرمان نہیں سمجھی جائے گی، اور صاحبینؒ کے یہاں وطی نہ کرنے دینے میں عورت نافرمان ہوئی اس لئے اس کو نان نفقہ نہیں ملنا چاہئے۔

ترجمہ : ۵؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہی وطی سے یا خلوت سے معقود علیہ [بضع] پورا کا پورا شوہر کی طرف سپرد ہو گیا اس لئے تمام مہر عورت کے لئے مؤکد ہو گیا اس لئے اس کو روکنے کا حق باقی نہیں رہا، جیسے بائع اگر مبیع سپرد کرے [تو مبیع کو روکنے کا حق نہیں رہتا ہے]

تشریح : صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وطی کرنے یا خلوت صحیحہ کی وجہ سے عورت نے معقود علیہ یعنی بضع کو شوہر کو پورے طور پر سپرد کر دیا یہی وجہ ہے کہ اب عورت کو پورا مہر ملے گا اس لئے اب اس کو وطی سے روکنے کا حق نہیں ہے، جیسے بائع مبیع سپرد کر دے تو ثمن لینے کے لئے اب مبیع کو روکنے کا حق نہیں ہے۔

لغت: معقود علیہ: جس پر عقد ہوا ہو، یہاں اس سے بضع مراد ہے۔ مسلما: سلم سے مشتق ہے سپرد کیا ہوا، اسی سے سلم ہے، سپرد کیا۔ حبس: روکنا۔

ترجمہ : ۶؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے وہ وطی روکی جو بدل کے مقابل ہے اس لئے کہ ہر وطی محترم بضع میں تصرف کرنا ہے اس لئے عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے بدلے سے خالی نہیں ہونی چاہئے۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ موت تک جتنی وطی ہوگی یہ مہر سب کے بدلے میں ہے، لیکن پہلی وطی کے بعد آگے کتنی وطی ہوگی یہ معلوم نہیں ہے اس لئے ایک وطی ہی کے بدلے میں پورا مہر قرار دیتے ہیں اور ایک ہی وطی سے پورا مہر دلوا دیتے ہیں، پھر جب دوسری وطی ہوئی تو یہی مہر دونوں وطی کے بدلے میں ہو گیا، اور تیسری وطی ہوئی تو تینوں کے بدلے میں یہی مہر ہو گیا، تاہم ہر وطی کے بدلے مہر کا کچھ حصہ ضرور ہے، اس لئے پہلی وطی کی اجازت دینے کے بعد جب دوسری وطی کرنا چاہا تو اس کے بدلے میں عورت کو مہر مانگنے کا حق ہے اور اس کے لئے اگلی وطی روک سکتی ہے۔ اس کے برخلاف مبیع جب دیا تو ایک ہی مرتبہ پورا دے دیا اس لئے اب ثمن کے لئے اس کو کیا روکے گا وہ تو دے چکا ہے، اس لئے وہاں روکنے کا حق نہیں ہے۔

ے والتاكد بالواحدة لجهالة ماوراء ها فلايصلح مزاحماً للمعلوم ثم اذا وجد وطی آخر وصار معلوماً تحققت المزاحمة وصار المهر مقابلا بالكل كالعبد اذا جنى جناية يدفع كله بها ثم اذا جنى اخرىٰ يدفع بجميعها (۱۶۴۲) واذا اوفاها مهرها نقلها الى حيث شاء ﴿ لے لقوله تعالىٰ اسكنوهن من حيث سكنتم

لغت : فلا تخلی عن العوض: ہر وطی بدلے سے خالی نہ ہو۔ ابانۃ لخطرہ: خطر کا معنی ہے عزت، عظمت، ابانۃ لخطرہ، کا ترجمہ ہوگا عظمت ظاہر کرنے کے لئے۔

ترجمہ : ے اور ایک ہی وطی سے مہر موکد ہونا اس کے بعد والی کی جہالت کی وجہ سے ہے اس لئے معلوم وطی کے مزحم کی صلاحیت نہیں ہوگی، پھر جب دوسری وطی پائی گئی اور معلوم ہوگئی تو مزاحمت متحقق ہوگئی اور مہر سب کے مقابل ہوگیا، جیسے غلام اگر جنایت کرے تو ایک ہی جنایت کے بدلے میں پورا غلام دیا جاتا ہے، پھر بار بار کرے تو سب کے بدلے میں وہی ایک دیا جاتا ہے۔

تشریح : یہ اشکال کا جواب ہے کہ ایک ہی وطی سے پورا مہر دلوایا جاتا ہے تو وہی مہر تمام وطی کے بدلے میں کیسے ہوگیا؟ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ بعد کی وطی معلوم نہیں ہے اس لئے بعد والی وطی موجود وطی کی مزاحم اور مقابل نہیں ہوسکتی اس لئے تمام مہر ایک ہی وطی کے لئے کر دیا گیا، پھر جب وطی ہوتی گئی اور وجود میں آتی رہی تو پہلے کے موجود وطی کے مقابل ہوگئی اس لئے اس کے بدلے میں بھی یہی مہر ہوگیا، اس لئے بعد میں سب موجود وطی کے بدلے میں وہی مہر ہوتا چلا گیا، اس کی مثال دیتے ہیں کہ ایک مرتبہ غلام نے جنایت کی تو اس کے بدلے میں پورا غلام دے دیا جائے گا، لیکن اگر سزا سے پہلے یہ دس جنایت کرتا گیا تو یہی غلام سب جنایت کے بدلے میں ہوتا جائے گا، اسی طرح ایک وطی کے بدلے میں سب مہر ہے لیکن بعد میں وطی ہوتی جائے گی اور یہی مہر سب کے بدلے میں ہوتا چلا جائے گا۔ حاصل یہ ہے کہ ہر اگلی وطی کے بدلے میں مہر ہے، اس لئے عورت کو اس کو وصول کرنے کے لئے اگلی وطی روکنے کا حق ہے۔

لغت: مزاحمۃ: زحم سے مشتق ہے، مقابل ہونا، بھیڑ کرنا۔ جنایۃ: جرم، مثلاً قتل عمد کرنا، یا قتل خطا کرنا۔ اخری واخری: دوسرا پھر دوسرا، بار بار کرنا۔

ترجمہ : (۱۶۴۲) اور جب عورت کو پورا مہر دے دیا جہاں چاہے اس کو سفر میں لے جائے۔

ترجمہ : لے اللہ تعالی کا قول ,اسکنوھن من حیث سکنتم۔ آیت کی وجہ سے۔

تشریح : عورت کو سفر میں لیجانے کی ممانعت اس وقت تک تھی کہ اس کو پورا مہر نہ دیا ہو، پس جب مہر دے دیا تو اب وہ نہ بھی چاہے پھر بھی اس کو شہر سے باہر سفر میں لیجا سکتا ہے۔

۲؎ وقيل لايخرجها الى بلد غير بلدها لان الغريبة تؤذى ۳؎ وفى قرى المصر القريبة لاتتحقق الغربة

(۱۶۴۳) قال ومن تزوج امرأة ثم اختلفا فى المهر فالقول قول المرأة الى تمام مهر مثلها والقول قول الزوج فيما زاد على مهر المثل وان طلقها قبل الدخول بها فالقول قوله فى نصف المهر ﴾

وجه : (۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ مہر دینے کے بعد وطی کا حقدار ہے اور سفر میں بھی وطی کی ضرورت پڑے گی اس لئے وہاں بھی اس کو لیجانے کا حقدار ہوگا۔(۲)اس آیت میں ہے کہ جہاں تم مقیم ہو وہیں عورت کو ٹھہراؤ، اور یہ سفر میں ہے تو عورت کو بھی سفر میں ٹھہرا سکتا ہے۔آیت یہ ہے۔ اسکنو هن من حيث سكنتم من وجدكم و لا تضاروهن لتضيقوا عليهن۔(آیت ۶،سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت میں ہے کہ جہاں تم ٹھہرو وہیں عورت کو ٹھہراؤ۔(۳) اس حدیث میں ہے کہ بیوی کو سفر میں لے گئے۔عن عائشةؓ زوج النبى ﷺ قالت كان رسول الله ﷺ اذا اراد ان يخرج أقرع بين أزواجه ، فأيتهن خرج سهمها خرج بها رسول الله ﷺ معه قالت عائشة فأقرع بيننا فى غزوة غزاها فخرج سهمى فخرجت مع رسول الله ﷺ بعد ما انزل الحجاب . (بخاری شریف، باب ﴿لولا اذ سمعتموه ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسهم خيرا﴾۔کتاب التفسیر،ص ۸۲۹،نمبر ۴۷۵۰)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کو سفر میں لے گئے۔

ترجمہ : ۲؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ عورت کو اپنے شہر سے دوسرے شہر کی طرف نہ لیجائے، اس لئے کہ اجنبیت تکلیف دے گی۔

تشریح : حضرت فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا کہ شوہر کا شہر اور عورت کا میکے تو لیجا سکتا ہے، اس کے علاوہ دور دراز شہر عورت کی رضامندی کے بغیر نہیں لیجا سکتا، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں ہے کہ عورت کو تکلیف مت دو اور تنگ مت کرو اور دور دراز شہر میں اجنبیت کی وجہ سے عورت کو تکلیف ہوگی اس لئے اس کی رضامندی کے بغیر لیجانا جائز نہیں ہے۔

وجہ : (۱)اس آیت میں ہے کہ تنگ کرنے کے لئے عورت کو تکلیف مت دو۔ اسکنو هن من حيث سكنتم من وجدكم و لا تضاروهن لتضيقوا عليهن(آیت ۶،سورۃ الطلاق ۶۵)۔

ترجمہ : ۳؎ شہر کے قریبی گاؤں میں اجنبیت نہیں ہوگی۔

تشریح : شوہر کا شہر یا عورت کے میکے کے شہر کے ارد گرد چالیس میل کے اندر اندر جو دیہات ہیں وہ شہر کے قریب ہونے کی وجہ سے اجنبی جگہ نہیں ہیں اس لئے اس میں بغیر رضامندی کے بھی لیجانا چاہے تو لیجا سکتے ہیں، کیونکہ وہ شہر میں داخل ہیں اور اذیت بھی کم ہے۔

ترجمہ : (۱۶۴۳) کسی نے عورت سے نکاح کیا پھر مہر میں اختلاف ہوا تو مہر مثل کے پورا ہونے تک عورت کی بات کا

۱ وھذا عند ابی حنیفۃؒ و محمدؒ

اعتبار ہوگا، اور جو مہر مثل سے زیادہ ہوتو اس میں شوہر کی بات کا اعتبار ہوگا، اور اگر دخول سے پہلے طلاق ہوئی تو نصف مہر میں شوہر کی بات کا اعتبار ہوگا۔

ترجمہ : ۱ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مہر مثل کو اصل بنیاد بنایا جائے اور جسکی بات مہر مثل کے قریب ہو اس کی بات مانی جائے۔ نکاح کے بعد مہر میں اختلاف ہوا اور کوئی قرینہ یا کوئی بینہ نہیں ہے تو مہر مثل تک عورت کی بات مانی جائے گی، مثلا مہر مثل دو ہزار سے زیادہ ہے اور عورت کہہ رہی ہے کہ مہر دو ہزار طے پایا تھا، اور شوہر کہہ رہا ہے کہ ایک ہزار طے پایا تھا تو عورت کی بات مان کر دو ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ عورت کی بات مہر مثل کے قریب ہے۔ اور اگر مہر مثل ایک ہزار سے کم ہو تو شوہر کی بات مان کر ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ شوہر کی بات مہر مثل کے قریب ہے، اور اگر مہر مثل ڈیڑھ ہزار ہو تو مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ یہ بیوی اور شوہر دونوں کے قول کے درمیان ہے۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہری حالات جسکی موافقت کرے دعوی میں اسی کے موافق فیصلہ کیا جاتا ہے، اور مہر مثل ظاہری حالات ہیں اس لئے مہر مثل کے موافق جسکی بات ہوگی اسی کی بات مانی جائے گی۔ (۲) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن حماد و ابن ابی لیلی فی الرجل یتزوج المرأۃ فتقول : تزوجنی بألف و یقول ھو تزوجتھا بخمسمأۃ ، قال حماد لھا صداق مثلھا فیما بینھا و بین ما ادعت .** (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یتزوج المرأۃ ولم یدخل بھا فیقول قد اوفیتک ھدیتک، ص ۲۳۵، نمبر ۱۰۹۵۱) اس اثر میں ہے کہ مہر مثل کے مطابق جس کا دعوی ہو اس کی بات مانی جائے گی۔ (۳) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جہاں مہر میں اختلاف ہو تو گویا کہ مہر متعین ہی نہیں ہوا، اور مہر متعین نہ ہو اس حدیث کی بنا پر مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ **عن ابن مسعود انه سئل عن رجل تزوج امرأۃ ولم یفرض لھا صداقا ولم یدخل بھا حتی مات فقال ابن مسعود لھا مثل صداق نسائھا لا وکس ولا شطط و علیھا العدۃ و لھا المیراث فقام معقل ابن سنان الاشجعی فقال : قضی رسول اللہ ﷺ فی بروع بنت واشق ، امراۃ منا مثل ما قضیت ، ففرح بھا ابن مسعود .** (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الرجل یتزوج المرأۃ فیموت عنھا قبل ان یفرض لھا، ص ۲۱۷، نمبر ۱۱۴۵/ ابو داؤد شریف، باب فیمن تزوج ولم یسم لھا صداقا حتی مات، ص ۲۹۵، نمبر ۲۱۱۶) اس حدیث میں ہے کہ مہر متعین نہ ہو تو مہر مثل لازم ہوگا۔

اور اگر دخول سے پہلے طلاق واقع ہوئی تو مہر مثل چاہے عورت کے موافق ہو یا شوہر کے موافق ہو شوہر کے قول کے مطابق فیصلہ کر کے اس کا آدھا مہر دلوایا جائے گا۔ اس لئے کہ یہی مہر یقینی ہے اس لئے اس کا آدھا دلوایا جائے گا۔

۲؎ وقال ابویوسفؒ القول قوله بعد الطلاق وقبله الا ان یاتی بشیء قلیل ومعناه مالا یتعارف مهراً لها هو الصحیح لابی یوسفؒ ان المرأة تدعی الزیادة والزوج ینکر والقول قول المنکر مع یمینه الا ان یاتی بشئ یکذبه الظاهر فیه ۳؎ وھذا لان تقوم منافع البضع ضروری فمتیٰ امکن ایجاب شئ من المسمی لایصار الیه ۴؎ ولھما ان القول فی الدعاوی قول من یشهد له الظاهر والظاهر شاهد لمن یشهد له مهر المثل لانه هو الموجب الاصلی فی باب النکاح وصار کالصباغ مع رب الثوب اذا اختلفا فی مقدار الاجر یحکم فیه قیمة الصبغ

ترجمہ : ۲؎ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ طلاق کے بعد ہو یا طلاق سے پہلے ہو ہر حال میں شوہر کی بات مانی جائے گی، مگر یہ کہ بہت تھوڑی سی چیز کہے، اس کا معنی یہ ہے کہ عرف میں اس کا اتنا کم مہر نہیں بن سکتا ہو، صحیح روایت یہی ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت زیادتی کا دعوی کرتی ہے اور شوہر اس کا انکار کرتا ہے، اور قسم کے ساتھ منکر کی بات مانی جاتی ہے، مگر یہ کہ اتنی کم چیز ہو کہ ظاہر اس کی تکذیب کرتی ہو۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ طلاق کے بعد ہو یا اس کے پہلے ہو ہر حال میں شوہر کی بات مانی جائے گی، ہاں شوہر اتنا کم مہر کہہ رہا ہو کہ معاشرے میں اس قسم کی عورت کا مہر اتنا کم نہیں ہو سکتا ہو تو وہ بات نہیں مانی جائے گی۔ صحیح بات یہی ہے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت زیادہ کا دعوی کر رہی ہے اور شوہر اس کا انکار کر رہا ہے، پس اگر عورت کے پاس گواہ نہ ہو اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو تو قسم کے ساتھ منکر کی بات مانی جاتی ہے، اس لئے یہاں شوہر کی بات مانی جائے گی۔ ہاں شوہر اتنا کم مہر کا دعوی کر رہا ہو کہ ظاہر اس کی تکذیب کرتا ہو تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

ترجمہ : ۳؎ اور شوہر کی بات اس لئے مانی جائے گی کہ بضع کے منافع کی قیمت مجبوری کے درجے میں ہے پس جب تک مسمی کو واجب کرنا ممکن ہو مہر مثل کی طرف نہیں پھیرا جائے گا۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کی یہ دوسری دلیل ہے کہ بضع جسم ہے اس لئے وہ متقوم نہیں ہے، یہ تو مجبوری کے درجے میں اس کی قیمت لگاتے ہیں اس لئے جب تک مہر کا تعین ہو سکتا ہو تو اسی پر رہا جائے گا، مہر مثل کی طرف نہیں جایا جائے گا، اور یہاں شوہر کی بات مان کر کم سے کم مہر جو یقینی ہے اس کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے اس لئے مہر مثل کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ : ۴؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ دعوی میں اس کے قول کا اعتبار ہے جسکی ظاہر گواہی دیتا ہو، اور مہر مثل ظاہر کی گواہی دیتا ہے اس لئے کہ نکاح کے باب میں وہی موجب اصلی ہے، اور ایسا ہو گیا کہ کپڑے والے کے ساتھ رنگنے والا جبکہ اجرت کی مقدار میں اختلاف کرے تو اس میں فیصلہ کیا جائے گا رنگ کی قیمت کا۔

۵ ثم ذكر ههنا ان بعد الطلاق قبل الدخول القول قوله فى نصف المهر وهذا رواية الجامع الصغير والاصل وذكر فى الجامع الكبير انه يحكم متعة مثلها وهو قياس قولهما لان المتعة موجبة بعد الطلاق كمهر المثل قبله فتحكم كهو

تشریح : طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ظاہری حالت جسکی گواہی دیتی ہو دعوی میں اسی کی بات مانی جاتی ہے، اور نکاح کے باب میں مہر مثل ظاہری حالت ہے اور موجب اصلی بھی وہی ہے اس لئے مہر مثل جسکے موافق ہو اسی کی بات مانی جائے گی۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ کپڑا رنگنے والا اور کپڑے کے مالک کے درمیان اجرت کی مقدار میں اختلاف ہو تو بازار میں اس رنگنے کی قیمت کیا ہے اس کو حکم بنایا جاتا ہے، بازار کی اجرت جسکی موافقت کرتی ہو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

لغت : صباغ: کپڑا رنگنے والا۔ رب الثوب: کپڑے کا مالک۔ تحکم: فیصلہ کیا جاتا ہے: صبغ: رنگنا۔

ترجمہ : ۵ پھر یہاں ذکر کیا کہ دخول سے پہلے طلاق کے بعد نصف مہر میں شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا، اور یہ جامع صغیر، اور مبسوط [کتاب الاصل] کی روایت ہے، اور جامع کبیر میں ذکر کیا عورت کے مثل متعہ کا فیصلہ کیا جائے گا، اور طرفین کے قول کا قیاس بھی یہی ہے، اس لئے کہ دخول سے پہلے طلاق ہو تو متعہ واجب کرنا ایسا ہے جیسے دخول کے بعد مہر مثل واجب کرنا، اس لئے متعہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔

تشریح : متن میں یہ ذکر کیا کہ دخول سے پہلے طلاق ہوئی ہو تو ہر حال میں شوہر کی بات مان کر اس کا آدھا مہر دلوایا جائے گا، یہ روایت جامع صغیر کی ہے، عبارت یہ ہے۔ محمد عن یعقوب عن ابی حنیفہؒ فی رجل تزوج امرأة ثم اختلفا فی المهر قال القول قول المرأة الی مهر مثلها ، و القول قول الزوج فیما زاد و ان طلقها قبل الدخول بها فاقول قوله فی نصف المهر و هو قول محمدؒ و قال ابو یوسفؒ القول قوله بعد الطلاق و قبله الا ان یأتی بشئی قلیل ۔ (جامع صغیر، باب فی المھور، ص ۱۷۹) اس عبارت میں ہے کہ دخول سے پہلے طلاق ہوئی ہو تو ہر حال میں شوہر کی بات مان کر اس کا آدھا دلوایا جائے گا۔

اور جامع کبیر میں یہ ہے کہ اس قسم کی عورت کو جو متعہ مل سکتا ہے وہ دلوایا جائے، اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے، کیونکہ جب مہر مثل کو اصل بنیاد بنایا تو دخول کے بعد مہر مثل لازم ہوتا ہے اور دخول سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہو تو ایسی عورت کو متعہ دیا جاتا ہے تو اس کو بھی متعہ ہی دینا چاہئے، آدھا مہر نہیں دلوانا چاہئے۔ جامع کبیر کی عبارت یہ ہے۔ رجل طلق امرأته و لم یدخل بها فاختلفا فی المهر فالقول فی نصف المهر قولها الی متعة مثلها [لانها لو قالت : لم یسم لی مهرا کان لها المتعة] و قال ابو یوسف فی هذا کله القول قول الزوج الا أن یأتی بشیء [مستنکر جدا] و قال محمد فی ذالک بقول

۶ ووجه التوفيق انه وضع المسألة فى الاصل فى الالف والالفين والمتعة لاتبلغ هذا المبلغ فى العادة فلا يفيد تحكيمها ووضعها فى الجامع الكبير فى المائة والعشرة متعة مثلها عشرون فيفيد تحكيمها والمذكور فى الجامع الصغير ساكت عن ذكر المقدار فيحمل على ما هو المذكور فى الاصل

ابی حنیفهؒ ۔(جامع کبیر، باب من النکاح فیما ینقص من الصداق و مایزید،ص۹۲)اس عبارت میں ہے کہ اس عورت کا جو متعہ ہو سکتا ہے اس کے مثل تک نصف مہر میں عورت کی بات مانی جائے گی ، یہ طرفین کا قول ہے۔

لغت : لان المتعة موجبة بعد الطلاق كمهر المثل قبله:اس عبارت میں تسامح ہے،عبارت یوں ہونی چاہئے,لان المتعة موجبة بعد الطلاق قبل الدخول كمهر المثل بعد الدخول ، کہ دخول سے پہلے طلاق ہوئی ہو تو متعہ ہے، جیسے دخول کے بعد طلاق ہوئی ہو تو مہر مثل ہے ۔ فتحكم كهو :دخول سے پہلے طلاق کی صورت میں متعہ کا فیصلہ کرنا ایسا ہے جیسے دخول کے بعد مہر مثل کا فیصلہ کرنا۔ والاصل: امام محمدؒ کی کتاب الاصل جسکو مبسوط کہتے ہیں اس میں نکاح اور طلاق کی بحث ہی نہیں ہے اس لئے اس مسئلے کے لئے کتاب الاصل کا حوالہ دینا صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ : ۶ توافق کا طریقہ یہ ہے کہ کتاب الاصل میں مسئلے کو فرض کیا ہے ایک ہزار اور دو ہزار کے درمیان اور متعہ عام طور پر اس مقدار تک نہیں پہنچتا اس لئے متعہ کو فیصل بنانا صحیح نہیں ہے،اور جامع کبیر میں مسئلہ فرض کیا ہے ایک سو اور دس درہم کے درمیان، اور اس قسم کی عورت کا متعہ بیس درہم ہوتا ہے اس لئے متعہ کو فیصل بنانا فائدہ مند ہوگا ،اور جامع صغیر میں مقدار کے ذکر سے خاموش ہے اس لئے حمل کیا جائے گا اس پر جو کتاب الاصل میں مذکور ہے۔

تشریح : صاحب ہدایہ دونوں کتابوں کی عبارت میں توافق پیدا کر رہے ہیں، کہ جامع صغیر میں جو ہے کہ شوہر کی بات مان کر اس کا آدھا دلوایا جائے گا ،اس کی وجہ یہ ہے کہ مسئلے کی صورت اس طرح فرض کی ہے کہ عورت دو ہزار مہر کا دعوی کرتی ہے اور شوہر کہتا ہے کہ ایک ہزار مہر ہے،اور دخول سے پہلے طلاق ہوئی ہے اس لئے اس کا آدھا ، پانچ سو درہم تو شوہر اپنے منھ سے دینا چاہتا ہے،اور عام طور پر عادت میں تین کپڑے متعہ کی قیمت پانچ سو درہم نہیں ہوتی اس لئے شوہر ہی کی بات ماننے میں عورت کا فائدہ ہے اس لئے متعہ کے بجائے شوہر کی بات مان کر پانچ سو دلوا دیا جائے۔

اور جامع کبیر میں اس طرح مسئلہ فرض کیا ہے کہ عورت کہتی ہے کہ مہر سو درہم ہے اور شوہر کہتا کہ دس درہم ہے،اور اس قسم کی عورت کا متعہ بیس درہم کا ہوتا ہے، پس اگر شوہر کی بات مانیں تو دس درہم کا آدھا پانچ درہم ہوگا اور پانچ درہم سے متعہ کا کپڑا ابھی نہیں ہوگا ، اس لئے بیس درہم کا متعہ دلوانا عورت کے لئے فائدہ مند ہے،اور جامع صغیر میں مسئلے کی صورت فرض کرنے کے لئے مقدار کا ذکر

ے وشرح قولهما فيما اذا اختلفا فی حال قيام النكاح ان الزوج اذا ادعى الالف والمرأة الالفين فان كان مهر مثلها الفا او اقل فالقول قوله وان كان الفين او اكثر فالقول قولها وايهما اقام البينة فی الوجهين تقبل ۸ وان اقاما البينة فی الوجه الاول تقبل بينتها لانها تثبت الزيادة ۹ وفی الوجه الثانی بينته لانها تثبت الحط

نہیں ہے اس لئے کتاب الاصل میں جو ایک ہزار اور دو ہزار کی صورت ہے اسی پر محمول کیا جائے۔

ترجمہ : ے طرفین کے قول کی شرح یہ ہے کہ اگر دونوں نے نکاح کے قیام کی حالت میں اختلاف کیا اس طرح کی شوہر نے ایک ہزار مہر کا دعوی کیا اور عورت نے دو ہزار کا، پس اگر مہر مثل ایک ہزار یا اس سے کم ہے تو شوہر کی بات مانی جائے گی، اور اگر مہر مثل دو ہزار یا اس سے زیادہ ہے تو عورت کی بات مانی جائے گی، اور دونوں صورتوں میں جس نے بھی بینہ قائم کر دیا تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول کی شرح یہ ہے کہ دونوں کا نکاح قائم ہے اور طلاق واقع نہیں ہوئی اور مہر کے بارے میں اختلاف ہوا۔ شوہر دعوی کرتا ہے ایک ہزار مہر کا اور عورت دعوی کرتی ہے دو ہزار کا، تو مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا، اور جس کے مطابق مہر مثل ہوگا اس کی بات مانی جائے گی، پس اگر مہر مثل ایک ہزار یا اس سے کم ہے تو شوہر کی بات مانی جائے گی۔ اور اگر مہر مثل دو ہزار یا اس سے زیادہ ہے تو عورت کی بات مانی جائے گی۔ اور ان میں سے جس نے بھی گواہی پیش کر دی اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمہ : ۸ اور اگر دونوں نے گواہی پیش کی تو پہلی شکل میں عورت کی گواہی مانی جائے گی اس لئے کہ وہ زیادتی کو ثابت کرتی ہے۔

تشریح : [۱] یہ اس اصول پر ہے کہ گواہی خلاف ظاہر کو ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ [۲] اور جس کا دعوی مہر مثل کے موافق ہے اس کا دعوی ظاہر کے موافق ہے اس لئے اس کی گواہی مانی جائے گی جو مہر مثل کے خلاف ہو۔

پہلی شکل یہ ہے کہ شوہر ایک ہزار کا دعوی کرتا ہے اور عورت دو ہزار کا اور مہر مثل ایک ہزار ہے، یا اس سے کم ہے اس لئے یہ شوہر کے موافق ہے اور عورت کی گواہی ظاہر کے خلاف ہے اور گواہی ظاہر کے خلاف کو ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہے اس لئے عورت کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمہ : ۹ اور دوسری صورت میں شوہر کی گواہی مانی جائے گی اس لئے کہ یہ گواہی کمی کو ثابت کرتی ہے۔

تشریح : اور دوسری شکل یہ ہے کہ مہر مثل دو ہزار ہے یا اس سے زیادہ ہے، اس لئے یہ عورت کے موافق ہے، اس لئے شوہر کی گواہی مانی جائے گی اس لئے کہ شوہر کی گواہی کمی کو ثابت کرتی ہے اور مہر مثل جو ظاہر ہے اس کے خلاف ہے، اس لئے شوہر کی گواہی

۱۰؎ وان كان مهر مثلها الفا وخمس مائة تحالفا واذا حلفا تجب الف وخمس مائة هذا تخريج الرازیؒ ۱۱؎ وقال الكرخیؒ يتحالفان فی الفصول الثلثة ثم يحكم مهر المثل بعد ذلك

(۱۶۴۴) ولو كان الاختلاف فی اصل المسمی يجب مهر المثل بالاجماع ۱؎ لانه هو الاصل عندهما وعنده تعذر القضاء بالمسمی فيصار اليه

مانی جائے گی۔۔حط:معنی کمی۔

ترجمه : ۱۰؎ اور اگر مہر مثل ایک ہزار پانچ سو ہے تو دونوں قسم کھائیں، اور جب دونوں قسم کھالیں تو ایک ہزار پانچ سو کا فیصلہ کیا جائے گا، یہ امام رازیؒ کی تخریج ہے۔

تشریح : اگر مہر مثل دونوں کے درمیان ہے اور کسی کی موافقت نہیں کرتا ہے تو اس صورت میں میاں بیوی دونوں قسم کھائیں، کیونکہ دونوں کی گواہی کا اعتبار نہیں ہوگا، پھر مہر مثل کا فیصلہ کر دیا جائے۔ یہ امام رازیؒ کی تخریج ہے۔

ترجمه : ۱۱؎ امام کرخیؒ نے فرمایا کہ تینوں صورتوں میں دونوں قسم کھائیں پھر اس کے بعد مہر مثل کا حکم بنایا جائے۔

تشریح : امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ مہر مثل عورت کے موافق ہو، یا شوہر کے موافق، یا دونوں کے درمیان ہو تینوں صورتوں میں پہلے دونوں کو قسم کھلائیں، اس کے بعد مہر مثل کو حکم بنایا جائے اور اس کے قریب جس کا قول ہو اس کا فیصلہ کیا جائے۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے قسم کھلانے سے اگر دونوں میں سے کسی نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو دوسرے کی بات ثابت ہو جائے گی اور اس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا، پہلے قسم کھلانے سے یہ فائدہ ہوگا۔ اور اگر دونوں نے قسم کھالی تو اب مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمه : (۱۶۴۴) اور اگر اختلاف اصل مسمی میں ہو تو بالاتفاق مہر مثل لازم ہوگا۔

ترجمه : ۱؎ اس لئے کہ طرفینؒ کے یہاں وہی اصل ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں مسمی پر فیصلہ کرنا متعذر ہے اس لئے مہر مثل کی طرف جایا جائے گا۔

تشریح : پہلے مسئلہ میں گزرا کہ مہر متعین ہونے میں دونوں کا اتفاق ہے صرف مقدار میں اختلاف ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ متعین ہونے ہی میں اختلاف ہے، شوہر کہتا ہے کہ متعین ہوا ہے اور بیوی کہتی ہے کہ متعین نہیں ہوا ہے تو چونکہ تعین ہی میں اختلاف ہے اس لئے مہر متعین نہیں ہوا، اور سب کا قاعدہ گزرا کہ مہر متعین نہیں ہوا ہو تو سب کے نزدیک مہر مثل لازم ہوگا۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ انکے یہاں مہر مثل اصل ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس لئے کہ اصل تعین میں اختلاف کی وجہ سے مہر کا تعین ہی نہیں ہوگا، اس لئے مہر مثل لازم ہوگا۔ اور اگر دخول سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہے تو چونکہ مہر مثل کا آدھا نہیں ہوتا

(۱۶۴۵) ولو كان الاختلاف بعد موت احدهما فالجواب فيه كالجواب فى حياتهما لے لان اعتبار مهر المثل لا يسقط بموت احدٰهما (۱۶۴۶) ولو كان الاختلاف بعد موتهمافى المقدار فالقول قول ورثة الزوج ﴾ لے عند ابى حنيفةؒ ولايستثنى القليل

اس لئے بالاتفاق متعہ لازم ہوگا۔

ترجمہ : (۱۶۴۵) اوراگراختلاف دونوں میں سےایک کےمرنے کے بعد ہواتو جواب اس میں ایسے ہی ہے جیسے ان دونوں کی زندگی میں ہوا۔

ترجمہ : لے اس لئے کہ مہر مثل کااعتبار دونوں میں سے ایک کےمرنے سے ساقط نہیں ہوگا۔

تشریح : اگرمیاں بیوی میں سےایک کےانتقال کے بعداختلاف ہواتو دونوں کے زندہ رہتے وقت اختلاف کی صورت میں جو احکام تھےوہی احکام ایک کےمرنے کے بعد ہوں گے،اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ابھی زندہ ہے اس لئے دونوں کے زندہ ہونے کی طرح مانا جائے گا،مثلا[۱] اگراصل مسمی میں اختلاف نہیں ہوا بلکہ مہر کی مقدار میں اختلاف ہوااور دخول کے بعد طلاق ہوئی توامام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کے نزدیک مہر مثل کوحکم بنایا جائے گا،اور جس کا قول اس کے قریب ہوگا اس کی بات پر فیصلہ کیا جائے گا[۲] اور دخول سے پہلے طلاق ہوئی تو ہر حال میں شوہر کی بات مان کراس کا آدھا دلوایا جائے گا۔اورامام ابویوسفؒ کے نزدیک ہر حال میں شوہر کی بات مان کراس پر فیصلہ کیا جائے گا۔[۳] اوراگراصل مسمی میں اختلاف ہوااور دخول کے بعد طلاق ہوئی توسب کے نزدیک مہر مثل لازم ہوگا۔[۴] اوراگر دخول سے پہلے طلاق ہوئی توسب کے نزدیک متعہ لازم ہوگا۔

وجہ : وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک موجود ہےتواس کے ہم عمر لوگ موجود ہیں اس لئے ان لوگوں کا مہر مہر مثل شمار کیا جا سکتا ہے۔اوراگر دونوں مرجاتے تواس کے ہم عمر کےلوگ گویا کہ ختم ہو گئے اس لئے اب اس کے لئے مہر مثل کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا،جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

ترجمہ : (۱۶۴۶) اوراگرمقدار میں اختلاف دونوں کےمرنے کے بعد ہواتو شوہر کے ورثہ کےقول کا اعتبار ہوگا۔

ترجمہ : لے امام ابوحنیفہؒ کےنزدیک،اورتھوڑی چیز کی بھی استثنی نہیں کی جائے گی۔

تشریح : مہر مثل کا فیصلہ ہوتا ہے ہم عمر ہونے کی وجہ سےاور میاں بیوی دونوں کےمرنے کے بعداس کے ہم عمر لوگ ختم ہو گئے اس لئے اب مہر مثل کا فیصلہ نہیں ہوسکتا اس لئے دونوں کےانتقال کے بعد مہر کی مقدار میں اختلاف ہواتو اب مہر مثل کوفیصل نہیں بنا سکتے اس لئے شوہر کے ورثہ کےقول کا اعتبار ہوگا کیونکہ وہ منکر ہےاور عورت کا ورثہ مدعی ہے،اور قاعدہ یہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہوتو قسم کے ساتھ منکر کی بات مانی جائے گی۔شوہر کے ورثہ اتنی تھوڑی سی چیز جواس قسم کےعورت کا مہر نہیں بن سکتی اس کا دعوی

۲ وعند ابی یوسفؒ القول قول الورثة الا ان یأتوا بشئ قلیل ۳ وعند محمدؒ الجواب فیه کالجواب فی حالة الحیٰوة ۴ وان کان فی اصل المسمی فعند ابی حنیفةؒ القول قول من انکره فالحاصل انه لا حکم لمھر المثل عنده بعد موتھما علی مانبینه من بعد ان شاء الله (۱۶۴۷) واذا مات الزوجان وقد سمی لھا مھرا فلورثتھا ان یاخذوا ذلک من میراثه وان لم یسم لھا مھرا فلا شئ لورثتھا ﴾

کرے تو اس کو بھی مان لیا جائے گا، اس کا استثناء نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ منکر ہے اس لئے گواہ نہ ہونے کی شکل میں اس کی ساری بات مانی جائے گی۔

ترجمه : ۲ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں شوہر کے ورثہ کے قول کا اعتبار ہے، مگر یہ کہ کوئی تھوڑی سی چیز لائے

تشـریح : امام ابو یوسفؒ کے یہاں بھی شوہر کے ورثہ کے قول کا اعتبار ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اتنی تھوڑی سی چیز کا دعوی کرے کہ وہ اس قسم کی عورت کا مہر نہ بن سکتا ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمه : ۳ امام محمدؒ کے نزدیک اس میں ایسے ہی جواب ہے جو زندگی میں ہے۔

امام محمدؒ کی رائے ہے کہ دونوں زندہ ہوتے اور مقدار کے بارے میں اختلاف ہوتا تو جو حکم ہوتا مرنے کے بعد بھی اختلاف کے وقت وہی حکم ہوگا، مثلا [۱] اگر اصل مسمی میں اختلاف نہیں ہوا بلکہ مہر کی مقدار میں اختلاف ہوا اور دخول کے بعد طلاق ہوئی تو امام محمدؒ کے نزدیک مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا، اور جس کا قول اس کے قریب ہوگا اس کی بات پر فیصلہ کیا جائے گا [۲] اور دخول سے پہلے طلاق ہوئی تو ہر حال میں شوہر کی بات مان کر اس کا آدھا دلوایا جائے گا۔ [۳] اور اگر اصل مسمی میں اختلاف ہوا اور دخول کے بعد طلاق ہوئی تو مہر مثل لازم ہوگا۔ [۴] اور اگر دخول سے پہلے طلاق ہوئی تو متعہ لازم ہوگا۔

تـرجمه : ۴ اور اگر اختلاف اصل مسمی میں ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی بات مانی جائے گی جو انکار کرتا ہو۔ پس حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں کے مرنے کے بعد مہر مثل کو حکم نہیں بنایا جائے گا، جیسا کہ بعد میں انشاء اللہ بیان کیا جائے گا۔

تشریح : اگر اصل مسمی میں اختلاف ہو یعنی یہی اختلاف ہو کہ مہر متعین ہوا ہے یا نہیں تو جو انکار کرتا ہو اس کی بات مانی جائے گی، کیونکہ وہ منکر ہے اور بات منکر کی مانی جاتی ہے، تاہم دونوں کے موت کے بعد ان کے اقران ختم ہو گئے ہیں مہر مثل کو حکم نہیں بنایا جائے گا۔

تـرجـمه : (۱۶۴۷) اگر میاں بیوی دونوں کا انتقال ہو گیا اور اس کے لئے مہر متعین کیا ہوا ہو تو عورت کے ورثہ کے لئے جائز ہے کہ شوہر کی میراث میں سے لے، اور اگر عورت کے لئے مہر متعین نہیں کیا ہو تو اس کے ورثہ کے لئے کچھ نہیں ہے۔

۱؎ عند ابی حنیفةؒ ۲؎ وقالا لورثتها المهر فی الوجهین معناه المسمی فی الوجه الاول ومهر المثل فی الثانی ۳؎ اما الاول فلان المسمی دین فی ذمته وقد تاكد بالموت فيقضى من تركته الا اذا علم انها ماتت اولاً فیسقط نصیبه من ذلک

ترجمه : ۱؎ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح : اگر میاں بیوی دونوں کا انتقال ہو گیا ہو اور عورت کے لئے پہلے سے مہر متعین ہو تو عورت کے ورثہ کو حق ہے کہ شوہر کی میراث میں سے عورت کا مہر وصول کرے، کیونکہ شوہر کے ذمے یہ قرض تھا، اور شوہر کے مرنے کے بعد مؤکد ہو گیا اس لئے پہلے مہر دیا جائے گا بعد میں اسکے ورثہ میں میراث تقسیم ہوگی۔ اور اگر عورت کا مہر متعین ہی نہیں تھا اس لئے قاعدے کے اعتبار سے مہر مثل لازم ہونا چاہئے، لیکن انکے اقران ختم ہو چکے ہیں اس لئے کس طرح مہر مثل متعین کریں گے! اس لئے کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔ اقران :قرن کی جمع ہے، زمانے کے لوگ، ہم عمر لوگ۔

ترجمه : ۲؎ صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں مہر عورت کے ورثہ کے لئے ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ پہلی صورت میں متعین شدہ مہر ہوگا، اور دوسری صورت میں مہر مثل ہوگا۔

تشریح : صاحبینؒ کے یہاں دونوں کے موت کے بعد بھی مہر مثل کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے اس لئے جس صورت مہر متعین نہیں ہے اس صورت میں مہر مثل کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اور جس صورت میں مہر متعین ہے اس میں وہ متعین شدہ مہر عورت کے ورثہ کو دیا جائے گا۔

ترجمه : ۳؎ بہر حال پہلی صورت میں تو اس لئے کہ متعین شدہ مہر شوہر کے ذمے قرض ہے اور موت کی وجہ سے اور بھی موکد ہو گیا اس لئے شوہر کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا، مگر جبکہ معلوم ہو کہ عورت پہلے مری ہو تو شوہر کا حصہ اس سے ساقط ہو جائے گا۔

تشریح : پہلی صورت سے مراد ہے کہ مہر متعین ہو تو یہ شوہر کے ذمے قرض ہے اس لئے پہلے اس قرض کو ادا کیا جائے گا بعد میں اس کی وراثت تقسیم کی جائے گی، اس لئے کہ موت سے پہلے تو یہ خطرہ تھا کہ دخول سے پہلے طلاق ہو تو آدھا ہی مہر دینا پڑے گا، لیکن موت کے بعد تو طے ہو گیا کہ پورا مہر ہی دینا پڑے گا اس لئے یہ دے۔ البتہ اگر عورت پہلے مری ہو تو شوہر کو اس کی وراثت ملے گی اس لئے مہر میں سے وہ وراثت کاٹ کر عورت کا حصہ اس کے ورثہ کو دیا جائے۔ مثلا ایک ہزار درہم مہر تھا اور عورت کا انتقال پہلے ہوا اور عورت کو اولاد ہے تو شوہر کو ایک ہزار کی چوتھائی ڈھائی سو ملے گا تو یہ ڈھائی سو کاٹ کر ساڑھے سات سو درہم عورت کے ورثہ کو دلوایا جائے گا۔ اور اگر عورت کو اولاد نہ ہو تو شوہر کو اس کے ترکے کا آدھا ملتا ہے اس لئے ایک ہزار میں سے پانچ سو کاٹ کر عورت کے ورثہ کو پانچ سو دلوایا جائے گا۔

۴ واما الثانی فوجه قولهما ان مهر المثل صار دینا فی ذمته کالمسمی فلا یسقط بالموت کما اذا مات احدهما ۵ و لابی حنیفۃؒ ان موتهما یدل علی انقراض اقرانهما فبمهر من یقدر القاضی مهر المثل (۱۶۴۸) ومن بعث الی امرأته شیئا فقالت هو هدیة وقال الزوج هو من المهر فالقول قوله ۱ لانه هو المملک فکان اعرف بجهة التملیک کیف وان الظاهر انه یسعی فی اسقاط الواجب

ترجمہ : ۴ بہرحال دوسری صورت میں تو صاحبینؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مہر مثل شوہر کے ذمے قرض ہو گیا، جیسے متعین شدہ قرض تھا اس لئے موت کی وجہ سے مہر ساقط نہیں ہوگا، جیسا کہ دونوں میں سے ایک مر جائے تو مہر مثل ساقط نہیں ہوتا ہے۔

تشریح : دوسری صورت یہ ہے کہ مہر شروع سے متعین ہی نہ ہو مہر مثل لازم ہوتا ہے، اس لئے مہر مثل شوہر کے ذمے قرض ہو گیا، جیسا کہ مہر متعین ہو تو یہ مہر شوہر کے ذمے قرض ہو جاتا ہے اسی طرح مہر مثل شوہر کے ذمے قرض ہو گیا اس لئے پہلے اس کو ادا کیا جائے گا اس کے بعد شوہر کی وراثت تقسیم ہوگی۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے میاں بیوی میں سے ایک کا انتقال ہو جائے تب بھی مہر مثل کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور وہ ساقط نہیں ہوتا اسی طرح دونوں کا انتقال ہو جائے تب بھی صاحبینؒ کے نزدیک مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا وہ ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۵ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کی موت دلالت کرتی ہے ان کے اقران کے ختم ہونے پر تو کس کے مہر سے مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا!۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں کے مرنے سے انکے اقران ختم ہو گئے اور مہر مثل کا فیصلہ کیا جاتا ہے ہم عمر کے ہونے سے اور گویا کہ انکے ہم عمر نہیں رہے اس لئے مہر مثل کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، اس لئے جو منکر ہے اس کی بات مان کر فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ : (۱۶۴۸) کسی نے اپنی عورت کو کچھ بھیجا تو عورت نے کہا کہ یہ ہدیہ ہے اور شوہر نے کہا کہ وہ مہر ہے تو شوہر کے قول کا اعتبار ہے۔ ۱ اس لئے کہ وہی مالک بنانے والا ہے تو وہی مالک بنانے کی جہت کو جانتا ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ واجب ساقط کرنے کی کوشش کرے گا۔

تشریح : شوہر نے بیوی کو کچھ بھیجا تو عورت نے کہا کہ یہ ہدیہ ہے اور شوہر نے کہا کہ یہ مہر میں سے ہے تو شوہر کی بات مانی جائے گی اور وہ مہر میں سے شمار ہوگا۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر اس چیز کا مالک ہے اس لئے اس کو ہی معلوم ہوگا کہ یہ مال کس چیز کے لئے ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مہر ادا کرنا واجب ہے اور آدمی واجب پہلے ادا کرتا ہے اس لئے غالب گمان بھی یہی ہے کہ وہ مہر ہی ادا کیا ہوگا۔

(۱۶۴۹) قال الا فی الطعام الذی یوکل فان القول قولها ﴾ ۱؎ والمراد منه ما یکون مهیأً للاکل لانه یتعارف هدیة فاما فی الحنطة والشعیر فالقول قوله لمابینا ۲؎ وقیل ما یجب علیه من الخمار والدرع وغیره لیس ان یحتسب من المهر لان الظاهر یکذبه واللہ اعلم

لغت: مملک: مالک بنانے والا، اسی سے ہے تملیک، مالک بنانا۔ یسعی: کوشش کرنا۔

ترجمہ: (۱۶۴۹) مگر وہ کھانا جو کھایا جاتا ہے اس لئے کہ اس میں عورت کے قول کا اعتبار ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس سے مراد یہ ہے کہ جو کھانے کے لئے تیار کیا گیا ہو کیونکہ اس کا ہدیہ ہونا متعارف ہے، بہر حال گیہوں اور جو میں تو شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر علامت موجود ہو کہ یہ چیز ہدیہ کی ہی ہو سکتی ہے مہر کی نہیں ہو سکتی تو پھر عورت کی بات مانی جائے گی، کیونکہ قرینہ اس کے موافق ہے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ تیار شدہ کھانا، مثلا روٹی، سالن عورت کو بھیجا یا تیار شدہ کپڑا عورت کو بھیجا مثلا اوڑھنی، پیجامہ، کرتا عورت کو بھیجا اور کہا کہ یہ مہر ہے تو عورت کی بات مانی جائے گی اس لئے کہ متعارف ہے کہ یہ چیزیں ہدئے کی ہوتیں ہیں، اور اگر گیہوں، یا چنا بھیجا جو دیر تک باقی رہتا ہے تو یہ مہر ہوگا، کیونکہ یہ ہدیہ بھی ہو سکتا ہے اور مہر بھی بن سکتا ہے، اسی طرح کپڑے کا تھان بھیجا تو یہ مہر بن سکتا ہے، اس لئے کہ یہ ہدئے کے لئے خاص نہیں ہے

اصول: جس چیز کا قرینہ اور علامت ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ جو چیز شوہر پر واجب ہے مثلا اوڑھنی اور کرتا وغیرہ تو شوہر کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو مہر میں سے شمار کرے اس لئے کہ ظاہر اس کی تکذیب کر رہی ہے۔

تشریح: یہ مسئلہ بھی اسی اصول پر ہے کہ جس چیز کے بارے میں علامت ہو کہ یہ ہدیہ ہی ہے اس میں شوہر کی بات نہیں مانی جائے گی، مثلا اوڑھنی اور کرتا شوہر پر واجب ہے پس اگر اوڑھنی اور کرتا وغیرہ بیوی کو بھیجا اور کہا کہ یہ مہر ہے تو شوہر کی بات نہیں مانی جائے گی، عورت کی بات مانی جائے گی اس لئے کہ ظاہر حالات شوہر کی تکذیب کر رہی ہے۔

CLIPART\191_Tree_of_life.jpg not found.

﴿باب المهر علی شیء حرام﴾

(۱۶۵۰) واذا تزوج النصرانی نصرانیة علیٰ میتة اوعلیٰ غیر مهر وذٰلک فی دینهم جائز ودخل بها او طلقها قبل الدخول بها اومات عنها فلیس لها مهر وکذٰلک الحر بیان فی دار الحرب ﴿ ا وهذا عند ابی حنیفةؒ وهو قولهما فی الحربیین ۲ واما فی الذمیة فلها مهر مثلها ان مات عنها اودخل بها والمتعة ان طلقها قبل الدخول بها

﴿باب المهر علی شیء حرام﴾

ترجمہ: (۱۶۵۰) نصرانی نے نصرانیہ عورت سے مردار پر نکاح کیا، یا بغیر مہر کے نکاح کیا اور یہ اسکے دین میں جائز ہے اور اس سے دخول کیا یا دخول سے پہلے طلاق دیا یا عورت چھوڑ کر مر گیا تو عورت کو مہر نہیں ملے گا، اور اسی طرح مسئلہ ہے جب دو حربیوں نے دارالحرب میں نکاح کرلیا ہو۔

ترجمہ: ا اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، اور حربی کے بارے میں یہی قول صاحبینؒ کا ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غیر مسلم نے ایسی چیز مہر میں متعین کیا جو اسلام میں جائز نہیں ہے تو اس پر شریعت اسلامی کا احکام جاری کریں یا اس کو اس کے مذہب پر چھوڑ دیں! تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ دارالحرب والوں پر شرعی احکام جاری نہیں ہوگا کیونکہ اس کا ملک الگ ہے، اور جو غیر مسلم دارالاسلام میں ذمی بن کر رہتا ہے تو اس کے خصوصی مذہب میں دخل دینے کی اجازت نہیں ہے، البتہ جو حکم اسلامی شریعت کے تحت میں آسکتا ہے اس میں ہم اس کے معاملے میں دخل انداز ہو سکتے ہیں، اگر وہ ہمارے دارالقضاء میں فیصلے کے لئے آگئے ۔اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ نصرانی نے نصرانیہ عورت سے [۱] مردار پر نکاح کیا [۲] یا بغیر مہر کے نکاح کیا اور یہ اس کے مذہب میں جائز بھی ہو، اور دخول کیا ہو، یا دخول سے پہلے طلاق ہوئی ہو، یا عورت چھوڑ کر شوہر کا انتقال ہوا ہو تو ان صورتوں میں عورت کو کچھ نہیں ملے گا۔اسی طرح حربی مرد اور حربی عورت نے مردار پر نکاح کیا یا بغیر مہر کے نکاح کیا، اور دخول ہوا ہو، یا دخول سے پہلے طلاق ہوئی ہو یا عورت چھوڑ کر شوہر مرا ہو تو حربی عورت کو مہر نہیں ملے گا۔

وجہ : اگر میاں بیوی مسلمان ہوتے تو ان سب صورتوں میں مہر مثل لازم ہونا چاہئے تھا کیونکہ مہر متعین نہیں ہے یا حرام چیز مہر ہے اور مہر مثل اسلامی شریعت ہے جو غیر مسلم پر نافذ نہیں کر سکتے اس لئے عورت کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۲ بہر حال ذمی کے بارے میں تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا اگر شوہر مر گیا یا اس سے دخول کیا، اور متعہ ہوگا اگر اس سے دخول سے پہلے طلاق دی۔

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حربی دوسرے ملک کا ہے اس لئے ہمارا قانون اس پر نہیں چلے گا اس لئے اس کی بیوی کو کچھ

۳؎ وقال زفر لها مهر المثل فی الحربیین ایضاً له ان الشرع ما شرع ابتغاء النکاح الا بالمال وھذا الشرع وقع عامّا فیثبت الحکم علیٰ العموم ۴؎ ولھما انّ اھل الحرب غیر ملتزمِین احکا م الاسلا م وولایة الالزام منقطعة لتباین الدار بخلاف اھل الذمة لانھم التز موا احکامنا فیما یرجع الی

نہیں ملے گا ، لیکن ذمی نے ہمارے ملک میں رہ کر ہمارے احکام اپنے اوپر لازم کئے ہیں اس لئے اگر پہلے مرا تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا ، اسی طرح دخول کے بعد طلاق دی تو مہر مثل ہوگا اس لئے کہ میتہ مال نہیں ہے تو گویا کہ مہر متعین نہیں ہوا اور ابھی پیچھے گزرا کہ مہر متعین نہ ہو تو مہر مثل لازم ہوگا ، اور اگر دخول سے پہلے طلاق ہوئی تو چونکہ مہر مثل کا آدھا نہیں ہوتا اس لئے عورت کے لئے متعہ ہوگا۔

اصول : امام ابوحنیفہ ؒ کا اصول یہ ہے کہ ذمی دینی معاملے میں ہماری شریعت کے پابند نہیں ہوگے ، صرف دنیاوی معاملے میں ہماری شریعت کے پابند ہونگے ۔

اصول : صاحبین ؒ کے نزدیک ذمی دینی معاملے میں بھی ہماری شریعت کے پابند ہونگے ۔

اصول : امام زفر ؒ کے نزدیک حربی بھی ہماری شریعت کے پابند ہیں ۔

ترجمه : ۳؎ امام زفر ؒ نے فرمایا کہ دو حربی میں بھی عورت کے لئے مہر مثل ہوگا ، انکی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے مال ہی کے ذریعہ بضع تلاش کرنے کو مشروع قرار دیا ہے ، اور یہ شریعت عام واقع ہوئی ہے اس لئے حکم عموم پر ثابت ہوگا ۔

تشریح : امام زفر ؒ فرماتے ہیں کہ شریعت اسلامی میں ہے کہ مہر کے بدلے ہی میں بضع تلاش کرے ، اور یہ شریعت چونکہ تمام کے لئے ہے اس لئے ہمارے دار القضاء میں آئے گا تو حربی بھی اسی شریعت کے پابند ہونگے ، اور ہماری شریعت میں ایسے لوگوں کے لئے مہر مثل ہے اس لئے حربی عورت کو بھی مہر مثل ملے گا ۔

وجه : (۱) ہماری شریعت عام ہے اس کے لئے یہ دلیل ہے ۔ قل یآیھا الناس انی رسول الله الیکم جمیعا ۔ (آیت ۱۵۸ ، سورۃ الاعراف ۷) اس آیت میں ہے کہ رسول اللہ سب کے لئے بھیجے گئے ہیں ، جس کا مطلب یہ نکلا کہ یہ شریعت کفار کے لئے بھی ہے (۲) اس حدیث میں ہے ۔ حدثنا جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ أعطیت خمسا لم یعطیھن أحد من الانبیاء قبلی .....و کان النبی یبعث الی قومه خاصة و بعثت الی الناس کافة و اعطیت الشفاعة . (بخاری شریف ، باب قول النبی ﷺ جعلت لی الارض مسجدا وطھورا ، ص ۶۷ ، نمبر ۴۳۸) اس حدیث میں ہے کہ حضور ؐ سب کی طرف بھیجے گئے تھے ۔

ترجمه : ۴؎ صاحبین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرب والے اسلام کے احکام کو لازم کئے ہوئے نہیں ہیں اور حکومت الگ الگ ہونے کی

المعاملات کالربو والزناء وولایة الالزام متحققة لاتحاد الدار ۵؎ ولابی حنیفةؒ ان اهل الذمة لا یلتزمون احکامنا فی الدیانات و فیما یعتقدون خلافه فی المعاملات وولایة الالزام بالسیف او بالمحاجّة وکلّ ذٰلک منقطع عنهم باعتبار عقد الذمة فانا اُمرنا بان نترکهم وما یدینون فصاروا کاهل الحرب

وجہ سے الزام کی ولایت بھی منقطع ہے [اس لئے اہل حرب پر ہمارے احکام لازم نہیں ہونگے] بخلاف اہل ذمہ کے اس لئے کہ انہوں نے جو احکام معاملات کی طرف لوٹتے ہیں وہ لازم کئے ہیں، جیسے سود اور زنا، اور حکومت ایک ہونے کی وجہ سے الزام کی ولایت متحقق ہے۔

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں دار الحرب الگ حکومت ہے، اور حربی چند دنوں کے لئے دار الاسلام آیا ہے اس لئے انہوں نے اسلامی احکام لازم نہیں کیا ہے اور حکومت الگ ہونے کی وجہ سے اس پر لازم بھی نہیں کر سکتے، اس لئے حربیوں پر ہمارے احکام لازم نہیں ہونگے، البتہ ذمی لوگ دار الاسلام میں رہتے ہیں اس لئے ان لوگوں نے ہمارے ان احکام کو لازم کیا ہے جو معاملات سے متعلق ہیں، جیسے ذمی سود کا معاملہ، یا زنا کا معاملہ کرنا چاہے تو حاکم نہیں کرنے دے گا کیونکہ یہ دار الاسلام ہے، اور دار الاسلام ہونے کی وجہ سے اس پر لازم کرنے کی ولایت بھی ہے اس لئے عورت کے لئے مہر مثل لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۵؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ذمی نے دین کے بارے میں ہمارے احکام کو لازم نہیں کیا ہے اور معاملات میں بھی جو ہمارے خلاف اعتقاد کئے ہوئے ہیں وہ لازم نہیں کیا ہے، اور الزام کی ولایت یا تلوار کے ذریعہ ہے یا حجت بازی کے ذریعہ ہے اور عقد ذمہ کی وجہ سے یہ دونوں منقطع ہیں، اس لئے کہ ہم کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کے لئے چھوڑ دیں، اس لئے ذمی بھی حربی کی طرح ہو گئے۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ذمی نے دینی معاملات میں ہمارے احکام ماننے کی ذمہ داری نہیں لی، اسی طرح دنیوی معاملات میں جن چیزوں کے بارے میں انکے دینی اعتقادات الگ ہیں اس کے ماننے کی ذمہ داری بھی نہیں ہے، اور مہر کا معاملہ انکا دینی معاملہ ہے اس لئے اس بارے میں بھی ہم اپنی شریعت کا فیصلہ ان پر نافذ نہیں کر سکتے۔ ذمیوں پر دو طرح سے اپنی بات نافذ کر سکتے ہیں، یا تلوار کے ذریعہ، یا ان پر حجت بازی کر کے اور عقد ذمہ کی وجہ سے ہمکو دونوں سے منع کر دیا ہے، کیونکہ ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کو انکے دین پر چھوڑ دیں اس لئے ذمی بھی مہر کے معاملے میں حربی کی طرح ہو گئے۔

وجہ : (۱) ذمی اپنے دین پر رہیں اس کے لئے یہ حدیث ہے، جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کی ہے۔ **عن ابن عباس قال صالح رسول الله ﷺ اهل نجران .....و لا یفتنوا عن دینهم ما لم یحدثوا حدثا أو یأكلو الربا. (ابوداود**

۶ بخلاف الزنا لانه حرام فی الادیان کلها والربوٰ مستثنیٰ عن عقودھم لقوله علیه السلام الامن اربیٰ فلیس بیننا وبینه عهد ۷ وقوله فی الکتاب او علیٰ غیر مهر یحتمل نفی المهر ویحتمل السکوت ۸ وقد قیل فی المیتة والسکوت روایتان والا صح ان الکلّ علیٰ الخلاف

شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص ۴۴۵، نمبر ۳۰۴۱) اس حدیث میں ہے کہ سود نہ کھائے تو ذمی کو اس کے دین سے نہیں ہٹایا جائے گا۔ (۲) عن عدة من ابناء أصحاب رسول الله ﷺ عن ابائهم دنية عن رسول الله ﷺ قال ألا من ظلم معاهدا أو انتقصه او کلفه فوق طاقته او اخذ منه شیئا بغیر طیب نفس فأنا حجیجه یوم القیامة ۔(ابوداود شریف، باب فی تعشیر اھل الذمۃ اذا اختلفوا بالتجارۃ، ص ۴۴۷، نمبر ۳۰۵۲) اس حدیث میں ہے کہ ذمی پر ظلم کرے تو حضور اس سے محاجہ کریں گے۔(۳) ان عرفة بن الحارث الکندی مر به نصرانی فدعاہ الی السلام ....و نخلی بینهم و بین احکامهم الا ان یأتوا راضین بأحکامنا فنحکم بینهم بحکم الله و حکم رسوله۔(سنن بیہقی، باب یشترط علیہم ان لا یذکروا رسول اللہ ﷺ الا بما ھو اھلہ، ج تاسع، ص ۳۳۶، نمبر ۱۸۷۱۰) اس اثر میں ہے کہ ذمی دین کے بارے میں جو کچھ کرتے ہیں اس کو کرنے دیں۔

لغت: دیانات: دین کی جمع ہے، دین کی باتیں۔ ولایۃ الالزام: دوسروں پر حکم لازم کرنے کی ولایت۔ محاجۃ: حجت بازی کرنا۔

ترجمہ: ۶ بخلاف زنا کے اس لئے کہ وہ تمام دینوں میں حرام ہے، اور سود ذمی کے عقد سے مستثنی ہے حضورؐ کے قول کی وجہ سے، مگر سود کا کاربار کرے تو ہمارے اور اس کے درمیان عہد نہیں ہے۔

تشریح: یہ اشکال کا جواب ہے کہ جب ذمی اپنے دین کے بارے میں آزاد ہیں تو اگر وہ زنا کرے تو اس پر حد جاری کیوں کرتے ہیں، یا سود کا کاربار کیوں نہیں کرنے دیتے ہیں؟ تو اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ زنا تمام مذاہب میں حرام ہے اس لئے اگر زنا کرے تو اس کی حد جاری کی جاسکتی ہے، اور سود کا کاروبار اس لئے نہیں کرنے دیا جائے گا کہ حضورؐ نے عہد کروایا تھا کہ جب تک سود کا کاروبار نہیں کروگے اسی وقت تک امن ہے اس لئے یہ اس کے دین کے حصے میں داخل نہیں ہے، حدیث اوپر گزر گئی ہے۔

ترجمہ: ۷ اور متن میں اس کا قول ,او علی غیر مہر، احتمال رکھتا ہے مہر کے نفی کا، اور احتمال رکھتا ہے چپ رہنے کا۔

تشریح: متن میں ,او علی غیر مہر، کا دو مطلب ہے، [۱] ایک تو یہ کہ مہر کا ذکر آیا لیکن شوہر نے کہہ دیا کہ مہر ہوگا ہی نہیں، یعنی ذکر کے باوجود اس کی نفی کردی۔ [۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے وقت میں مہر کا کوئی تذکرہ ہی نہیں آیا، اس کے بارے میں چپ رہے۔

ترجمہ: ۸ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مردار اور چپ رہنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کل

(۱۶۵۱) فان تزوج الذمی ذمیة علیٰ خمر او خنزیر ثم اسلما او اسلم احدهما فلها الخمر والخنزیر ﴾ ۱؎ ومعناه اذا کانا باعیانهما والاسلامُ قبل القبض ۲؎ وان کانا بغیر اعیانهما فلها فی الخمر القیمة وفی الخنزیر مهر المثل وھٰذا عند ابی حنیفةؒ

اختلاف پر ہیں۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ نصرانی جب مہر میں مردار رکھے، یا مہر کے بارے میں چپ رہے تو امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ کچھ لازم نہیں ہوگا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں مہر مثل لازم ہوگا، جیسا کہ صاحبینؒ نے فرمایا، اس صورت میں کوئی اختلاف نہیں رہے گا، لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں صاحبین سے اختلاف ہے، اور عورت کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگا۔ [۱] مہر میتہ ہو تب بھی [۲] مہر کی نفی کی ہو تب بھی [۳] اور مہر سے سکوت کیا ہو تب بھی۔

ترجمہ: (۱۶۵۱) اگر ذمی نے ذمیہ سے شراب اور سور کے بدلے نکاح کیا پھر دونوں مسلمان ہوئے، یا دونوں میں سے ایک مسلمان ہوئے تو عورت کے لئے شراب اور سور ملیں گے۔

ترجمہ: ۱؎ اس کا معنی یہ ہے کہ عین شراب اور سور متعین ہو، اور مسلمان ہونا قبضہ سے پہلے ہو۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مہر میں سور اور شراب متعین ہو تو نکاح کے عقد کے وقت ہی عورت اس کا مالک بن گئی اور وہ چیز اس کی ہوگئی اس لئے مسلمان ہونے کے بعد شراب اور سور ہی ملے گا کیونکہ وہ چیز پہلے سے اس کی تھی۔ اور اگر شراب اور سور متعین نہیں تھے تو نکاح کے وقت وہ چیز عورت کی نہیں ہوئی قبضہ کے وقت عورت کی ہوگی، اور مسلمان ہو جانے کی وجہ سے وہ شراب اور سور کا مالک نہیں بن سکتی اس لئے اس کو شراب کی قیمت اور سور کی شکل میں مہر مثل ملے گا۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ذمی مرد نے ذمیہ عورت سے شراب یا سور کے بدلے میں نکاح کیا، پھر دونوں مسلمان ہوگئے یا ایک مسلمان ہو گیا تو اگر شراب یا سور متعین تھا تو عورت کو وہی شراب اور وہی سور ملے گا۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر شراب یا سور متعین ہو تو نکاح کے عقد کے وقت ہی عورت اس کا مالک بن گئی، اس لئے مسلمان سے پہلے ہی عورت اس چیز کا مالک ہے اس لئے مسلمان ہونے کے بعد بھی عورت کو وہی شراب اور وہی سور ملیں گے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر دونوں متعین نہ ہوں تو شراب کی شکل میں عورت کے لئے قیمت ہے اور سور کی شکل میں مہر مثل، یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح : اگر شراب اور سور نکاح کرتے وقت متعین نہ ہوں بلکہ شوہر کے ذمے میں ہوں یہ دونوں بیوی کی ملکیت میں نہیں گئیں بلکہ شوہر کی ملکیت میں ہیں اور اب دونوں مسلمان ہو چکے ہیں اس لئے اب عورت کی ملکیت میں ان حرام چیزوں کو منتقل کرنا جائز نہیں

۳ وقال ابو یوسفؒ لها مهر المثل فی الوجهین وقال محمدؒ لها القیمة فی الوجهین وجه قولهما ان القبض مؤکّد للملک فی المقبوض فیکون له شبه بالعقد فیمتنع بسبب الاسلام کالعقد وصار کما اذا کانا بغیر اعیانهما ۴واذا التحقت حالة القبض بحالة العقد فابو یوسفؒ یقول لو کانا مسلمین وقت العقدیجب مهر المثل کذا ههنا

اس لئے عورت کوشراب کے بجائے اس کی قیمت ملے گی، اس لئے کہ شراب ذوات الامثال ہے اس لئے اس کی قیمت دینا شراب دینانہیں ہے اس لئے اس کی قیمت ملے گی، اورسور ذوات القیم ہے اس لئے اس کی قیمت دینا سور دینا ہے، اس لئے مہر مثل لازم ہو گا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے۔

لغت: ذوات الامثال: کسی سے شراب ضائع ہوجائے تو شراب کے بدلے میں شراب لازم ہوتی ہے تو اس کو ذوات الامثال کہتے ہیں۔ ذوات القیم: سور ہلاک ہوجائے تو اس کے بدلے میں سور لازم نہیں ہوتا بلکہ اس کے بدلے میں قیمت لازم ہوتی ہے اس کو ذوات القیم کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۳ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ عورت کے لئے دونوں صورتوں میں مہر مثل ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں اس کے لئے قیمت ہے۔ ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ قبضہ مقبوض شیء میں ملک کو موکد کرتا ہے اس لئے وہ عقد کے مشابہ ہے اس لئے اسلام کے سبب سے ممنوع ہوگا، جیسے عقد کے وقت ممنوع ہے، اور ایسا ہو گیا جیسا کہ دونوں متعین نہ ہوں۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ شراب اور سور متعین ہوں یا متعین نہ ہوں دونوں صورتوں میں عورت کے لئے مہر مثل ہو گا۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں عورت کے لئے قیمت ہوگی۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے اگر چہ عقد کی وجہ سے عورت مالک ہوتی ہے، لیکن قبضہ کرنے سے ملک اور مؤکد ہوتی ہے اس لئے قبضہ کرنا ایسا ہوا جیسے عقد کرنا، اور مسلمان ہو تو عقد کے وقت شراب اور سور نہ متعین کر کے دے سکتے ہیں اور نہ ذمے میں لے سکتے ہیں اس لئے متعین ہوں تب بھی مسلمان ہونے کے بعد عورت اس پر قبضہ نہیں کر سکتی، اس لئے صاحبین کے نزدیک متعین اور غیر متعین دونوں صورتوں میں یا تو مہر مثل ہوگا یا شراب اور سور کی قیمت لازم ہوگی۔

لغت: شبہ بالعقد: قبضہ کرنا عقد کرنے کے مشابہ ہے۔

ترجمہ: ۴ اور جب قبضے کی حالت عقد کی حالت کے ساتھ لاحق ہوگئی، تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ عقد کے وقت اگر یہ دونوں مسلمان ہوتے تو مہر مثل لازم ہوتا، ایسے ہی یہاں بھی مہر مثل لازم ہوگا۔

تشریح: امام ابو یوسف خ فرماتے ہیں کہ قبضے کی حالت عقد کے ساتھ مل گئی تو اگر عقد کے وقت دونوں مسلمان ہوتے تو مہر مثل

۵؎ ومحمدؒ يقول صحت التسمية لكون المسمى مالاعندهم الا انه امتنع التسليم للاسلام فتجب القيمة كمااذاهلك العبد المسمى قبل القبض ۶؎ ولابى حنيفةؒ ان الملك فى الصّداق المعين يتم بنفس العقد ولهذاتملك التصرف فيه وبالقبض ينتقل من ضمان الزوج الىٰ ضمانها وذلك لا يمتنع بالاسلام كاسترداد الخمر المغصوب

لازم ہوتا، کیونکہ حرام چیز کومہر متعین کرنا ایسا ہے جیسے کہ مہر ہی متعین نہیں کیا، اور مہر متعین نہ کیا ہوتو مہر مثل لازم ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی مہر مثل لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۵؎ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مہر کا تعین صحیح ہے اس لئے کافر کے نزدیک مسمی مال ہے مگر یہ کہ اسلام کی وجہ سے اس کو سپرد کرنا ممتنع ہے اس لئے اس کی قیمت واجب ہوگی، جیسے کہ قبضہ سے پہلے متعین غلام ہلاک ہو جائے۔

تشریح: امام محمد فرماتے ہیں کہ شراب اور سور متعین ہو یا متعین نہ ہو دونوں صورتوں میں عورت کے لئے شراب کی بھی قیمت لازم ہوگی اور سور کی بھی قیمت لازم ہوگی۔ اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ جس وقت مہر متعین ہو رہا تھا اس وقت دونوں کافر تھے اس لئے دونوں کے نزدیک شراب اور سور مال تھے اس لئے اس وقت مہر متعین کرنا صحیح ہوا، اور جب مہر متعین کرنا صحیح ہوا تو مہر مثل لازم نہیں ہو گا، بلکہ اس چیز کی قیمت لازم ہوگی، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مہر میں غلام متعین کیا ہو اور اس کو سپرد کرنے سے پہلے غلام ہلاک ہو گیا تو اس کی قیمت دینی پڑتی ہے، اسی طرح یہاں بھی شراب اور سور دینا مشکل ہے اس لئے اس کی قیمت لازم ہوگی۔

ترجمہ: ۶؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ معین مہر میں ملک عقد ہی سے مکمل ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ عورت اس میں تصرف کا مالک ہوگی، اور قبضہ کرنے سے صرف شوہر کے ضمان سے عورت کے ضمان کی طرف منتقل ہوتا ہے اور اسلام کی وجہ سے یہ ممتنع نہیں ہے، جیسے غصب کئے ہوئے شراب کو واپس کرنا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ متعین اور غیر متعین مہر میں فرق کر رہے ہیں۔ مہر متعین ہو تو مثلا پانچ کیلو شراب متعین ہو تو عقد ہی سے عورت اس شراب کا مالک ہو جائے گی اور قبضہ سے صرف اتنا ہوگا کہ شوہر کی ذمہ داری سے عورت کی ذمہ داری کی طرف منتقل ہو جائے گی، یہی وجہ ہے کہ عقد کے بعد بغیر قبضہ کئے ہوئے بھی عورت اس میں تصرف کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، اور جب عقد کے وقت ہی سے شراب اور سور عورت کی ہے تو اس کو وہی ملے گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کفر کی حالت میں کسی نے زید کی شراب غصب کی اور زید کے مسلمان ہونے کے بعد اس کو واپس کرنا چاہے تو واپس کر سکتا ہے، کیونکہ یہ زید ہی کی شراب ہے، اسی طرح عورت کو شراب اور سور دینا چاہے تو دے سکتا ہے کیونکہ عقد کے وقت سے اسی کی شراب اور سور ہیں۔

لغت: استرداد الخمر: رد سے مشتق ہے، شراب کو واپس لینا۔ المغصوب: غصب کیا ہوا۔

ے وفی غیر المعین القبضُ موجب ملک العین فیمتنع بالاسلام ۸ بخلاف المشتری لان ملک التصرف انما یستفاد بالقبض ۹ واذا تعذر القبض فی غیر المعین لاتجب القیمة فی الخنزیر لانه من ذوات القیم فیکون اخذقیمته کاخذعینه ۱۰ ولا کذلک الخمر لانها من ذوات الامثال الاتریٰ انه لوجاء بالقیمة قبل الاسلام تجبر علیٰ القبول فی الخنزیر دون الخمر ۱۱ ولو طلقها قبل الدخول بها فمن اوجب مهر المثل اوجب المتعة ومن اوجب القیمة اوجب نصفها

ترجمہ: ے اور غیر متعین میں قبضہ ملک عین کا سبب ہے اس لئے اسلام کی وجہ سے ممنوع ہوگا۔

تشریح : مہر میں شراب اور سور متعین نہ ہو تو اس پر قبضہ کے بعد عورت مالک ہوتی ہے عقد کے وقت نہیں اور مسلمان ہونے کی وجہ سے مالک ہونا ممنوع ہے اس لئے اب شراب اور سور نہیں دیا جا سکتا اس لئے شراب کی صورت میں اس کی قیمت اور سور کی صورت میں مہر دلوایا جائے گا۔

ترجمہ: ۸ بخلاف مشتری کے اس لئے کہ تصرف کا مالک ہونا صرف قبضے سے مستفاد ہوتا ہے۔

تشریح : یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ شراب یا سور متعین ہو تو عورت عقد ہی کے وقت سے مالک ہو جاتی ہے اور تصرف بھی کر سکتی ہے تو بیع میں مشتری عقد ہی کے وقت سے مبیع کا مالک کیوں نہیں ہوتا؟ حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ کفر کی حالت میں شراب خریدی اور قبضہ کرنے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو اب اس کے لئے شراب پر قبضہ کرنا جائز نہیں۔ تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مہر اور بیع میں فرق ہے کہ مہر میں عورت عقد کے وقت سے مہر متعین کا مالک ہو جاتی ہے، اور مشتری متعین مبیع میں قبضہ کرنے کے بعد مالک ہوتا ہے، اور مسلمان ہونے کی وجہ سے اب شراب کا مالک ہونا جائز نہیں اس لئے اب اس پر قبضہ کرنا بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ قبضہ یہاں ملک کے مشابہ ہے۔

ترجمہ: ۹ اور جب غیر معین مہر میں قبضہ کرنا متعذر ہو گیا تو سور میں قیمت واجب نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ ذوات القیم ہے اس لئے اس کی قیمت لینا گویا کہ سور کو لینا ہے۔

تشریح : اسلام کی وجہ سے غیر معین مہر میں اس پر قبضہ کرنا متعذر ہو گیا تو اگر مہر میں سور ہے تو اس کی قیمت لازم نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ ذوات القیم ہے اس لئے اس کی قیمت کو لینا گویا کہ سور کو لینا ہے اس لئے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت نہیں لے سکتے اس لئے مہر مثل لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۱۰ شراب میں ایسا نہیں ہے اس لئے کہ وہ ذات الامثال میں سے ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے اس کی قیمت دے تو سور میں قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، شراب میں نہیں۔

تشریح : شراب ذات الامثال ہے،یعنی اگر شراب ہلاک ہوجائے تو اس کے بدلے میں اتنی ہی شراب لازم ہوتی ہے اس کی قیمت لازم نہیں ہوتی اس لئے شراب کی قیمت دینا گویا کہ شراب دینا نہیں ہے اس لئے مہر میں شراب ہے تو اس کی قیمت لازم ہوگی ،مہر مثل لازم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر مسلمان ہونے سے پہلے شوہر سور کی قیمت پیش کرے تو سور کی قیمت لینے پر عورت کو مجبور کیا جائے گا، کیونکہ اس کی قیمت دینا گویا کہ وہی سور دینا ہے جو مہر میں متعین ہوا ہے، کیونکہ سور کے بدلے میں سور لازم نہیں ہوتا کیونکہ وہ بڑا چھوٹا ہوسکتا ہے اس کی قیمت لازم ہوتی ہے۔لیکن شراب کی قیمت پیش کرے تو اس کے لینے پر مجبور نہیں کی جائے گی، کیونکہ شراب کے بدلے میں قیمت دینا عین شراب دینا نہیں ہے، کیونکہ شراب کے بدلے میں شراب لازم ہوتی ہے قیمت لازم نہیں ہوتی ہے۔

ترجمہ: اا اگر عورت سے دخول سے پہلے طلاق دے دی تو جس نے مہر مثل لازم کیا ہے وہ متعہ واجب کریں گے،اور جس نے قیمت واجب کی وہ اس کا آدھا واجب کریں گے۔

تشریح : اس عورت کو دخول سے پہلے طلاق دے دی تو جن حضرات نے مہر مثل واجب کیا تھا وہ متعہ واجب کریں گے، کیونکہ مہر مثل کا آدھا نہیں ہوتا،اس کے بدلے میں متعہ کے تین کپڑے واجب ہوتے ہیں،اور جن حضرات کے یہاں قیمت واجب ہوتی ہے،انکے یہاں اس کا آدھا مہر لازم ہوگا، کیونکہ دخول سے پہلے طلاق ہونے سے مہر کا آدھا لازم ہوتا ہے۔

Settings\Administrator.USER\My Documents\3)
JPEG CLIPART\flwrpInt.JPEG.jpg not found.

﴿باب نكاح الرقيق﴾

(۱۶۵۲)لايجوزنكاح العبد والامة الاباذن مولاهما ﴾ ۱؎ وقال مالكؒ يجوز للعبد لانه يملك الطلاق فيملك النكاح ۲؎ ولنا قوله عليه السّلام ايما عبد تزوج بغير اذن مولاه فهو عاهر ۳؎ ولان في تنفيذ نكاحهما تعييبهما اذاالنكاح عيب فيهما فلايملكانه بدون اذن مولاهما

﴿غلام کے نکاح کا باب﴾

ترجمہ: (۱۶۵۲) اورنہیں جائز ہے غلام اور باندی کا نکاح کرنا مگران کے آقا کی اجازت سے۔

تشریح: اگرآقااجازت دے تب تو غلام اور باندی کا نکاح درست ہوگا۔اوروہ اجازت نہ دے تو نکاح باطل ہوجائے گا۔دلیل آگے آرہی ہے

ترجمہ: ۱؎ امام مالکؒ نے فرمایا کہ غلام کے لئے نکاح کرنا جائز ہے اس لئے کہ وہ طلاق کا مالک ہے اس لئے نکاح کا بھی مالک ہے۔

تشریح : امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ غلام نکاح اور طلاق کے بارے میں خود مالک ہے اس لئے جس طرح مولی کی اجازت کے بغیر طلاق دے سکتا ہے اسی طرح نکاح بھی کرسکتا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ کوئی غلام بغیر آقا کی اجازت کے نکاح کرے تو وہ زانی ہے۔

تشریح : اوپر کی حدیث یہ ہے۔عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ ايما عبد تزوج بغير اذن مواليه فهو عاهر ۔ (ابوداؤدشریف، باب نکاح العبد بغیر اذن موالیہ ص۲۹۱ نمبر ۲۰۷۸رترمذی شریف، باب ماجاء فی نکاح العبد بغیر اذن سیدہ ص۲۱۱ نمبر۱۱۱۱)(۳)عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال اذا نكح العبد بغير اذن مولاه فنكاحه باطل . (ابوداؤد شریف، باب نکاح العبد بغیر اذن موالیہ ص۲۹۱ نمبر ۲۰۷۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام باندی مولی کی اجازت کے بغیر شادی کرے تو نکاح جائز نہیں ہوگا باطل ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ اوراس لئے کہ دونوں کے نکاح کے نافذ کرنے میں ان دونوں کو عیب دار کرنا ہے اس لئے کہ نکاح ان دونوں میں عیب ہے تو وہ دونوں مولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے مالک نہیں ہونگے۔

تشریح : اگر باندی نے نکاح کیا تو اس سے آقا صحبت نہیں کرسکے گا جو بہت بڑا نقصان ہے۔اسی طرح غلام نے نکاح کیا تو وہ بیوی کے مہر اور نان ونفقہ میں بیچا جا سکتا ہے۔اس لئے مولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔ ہاں اگر نکاح کرتے وقت اجازت نہیں دی بعد میں آقا نے اجازت دیدی تب بھی نکاح ہوجائے گا۔

(۱۶۵۳)وکذلک المکاتب ﴾ ۱؎ لان الکتابة اوجبت فک الحجر فی حق الکسب فبقی فی حق النکاح علیٰ حکم الرق ۲؎ ولھذالایملک المکاتب تزویج عبده و یملک تزویج امته لانه من باب الاکتساب ۳؎ وکذاالمکاتبة لا تملک تزویج نفسها بدون اذن المولیٰ وتملک تزویج امتها لمابینا (۱۶۵۴)وکذاالمدبروام الولد ﴾ ۱؎ لان الملک فیھما قائم

ترجمہ: (۱۶۵۳) ایسے ہی مکاتب۔[اپنا نکاح نہیں کرسکتا]

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ کتابت کا عقد کمائی کے حق میں ممانعت کھول دینا واجب کیا ہے اس لئے نکاح کے حق میں غلامیت کے حکم پر باقی رہے گا۔

تشریح: مکاتب ابھی بھی غلام ہے، صرف کمانے کے لئے اجازت ملی ہے اس لئے کمانے کے سارے راستے جائز ہونگے، اور نکاح کرنے کے حق میں ابھی بھی غلام ہے اس لئے بغیر آقا کی اجازت کے مکاتب اپنا نکاح نہیں کرسکتا۔

لغت: فک الحجر: حجر کا ترجمہ ہے ممانعت، فک الحجر کا ترجمہ ہے ممانعت کو ختم کرنا۔ حکم الرق: غلامیت کا حکم۔

ترجمہ: ۲؎ اس لئے مکاتب اپنے غلام کے نکاح کرانے کا مالک نہیں ہوگا، اور اپنی باندی کے نکاح کرانے کا مالک ہوگا اس لئے کہ وہ کمانے کے باب میں سے ہے۔

تشریح: چونکہ مکاتب کو کمانے کی اجازت ملی ہے اس لئے کمانے کے سارے راستے جائز ہیں، اور غلام کے نکاح کرانے میں خود غلام بیوی کے مہر میں بیچا جائے گا اور یہ نقصان ہے اس لئے مکاتب اپنے غلام کے نکاح کرانے کا مالک نہیں ہے، اور باندی کے نکاح کرانے سے اس کا مہر آئے گا، اس کا نان نفقہ آئے گا، اس میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ غلام اور باندی ہوگا جو بہت بڑا فائدہ ہے اس لئے مکاتب اپنی باندی کے نکاح کرانے کا مالک ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ ایسے ہی مکاتبہ آقا کی بغیر اجازت کے اپنے نکاح کرانے کا مالک نہیں ہے، اور اپنی باندی کے نکاح کا مالک ہے، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح: مکاتبہ باندی آقا کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرنا چاہے تو نہیں کرسکتی، اس لئے کہ اس میں آقا کا نقصان ہے، ہاں وہ اپنی باندی کا نکاح کرانا چاہے تو کرسکتی ہے، کیونکہ اس سے مہر، نان نفقہ آئے گا اور اس کی اولاد غلام اور باندی بنے گی جو بہت بڑا فائدہ ہے۔

ترجمہ: (۱۶۵۴) ایسے ہی مدبر اور ام ولد[اپنا نکاح نہیں کرسکتے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ ان دونوں میں ملکیت قائم ہے۔

(۱۶۵۵) واذاتزوج العبد باذن مولاه فالمهر دين فى رقبته يباع فيه ﴾ ل لان هذا دين وجب فى رقبة العبد لوجود سببه من اهله وقد ظهر فى حق المولى لصدور الاذن من جهته فيتعلق برقبته دفعا للمضرة عن اصحاب الديون كما فى دين التجارة (۱۶۵۶) والمدبر والمكاتب يسعيان فى المهر ولا يباعان فيه ﴾ ل لانهما لا يحتملان النقل من ملك الى ملك مع بقاء الكتابة و التدبير فيؤدّى من كسبهما لا من نفسهما

تشریح : جس غلام یا باندی کوآ قانے یہ کہا ہو کہ میرے مرنے کے بعدتم آزاد ہواس کو مدبر غلام اور مدبرہ باندی کہتے ہیں ،اور جس باندی سے آقا بچہ پیدا کیا ہواس کوام ولد باندی کہتے ہیں ، یہ لوگ بھی آقا کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتے ،اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ غلام ہیں اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتے ۔

ترجمہ: (۱۶۵۵) اگر غلام نے آقا کی اجازت سے شادی کی تو مہر دین ہوگا اس کی گردن میں وہ اس میں بیچا جائے گا۔

وجہ : (۱) جو نکاح کرتا ہے مہر اسی کی گردن پر ہوتا ہے۔اس لئے غلام نے نکاح کیا تو مہر اسی کی گردن پر ہوگا۔اور جب مہر اس کی گردن پر قرض ہوا تو اگر ادا نہ کر سکا تو وہ اس میں بیچا بھی جائے گا۔خصوصا آقا کی اجازت سے شادی کی ہے تو بکنے میں آسانی ہوگی (۲) مہر غلام کی گردن پر ہواس کی دلیل یہ اثر ہے۔قال ابن عمر هو على الذى انكحتموه يعنى الصداق على الابن ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳ اعلی من یکون المہر ج ثالث ،ص ۴۴۹ ،نمبر ۱۶۰۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مہر غلام پر ہوگا۔اس لئے وہ اس کے بدلے میں بیچا بھی جا سکتا ہے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ یہ غلام کی گردن پر قرض ہے اس کے اہل کی جانب سے سبب کے پائے جانے کی وجہ سے اور آقا کے حق میں ظاہر ہوگا اس کی جانب سے اجازت کے صادر ہونے کی وجہ سے اس لئے قرض والوں کو نقصان سے بچانے کے لئے غلام کی گردن سے متعلق ہوگا ،جیسا کہ تجارت کے قرض میں ہوتا ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے غلام نکاح کرنے کا اہل تھا اور آقا کی جانب سے نکاح کی اجازت بھی ہوئی اس لئے نکاح کرنے کی وجہ سے اس کا مہر غلام کی گردن پر قرض ہوگا ، تاکہ قرض والوں کو نقصان سے بچایا جائے ،اور آقا مہر ادا نہیں کرے گا تو غلام اس مہر میں بیچا بھی جا سکتا ہے ، جس طرح تجارت کے قرض میں ہوتا ہے کہ غلام کی گردن پر قرض ہوتا ہے اور آقا ادا نہ کرے تو اس میں بیچا بھی جا سکتا ہے۔

ترجمہ: (۱۶۵۶) مدبر اور مکاتب کما کر مہر ادا کریں گے اور اس میں بیچے نہیں جائیں گے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ وہ دونوں کتابت اور مدبر باقی رکھتے ہوئے ایک ملک سے دوسری ملکیت کی طرف منتقل نہیں کئے جا سکتے

(۱۶۵۷) واذا تزوج العبد بغير اذن مولاه فقال المولى طلقها اوفارقها فليس هذا باجازة ﴾ ۱؎ لانه يحتمل الرد لان رد هذا العقد ومتاركته يسمى طلاقا ومفارقة وهو اليق بحال العبد المتمرد او هو ادنى فكان الحمل عليه اولى

(۱۶۵۸) وان قال طلقها تطليقة تملك الرجعة فهذا اجازة ﴾ ۱؎ لان الطلاق الرجعي لايكون الافى نكاح صحيح فتتعين الاجازة

اس لئے انکی کمائی سے ادا کیا جائے گا انکی ذات سے ادا نہیں کیا جائے گا۔

تشریح : مدبر اور مکاتب کچھ نہ کچھ آزاد ہو چکے ہیں اس لئے وہ بیچے نہیں جا سکتے اور نہ ایک ملک سے دوسری ملکیت کی طرف منتقل کئے جا سکتے ہیں اس لئے انکی کمائی سے مہر ادا کیا جائے گا، بیچ کر نہیں۔

لغت: لامن انفسہما: ان دونوں کی ذات سے نہیں، یعنی مکاتب اور مدبر کو بیچ کر مہر ادا نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۱۶۵۷) اگر غلام نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پس آقا نے کہا کہ اس کو طلاق دے دو، یا اس کو جدا کر دو تو یہ اجازت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ یہ جملہ انکار کا احتمال رکھتا ہے، اس لئے کہ اس عقد کو رد کرنے اور اس کو چھوڑ دینے کو طلاق اور مفارقت کہتے ہیں، اور یہ سرکش غلام کے حال کے لائق ہے، یا وہ اولی ہے اس لئے اس پر حمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح : غلام نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، پس آقا نے کہا کہ عورت کو طلاق دے دو، یا عورت کو جدا کر دو، تو مصنف فر ماتے ہیں کہ اس دونوں جملوں سے نکاح کی اجازت نہیں سمجھی جائے گی، کیونکہ یہ جملے انکار کا احتمال رکھتے ہیں کیونکہ نکاح کو رد کرنے اور اس کو چھوڑنے کو بھی طلاق اور مفارقت کہتے ہیں، بلکہ سرکش غلام کے لئے یہی لائق ہے کہ اس کو نکاح کی اجازت نہ دی جائے، یا یوں کہئے کہ یہ جملے رد کا احتمال رکھتے ہیں اس لئے رد پر محمول کئے جائیں گے اور نکاح کی اجازت نہیں ہوگی۔

لغت : متمرد: تمرد سے مشتق ہے، سرکش۔ ادنی: زیادہ قریب ہے، زیادہ بہتر ہے۔

ترجمہ: (۱۶۵۸) اور اگر آقا نے کہا کہ عورت کو ایسی طلاق دو کہ رجعت کا مالک ہو سکتے ہو تو یہ اجازت سمجھی جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ طلاق رجعی صحیح نکاح میں ہوتی ہے اس لئے اجازت متعین ہے۔

تشریح : اگر آقا نے غلام سے کہا کہ ایسی طلاق دو جس سے رجعت ہو سکے تو اس جملے سے نکاح کی اجازت سمجھی جائے گی، کیونکہ طلاق رجعی صحیح نکاح کے بعد ہوتی ہے، اس لئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے صحیح نکاح کرو پھر اس کو طلاق رجعی دو اس لئے اس جملے میں اجازت متعین ہے۔

(۱۶۵۹) ومن قال لعبده تزوج هذه الامة فتزوجها نكاحا فاسدا ودخل بها فانه يباع فى المهر ﴿ ۱ عند ابى حنيفة رحمه الله ۲ وقالا يوخذ منه اذا عتق ۳ واصله ان الاذن فى النكاح ينتظم الفاسد والجائز عنده فيكون هذا المهر ظاهراً فى حق المولى وعندهما ينصرف الى الجائز لا غير فلا يكون ظاهرا فى حق المولى فيؤاخذبه بعد العتاق

ترجمہ: (۱۶۵۹) کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ اس باندی سے نکاح کرلو، اور غلام نے اس سے نکاح فاسد کرلیا اور اس سے وطی بھی کرلی تو غلام مہر میں بیچا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں لفظ نکاح نکاح فاسد اور نکاح صحیح دونوں کو شامل ہے اس لئے فاسد نکاح کرے گا تب بھی آقا کی جانب سے اجازت سمجھی جائے گی، اور صاحبینؒ کے یہاں صرف نکاح صحیح کو شامل ہے اس لئے فاسد نکاح کرے گا تو اجازت نہیں سمجھی جائے گی۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ اس باندی سے نکاح کرلو اس نے اس سے نکاح فاسد کرلیا اور وطی بھی کرلی، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نکاح کے لفظ سے نکاح فاسد کی بھی اجازت سمجھی جائے گی اس لئے اس کے مہر میں غلام بیچا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ کہ غلام سے مہر لیا جائے گا جب وہ آزاد ہوگا۔

تشریح: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ مطلق نکاح کی اجازت صرف نکاح صحیح کو شامل ہے نکاح فاسد کو شامل نہیں ہے اس لئے نکاح فاسد کیا تو یہ آقا کی جانب سے اجازت نہیں سمجھی جائے گی اس لئے غلام مہر میں نہیں بیچا جائے گا، بلکہ جب وہ آزاد ہوگا تب عورت اس سے اپنا مہر وصول کرے گی۔

ترجمہ: ۳ امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ نکاح کی اجازت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فاسد اور جائز دونوں کو شامل ہے اس لئے یہ مہر ظاہر میں آقا کے حق میں ہوگا، اور صاحبینؒ کے نزدیک صرف جائز کے طرف پھیرا جائے گا، اس لئے ظاہری طور پر آقا کے حق میں نہیں ہوگا اس لئے آزاد ہونے کے بعد غلام سے لیا جائے گا۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ لفظ نکاح جائز اور فاسد دونوں کو شامل ہے اس لئے جب فاسد نکاح کیا تو اس کی بھی مولی کی جانب سے اجازت سمجھی جائے گی اس لئے یہ مہر آقا کے حق میں ہوگا اس لئے غلام بیچا جائے گا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک صرف صحیح نکاح کو شامل ہے اس لئے آقا کی جانب سے اجازت نہیں سمجھی جائے گی، اس لئے غلام کے آزاد ہونے کے بعد اس سے مہر لے گی۔

۴ لهما ان المقصود من النكاح فى المستقبل الاعفاف والتحصين وذلك بالجائز ولهذا لو حلف لايتزوج ينصرف الى الجائز ۵ بخلاف البيع لان بعض المقاصد حاصل وهو ملك التصرفات ۶ وله ان اللفظ مطلق فيجرى على اطلاقه كما فى البيع وبعض المقاصد فى النكاح الفاسد حاصل كالنسب ووجوب المهر والعدة على اعتبار وجود الوطى ۷ ومسألة اليمين ممنوعة على هذه الطريقة

ترجمہ: ۴ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کا مقصود مستقبل میں پاکدامنی ہے اور فرج کو بچانا ہے اور یہ جائز نکاح سے ہو سکتا ہے، اسی لئے اگر قسم کھائی کہ نکاح نہیں کرے گا تو جائز نکاح کی طرف ہی پھیرا جائے گا۔

تشریح : صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کا مقصد یہ ہے کہ پاکدامنی حاصل کی جائے اور اپنے فرج کو ناجائز کام سے بچایا جائے اور یہ مقصد صحیح نکاح سے حاصل ہوگا اس لئے آقا کا جملہ صحیح نکاح کی طرف پھیرا جائے گا فاسد نکاح اس میں شامل نہیں ہوگا۔ اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ نکاح نہیں کرے گا تو اس سے صحیح نکاح مراد ہوگا، چنانچہ فاسد نکاح کیا تو اس سے حانث نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۵ بخلاف بیع کے اس لئے کہ بعض مقاصد حاصل ہیں اور وہ تصرفات کا مالک ہونا ہے۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دوسری دلیل ہے۔ آقا نے بیع کی اجازت دی تو یہ بیع فاسد کو بھی شامل ہے چنانچہ وہ بیع فاسد کر آیا تو اس میں بیچا جائے گا، کیونکہ بیع فاسد سے بھی بعض مقصد حاصل ہوتا ہے، مثلا مبیع میں تصرف کا مالک ہوتا ہے، مبیع کو آزاد کر سکتا ہے، ہبہ کر سکتا ہے، اس لئے بیع فاسد کو بھی شامل ہے۔ لیکن نکاح میں نکاح فاسد کو شامل نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مطلق لفظ نکاح اپنے اطلاق پر جاری ہوگا، جیسے کہ لفظ بیع میں ہے، اور بعض مقصد نکاح فاسد میں بھی حاصل ہے، جیسے نسب ثابت ہونا، مہر واجب ہونا، وطی ہونے سے عدت واجب ہونا۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مطلق لفظ نکاح اپنے اطلاق پر جاری ہوگا اور نکاح صحیح اور نکاح فاسد دونوں کو شامل ہوگا، جیسے لفظ بیع صحیح اور فاسد دونوں بیع کو شامل ہوتا ہے اسی طرح نکاح فاسد اور صحیح دونوں کو شامل ہوگا۔ کیونکہ نکاح فاسد سے بھی بعض مقصد حاصل ہوتا ہے مثلا وطی ہو جائے تو شوہر سے نسب ثابت ہوگا، عورت کے لئے مہر لازم ہوگا، طلاق ہو جائے تو عدت لازم ہوگی، اس لئے نکاح کا لفظ فاسد کو بھی شامل ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۷ اور اس طریقے پر قسم کا مسئلہ ممنوع ہے۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کو جواب ہے کہ کوئی نکاح کی قسم کھائے تو وہ صرف نکاح صحیح پر محمول ہوگا ہمکو یہ تسلیم نہیں ہے بلکہ نکاح

(۱۶۶۰) ومن زوج عبداً مديونا ماذونا له امرأةً جاز والمرأة اسوة للغرماء فى مهر ها ﴾ ل ومعناه اذا كان النكاح بمهر المثل ٢ ووجهه ان سبب ولاية المولى ملكه الرقبة على ما نذكره والنكاح لايلاقى حق الغرماء بالابطال مقصودا الا انه اذا صح النكاح وجب الدين بسبب لا مرد له فشابه دين الاستهلاک

فاسد سے بھی قسم میں حانث ہو جائے گا، اس لئے صاحبینؒ کا استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: (۱۶۶۰) کسی نے ایسے غلام کی کسی عورت سے شادی کرائی جو مقروض ہے اور تجارت کرنے کی اجازت ہے تو نکاح جائز ہے اور وہ عورت اپنے مہر میں قرض خواہوں کے برابر ہوگی۔

ترجمہ: ل اس کا معنی یہ ہے کہ مہر مثل میں نکاح کرایا ہو۔

تشریح : جس غلام کو تجارت کی اجازت ہے اگر اس پر قرض آجائے تو اس قرض میں بیچا جائے گا اور مقروض کو حق دیا جائے گا، اسی طرح آقا نے نکاح کرایا ہو تو عورت کا مہر اس کی گردن پر قرض ہوا اسلئے اس میں بھی بیچا جائے گا۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ آقا نے ماذون التجارت غلام کا مہر مثل میں نکاح کرایا اور اس پر تجارت کا قرضہ تھا تو یہ غلام بیچا جائے گا اور اس کی قیمت میں اتنا ہی فیصد ملے گا جتنا اور قرض خواہوں کو ملے گا، مثلا دو آدمی کا ایک ایک ہزار قرض تھا، اور ایک ہزار مہر مثل تھا، اور غلام پندرہ سو میں بیچا گیا، تو دوسرے قرض خواہوں کو اپنے قرض کا آدھا پانچ پانچ سو ملے گا، تو عورت کو بھی پانچ سو ہی ملے گا۔ اس میں مہر مثل کی قید اس لئے لگائی کہ اس سے زیادہ میں نکاح کرایا ہو تو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آقا دوسرے قرض خواہوں کے حق کو دبانا چاہتا ہے، لیکن اگر مہر مثل میں شادی کرائی تو یہ شبہ نہیں ہوگا۔

لغت : ماذون: جس غلام کو آقا نے تجارت کی اجازت دی ہے اس کو ماذون کہتے ہیں۔ اسوۃ: برابر۔ غرماء: قرض خواہ، اسوۃ للغرماء: کا ترجمہ ہے کہ جتنا فیصد اور قرض خواہوں کو ملے گا اتنا ہی فیصد عورت کو بھی ملے گا۔

ترجمہ: ٢ اس کی وجہ یہ ہے کہ آقا کی ولایت کا سبب اس کا ملک رقبہ ہے، جیسا کہ ہم بعد میں ذکر کریں گے، اور نکاح قرض خواہ کے حق کو مقصود کے طور پر باطل نہیں کر رہا ہے، مگر یہ ہے کہ جب نکاح صحیح ہو گیا تو ایسے سبب سے قرض واجب ہو گیا کہ اس کو رد نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لئے استہلاک کے دین کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح : غلام پر آقا کی ملکیت ہے اس لئے وہ نکاح کرا سکتا ہے، اور یہاں نکاح کا براہ راست یہ مقصد نہیں ہے کہ دوسرے قرض خواہوں کے حق کو باطل کرے، بلکہ نکاح کا اصل مقصد ہے غلام کی انسانی ضرورت کو پورا کرنا اور جب نکاح درست ہو گیا تو ضمنا قرض خواہوں کے حق میں کمی آئے گی جس کا اعتبار نہیں ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ یہی غلام دوسرے کا مال ہلاک کر دے تو وہ

۳؎ وصار کالمریض المدیون اذا تزوج امرأة فبمهر مثلها اسوة للغرماء (۱۶۶۱) ومن زوج امته فلیس علیه ان یبوئها بیت الزوج ولکنها تخدم المولی ویقال للزوج متی ظفرت بها وطئتها ﴿۱؎ لان حق المولی فی الاستخدام باق والتبویة ابطال له

دوسرا آدمی بھی اپنا مال لینے میں پہلے قرض خواہوں کے ساتھ شریک ہو جائے گا اور پہلے قرض خواہوں کے حق میں کمی آئے گی اسی طرح عورت کے مہر لینے سے قرض خواہوں کے حق میں کمی آئے گی تو کوئی حرج نہیں ہے۔

لغت : بسبب لا مرد لہ: ایسے سبب سے جسکو ہٹایا نہیں جا سکتا، یعنی نکاح کے سبب سے مہر لازم آیا جسکو ہٹایا نہیں جا سکتا۔ دین الاستہلاک: کسی کا مال ہلاک کر دے جسکی وجہ سے اس پر قرض لازم آجائے۔

ترجمہ: ۳؎ پس ایسا ہو گیا کہ مقروض بیمار نے اگر شادی کی تو عورت مہر مثل میں قرض خواہوں کے برابر ہوگی۔

تشریح : یہ مثال ہے، کہ مرض الموت میں مبتلاء آدمی مقروض تھا اور اس نے مہر مثل میں شادی کی تو جتنا فیصد قرض خواہوں کو ملے گا اس کی بیوی کو بھی اتنا ہی فیصد ملے گا، اور یہ عورت برابر کے شریک ہو جائے گی، اسی طرح غلام کی بیوی بھی قرض خواہوں کے شریک ہو جائے گی۔

وجہ : اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الثوری فی رجل یتزوج و هو مریض ، قال نکاحه جائز علی مهر مثلها۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یتزوج فی مرضہ، ج سادس، ص ۱۹۰، نمبر ۱۰۷۰۸) اس اثر میں ہے کہ مہر مثل میں نکاح کرے تو جائز ہے۔

ترجمہ: (۱۶۶۱) اگر آقا نے اپنی باندی کی شادی کرائی تو اس پر لازم نہیں ہے کہ شوہر کے یہاں رات گزارنے دے، لیکن باندی آقا کی خدمت کرے گی اور شوہر سے کہا جائے گا جب موقع ملے اس سے صحبت کر لیں۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ آقا کا حق خدمت کے لئے باقی ہے اور رات گزارنے دینے میں اس کو باطل کرنا ہے [اس لئے رات گزارنے کے لئے دینا ضروری نہیں ہے]

تشریح : آقا نے باندی کا نکاح کسی سے کرا دیا تو اس پر رات گزارنے کے لئے دینا واجب نہیں، بلکہ باندی آقا کی خدمت کرتی رہے اور جب کبھی شوہر کو موقع ملے وطی کر لے۔

وجہ : آقا کی خدمت کا حق مقدم ہے۔ اس لئے کہ ابھی بھی اس کی ملکیت ہے۔ اور شوہر کا حق اس کے بعد ہے۔ اس لئے کہ اس کا حق صرف بضع پر ہے۔ اس لئے آقا پر ضروری نہیں ہے کہ باندی کو شوہر کے گھر رات گزارنے کے لئے بھیجے۔ بلکہ وہ اپنی خدمت کرواتا رہے۔ اور شوہر سے کہا جائے گا کہ جب موقع ملے بیوی سے مل لے۔

(۱۶۶۲) فان بوأها معه بيتاً فلها النفقة والسكنى والا فلا ﴾ ل لان النفقة تقابل الاحتباس

(۱۶۶۳) ولو بوأها بيتا ثم بداله ان يستخدمها له ذلك ﴾ ل لان الحق باق لبقاء الملك فلايسقط بالتبوية كمالا يسقط بالنكاح ٢ قال رضى الله عنه ذكر تزويج المولى عبده وامته ولم يذكر رضاهما وهذا يرجع الى مذهبنا ان للمولى اجبارهما على النكاح وعند الشافعیؒ لا اجبار فی العبد وهو رواية عند ابی حنيفةؒ

لغت: یبوء :رات گزروانا،اسی سے ہے, بوأبیتا،رات گزارنے کے لئے گھر دینا۔ظفر: کامیاب ہونا،موقع پانا۔

ترجمه: (۱۶۶۲) اگر باندی کوشوہر کےساتھ رات گزارنے دیا تو اس کے لئے نفقہ اور سکنی ہوگا،اور اگر نہیں دیا تو نہیں ہوگا۔

ترجمه: ل اس لئے کہ نفقہ احتباس کے بدلے میں ہے۔

تشریح : آقا نے باندی کوشوہر کے یہاں رات گزارنے کے لئے بھیج دیا تو اس باندی کا نفقہ اور سکنی شوہر پر لازم ہوگا،اور اگر نہیں بھیجا تو شوہر پر نفقہ اور سکنی نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نفقہ اور سکنی احتباس،یعنی شوہر کے یہاں رہنے کی وجہ سے لازم ہوتا ہے، اس لئے احتباس نہیں ہوگا تو شوہر پر نفقہ اور سکنی بھی لازم نہیں ہوگا۔

ترجمه: (۱۶۶۳) اگر باندی کو رات گزارنے کے لئے دیا پھر آقا کو خیال آیا کہ باندی سے خدمت لے تو اس کو اس کا حق ہے۔

ترجمه: ل اس لئے کہ ملکیت کے باقی رہنے کی وجہ سے اس کا حق باقی ہے،رات گزارنے دینے سے ساقط نہیں ہوگا، جیسے کہ نکاح کرانے سے ساقط نہیں ہوتا ہے۔

تشریح : اگر باندی کوشوہر کے یہاں رات گزارنے کے لئے دیا پھر خیال ہوا کہ خدمت کے لئے اپنے گھر پر رکھوں تو آقا کو اس کا حق ہے،اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ آقا کی ملکیت ابھی بھی باقی ہے اس لئے رات گزارنے دینے سے خدمت لینے کا حق ساقط نہیں ہوا جس طرح نکاح کرانے کی وجہ سے خدمت لینے کا حق ساقط نہیں ہوتا ہے۔۔بدالہ:اس کے لئے ظاہر ہوا،اس کو خیال آیا۔

ترجمه: ٢ مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ ذکر کیا کہ آقا اپنے غلام اور باندی کا نکاح کرائے اور یہ ذکر نہیں کیا کہ انکی رضامندی بھی ہو، یہ ہمارے مذہب کی طرف اشارہ ہے کہ آقا کو دونوں کو نکاح پر مجبور کرنے کا حق ہے۔اور امام شافعیؒ کے نزدیک غلام میں مجبور نہیں کر سکتے ،یہی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

تشریح : جامع صغیر میں ہے کہ آقا اپنے غلام اور باندی کا نکاح کرائے اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ انکی رضامندی ہو یا نہ ہو، جس کا مطلب یہ ہوا کہ آقا غلام اور باندی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرا سکتا ہے، یہ ہمارا مذہب ہے۔امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ

۳؎ لان النکاح من خصائص الأدمية والعبد داخل تحت ملك المولى من حيث انه مال فلايملك انكاحه بخلاف الامة لانه مالك منافع بضعها فيملك تمليكها ۴؎ ولنا ان الانكاح اصلاح ملكه لان فيه تحصينه عن الزناء الذى هو سبب الهلاك والنقصان فيملكه اعتباراً بالامة ۵؎ بخلاف المكاتب والمكاتبة لانهما التحقا بالاحرار تصرفاً فيشترط رضاهما

باندی کوتو مجبور کرسکتا ہے، غلام کواس کی رضامندی کے بغیر نکاح نہیں کراسکتا، اور امام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے۔

ترجمه: ۳؎ اس لئے کہ نکاح آدمی ہونے کی خصوصیت ہے اور غلام آقا کی ملکیت میں مال ہونے کی حیثیت سے داخل ہے اس لئے اس کے نکاح کرانے کا مالک نہیں ہوگا، بخلاف باندی کے اس لئے کہ مالک اس کے بضع کے منافع کا مالک ہے اس لئے دوسرے کو مالک بنانے کا بھی مالک ہوگا۔

تشریح: غلام کو نکاح پر مجبور نہیں کرسکتے اور باندی کو مجبور کرسکتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ نکاح آدمی کی خصوصیت ہے اور آدمی ہونے کی ضرورت ہے اور غلام مال ہونے کی حیثیت سے مولی کا مملوک ہے آدمی ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے اس لئے آقا شادی نہیں کراسکتا، اور باندی کی شادی اس لئے کراسکتا ہے کہ باندی کے بضع پر آقا کا حق ہے اس لئے خود استعمال نہ کر کے دوسروں کو اس کا مالک بناسکتا ہے، اس لئے باندی کی شادی اس کی رضامندی کے بغیر بھی کراسکتا ہے۔

ترجمه: ۴؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح کرانا اپنے ملک کی اصلاح کرنا ہے اس لئے کہ اس میں غلام کو زنا سے پاک رکھنا ہے جو ہلاک اور نقصان کا سبب ہے اس لئے آقا نکاح کرانے کا مالک ہوگا، باندی پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: ہمارے یہاں آقا غلام کو نکاح کرانے کا مالک ہوتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کرانے سے مال کی اصلاح ہو گی، کیونکہ وہ زنا سے بچے گا اور حد وغیرہ لگ کر عیب دار نہیں بنے گا، اور آقا کو اپنے مال کی اصلاح کا حق ہے اس لئے اس کے نکاح کرانے کا بھی حق ہے، دوسری دلیل یہ ہے کہ باندی پر قیاس کیا جائے گا، کیونکہ باندی پر ملک رقبہ ہونے کی وجہ سے نکاح کرانے کا حق ہوتا ہے تو غلام پر بھی ملک رقبہ ہونے کی وجہ سے نکاح کرانے کا حق ہوگا۔ تحصین: زنا سے پاک رکھنا

ترجمه: ۵؎ بخلاف مکاتب اور مکاتبہ کے اس لئے کہ وہ دونوں تصرف کے اعتبار سے آزاد کے ساتھ لاحق ہو گئے ہیں، اس لئے ان دونوں کی رضامندی کی شرط لگائی جائے گی۔

تشریح: مکاتب غلام اور مکاتبہ باندی خود خرید وفروخت کرسکتے ہیں اس لئے تصرف کے اعتبار سے ان میں آزادگی آچکی ہے اور نکاح کرنا تصرف کرنا ہے اس لئے اس بارے میں وہ آزاد ہیں اس لئے آقا انکی رضامندی کے بغیر نکاح نہیں کراسکتا۔

(۱۶۶۴) **قال ومن زوج امته ثم قتلها قبل ان يدخل بها زوجها فلا مهر لها** ﴾ ل عند ابی حنيفة رحمه الله ٢ وقالا عليه المهر لمولاها اعتباراً بموتها حتف انفها وهذا الان المقتول ميت باجله فصار كما اذا قتلها اجنبی ٣ وله انه منع المبدل قبل التسليم يجازی بمنع البدل كما اذا ارتدت الحرة

ترجمه: (۱۶۶۴) کسی نے باندی کا نکاح کرایا پھر اس سے پہلے کہ شوہر اس سے دخول کرے اس کو قتل کر دیا تو عورت کے لئے مہر نہیں ہے۔

ترجمه: ل امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح : یہاں چار صورتیں ہیں [۱] آقا نے باندی کو وطی سے پہلے قتل کر دیا [۲] اجنبی نے باندی کو قتل کر دیا [۳] خود مر گئی [۴] خود آزاد عورت نے اپنے آپ کو قتل کر لیا۔ ہر ایک کا حکم آگے آ رہا ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ آقا نے باندی کا نکاح کرایا پھر ابھی دخول بھی نہیں کیا تھا کہ آقا نے باندی کو قتل کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں آقا کو باندی کا مہر نہیں ملے گا۔

وجه : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ آقا نے شوہر کو بضع نہیں دیا جو مال ہے تو اس کو اس کا بدلہ مہر کیسے ملے گا! (۲) قتل کرنا احکام دنیا میں سے ہے اس لئے دنیوی اعتبار سے شوہر کو نقصان دیا تو شوہر بھی اس کا مہر نہیں دے گا۔

ترجمه: ٢ صاحبینؒ نے فرمایا کہ شوہر پر باندی کے آقا کے لئے مہر ہے خود مر جائے اس پر قیاس کرتے ہوئے، اور یہ قیاس اس لئے ہے کہ مقتول اپنی موت سے مری ہے تو ایسا ہوا کہ اس کو اجنبی نے قتل کر دیا۔

تشریح : صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں باندی کے آقا کے لئے مہر ہوگا، اس کی تین دلیل دیتے ہیں [۱] باندی اپنی موت سے مر جاتی تو آقا کو مہر ملتا، پس آقا نے قتل کیا ہے تو وہ مری ہے اس لئے اس کو مہر ملے گا۔ [۲] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے یہاں اس کے مرنے کا وقت متعین تھا قتل کرنے سے اسی وقت پر مری ہے، پس مرنے کے اسباب کچھ بھی ہو مری ہے اپنے مقررہ وقت پر اس لئے مہر ملنا چاہئے [۳] جیسے کوئی اجنبی آدمی باندی کو قتل کر دیتا تو آقا کو مہر ملتا اس لئے اس صورت میں بھی مہر ملے گا۔

لغت: حتف انفہ: حتف، کا ترجمہ ہے موت، حتف انفہ، کا مطلب یہ ہے کہ قتل وغیرہ سے نہیں مرا بلکہ ناک کے ذریعہ سے آخری سانس نکلی اور مر گیا۔ میت باجلہ: اپنے مقررہ وقت پر مرا۔

ترجمه: ٣ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ آقا نے مبدل کو سپرد کرنے سے پہلے روک دیا اس لئے بدل کے روکنے کا بدلہ دیا جائے گا، جیسے آزاد عورت مرتد ہو جاتی۔

۴؎ والقتل فی احکام الدنیا جعل اتلافا حتی وجب القصاص والدیة فکذا فی حق المهر ۵؎وان قتلت حرة نفسها قبل ان یدخل بها زوجها فلها المهر خلافا لزفر رحمه الله هو یعتبره بالردة وبقتل المولی امته والجامع مابیناه ۶؎ ولنا ان جنایة المرء علی نفسه غیر معتبرة فی حق احکام الدنیا فشابه موتها حتف انفها

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے آقا نے بضع سپرد کرنے سے پہلے ضائع کر دیا اس لئے اس کے بدلے میں مہر روک دیا جائے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ عورت وطی سے پہلے مرتد ہو جاتی تو اس کو مہر نہیں ملتا کیونکہ اس نے بضع ضائع کر دیا اسی طرح یہاں آقا نے قتل کر کے بضع ضائع کیا ہے اس لئے اس کو مہر نہیں ملے گا۔۔مبدل سے مراد بضع ہے، اور بدل سے مراد مہر ہے

ترجمہ: ۴؎ اور قتل دنیا کے احکام میں اتلاف قرار دیا گیا ہے یہاں تک کہ قصاص اور دیت واجب ہوتی ہے پس ایسے ہی مہر کے حق میں بھی ہوگا۔

تشریح : یہ امام صاحبینؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ قتل کرنے سے بھی وہ اپنے وقت پر ہی مری، اس کا جواب ہے کہ مری تو اپنے وقت پر ہی لیکن دنیاوی اعتبار سے اس کو اتلاف قرار دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قتل عمد ہو تو قاتل پر قصاص لازم ہوتا ہے اور قتل خطا ہو تو دیت لازم ہوتی ہے اور جب دنیاوی اعتبار سے اس کو ضائع کرنا ہوا تو مہر بھی نہیں ملے گا۔۔اتلاف: ضائع کرنا۔

ترجمہ: ۵؎ اور اگر آزاد عورت نے اس کے شوہر کے دخول سے پہلے اپنے آپ کو قتل کر دیا تو آزاد کے لئے مہر ہوگا، خلاف امام زفرؒ کے، وہ قیاس کرتے ہیں مرتد ہونے پر اور آقا اپنی باندی کو قتل کر دے اس پر، اور دونوں کی دلیل وہ ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح : اگر آزاد عورت نے دخول سے پہلے اپنے آپ کو قتل کر دیا پھر بھی اس کے ورثہ کو مہر ملے گا، اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اس کو مہر نہیں ملے گا۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ عورت نے بضع نہیں دیا تو اس کا بدل مہر کیسے ملے گا! (۲) وہ مرتد ہونے پر قیاس کرتے ہیں کہ اگر عورت دخول سے پہلے مرتد ہو جائے تو اس کو مہر نہیں ملتا کیونکہ اس نے بضع سپرد نہیں کیا اسی طرح اپنے آپ کو قتل کر دیا تو مہر نہیں ملے گا (۳) اسی طرح آقا اپنی باندی کو دخول سے پہلے قتل کر دے تو مولی کو اس کا مہر نہیں ملتا ہے اس طرح آزاد عورت اپنے آپ کو قتل کر دے تو اس کے ورثہ کو مہر نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۶؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ انسان کی اپنے اوپر جنایت دنیا کے احکام میں اعتبار نہیں ہے، اس لئے خود بخود موت کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو قتل کر دے تو دنیاوی احکام میں اس کا اعتبار نہیں ہے اسی وجہ سے اس پر کوئی

ے بخلاف قتل المولی امته لانه یعتبر فی احکام الدنیا حتی تجب الکفارة علیه (۱۶۶۵) واذا تزوج امة فالاذن فی العزل الیٰ المولیٰ ۱ عند ابی حنیفةؒ

دیت وغیرہ نہیں ہے، اس لئے اگر خود بخود مر جائے تو وارث کو مہر ملتا ہے اسی طرح اپنے آپ کو قتل کر دے تب بھی مہر ملے گا۔

ترجمہ: ے بخلاف آقا اپنی باندی کو قتل کرے تو دنیاوی احکام میں اس کا اعتبار کیا گیا ہے یہاں تک کہ آقا پر کفارہ لازم کیا جاتا ہے۔

تشریح : یہ امام زفرؒ کو جواب ہے کہ، آقا اپنی باندی کو قتل کر دے تو اس کا اعتبار دنیاوی احکام میں بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ آقا پر کفارہ لازم ہوتا ہے، اور دوسرا آدمی ہوتا تو اس پر دیت بھی لازم ہوتی، اس لئے آقا کو اس کے بدلے میں مہر نہیں ملے گا۔

اصول : آزاد عورت اپنے آپ کو قتل کر دے تو دنیاوی اعتبار سے اس کا اعتبار نہیں ہے اس لئے اس کے ورثہ کو مہر ملے گا۔ اور آقا باندی کو قتل کر دے تو دنیاوی اعتبار سے اس کا اعتبار ہے اس لئے آقا کو مہر نہیں ملے گا۔

ترجمہ: (۱۶۶۵) اگر باندی سے نکاح کیا تو عزل کے لئے اجازت آقا سے ہوگی۔

ترجمہ: ۱ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح : یہاں تین قسم کی عورتیں ہیں اور تینوں کا حکم الگ الگ ہے [۱] بیوی آزاد عورت ہو تو عزل کرنے کے لئے اس کی اجازت ضروری ہوگی، [۲] اور اگر کسی کی باندی بیوی ہو تو اس کے آقا سے اس کی اجازت لینی ہوگی، [۳] اور اگر اپنی باندی سے وطی کر رہا ہو تو عزل کے لئے باندی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ : (۱) عزل کرنا کیسا ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن جابر قال کنا نعزل علی عهد رسول الله ﷺ فبلغ ذالک نبی الله ﷺ فلم ینهنا عنه۔ (مسلم شریف، باب حکم العزل، ص ۶۱۱، نمبر ۱۴۴۰/۳۵۶۱) (۲) عن جابر کنا نعزل علی عهد رسول الله ﷺ و القرآن ینزل ۔ (بخاری شریف، باب العزل، ص ۹۳۱، نمبر ۵۲۰۹) ان دونوں حدیثوں کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ عزل کرنا جائز ہے۔ (۳) عن النبی ﷺ قال فی العزل ؟ لا علیکم ان لا تفعلوا ذالکم فانما هو القدر ۔ (مسلم شریف، باب حکم العزل، ص ۶۱۰، نمبر ۱۴۳۸/۳۵۴۸ / بخاری شریف، باب العزل، ص ۹۳۱، نمبر ۵۲۱۰) اس حدیث کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ عزل کرنا جائز تو ہے لیکن نہ کرنا اچھا ہے۔

[۱] آزاد عورت بیوی ہو تو وطی اس کا حق ہے اور عزل کرنے سے اس کا حق مارا جائے گا اس لئے خود بیوی سے اجازت لینی ہوگی (۲) عن عمر ابن الخطاب قال نهی رسول الله ﷺ ان یعزل عن الحرة الا باذنها ۔ (ابن ماجہ شریف، باب العزل، ص ۲۸۶، نمبر ۱۹۲۸ / مصنف ابن ابی شیبة، باب من قال یعزل عن الامة و یستأ مر الحرة، ج ثالث، ص ۵۰۴، نمبر ۱۶۶۰۹) اس حدیث

۲ وعن ابی یوسفؒ ومحمد رحمهما الله ان الاذن اليها لان الوطی حقّها حتی ثبت لها ولاية المطالبة وفی العزل تنقیص حقّها فیشترط رضاها کما فی الحرة بخلاف الامة المملوكة لا نه لا مطالبة لها فلا یعتبر رضا ها

میں ہے کہ آزادعورت سے اس کی اجازت سے عزل کرے۔

[۲] بیوی کسی اور کی باندی ہوتو اس باندی سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ آقا کا غلام اور باندی بنے گا، اورعزل کرنے سے اس کا نقصان ہوگا اس لئے عزل کرنے سے آقا کی اجازت ضروری ہے۔

[۳] اور اپنی باندی سے بغیر اس کی اجازت کے بھی عزل کرسکتا ہے۔ کیونکہ آقا کے لئے اس کی بھی گنجائش ہے کہ اس سے بالکل وطی نہ کرے، تو اس کی بھی گنجائش ہوگی کہ عزل کر لے۔ (۲) عن ابراهيم التيمي و عمر بن مرة قالا : يعزل عن الامة و يستأمر الحرة ۔ (مصنف ابن ابی شیبة ، باب من قال یعزل عن الامة ویستأ مر الحرة، ج ثالث ،ص ۵۰۴، نمبر ۱۶۶۰۴) اس اثر میں ہے کہ باندی سے عزل کرسکتا ہے۔

لغت : عزل: جماع کرتے وقت باہر انزال کرے تا کہ حمل نہ ٹھہر جائے۔

ترجمه: ۲ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اجازت باندی کی طرف ہے اس لئے کہ وطی عورت کا حق ہے یہی وجہ ہے کہ باندی کے لئے وطی کے مطالبے کی ولایت ثابت ہے، اور عزل میں اس کے حق کا نقصان ہے اس لئے شرط لگائی جاتی ہے اس کی رضامندی کی جیسے کہ آزاد میں ہے، بخلاف مملوک باندی کے اس لئے کہ اس کے لئے مطالبے کا حق نہیں ہے اس لئے اس کی رضامندی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

تشریح : صاحبینؒ کی رائے یہ ہے اگر بیوی کسی کی باندی ہوتو عزل کے لئے اس کے آقا کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خود باندی کی اجازت کی ضرورت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وطی خود باندی کا حق ہے یہی وجہ ہے کہ باندی وطی کا طالبہ کرسکتی ہے، اور عزل کرنے میں باندی کا حق مارا جائے گا اسلئے اسی کی اجازت کی ضرورت ہے، اس کے برخلاف اگر اپنی باندی سے وطی کر رہا ہوتو اس کو وطی کے مطالبے کا حق نہیں ہے اس لئے اس کی رضامندی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

وجه : عن انس بن مالکؓ ان النبی ﷺ قال اذا غشی الرجل اهله فلیصدقها ، فان قضی حاجته و لم یقض حاجتها فلا یعجلها ۔ (مصنف عبد الرزاق ، باب القول عند الجماع ، وکیف یصنع وفضل الجماع ، ج سادس ،ص ۱۵۶، نمبر ۱۰۵۰۸) اس حدیث میں ہے کہ عورت کو ضرورت ہوتو پوری کرنی چاہئے، جس سے معلوم ہوا کہ عورت کو جماع کے مطالبہ کرنے کا حق ہے۔

۳؎ وجه ظاهر الرواية ان العزل يُخلُّ بمقصود الولد وهو حق المولىٰ فيعتبر رضاها وبهٰذا فارق الحرة (۱۶۶۶)وان تزوّجت باذن مولاها ثمّ أُعتقت فلها الخيار حرّا كان زوجها او عبداً ﴾

۱؎ لقوله عليه السلام لبريرةؓ حين اعتقت ملكت بضعك فاختارى ۲؎ فالتعليل بملك البضع صدر مطلقاً فينتظم الفصلين

ترجمہ: ۳؎ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ عزل بچے کے مقصد میں خلل انداز ہوتا ہے اور یہ آقا کا حق ہے اس لئے آقا کی رضامندی کا اعتبار کیا جائے گا، اور اس بیان سے آزاد عورت الگ ہوگئی۔

تشریح : ظاہر روایت یہ ہے کہ باندی بیوی سے عزل کے لئے اس کے آقا کی رضامندی ضروری ہے اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ باندی سے نکاح کرانے کا مقصد اس سے بچہ پیدا کروانا ہے تا کہ اس بچے کو اپنا غلام اور باندی بنایا جا سکے، اور یہ مولی کا حق ہے اس لئے مولی سے اجازت لینے کی ضرورت ہے، اور آزاد عورت سے بچہ پیدا کرنے کا حق خود عورت کو ہے اس لئے اس سے اجازت لینے کی ضرورت ہے، اور اس دلیل سے باندی بیوی اور آزاد بیوی کے درمیان فرق ہوگیا۔

ترجمہ: (۱۶۶۶) اگر باندی نے شادی کی آقا کی اجازت سے پھر آزاد کی گئی تو باندی کو اختیار ہوگا، آزاد ہو اس کا شوہر یا غلام ہو۔

تشریح : آقا کی اجازت سے باندی نے شادی کی، یا آقا نے باندی کی شادی کرائی اور بعد میں آزاد کر دی گئی تو اس باندی کو شوہر کے پاس رہنے یا نہ رہنے کا اختیار ہوگا جس کو خیار عتق کہتے ہیں۔

وجہ : (۱) حدیث میں ہے کہ حضرت بریرہؓ آزاد کی گئی تو ان کو حضورؐ نے خیار عتق دیا اور کہا کہ آپ کو شوہر کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا اختیار ہے۔ اور یہ بھی حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے کہ ان کا شوہر مغیث اس وقت آزاد تھے۔ عن عائشة ان زوج بريرة كان حرا حين اعتقت وانها خيرت ۔ (ابوداؤد شریف، باب من قال کان حرا، کتاب الطلاق، ص ۳۱۱، نمبر ۲۲۳۵ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الامۃ تعتق ولھا زوج ص ۲۱۹ نمبر ۱۱۵۵ / ابن ماجہ شریف، باب خیار الامۃ اذا اعتقت ص ... نمبر ۲۰۷۴) اس حدیث میں ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر آزاد تھے اس کے باوجود ان کو اختیار دیا (۲) چونکہ مولی نے شادی کرائی ہے، اپنے اختیار سے باندی نے شادی نہیں کی، اس لئے بھی آزاد ہونے کے بعد اس کو اختیار ملنا چاہئے۔

ترجمہ: ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے حضرت بریرہؓ کے لئے جس وقت وہ آزاد کی گئی تم آزاد کی گئی تم اپنے بضع کے مالک ہوگئی تم اپنے آپ کو اختیار کر سکتی ہو۔

ترجمہ: ۲؎ اور بضع کے مالک ہونے کی علت مطلقا صادر ہوئی ہے، اس لئے دونوں فصلوں کو شامل ہے۔

۳؎ والشافعی رحمه اللّٰه یخالفنا فیما اذا کان زوجها حرّاً وهو محجوج به ۴؎ ولانه یزداد الملک علیها عند العتق فیملک الزوج بعده ثلث تطلیقات فتملک رفع َاصل العقد دفعاً للزیادة

تشریح: حضرت بریرہ جب آزاد ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم بضع کا مالک ہوگئی ہو، جس کا مطلب یہ نکلا کہ شوہر آزاد ہو تب بھی تم بضع کا مالک ہو، اور شوہر مملوک ہو تب بھی تم بضع کا مالک ہو اور تمکو شوہر کے پاس نہ رہنے کا اختیار ہے۔

وجه: صاحب ہدایہ کی پیش کردہ حدیث ان دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ عن عائشة ان رسول اللہ ﷺ قال لبریرة اذهبی فقد عتق معک بضعک / دوسری حدیث یہ ہے۔ عن عائشة قالت کان زوج بریرة مملوکا فقال لها رسول الله ﷺ لما عتقت اختاری ۔ (دار قطنی، باب النکاح، ج ثالث، ص ۲۰۳، نمبر ۳۷۱۸ / ، نمبر ۳۷۲۳) صاحب ہدایہ کی حدیث ان دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔

لغت: ینتظم فصلین: کا مطلب یہ ہے کہ شوہر آزاد ہو تب بھی اور غلام ہو تب بھی باندی کو اختیار ہے۔

ترجمه: ۳؎ امام شافعیؒ ہماری مخالفت کرتے ہیں اس بارے میں جبکہ شوہر آزاد ہو اور اس پر حجت وہ حدیث ہے جو بیان کی گئی۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ باندی کے آزاد ہوتے وقت شوہر غلام ہو تو اس کو اختیار ملے گا اور آزاد ہو تو اختیار نہیں ملے گا۔ لیکن ان پر امام ابوحنیفہؒ والی حدیث حجت ہے۔

وجه: (۱) انکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشة فی قصة بریرة قالت کان زوجها عبدا فخیر ها النبی ﷺ فاختارت نفسها ولو کان حرا لم یخیرها ۔ (ابوداؤد شریف، باب فی المملوکۃ تعتق وھی تحت حر او عبد، ص ۳۱۰، نمبر ۲۲۳۳ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الامۃ تعتق ولھا زوج، ص ۲۱۹، نمبر ۱۱۵۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر غلام ہونے کی وجہ سے اختیار دیا گیا اگر آزاد ہوتا تو اختیار نہ دیا جاتا۔

ترجمه: ۴؎ اور اس لئے کہ آزدگی کے وقت عورت پر ملک کی زیادتی ہوگی کیونکہ شوہر اس کے بعد تین طلاق کا مالک ہوگا اس لئے باندی اصل عقد کو ختم کرنے کا مالک ہوگی، اپنے اوپر زیادتی کو دفع کرنے کے لئے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے، کہ باندی دو طلاق سے مغلظہ ہو جاتی ہے لیکن جب آزاد ہوگی تو تین طلاق سے مغلظہ ہوگی تو گویا کہ وہ آزادگی کے وقت مزید ایک طلاق کا مالک بنی اب چاہے تو اس طلاق کا مالک شوہر کو بنائے یا نہ بنائے، اس لئے اس زیادتی طلاق کو دفع کرنے کے لئے اصل نکاح کو توڑنے کا حق ہوگا۔

نوٹ: اگر اس باندی سے شوہر وطی کرے تب اختیار ختم ہو جائے گا۔

وجه: (۱) کیونکہ اختیار ملنے کے بعد اس نے شوہر کو اختیار کیا تب ہی تو صحبت کرنے دیا (۲) حدیث میں ہے۔ عن عائشة

(۱۶۶۷) وكذلك المكاتبة ﴾ ۱؎ يعنى اذا تزوجت باذن مولاها ثم عتقت ۲؎ وقال زفر رحمه الله لا خيار لها لان العقد نفذ عليها برضاها وكان المهر لها فلا معنى لاثبات الخيار بخلاف الامة لانه لا يعتبر رضاها ۳؎ ولنا ان العلة ازدياد الملك وقد وجدناها فى المكاتبة لان عدتها قران وطلاقها ثنتان

قالت قال رسول الله ﷺ لبریرۃ ان وطئک فلا خیار لک ۔(ابوداؤد شریف، باب حتی متی یکون لھا الخیار، ص۳۱۱، نمبر ۲۲۳۶ / دار قطنی، کتاب النکاح، ج ثالث، ص۲۰۴، نمبر۳۷۴۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحبت کر لے تو اب اختیار باقی نہیں رہے گا۔

ترجمہ: (۱۶۶۷) اور ایسے ہی مکاتبہ کا حال ہے۔

ترجمہ: ۱؎ یعنی اگر آقا کی اجازت سے نکاح کیا ہو پھر آزاد ہوئی ہو [تو اس کو خیار عتق ملے گا]

تشریح: مکاتبہ باندی کی شادی آقا نے کرائی تھی۔ وہ مال کتابت دے کر آزاد ہوئی تو اس کو بھی خیار عتق ملے گا۔ اب چاہے تو اس کے شوہر کے پاس رہے چاہے تو نہ رہے۔ چاہے اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد ہو۔ اور اگر مکاتبہ نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تھا تو اب اس کو خیار عتق نہیں ملے گا۔

وجہ: (۱) مکاتبہ باندی بھی ہے اور آقا نے شادی کرائی ہے اس لئے آزاد ہونے کے بعد حدیث کی رو سے اس کو بھی خیار عتق ملے گا (۲)۔عن عائشة ان زوج بريرة كان حرا حين اعتقت وانها خيرت ۔(ابوداؤد شریف، باب من قال کان حرا، کتاب الطلاق، ص۳۱۱، نمبر ۲۲۳۵ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی الامۃ تعتق ولھا زوج ص۲۱۹ نمبر ۱۱۵۵ / ابن ماجہ شریف، باب خیار الامۃ اذا اعتقت ص... نمبر ۲۰۷۴) حضرت بریرہؓ خود مکاتبہ تھیں اور انکو آزادگی کے وقت خیار عتق ملا۔

ترجمہ: ۲؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ مکاتبہ کو خیار عتق ہوگا اس لئے عقد اس پر اس کی رضامندی سے نافذ ہوا ہے، اور مہر بھی مکاتبہ کے لئے ہے اس لئے اس کو خیار ثابت کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے، بخلاف باندی کے اس لئے کہ اس کی رضامندی کا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح: امام زفرؒ نے فرمایا کہ مکاتبہ کو خیار عتق نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ من وجہ آزاد ہو چکی ہے اور اس کی رضامندی سے نکاح ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ مہر اسی کو ملتا ہے اس لئے اس کو خیار عتق ثابت کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے، اس کے برخلاف باندی کو نکاح کا اختیار نہیں ہے وہ تو آقا کی مرضی سے شادی ہوئی ہے اس لئے اس کو خیار عتق ملے گا۔

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل علت ملک کی زیادتی ہے اور مکاتبہ میں یہ پایا، اس لئے کہ اس کی عدت دو حیض ہے اور اس کی طلاق دو ہے [اس لئے اس کو خیار عتق ملے گا]

(۱۶۶۸) وان تـزوجت امة بغير اذن مولاها ثم عتقت صح النكاح [لانها من اهل العبارة وامتناع النفوذ لحق المولى وقد زال] ولا خيار لها ﴾ ا لان النفوذ بعد العتق فلا تتحقق زيادة الملک كما اذا زوّجت نفسها بعد العتق (۱۶۶۹) فان كانت تزوّجت بغير اذنه علىٰ الفٍ ومهر مثلها مائة فدخل بها زوجها ثم اعتقها مولاها فالمهر للمولىٰ ﴾

تشـــريح : ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل علت یہ ہے کہ مکاتبہ اصل میں باندی ہے،اور دو طلاق سے مغلظہ ہوتی ہے اور اس کی عدت بھی دو حیض ہے،اور جب آزاد ہوگی تو مزید ایک طلاق کی زیادتی ہوگی اس لئے باندی کی طرح اس کو بھی خیار عتق ملنا چاہئے۔

تـرجمه : (۱۶۶۸) اور اگر شادی کی باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر پھر آزاد کی گئی تو نکاح صحیح رہے گا۔ [اس لئے کہ عورت اہل عبارت میں سے ہے اور نافذ ہونے کا امتناع آقا کے حق کی وجہ سے ہے اور وہ زائل ہو چکا ہے۔] اور اس کو خیار عتق نہیں ملے گا۔

تشـريح: باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کر لی۔ابھی آقا نے اجازت نہیں دی تھی کہ آزاد کر دی گئی تو باندی کو شوہر کے پاس رہنے یا نہ رہنے کا اختیار نہیں ملے گا۔اب نکاح نافذ ہو جائے گا اور شوہر کے ساتھ ہی رہنا پڑے گا۔

وجـه: یہ شادی آقا کے دباؤ سے نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ خود باندی کے اختیار سے ہوئی ہے اس لئے اس کو اختیار نہیں ملے گا۔اختیار تو اس وقت ملتا ہے جب آقا کے دباؤ سے شادی ہوئی ہو (۲) آزادگی سے پہلے نکاح آقا کی اجازت پر موقوف تھا۔نکاح نافذ نہیں ہوا تھا۔نکاح نافذ ہوا ہے آزادگی کے بعد جو باندی کے اختیار سے تھا۔جب باندی ہونے کے زمانے میں نکاح ہی نافذ نہیں ہوا ہے تو خیار عتق کیسے ملے گا؟

اصـــول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آزادگی سے پہلے نکاح نافذ ہوا ہو تو خیار عتق ملے گا۔اور آزادگی کے بعد نکاح نافذ ہوا ہو تو خیار عتق نہیں ملے گا۔

تـرجمه: ا اس لئے کہ نکاح کا نافذ ہونا آزادگی کے بعد ہوا ہے اس لئے ملک کی زیادتی متحقق نہیں ہوئی، جیسے کہ آزادگی کے بعد نکاح کرتی۔

تشـــريح : اس باندی کو خیار عتق نہیں ہے اس کی دلیل عقلی یہ ہے کہ چونکہ آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تھا اس لئے آزدگی سے پہلے اس کا نکاح ہی نافذ نہیں ہوا، بلکہ آزاد ہونے کے بعد نکاح نافذ ہوا اور اس وقت عورت تین طلاق سے مغلظہ ہوگی، اس لئے آزادگی کے بعد زیادتی ملک نہیں ہوئی اس لئے اس کو خیار عتق بھی نہیں ملے گا۔

تـرجـمه: (۱۶۶۹) اگر باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر ہزار درہم کے مہر پر نکاح کیا، حالانکہ عورت کا مہر مثل سو درہم تھا اور

۱؎ لانه استوفی منافع مملوكةً للمولیٰ (۱۶۷۰) وان لم یدخل بها حتی اعتقها فالمهر لها﴾ ۱؎ لانه استوفی منافع مملوكةً لها ۲؎ والمراد بالمهر الالفُ المسمی لان نفاذ العقد بالعتق استند الیٰ وقت وجود العقد فصحت التسمیة ووجب المسمی ولهذا لم یجب مهرٌ آخر بالوطی فی نكاحٍ موقوفٍ لان العقد قد اتحد باستناد النفاذفلا یوجب الا مهر او احدا

شوہر نے دخول کیا پھر اس کے آقا نے اس کو آزاد کیا تو مہر آقا کے لئے ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ آقا کے مملوک کے منافع کو وصول کیا۔

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ نکاح کے نافذ ہونے کا حکم تو آزادگی کے بعد میں ہوا لیکن وطی کی مجبوری کی وجہ سے اسی وقت سے نکاح ہونا قرار دیا جائے گا جس وقت نکاح ہوا تھا، ورنہ شوہر کا زنا کرنا لازم آئے گا۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس لئے وہ نکاح اس بات پر موقوف رہے گا کہ آقا اجازت دے، یا عورت آزاد ہو جائے تب جا کر نکاح ہوگا، لیکن شوہر نے باندی کے آزاد ہونے سے پہلے ہی وطی کر لی اس لئے مجبوری کے درجے میں نکاح وطی سے پہلے نافذ قرار دیا جائے گا ورنہ یہ لازم آئے گا کہ اس باندی نے زنا کیا، اور جب آزادگی سے پہلے نکاح ہوا تو وطی کر کے آقا کا بضع استعمال کیا اس لئے یہ ایک ہزار مہر بھی آقا ہی کا ہوگا اس لئے کہ اسی کا منافع استعمال کیا ہے۔

لغت: ومہر مثلہا مأۃ: یہ کہہ کر یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ بضع کا مہر مثل اگر چہ ایک سو درہم ہے، دوسرے لفظوں میں کہئے کہ بضع کی بازاری قیمت اگر چہ ایک سو ہے لیکن جب اس کی قیمت ایک ہزار طے ہوگئی تو آقا کو ایک ہزار ہی مہر ملے گا، کیونکہ اس کا بضع ایک ہزار ہی میں بکا ہے اور وہی طے ہوا ہے۔ یہ نہیں ہوگا کہ ایک سو آقا کو دیا جائے اور باقی نوسو درہم باندی کو دے دیا جائے، کیونکہ جس وقت شوہر نے بضع استعمال کیا ہے اس وقت یہ بضع آقا ہی کا تھا باندی کا گویا کہ نہیں تھا۔

ترجمہ: (۱۶۷۰) اور اگر باندی سے دخول نہیں کیا یہاں تک کہ اس کو آزاد کر دیا گیا تو مہر عورت کے لئے ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ شوہر نے ایسے منافع کو وصول کیا جو عورت کا مملوک تھا۔

تشریح: باندی کے آزاد ہونے کے بعد دخول کیا تو ہزار درہم مہر عورت کے لئے ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آقا کی اجازت کے بغیر نکاح ہوا تھا اس لئے نکاح آزاد ہونے کے بعد نافذ ہوگا، اور وطی بھی آزاد ہونے کے بعد ہوئی تو منافع بھی وصول کیا جب کہ بضع عورت کا تھا اس لئے پورا مہر بھی عورت کے لئے ہی ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ مہر سے مراد وہ ایک ہزار ہے جو متعین ہے اس لئے کہ آزادگی کی وجہ سے عقد کا نفاذ عقد کے پائے جاتے وقت کی طرف منسوب ہوگا اس لئے متعین کیا ہوا مہر صحیح ہے، اور مسمی واجب ہوگا اسی وجہ سے موقوف نکاح میں وطی کی وجہ سے دوسرا مہر واجب

(۱۶۷۱) ومن وطی امة ابنه فولدت منه فهی ام ولد له وعلیه قیمتها ولا مهر علیه ﴾ ۱؎ ومعنی المسألة ان یدعیَه الاب ۲؎ ووجهه ان له ولایة تملّک مال ابنه للحاجة الی البقاء فله تملُّک جاریته للحاجة الیٰ صیانة الماء غیر ان الحاجة الی ابقاء نسله دونها الیٰ ابقاء نفسہٖ فلهٰذا یتملّک الجاریة با لقیمة والطعام بغیر القیمة

نہیں ہوگا اس لئے کہ عقد متحد ہو گیا نفاذ کے منسوب ہونے کی وجہ سے اس لئے ایک ہی مہر واجب ہوگا

تشریح : اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نکاح بغیر اجازت کے ہوا تھا اس لئے وہ موقوف تھا اس لئے آزاد ہونے کے بعد نکاح منعقد ہوا، لیکن جس وقت سے نکاح ہوا ہے اسی وقت سے اجازت سمجھی جائے گی اور نکاح اسی وقت سے منعقد سمجھا جائے گا، اور اس وقت جو ایک ہزار مہر طے ہوا تھا وہی مہر لازم ہوگا، الگ سے کوئی دوسرا مہر لازم نہیں ہوگا، فرق صرف اتنا ہوگا کہ آزاد ہونے سے پہلے وطی کی ہو تو یہ مہر آقا کو ملے گا، اور آزاد ہونے کے بعد وطی کی ہو تو یہ منافع عورت کا ہے اس لئے یہ مہر عورت کا ہوگا۔

لغت: مسمی: وہ مہر جو نکاح کے وقت طے کیا ہو، اس کو مسمی، کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۱۶۷۱) کسی نے اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو یہ باپ کی ام ولد بن جائے گی، اور باپ پر اس کی قیمت لازم ہوگی، اور اس پر مہر نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ مسئلے کا معنی یہ ہے کہ باپ اس کا دعوی کرے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وطی کرنے سے پہلے باندی کو باپ کی ملکیت میں دے دیا جائے تا کہ زنا نہ ہو۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ باپ نے بیٹے کی باندی سے وطی کی اور اس سے بچہ بھی پیدا ہو گیا تو اس باندی کو وطی سے پہلے باپ کی ملکیت میں دے دی جائے گی اور باپ پر اس کی بازاری قیمت لازم کی جائے گی، اور باندی والد کی ام ولد بن جائے گی، اور بچہ باپ کا شمار کیا جائے گا اور وہ آزاد ہو جائے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ باپ اس بات کا دعوی کرے کہ یہ بچہ میرا ہے، اور اگر وہ دعوی نہ کرے تو باندی اس کی ام ولد نہیں بنے گی۔

ترجمہ: ۲؎ اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ کو باقی رہنے کی ضرورت کی وجہ سے بیٹے کے مال کے مالک بننے کی ولایت ہے اس لئے پانی [منی] کے بچانے کی وجہ سے اس کی باندی کے مالک بننے کی ولایت ہوگی، یہ اور بات ہے کہ ذات کے باقی رکھنے کی بنسبت نسل کو باقی رکھنے کی ضرورت کم ہے، اس لئے باندی کا مالک قیمت کے ذریعہ ہوگا اور کھانے کا مالک بغیر قیمت کے ہوگا۔

تشریح : باپ کو کھانے کی شدید ضرورت پڑ جائے اور انکے پاس مال نہ ہو تو زندگی باقی رکھنے کے لئے بغیر اجازت کے بھی اولاد کا مال استعمال کر سکتا ہے، اسی طرح شدید ضرورت پڑ جائے تو اس کی باندی کو بھی استعمال کر سکتا ہے، البتہ زندگی کو باقی رکھنا اشد ہے

۳ ثم هٰذا الملک یثبت قبل الاستیلاد شرطاً له اذا لمصحح حقیقةُالملک او حقُّه وکل ذٰلک غیر ثابت للاب فیها حتی یجوز له التزوّج بها فلا بد من تقدیمه فتبین ان الوطی یلاقی ملکه فلا یلزمه العقر ۴ وقال زفر رحمهما اللّه یجب المهر لانهما یُثبتان الملک حکما للاستیلادِ کما فی الجاریة المشترکة وحکم الشئی یعقبه

اس لئے بغیر قیمت کے بھی اولاد کے مال کا مالک بنے گا، اور نسل کو باقی رکھنا اتنا اہم نہیں ہے اس لئے باندی کی قیمت دینی ہوگی، اور وطی سے پہلے ہی باپ کی ملکیت ہوجائے گی تاکہ زنا کا ارتکاب نہ ہو، اور جب وطی سے پہلے ہی باندی باپ کی ہوگئی تو اس سے بچہ ہوگا وہ آزاد ہوگا اور باندی اس کی ام ولد بن جائے گی۔

وجه : اس حدیث میں ہے کہ باپ بیٹے کا مال استعمال کرسکتا ہے ۔ عن عمر ابن شعیب عن ابیه عن جده ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال یا رسول الله !ان لی مالا و ولدا و ان والدی یحتاج مالی قال انت و مالک لوالدک، ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوا من کسب اولادکم ۔(ابوداود شریف، باب الرجل یأ کل من مال والده، ص ۵۰۸، نمبر ۳۵۳۰) اس حدیث میں ہے کہ اولاد کے مال میں سے کھاؤ، کیونکہ وہ بھی کسب میں سے ہے۔

ترجمه : ۳ پھر یہ ملک بچہ پیدا کرنے سے پہلے شرط کے طور پر ثابت کی جائے اس لئے کہ ام ولد کو صحیح کرنا حقیقت ملک پر ہے، یا حقیقت کے ملک کے حق پر ہے اور باپ کے لئے یہ دونوں ثابت نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ باپ کا اس باندی سے نکاح کرنا جائز ہے اس لئے اس کا مقدم ہونا ضروری ہے، پس ظاہر ہوا کہ وطی ملک کے اندر ہے، اس لئے باپ کو عقر لازم نہیں ہوگا۔

تشریح : باندی کے ساتھ باپ کے وطی کرنے سے پہلے باپ کی ملکیت ثابت کرنا شرط ہے، کیونکہ ام ولد اس وقت بنتی ہے جبکہ وطی سے پہلے اس پر حقیقی ملک ہو، یا ملک کا حق ہو، جیسے مکاتب کی باندی پر حقیقی ملک نہیں ہوتی ہے، لیکن مالک بننے کا حق ضرور ہوتا ہے کہ مکاتب کتابت سے انکار کر جائے تو اس کی باندی پر آقا کی ملکیت ہوجائے گی، اور یہاں بیٹے کی باندی پر نہ حقیقی ملک ہے اور نہ ملک بننے کا حق ہے، یہی وجہ ہے کہ باپ اس باندی سے نکاح کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، چونکہ کسی قسم کی ملکیت نہیں ہے اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ وطی کرنے سے پہلے باپ اس باندی کا مالک بن گیا، پھر وطی کیا، اور یہ باندی ام ولد بنی۔ اور جب اپنی باندی سے وطی کیا تو باپ پر عقر لازم نہیں ہوگا۔ ۔عقر: غیر کی ملک میں وطی کرنے کی قیمت کو عقر کہتے ہیں۔

ترجمه : ۴ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مہر واجب ہوگا اس لئے کہ وہ حضرات ملک کو استیلاد کا حکم مان کر ثابت کرتے ہیں، جیسا کہ مشترکہ باندی میں، اور کسی چیز کا حکم اس چیز کے بعد آتی ہے۔

تشریح : امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں باپ پر مہر لازم ہوگا۔

۵؎ والمسألة معروفة (۱۶۷۲) قال ولو كان الابن زوجها اباه فولدت لم تصر امّ ولدٍ له ولا قيمة عليه وعليه المهر وولدها حرٌّ ﴾ ۱؎ لانه صح التزوج عندنا ۲؎ خلافاً للشافعیؒ

وجہ : اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ پہلے باپ کی ملکیت نہیں تھی، یہ توام ولد کا حکم مان کر اس کی ملکیت قرار دیتے ہیں، اور جب ام ولد مان لیا اور پھر ملکیت ہوئی تو وطی بیٹے کی ملکیت میں ہوئی باپ کی ملکیت میں نہیں ہوئی اس لئے بیٹے کو باندی کا مہر ملے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ زید اور عمر کے درمیان باندی مشترک تھی، پھر زید نے اس سے وطی کر کے بچہ پیدا کر لیا اور بچے کا دعوی بھی کیا تو بعد میں اس کی پوری ملکیت کر دی جائے گی اور یہ باندی اس کی ام ولد بن جائے گی، لیکن جب وطی کر رہا تھا تو اس کی ملکیت آدھی تھی اور آدھی ملکیت عمر کی تھی اس لئے آدھا مہر عمر کو دینا ہوگا، اور یہاں وطی کے وقت پوری ملکیت بیٹے کی تھی اس لئے پورا مہر بیٹے کے حوالے کرنا ہوگا۔

ترجمہ: ۵؎ اور مسئلہ مشہور ہے۔

تشریح : جامع صغیر وغیرہ میں یہ مسئلہ مشہور ہے کہ، حدیث کی بنا پر چونکہ بیٹے کی چیز کسی نہ کسی حیثیت سے باپ کی ملکیت ہے اس لئے چاہے قیمت ہی سے صحیح وطی سے پہلے باپ کی ملکیت ثابت کی جائے گی تا کہ زنا کا ارتکاب نہ ہو اور بچہ غلام نہ بن جائے۔ اور امام زفر اور امام شافعیؒ کے نزدیک بچہ پیدا ہو چکا ہے اس مجبوری سے بعد میں باپ کی ملکیت ثابت کرتے ہیں۔

ترجمہ: (۱۶۷۲) اگر بیٹے نے اپنی باندی کا نکاح باپ سے کرا دیا اور اس نے بچہ دیا تو وہ اس کی ام ولد نہیں بنے گی اور نہ باپ پر باندی کی قیمت ہوگی، اور باپ پر مہر ہوگا، اور اس کا بچہ آزاد ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ نکاح صحیح ہے۔

تشریح : بیٹے کی باندی حقیقت میں باپ کی ملکیت نہیں ہے بلکہ خالص بیٹے کی ملکیت ہے اس لئے اگر بیٹے نے باپ سے نکاح کرا دیا تو یہ نکاح صحیح ہے، اس لئے یہ باندی اس کی ام ولد نہیں بنے گی، اور باپ پر باندی کی قیمت بھی لازم نہیں ہوگی، بلکہ اس کا مہر لازم ہوگا اس لئے کہ بیوی ہونے کی حیثیت سے وطی کیا ہے، البتہ جو بچہ پیدا ہوا وہ آزاد ہوگا کیونکہ وہ اپنے بھائی کا مملوک بنا ہے اور کوئی ذی رحم محرم کا مالک بنا تو وہ آزاد ہو جاتا ہے، اس لئے یہ بچہ آزاد ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ برخلاف امام شافعیؒ کے۔

تشریح : امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ بیٹے کی باندی سے نکاح صحیح نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ باپ کسی نہ کسی درجے میں اس باندی کا مالک ہے اور جب مالک ہے تو اس سے نکاح درست نہیں ہے، کیونکہ مملوک سے نکاح درست نہیں ہے۔

۳؎ لخلوها عن ملک الاب الا یری ان الابن ملکها من کلّ وجه فمن المحال ان یملکها الاب من وجهٍ وکذا یملک من التصرفات مالا یبقی معها ملکُ الاب لو کان فدلّ ذٰلک علیٰ انتفاء ملکه الاانه یسقط الحد للشبهة ۴؎ فاذاجازالنکاح صارماؤه مصونا به فلم یثبت ملک الیمین فلا تصیر ام ولد له ولاقیمة علیه فیها ولا فی ولد ها لانه لم یملکهما وعلیه المهر لالتزامه بالنکاح وولدها حر لانه ملکه اخوه فعتق علیه بالقرابة

ترجمه: ۳؎ اس لئے کہ باندی باپ کی ملکیت سے خالی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ بیٹا اس کا پورے طور پر مالک ہے تو محال ہے کہ باپ بھی من وجہ مالک بنے، ایسے ہی بیٹا ایسے تصرفات کا مالک ہے جس کے ہوتے ہوئے باپ کی ملکیت باقی نہیں رہ سکتی اگر ہو بھی، یہ دلالت کرتا ہے باپ کی ملکیت کے انتفاء پر، مگر یہ کہ شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہوگئی۔

تشریح: حنفیہ کے یہاں باپ سے نکاح صحیح ہونے کی دلیل عقلی ہے، بیٹے کی باندی سے نکاح اس لئے درست ہے کہ اس پر باپ کی ملکیت نہیں ہے، (۱) کیونکہ بیٹے کی ملکیت پورے طور پر ہے اس لئے باپ کی ملکیت من وجہ بھی نہیں ہوسکتی (۲) بیٹا اس باندی میں ایسے تصرفات کرسکتا ہے کہ باپ کی ملکیت ہو بھی تو باقی نہیں رہ سکتی، مثلا وہ بغیر باپ کی اجازت کے باندی کو بیچ سکتا ہے، رہن پر رکھ سکتا، ہبہ کرسکتا ہے، آزاد کرسکتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی اعتبار سے باپ کی ملکیت اس پر نہیں ہے اس لئے نکاح بھی کر سکتا ہے، البتہ ملکیت نہ ہونے کے باوجود بھی وطی سے حد اس لئے لازم نہیں ہوگی کہ بیٹے کے مال میں ملکیت کا شبہ ہے، اور حد شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے، اس لئے حد ساقط ہو جائے گی، یوں بھی باپ کے احترام میں حد لازم نہیں ہونی چاہئے۔

ترجمه: ۴؎ پس جب نکاح جائز ہوگیا تو اس کا نطفہ اس سے محفوظ ہوگیا اس لئے باپ کے لئے ملک یمین ثابت نہیں ہوگی، اور وہ ام ولد بھی نہیں بنے گی، اور نہ باپ پر باندی کی قیمت ہوگی، اور نہ اس کے بچے کی قیمت ہوگی اس لئے کہ باپ ان دونوں کا مالک نہیں بنا، اور باپ پر مہر لازم ہوگا نکاح کے ذریعہ لازم کرنے کی وجہ سے، اور اس کا بچہ آزاد ہوگا اس لئے کہ اس کا بھائی مالک ہوا، اس لئے قرابت کی وجہ سے بھائی پر آزاد ہو جائے گا۔

تشریح: بیٹے کے نکاح کرانے کی وجہ سے باندی کے ساتھ باپ کا نکاح صحیح ہوگیا، اس لئے اب شارح چھ مسئلے متفرع کر رہے ہیں [۱] نکاح کے ذریعہ باپ کا نطفہ محفوظ ہوگیا اس لئے اب باپ کے لئے ملک یمین ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ [۲] باندی اب باپ کی ام ولد نہیں بنے گی [۳] چونکہ باپ کی باندی نہیں بنی اس لئے باپ پر اس کی قیمت لازم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ [۴] اور بچے کی قیمت بھی لازم نہیں ہوگی کیونکہ باپ بچے کا مالک نہیں بنا، یہ تو بھائی کی ملکیت میں ہے [۵] چونکہ باپ نے نکاح کیا ہے اس لئے باپ پر مہر لازم ہوگا [٦] بھائی اس بچے کا مالک بنا اس لئے قرابت کی وجہ سے بچہ آزاد ہو جائے گا۔

(۱۶۷۳) قال واذا كانت الحرة تحت عبد فقالت لمولاه اعتقه عنى بالف ففعل فسدالنكاح ﴿۱﴾ وقال زفررحمه الله لايفسد ﴿۲﴾ واصله انه يقع العتق عن الأمر عند نا حتى يكون الولاء له ولونوى به الكفارة يخرج عن عهدتها

ترجمہ: (۱۶۷۳) اگرآزادعورت غلام کی بیوی ہوپس بیوی نے غلام کے آقا سے کہا کہ ,کہ میری جانب سے ہزار کے بدلے میں اس کوآزادکردو،اورآقانے ایسا کیاتو نکاح ٹوٹ جائے گا۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بیوی شوہر کا مالک بن گئی تو نکاح ٹوٹ جائے گا،اس لئے کہ مالک اور مملوک کے درمیان نکاح نہیں ہوتا،اور بیوی مالک نہیں بنی تو نکاح نہیں ٹوٹے گا۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ آزادعورت غلام کی بیوی تھی،بیوی نے غلام کے آقا سے کہا کہ میری جانب سے ہزار کے بدلے اس کوآزادکردو،اورآقانے آزادکردیا تو عورت کا نکاح فاسد ہوجائے گا عورت کو اس سے دوبارہ نکاح کرنا چاہئے۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ آقا سے بیوی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ غلام کو ہزار درہم کے بدلے میں بیچیں اور میرے مالک ہونے کے بعد میری جانب سے آپ آزادکردیں،اورآقانے آزادکردیا تو یہ آزاد ہونا بیوی کی جانب سے ہوااور بیوی سیدہ بن گئی،اور جب بیوی مالک بن گئی تو اس کا نکاح فاسد ہوجائے گا۔(۲) اس اثر میں ہے کہ اپنے غلام سے نکاح درست نہیں۔ (۲) اثر میں ہے **ان عمر بن الخطاب اتى بامرأة قد تزوجت عبدها فعاقبها وفرق بينها و بين عبدها وحرم عليها الازواج عقوبة لها.** (سنن للبیہقی،باب النکاح وملک الیمین لایجتمعان ج سابع،ص۲۰۶،نمبر۱۳۷۳۶)اس اثر میں ہے کہ سیدہ کا نکاح غلام سے جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ﴿۱﴾ امام زفرؒ نے فرمایا کہ نکاح فاسد نہیں ہوگا۔

تشریح : امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ نکاح فاسد نہیں ہوگا،اس کی وجہ یہ ہے کہ انکے یہاں بیوی کی جانب سے آزاد نہیں ہوگا بلکہ آقا کی جانب سے آزاد ہوگا،توچونکہ بیوی شوہر کا مالک ہی نہیں بنی اس لئے نکاح بھی فاسد نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ﴿۲﴾ اس کی اصل یہ ہے کہ،ہمارے نزدیک آزادی حکم کرنے والی کی جانب سے واقع ہوگی یہاں تک کہ ولاء بھی بیوی ہی کو ملے گا،اوراگرآزداکرنے سے کفارے کی نیت کی تو اپنے عہدے سے نکل جائے گی۔

تشریح : یہاں حنفیہ کا قاعدہ بتارہے ہیں کہ آزدی حکم دینے والی یعنی بیوی کی جانب سے واقع ہوگی،اوراس غلام کا ولاء بھی اسی کو ملے گی،اوراگراس نے اس حکم دینے سے کفارے کی نیت کی تو کفارہ بھی ادا ہوجائے گا،اور کفارہ دینے کے عہدے سے نکل جائے گی۔

۳؎ وعنده يقع عن المامور لانه طلب ان يعتق المامور عبده عنه وهٰذا محال لانه لاعتق فيما لايملكه ابن اٰدم فلم يصح الطب فيقع العتق عن المامور ۴؎ ولنا انه امكن تصحيحه بتقديم الملک بطريق الاقتضاء اذا الملک شرطٌ لصحة العتق عنه فيصير قوله اعتق طلب التمليک منه بالالف ثم امره باعتاق عبد الأمر عنه وقوله اعتقت تمليكا منه ثم الاعتاق عنه و اذاثبت الملک للاٰمر فسد النكاح للتنافى بين الملكين (۱۶۷۴) ولو قالت اعتقه عنّى ولم تسم مالالم يفسد النكاح و الولاء للمعتق

ترجمہ: ۳؎ اورامام زفرؒ کے نزدیک آزادی مأمور کی جانب سے واقع ہوگی اس لئے کہ بیوی نے مطالبہ کیا کہ مأمور اپنا غلام میری جانب سے آزاد کرے اور یہ محال ہے اس لئے کہ ابن آدم جس کا مالک نہیں اس کو آزاد نہیں کرسکتا اس لئے اس سے آزادی کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے آزدی مأمور ہی کی جانب سے واقع ہوگی۔

تشریح: امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ بیوی نے جب کہا کہ اس کو میری جانب سے ہزار کے بدلے آزاد کردو، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھسے غلام بیچو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنا غلام میری جانب سے آزاد کرو اور کوئی آدمی دوسرے کے غلام کو اپنی جانب سے آزاد کرنے کا مطالبہ نہیں کرسکتا، اس لئے مأمور کی جانب سے آزدی واقع ہوگی، اور جب مأمور کی جانب سے آزادی ہوئی تو بیوی اس کا مالک نہیں ہوئی اس لئے نکاح بھی نہیں ٹوٹے گا۔

ترجمہ: ۴؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کے جملے کی تصحیح ممکن ہے بطور اقتضا کے ملک مقدم کرکے، اس لئے کہ آزادی کے صحیح ہونے کے لئے ملک ضروری ہے اس لئے بیوی کا قول ,اعتق، ہزار کے بدلے میں آقا سے ملک طلب کرنا ہے پھر آمر نے اپنی جانب سے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا، اور آقا کا قول ,اعتقت، کا مطلب ہے کہ بیوی کو مالک بنایا پھر بیوی کی جانب سے آزاد کیا، اور جب آمر کی ملک ثابت ہوگئی تو نکاح فاسد ہوجائے گا، مالک اور مملوک کے درمیان تنافی کی وجہ سے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ بیوی کے قول کی تصحیح ہوسکتی ہے، وہ اس طرح کہ آزادی کے لئے بیوی کی ملک شرط ہے اس لئے اقتضاء یہ ثابت کیا جائے، اس طرح کہ اس کا قول ,اعتق، کا مطلب یہ ہے کہ تم پہلے ہزار کے بدلے میں غلام کو بیچو اور مجھے مالک بناؤ، پھر میری جانب سے اس کو آزاد کرو، اور بعد میں آقا کا قول ,اعتقت، کا مطلب یہ ہے کہ آقا نے یہ کہا کہ میں تمکو غلام کا مالک بناتا ہوں اور تمہاری جانب سے اس کو آزاد کرتا ہوں۔ اس صورت میں بیوی شوہر کا مالک بنی اس لئے نکاح فاسد ہوجائے گا، کیونکہ مالک اور مملوک کے درمیان نکاح نہیں ہوسکتا ہے، ملک نکاح کے منافی ہے۔ اور اگر, ہزار کے بدلے میں، کا لفظ نہیں بولتی تو بیچنا نہیں ہوتا، اور خود آقا کی جانب سے آزاد ہوجاتا، اور نکاح فاسد نہیں ہوتا کیونکہ بیوی شوہر کا مالک نہیں بنی۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: (۱۶۷۴) اور اگر بیوی نے کہا کہ اس کو میری جانب سے آزاد کردیجئے اور مال کا نام نہیں لیا تو نکاح فاسد نہیں ہوگا اور

۱؎ وھذا عند ابی حنیفةومحمد رحمهماالله ۲؎وقال ابویوسف رحمه الله ھٰذاوالاول سواء لانه یقدّم التملیک بغیر عوض تصحیحا لتصرفه ویسقط اعتبارالقبض کمااذاکان علیه کفارةظهارفامر غیره ان یطعم عنه ۳؎ ولهما ان الهبةمن شرطها القبض بالنص فلایمکن اسقاطه ولا اثباته اقتضاء لانه فعل حسی بخلاف البیع لانه تصرف شرعی

ولاء آزاد کرنے والے کو ملے گا۔

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح : اس مسئلے میں ہزار کے بدلے آزاد کریں اس کا ذکر نہیں ہے، اس لئے بیوی کے ہاتھ میں پہلے بیچیں یہ نہیں ہوگا اس لئے بیوی شوہر کا مالک بھی نہیں بنے گی، اور نکاح بھی فاسد نہیں ہوگا اور جس کا غلام تھا اسی کی جانب سے آزاد ہوگا اور ولا بھی اسی کو ملے گا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ اور پہلی عبارت برابر ہیں اس لئے کہ بغیر عوض کے ملکیت مقدم کی جائے گی بیوی کے تصرف کو صحیح کرنے کے لئے اور قبضے کا اعتبار ساقط ہو جائے گا، جیسے اس کے اوپر کفارہ ظہار ہو اور دوسرے کو حکم دے کہ اس کی جانب سے کھلائے [تو کھلانا درست ہو جائے گا]

تشریح : امام ابو یوسفؒ کے یہاں پہلے متن کی عبارت اور اس متن کی عبارت مالک ہونے میں دونوں برابر ہیں، البتہ پہلے میں ہزار کے بدلے میں تھا اس لئے ملکیت خرید کر ہوگی، اور اس عبارت میں ہزار کے بدلے میں نہیں ہے اس لئے، بیوی آقا سے کہہ رہی ہے کہ بغیر قیمت کے ہبہ کر کے آپ مجھے مالک بنائیں، پھر میری جانب سے شوہر کو آزاد کریں، اس لئے اس صورت میں بھی بیوی شوہر کا مالک ہوگی اور نکاح فاسد ہو جائے گا، اور ولاء بیوی کو ملے گا، باقی رہا کہ ہبہ میں مالک ہونے کے لئے غلام پر قبضہ کرنا شرط ہے تو اس کا جواب دیا کہ مجبوری کے موقع پر قبضہ کرنا ساقط ہو جائے گا اور بغیر قبضے کے بھی بیوی مالک ہو جائے گی، جس طرح کسی پر کفارہ ظہار ہو اور وہ دوسرے کو حکم دے کی میری جانب سے کھانا کھلا دیں اور وہ کھلا دے تو کھانے پر قبضہ کے بغیر بھی کفارہ ادا ہو جائے گا، اسی طرح یہاں قبضہ کے بغیر بھی عورت مالک ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۳؎ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حدیث کی بنا پر ہبہ پر قبضہ کرنا شرط ہے اس لئے اس کو ساقط کرنا ممکن نہیں ہے اور اقتضاء اس کو ثابت کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ وہ حسی فعل ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر ہبہ قرار دیا جائے تو غلام پر بیوی کا قبضہ حدیث کی بنا پر شرط ہے اور وہ ہوا نہیں اس لئے ہبہ بھی نہیں ہوا اس لئے عورت مالک نہیں ہوئی، اور قبضہ کو بطور اقتضاء کے بھی ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ یہ حسی فعل

۱۶ وفی تلک المسالۃ الفقیر ینوب عن الآمر فی القبض امّا العبد فلایقع فی یدہ شئی لینوب عنہ

ہے، معنوی فعل نہیں ہے۔

وجہ : ہبہ کے لئے قبضہ شرط اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابی موسی اشعری قال قال عمر بن الخطاب الانحال میراث مالم یقبض وعن عثمان وابن عمر وابن عباس قالوا لا تجوز صدقۃ حتی تقبض وعن معاذ بن جبل وشریح انھما کانا لا یجیز انھا حتی تقبض. (سنن للبیھقی، باب شرط القبض فی الھبۃ، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۹۵۱) اس اثر میں ہے کہ ہبہ کے لئے قبضہ شرط ہے۔

ترجمہ: ۱۵ بخلاف بیع کے اس لئے کہ وہ شرعی تصرف ہے۔

تشــریح : اوپر اعتقہ عنی بالف، میں اقتضاء کے طور پر بیع قرار دے دی گئی، کیونکہ بیع صرف ایجاب اور قبول کا نام ہے جو شرعی تصرف ہے اس میں قبضہ کرنا شرط نہیں ہے جو حسی فعل ہے اس لئے اوپر بیع ہو جائے گی، اور شوہر پر بیوی کی ملکیت بھی ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱۶ اور اس مسئلے میں فقیر قبضہ کرنے میں حکم دینے والے کی جانب سے نائب بنتا ہے، بہر حال غلام تو اس کے ہاتھ میں کوئی چیز واقع نہیں ہوئی کہ وہ اس کا نائب بنے۔

تشریح : یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے انہوں نے استدلال کیا تھا کہ کفارہ ظہار میں قبضہ کے بغیر کفارہ ادا ہو جاتا ہے، اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ جس پر کفارہ لازم ہوتا ہے اس کی جانب سے فقیر نائب بن کر کھانے پر قبضہ کرتا ہے، جیسے اللہ کی جانب سے فقیر زکوۃ قبضہ کرتا ہے اس لئے یہاں ظہار میں قبضہ ہو گیا، اور یہاں غلام کے ہاتھ میں کوئی چیز واقع نہیں ہوئی اس لئے وہ بیوی کی جانب سے قبضہ کرنے میں نائب نہیں بن سکتا، اس لئے نہ ہبہ ہوا اور نہ بیوی مالک بنی، اور نہ نکاح ٹوٹا۔

Settings\Administrator.USER\My Documents\3) JPEG CLIPART\DAFDIL.JPEG.jpg not found.

﴿باب نكاح اهل الشرك﴾

(۱۶۷۵) واذا تزوج الكافر بغير شهود او في عدة كافر وذلك في دينهم جائز ثم اسلما اقرّا عليه﴾ ۱؎ وهذا عند ابي حنيفةؒ ۲؎ وقال زفرؒ النكاح فاسد في الوجهين الا انه لايتعرض لهم قبل الاسلام والمرافعة الى الحكام وقال ابويوسف ومحمد رحمهما الله في الوجه الاول كما قال ابوحنيفةؒ وفي الوجه الثاني كما قال زفر رحمه الله

﴿باب نكاح اهل الشرك﴾

ترجمه : (۱۶۷۵) اگر کافر نے بغیر گواہ کے نکاح کیا یا کافر کی عدت میں نکاح کیا اور یہ اس کے دین میں جائز ہو، پھر دونوں نے اسلام لایا تو دونوں کو نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔

ترجمه: ۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح: کافر نے بغیر گواہ کے نکاح کیا اور یہ اس کے دین میں جائز ہو۔اسی طرح دوسرے کافر کی عدت گزار رہی تھی اسی حالت مین شادی کر لی اور یہ اس کے دین میں جائز ہو۔پھر دونوں مسلمان ہو جائے تو نکاح برقرار رکھا جائے گا توڑا نہیں جائے گا۔

وجه : (۱) لاکھوں کافروں کی شادی ان کے دین کے مطابق ہوئی اور جب دونوں مسلمان ہوئے تو پہلے کسی طرح بھی شادی ہوئی ہو اس کو برقرار رکھتے ہیں دوبارہ نکاح پڑھانے کی ضرورت نہیں پڑتی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔وقال وهب الاسدی قال اسلمت وعندی ثمان نسوة قال فذكرت ذلك للنبي ﷺ فقال النبي ﷺ اختر منهن اربعا (ابوداؤد شریف، باب فی من اسلم وعندہ نساء اکثر من اربع او اختان ص ۳۱۱ نمبر ۲۲۴۱ رترمذی شریف، باب ما جاء فی الرجل یسلم وعندہ عشر نسوۃ ص ۲۱۴ نمبر ۱۱۲۸) اس حدیث میں کفر کی حالت میں جو شادی ہوئی تھی اس کو برقرار رکھا۔اور چار عورتوں سے زیادہ کی شادی جو حرام تھی اس کو رد فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ حالت کفر کی شادی بحال رکھی جائے گی (۳) اس اثر میں ہے۔قلت لعطاء، ابلغك ان رسول الله ﷺ ترك اهل الجاهلية على ما كانوا عليه من نكاح او طلاق ؟ قال نعم (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۱۹ فی الطلاق فی الشرک من راہ جائزا، ج رابع، ص ۱۸۳، نمبر ۱۹۰۸۹) اس اثر میں ہے کہ زمانہ جاہلیت کا نکاح برقرار رکھا جائے گا۔

ترجمه: ۲؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ نکاح دونوں صورتوں میں فاسد ہے، لیکن اسلام لانے اور قاضی کی طرف لیجانے سے پہلے اس کو چھیڑا نہیں جائے گا۔اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ پہلی شکل میں ایسے ہی فرماتے ہیں جیسے کے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں، اور دوسری شکل میں امام زفرؒ کی طرح فرماتے ہیں۔

تشریح : امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ بغیر گواہ کے نکاح کیا تب بھی نکاح فاسد ہوگا، اور دوسرے کی عدت میں نکاح کیا تب بھی نکاح

۳؎ لـه ان الـخـطـا بـات عامة علی مامر من قبل فتلزمهم وانما لایتعرض لهم لذمتهم اعراضالاتقریرا واذا ترافعوا او اسلموا والحرمة قائمة وجب التفریق ۴؎ ولهما ان حرمة نکاح المعتدة مجمع علیها فکانوا ملتزمین لها وحرمة النکاح بغیر شهود مختلف فیه ولم یلتزموا احکامنا بجمیع الاختلافات ۵؎ ولابی حنیفةؒ ان الحرمة لایمکن اثباتها حقاً للشرع لانهم لایخاطبون بحقوقه ولا وجه الی

فاسد ہوگا، لیکن جب تک کافر مسلمان نہیں ہوا اور دار القضاء میں نہیں آیا تب تک اس کو کچھ نہیں کہا جائے گا، لیکن جب دار القضاء میں آیا تو اسلام کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اور حضرت صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ پہلی شکل یعنی بغیر گواہ کے نکاح کیا تو نکاح جائز ہے، اور دوسری شکل یعنی دوسرے کی عدت میں شادی کی تو نکاح فاسد ہوگا، جو امام زفرؒ کا قول ہے۔

ترجمہ: ۳؎ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا خطاب عام ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا اس لئے کافروں کو بھی یہ حکم لازم ہے البتہ ذمی ہونے کی وجہ سے اس کو چھیڑا نہیں جائے گا اعراض کرتے ہوئے اس کو ثابت کرتے ہوئے نہیں، لیکن جب مرافعہ کیا اور اسلام لائے اور حرمت قائم ہے تو تفریق واجب ہے۔

تشریح : امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اسلام کا خطاب عام ہے اس لئے کفار کو بھی اس کے احکام لازم ہیں، لیکن وہ ہمارے ذمی ہیں اس لئے جب تک اسلام نہ لائے اور دار القضاء میں مرافعہ نہ کرے ہم اس کو نہیں چھیڑیں گے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو ہم ثابت رکھنا چاہتے ہیں بلکہ صرف اعراض کے لئے ایسا کرتے ہیں، لیکن جب مرافعہ کیا اور حرمت بھی قائم ہے تو تفریق کرادی جائے گی۔

لغت: ترافعوا: کسی کیس یا مقدمے کو فیصلے کے لئے حاکم کے پاس لیجانے کو مرافعہ کہتے ہیں، اور اردو میں مرافعہ استعمال ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۴؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدت گزارنے والی عورت کے نکاح کی حرمت متفق علیہ ہے اس لئے کافر پر بھی یہ لازم ہوگا، اور بغیر گواہ کے نکاح کی حرمت مختلف فیہ ہے اور کافر نے تمام اختلافات کے ساتھ ہمارے احکام کو لازم نہیں کیا ہے [اس لئے ان کا نکاح جائز ہے]

تشریح : صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تمام اماموں کے یہاں عدت میں نکاح کرنا ناجائز ہے اس لئے یہ حکم کافر کو بھی لازم ہوگا، اور بغیر گواہ کے نکاح کرنا بعض ائمہ کے یہاں جائز ہے اور بعض کے یہاں جائز نہیں ہے، تو چونکہ اس میں اختلاف ہے اور کفار نے تمام اختلافات کے ساتھ احکام لازم کرنے کا التزام نہیں کیا ہے اس لئے یہ نکاح جائز رہے گا، کم سے کم کچھ امام کے نزدیک تو جائز ہے۔

ترجمہ: ۵؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریعت کے حق کی وجہ سے حرمت ثابت کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ کافر اس کے حقوق

ایجاب العدة حقاً للزوج لانه لایعتقده بخلاف ما اذا کانت تحت مسلم لانه یعتقده واذا صح النکاح فحالة المرافعة والاسلام حالة البقاء والشهادة لیست شرطا فیها وکذا العدة لاتنافیها کالمنکوحة اذا وطئت بشبهة (۱۶۷۶) فاذا تزوج المجوسی امه او ابنته ثم اسلما فرق بینهما﴾

کے مخاطب نہیں ہے اور نہیں ہے عدت کا واجب کرنا شوہر کے حق کے لئے اس لئے کہ کافر شوہر کے حق کا اعتقاد نہیں رکھتے ، بخلاف جبکہ عورت مسلمان کے تحت میں ہو اس لئے کہ مرد عدت کا اعتقاد رکھتا ہے، اور جبکہ کفر کی حالت میں نکاح صحیح ہے تو مرافعہ اور اسلام کی حالت بقاء کی حالت ہے، اور شہادت بقاء کی حالت میں شرط نہیں ہے، ایسے ہی بقاء کی حالت کے منافی نہیں ہے، جیسے کہ منکوحہ شبہ سے وطی کر لی جائے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کفر کی حالت میں یہ شرط لگائے کہ دوسرے کی عدت میں شادی نہ کرے، یہ اگر شریعت کے حق کی وجہ سے ہو تو ممکن نہیں کیونکہ کافر اس کا مخاطب نہیں ہے، اور شوہر کے حق کی وجہ سے ہو تو بھی ممکن نہیں کیونکہ وہ شوہر کے لئے عدت کا اعتقاد نہیں رکھتے ، اور کفر کی حالت میں جب نکاح درست ہو گیا کیونکہ وہ اس کی شریعت میں جائز تھا تو اب نکاح کے بقاء کی حالت ہے اور اس وقت وہ اسلام لائے ہیں اور دار القضاء میں مرافعہ کیا ہے تو بقاء کی حالت میں شہادت کی ضرورت نہیں، کیونکہ لوگ نکاح کی زندگی گزارتے ہیں اور گواہ مر چکے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح عدت بھی حالت بقاء میں منافی نہیں ہے، مثلا عورت نے یہ سمجھا کہ شوہر مر گیا ہے اور اس نے نکاح کر لیا اور وطی بھی ہو گئی، [جسکو بالشبہ کہتے ہیں] بعد میں پہلا شوہر آ گیا تو پہلا نکاح باقی ہے کیونکہ شوہر مرا نہیں تھا، اور دوسرے شوہر کی عدت گزارنی ہوگی، تو دیکھئے نکاح کے بقاء کی حالت میں عدت واجب ہوئی، تو معلوم ہوا کہ نکاح کے بقاء کی حالت میں عدت منافی نہیں ہے، اس لئے کافر کا نکاح اب بقاء کی حالت میں ہے اس لئے وہ درست رہے گا، تفریق نہیں کرائی جائے گی۔

اصول : حرمت کی دو قسمیں ہیں [۱] ایسی حرمت جو نکاح باقی رہتے ہوئے ناجائز ہو، مثلا کفر کی حالت میں بہن سے نکاح کر لینا، یا پانچ عورت سے نکاح کر لینا، تو اسلام کے بعد اس کی تفریق کرائی جائے گی [۲] ایسی حرمت جو بقاء کی حالت میں ناجائز نہ ہو، جیسے بغیر گواہ کے نکاح کرنا، یا دوسرے کی عدت میں نکاح کرنا، اسلام کے بعد اس کی تفریق نہیں کرائی جائے گی۔

ترجمہ: (۱۶۷۶) اگر مجوسی نے اپنی ماں یا بیٹی سے شادی کی پھر دونوں اسلام لائے تو دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی۔

وجہ : (۱) اصول گزر چکا ہے کہ کوئی ایسا کام کرے کہ اسلام لانے کے بعد اس پر بحال رکھنا حرام ہو تو تفریق کر دی جائے گی۔ اب ماں اور بیٹی سے شادی کرنا حرام ہے۔ اس لئے اسلام لانے کے بعد تفریق کر دی جائے گی۔ البتہ اسلام لانے سے پہلے ذمیت کی وجہ سے اس کو چھیڑنے کے مجاز نہیں ہیں۔ لیکن اسلام لانے کے بعد اسلام کے احکام پر چلنا ضروری ہے اس لئے تفریق کی

۱ لان نكاح المحارم له حكم البطلان فيما بينهم عندهما كما ذكرنا فى المعتدة ووجب التعرض بالاسلام فيفرق ۲ وعنده له حكم الصحة فى الصحيح الا ان المحرمية تنافى بقاء النكاح فيفرق بخلاف العدة لانها لا تنافيه

جائے گی (۲) اوپر کی حدیث میں صحابی کے پاس آٹھ بیویاں تھیں جو بہر حال حرام تھیں تو ان میں سے چار کو علیحدہ کرنے کا حکم دیا اور چار کا رکھنا جائز تھا ان کو رکھنے کا حکم دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسلام کے بعد جسکا کرنا حرام ہو اس کی اصلاح کی جائے گی (۳) آیت میں ہے۔ **حرمت عليكم امهاتكم وبناتكم** (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) کہ ماں اور بہن سے شادی کرنا ہر حال میں حرام ہے۔ اس لئے اسلام لانے کے بعد ماں اور بہن سے تفریق کر دی جائے گی۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ ذی رحم محرم سے نکاح خود کفار کے درمیان بطلان کا حکم رکھتا ہے صاحبین کے نزدیک جیسا کہ ہم نے معتدہ کے بارے میں ذکر کیا، اور اسلام لانے کے بعد تعرض کرنا واجب ہو گیا اس لئے تفریق کر دی جائے گی۔

تشریح: صاحبینؒ کا اصول یہ تھا کہ ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک کوئی چیز حرام ہو تو کفار پر اس کا ماننا واجب ہے، جیسے دوسرے کی عدت کے اندر ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک نکاح کرنا حرام ہے اس لئے یہ کفار کو بھی ماننا ہے، اور ماں سے نکاح کرنا تمام ائمہ کے نزدیک حرام ہے اس لئے کفار کو بھی اس کا ماننا ضروری ہے اور اسلام لانے کی وجہ سے تعرض کیا جا سکتا ہے اس لئے اب تفریق کرا دی جائے گی۔

ترجمہ: ۲ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ تھا کہ صحیح میں نکاح درست ہے لیکن ذی رحم محرم ہونا نکاح کے بقاء کے تنافی ہے اس لئے تفریق کر دی جائے گی، بخلاف عدت کے اس لئے کہ اس میں تنافی نہیں ہے

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کفر کی حالت میں اپنی ماں کے ساتھ نکاح صحیح ہے لیکن جب مسلمان ہوا اور ابھی نکاح کے بقاء کی حالت ہے تو اس وقت بھی رحم محرم سے نکاح حرام ہے، اور نکاح کے تنافی ہے اس لئے اس نکاح کو باقی نہیں رکھا جائے گا، اس کے برخلاف عدت کے اس لئے کہ بقاء کی حالت میں وہ نکاح کے منافی نہیں ہے اس لئے نکاح نہیں توڑوایا جائے گا۔

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں ہمارے ائمہ کے درمیان اختلاف ہو تو کفار پر اس کا ماننا لازم نہیں، اور اگر اس چیز کے بارے میں اتفاق ہو تو کفار پر اس کا ماننا ضروری ہے، البتہ جب تک ذمی رہے گا تو اس کو چھیڑا نہیں جائے گا، اور اسلام لانے کے بعد پہلے کے عقد کا فیصلہ اسلامی طریقے پر کیا جائے گا۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ کفر کی حالت میں جو اس کے لئے جائز ہے اس کے مطابق نکاح جائز ہوگا، البتہ نکاح کے بقاء کی حالت میں حرمت ہوتی ہو تو اب نکاح توڑ دیا جائے گا۔

(۱۶۷۷) **ثم باسلام احدهما يفرق بينهما وبمرافعة احدهما لا يفرق عنده** ﴾ ‌ل **خلافا لهما**

ع **والفرق ان استحقاق احدهما لايبطل بمرافعة صاحبه اذ لايتغير به اعتقاده اما اعتقاد المصر**

ترجمه: (۱۶۷۷) پھر دونوں میں سے ایک کے اسلام لانے سے دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی، اور دونوں میں سے ایک کے مرافعہ کرنے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تفریق نہیں کی جائے گی

تشریح: اس مسئلے میں اسلام لانے اور مرافعہ کرنے میں فرق کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام کا مطلب ہے کہ میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو چکا ہو، اور مرافعہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں مسلمان تو نہیں ہوئے ہیں، لیکن کافر رہتے ہوئے دار القضا میں آکر اسلامی شریعت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ، کفر کی حالت میں ماں سے نکاح کیا تھا، اب دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا تو تفریق کرادی جائے گی۔

وجه: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں ماں سے نکاح برقرار رکھنا جائز نہیں ہے اس لئے ایک کے اسلام لانے سے بھی شریعت کا حکم اس پر لاگو ہو جائے گا، اور تفریق کرادی جائے گی (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ جو مسلمان ہوا وہ اعلی ہوا اور جو کفر پر ہے وہ ادنی ہو گیا، اس لئے اعلی کا قانون چلے گا، کیونکہ اسلام بلند ہے مغلوب نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ دونوں کفر پر برقرار رہتے ہوئے ان میں سے ایک دار القضاء میں آکر اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ چاہتے ہیں تو ایک کے کہنے پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا، ہاں دونوں آکر اسلامی فیصلہ چاہیں تو فیصلہ کیا جائے گا۔

وجه: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی دونوں کفر کی حالت میں ہیں، اور اس حال میں امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ماں سے نکاح جائز ہے، اس لئے ایک کے مرافعہ سے دوسرے پر دباؤ نہیں ڈال سکتے، کیونکہ دونوں کا حق برابر ہے، ہاں دونوں دار القضاء میں آکر اسلامی شریعت طلب کریں تو گویا کہ انہوں نے ہمکو حکم مانا تو اب اسلامی شریعت کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، کیونکہ دونوں نے ہم سے اسلامی شریعت کا مطالبہ کیا ہے۔

ترجمه: ‌ل برخلاف صاحبینؒ کے۔

تشریح: صاحبینؒ کی رائے ہے کہ کافر رہتے ہوئے دونوں میں سے ایک نے دار القضاء میں مرافعہ کیا تب بھی نکاح توڑ دیا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبینؒ کے یہاں کفر کی حالت میں بھی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں تھا، لیکن عقد ذمہ کی وجہ سے ہم اس کو چھیڑتے نہیں تھے، لیکن جب ایک نے مرافعہ کیا اور ہمکو چھیڑنے کا موقع دیا تو ہم ناجائز ہونے کا فیصلہ دیں گے، اور نکاح تڑوا دیں گے۔

ترجمه: ع اور فرق یہ ہے کہ ان میں سے ایک کا استحقاق ساتھی کے مرافعہ سے باطل نہیں ہوتا اس لئے کہ اس سے اس کا اعتقاد

بالکفر لایعارض اسلام المسلم لان الاسلام یعلو ولا یعلیٰ (۱۶۷۸)ولو ترافعا یفرق بالاجماع ﴿
لـ لان مرافعتهما کتحکیمهما (۱۶۷۹)ولا یجوز ان یتزوج المرتد مسلمة ولا کافرة ومرتدة﴾

نہیں بدلے گا، بہر حال کفر پر اصرار کرنے والے کا اعتقاد مسلمان کے اسلام کا معارض نہیں ہے، اس لئے کہ اسلام بلند ہے مغلوب نہیں ہے۔

تشریح : کافرمیں سے کسی ایک کے مرافعہ کرنے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسلامی شریعت نافذ نہیں کی جائے گی، اور دونوں میں سے ایک کے مسلمان ہونے سے نافذ کر دی جائے گی، اس میں فرق یہ ہے کہ مرافعہ کی شکل میں دونوں کافر ہیں اس لئے کسی کا اعتقاد نہیں بدلا اس لئے ایک کے کہنے کی وجہ سے دوسرے کا حق باطل نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لئے ایک کے کہنے سے دوسرے کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جا سکتا جبکہ دونوں کا اعتقاد پہلے والا ہی ہے۔ اور ایک کے مسلمان ہونے کے بعد اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ دائمی حرمت کے باوجود نکاح باقی نہیں رہ سکتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اسلام بلند ہے مغلوب نہیں ہے اس لئے مسلمان کی بات مانی جائے گی۔

لغت : یعلو: بلند ہونا، یعلی: بلند کیا جانا، مغلوب ہونا۔

ترجمہ: (۱۶۷۸) اور اگر دونوں نے مرافعہ کیا تو بالاجماع تفریق کر دی جائے گی۔

ترجمہ: لـ اس لئے کہ دونوں کا مرافعہ کرنا قاضی کو حکم بنانے کی طرح ہے۔

تشریح : کافر رہتے ہوئے دونوں نے مرافعہ کیا تو گویا کہ دونوں نے قاضی کو حکم بنایا اور دونوں حکم بنائے تو اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

وجہ: (۱) اس آیت میں ہے. ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الأمانات الی أھلها و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل . (آیت ۵۸، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل کا فیصلہ کریں اور اسلامی شریعت عدل ہوتی ہے اس لئے دونوں نے حکم مانا تو اسلامی شریعت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (۲) و ان أحکم بینهم بما انزل اللہ و لا تتبع أھوائهم . (آیت ۴۹، سورۃ المائدۃ ۵) (۳) و من لم یحکم بما أنزل اللہ فأولئک ھم الفاسقون ۔ (آیت ۴۷) آیت میں ہے کہ شریعت ہی کا فیصلہ کرنا ہوگا، اس کے علاوہ نہیں۔ (۴) فان جاء و ک فاحکم بینهم او اعرض عنهم و ان تعرض عنهم فلن یضروک شئیا و ان حکمت فاحکم بینهم بالقسط ان اللہ یحب المقسطین ۔ (آیت ۴۲، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ فیصلہ کرنا ہو تو اسلامی شریعت ہی کا فیصلہ کریں اس کے علاوہ نہیں۔

ترجمہ: (۱۶۷۹) مرتد کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی مسلمان یا کافر یا مرتدہ عورت سے نکاح کرے۔

ل لانه مستحق للقتل و الامهال ضرورة التامل والنكاح يشغله عنه فلايشرع فى حقه

(١٦٨٠) وكذا المرتدة لايتزوجها مسلم ولا كافر ﴾ ل لانهامحبوسة للتامل وخدمة الزوج تشغلها ولانه لا ينتظم بينهما المصالح والنكاح ما شرع لعينه بل لمصالحه

ترجمہ: ل اس لئے کہ یہ قتل کے مستحق ہے اور مہلت دینا غور کرنے کی ضرورت کی وجہ سے ہے، اور نکاح کرنا غور کرنے سے مشغول کر دے گا، اس لئے اس کے حق میں نکاح کرنا مشروع نہیں ہے۔

تشریح: ایک آدمی مسلمان ہو کر کافر ہو جائے تو اس سے اسلام کا بہت بڑا نقصان ہوتا ہے کیونکہ لوگوں کے درمیان شک وشبہ پیدا ہوتا ہے اس لئے اگر مرد ہے تو سوچنے کے لئے صرف تین دن کی مہلت دی جائے گی، اگر پھر مسلمان ہو گیا تو چھوڑ دیا جائے گا اور کفر پر جما رہا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، اور عورت ہو تو قتل تو نہیں کی جائے لیکن ہمیشہ کے لئے قید میں ڈال دی جائے گی، چونکہ مرد کو تین دن کے بعد قتل کر دیا جائے گا اس لئے اس کو مسلمان یا کافرہ یا مرتدہ عورت سے نکاح کرنے کی فرصت کہاں ہے، اور اگر عورت ہے تو یہ جیل میں ہوگی اس لئے اس کے پاس بھی نکاح کرنے کی فرصت نہیں ہے۔

وجہ: (۱) مرتد کو قتل کیا جائے گا اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن عكرمة قال اتى على بزنادقة فاحرقهم فبلغ ذلك ابن عباس فقال لو كنت انا لم احرقهم لنهى رسول الله لا تعذبوا بعذاب الله ولقتلتهم لقول رسول الله ﷺ من بدل دينه فاقتلوه . (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم ص ۱۰۲۲ نمبر ۶۹۲۲ / ابو داود شریف، باب الحکم فیما ارتد، ص ۶۱۱، نمبر ۴۳۵۱ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی المرتد، ص ۳۵۴، نمبر ۱۴۵۸) اس حدیث میں ہے کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا (۲)۔ عن ابى موسى اشعرى ... فاذا رجل عنده موثق قال (معاذ بن جبل) ما هذا ؟ قال كان يهوديا فاسلم ثم تهود قال اجلس قال لا اجلس حتى يقتل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات فامر به فقتل . (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم ص ۱۰۲۲ نمبر ۶۹۲۳ / ابو داود شریف، باب الحکم فیما ارتد ص ۶۱۲، نمبر ۴۳۵۴) اس حدیث میں ہے کہ مرتد ہو جائے تو اس کو جلدی قتل کرو، اس لئے اس کو نکاح کی مہلت نہیں دی جائے گی۔ (۳) آیت میں بھی اس کا اشارہ ہے۔ ان الذين آمنوا ثم كفروا ثم آمنوا ثم كفروا ثم ازدادوا كفرا لم يكن الله ليغفر لهم ولا ليهديهم سبيلا . (آیت ۱۳۷ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں مرتد کے ساتھ اللہ نے سختی کا معاملہ کیا ہے۔

لغت: امھال: مہلت دینا۔ تأمل: غور کرنا۔ یشغلہ عنہ: اس سے مشغول کر دے گا یعنی اس سے غافل کر دے گا۔

ترجمہ: (۱۶۸۰) ایسے ہی مرتدہ سے نہ مسلمان نکاح کرے اور نہ کافر۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ غور کرنے کے لئے وہ قیدی ہے اور شوہر کی خدمت غور کرنے سے مشغول کر دے گی۔ اور اس لئے بھی

(۱۶۸۱) فان كان احدالزوجين مسلما فالولد علىٰ دينه وكذلك ان اسلم احدهما وله ولد صغير صار ولده مسلما باسلامه ﴿ ١ لان فى جعله تبعا له نظرًا له

کہ دونوں کے درمیان نکاح کی مصلحت کا انتظام نہیں ہوگا، اور عین نکاح مشروع نہیں ہے، بلکہ مصلحت کے لئے مشروع ہے۔

تشریح: عورت مرتد ہو جائے تو اس کو بھی مسلمان یا کافر سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہوگی

وجه : (۱)، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ غور کرنے کے لئے ہمیشہ کے لئے قید کر دی جائے گی، اور نکاح ہو جائے تو اسلام میں غور کرنے سے غافل ہو جائے گی اس لئے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ نکاح اس لئے کرتے ہیں کہ عورت سے جماع کیا جائے اور ہمیشہ قید میں رہے گی تو شوہر کو جماع کا موقع کب ملے گا اس لئے نکاح کی اجازت نہیں ہوگی۔

ترجمه : (۱۶۸۱) اگر میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو تو بچہ اس کے دین پر ہوگا۔ اور ایسے ہی اگر دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا اور اس کا چھوٹا بچہ ہے تو اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے بچہ مسلمان ہوگا۔

ترجمه: ١ اس لئے کہ اس کے تابع کرنے میں اس کی مصلحت ہے۔

تشریح : میاں اور بیوی میں سے ایک مسلمان ہو مثلا باپ مسلمان ہو اور ماں یہودیہ ہو تو بچہ کو باپ کے تابع کر کے مسلمان شمار کیا جائے گا، اسی طرح اگر دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو بچہ اسی کے تابع کر کے مسلمان شمار کیا جائے گا اس لئے کہ اس کے تابع کرنے میں بچے کا فائدہ ہے۔

وجه : (۱) بچے کو مسلمان شمار کرنے سے اس کا فائدہ ہے کہ وہ آخرت میں جنت میں جائے گا اور دنیا میں اس کو دارالاسلام کی جانب سے بہت سی سہولتیں ملیں گی۔ اس لئے بچے کو والد یا والدہ جو مسلمان ہو اس کے تابع کر کے مسلمان شمار کریں گے (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بچہ مسلمان والد کو دیا۔ **عن جدی رافع بن سنان انه اسلم وابت امرأته ان تسلم فاتت النبی ﷺ فقالت ابنتی وھی فطیم او شبهه وقال رافع ابنتی فقال له النبی ﷺ اقعد ناحية وقال لها اقعدی ناحية واقعد الصبية بينهما ثم قال ادعواها فمالت الصبية الى امها فقال النبی ﷺ اللهم اهدها فمالت الصبية الى ابيها فاخذ ها** ۔ (ابوداؤد شریف، باب اذا اسلم احد الابوین لمن یکون الولد ص ۳۱۲ نمبر ۲۲۴۴ رنسائی شریف، باب اسلام احد الزوجین وتخییر الولد ص ۴۹۱ نمبر ۳۵۲۵) اس حدیث میں آپؐ نے دعا کر کے بچی کو مسلمان والد کو اللہ سے دلوایا۔ حالانکہ پرورش کا حق ماں کا ہوتا ہے۔ (۳) اس اثر میں ہے۔ **عن عمر الخطاب فی نصرانیین بينهما ولد صغير فاسلم احدهما قال احدهما به المسلم** ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب النصرانیان یسلمان لهما اولاد صغار، ج سادس، ص ۲۵، نمبر ۹۹۳۴) اس اثر میں ہے کہ مسلمان کے تابع ہو کر بچہ مسلمان شمار کیا جائے گا۔

(۱۶۸۲) ولو كان احدهما كتابيا والآخر مجوسيا فالولد كتابی﴾ ١ لان فيه نوع نظر له اذالمجوسية شرّمنه ٢ والشافعیؒ يخالفنا فيه للتعارض ٣ ونحن اثبتنا الترجيح (۱۶۸۳) واذا اسلمت المرأة وزوجها كافر عرض القاضی عليه الاسلام فان اسلم فهی امرأته وان ابی فرق بينهما وكان ذلک طلاقا عند ابی حنيفةؒ ومحمدؒ وان اسلم الزوج وتحته مجوسية عرض عليها الاسلام فان اسلمت فهی امرأته وان ابت فرق القاضی بينهما ولم تكن الفرقة بينهما طلاقا﴾

ترجمہ: (۱۶۸۲) اگر والدین میں سے ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو بچہ کتابی شمار ہوگا۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ اس میں بچے کی مصلحت ہے، اس لئے کہ مجوسیت کتابی سے بھی زیادہ شریر ہے۔

تشریح: ماں باپ میں سے ایک کتابی یعنی یہودی یا نصرانی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو بچہ کو کتابی شمار کیا جائے گا، کیونکہ مجوسی دین کے اعتبار سے بدتر ہے۔ اور یہودی اور نصرانی پھر بھی آسمانی کتابوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اس لئے بچہ خیر الادیان کے تابع ہو کر کتابی شمار ہوگا۔

ترجمہ: ٢ اور امام شافعیؒ اس بارے میں ہماری مخالفت کرتے ہیں تعارض کی بنا پر۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ ماں باپ میں سے ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو بچہ کو مجوسی شمار کیا جائے گا۔ تعارض کی بنا پر، تعارض کا مطلب یہ ہے کہ، بچے کو کتابی شمار کرتے ہیں تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا اور مجوسی شمار کرتے ہیں تو اس کا ذبیحہ حرام ہوگا، کیونکہ وہ کافر ہے، اور حرمت اور حلت میں تقابل ہو جائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے، اس لئے یہاں بھی حرمت کو ہی ترجیح ہوگی اور بچہ مجوسی شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ: ٣ اور ہم ترجیح کی بنا پر ثابت کرتے ہیں۔

تشریح: حنفیہ بچے کو کتابی اس لئے شمار کرتے ہیں کہ اس میں بچے کا فائدہ ہے کہ اس کا ذبیحہ حلال ہوگا، اس کی لڑکی سے مسلمان نکاح کر سکے گا، اس لئے کتابی ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔

ترجمہ: (۱۶۸۳) اگر عورت اسلام لائی اور اس کا شوہر کافر ہے تو قاضی اسپر اسلام پیش کرے، پس اگر اسلام لے آئے تو عورت اس کی بیوی رہے گی۔ اور اگر اسلام سے انکار کر دیا تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ اور یہ تفریق طلاق بائنہ ہوگی امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک۔ اور اگر شوہر اسلام لائے اور اس کے تحت میں مجوسیہ عورت ہو تو عورت پر اسلام پیش کیا جائے گا، پس اگر عورت اسلام لے آئی تو وہ اس کی بیوی رہے گی اور اگر انکار کر دیا تو قاضی دونوں کے درمیان تفریق کرائے گا، اور یہ فرقت طلاق بائنہ نہیں ہوگی۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ یہ فرقت ہوگی بغیر طلاق کے۔

تشــــریــح : عورت اسلام لائی اور شوہر کافر ہے تو قاضی شوہر پر اسلام پیش کرے۔ اگر وہ اسلام لے آیا تو عورت اس کی بیوی رہے گی۔ اور اسلام لانے سے انکار کردے تو قاضی دونوں کے درمیان تفریق کرادے۔ یہ تفریق طرفین کے نزدیک طلاق بائنہ کے درجے میں ہوگی۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک فرقت اور فسخ کے درجے میں ہوگی۔ اور اگر شوہر نے ایمان لایا اور عورت ابھی تک کافرہ ہے تو شوہر عورت پر اسلام پیش کرے اور اگر وہ اسلام لے آئے تو اس کی بیوی بحال رہے گی، اور اگر اسلام نہ لائے تو قاضی دو نوں کے درمیان تفریق کرادے، اور یہ تفریق طرفینؒ کے نزدیک طلاق بائنہ نہیں ہوگی، بلکہ فسخ نکاح ہوگا۔

وجــه : (۱) شوہر پر اسلام پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کی شادی کافر سے حلال نہیں ہے۔ آیت میں ہے **ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ولامة مؤمنة خیر من مشرکة ولو اعجبتکم ولاتنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا** ۔ (آیت ۲۲۱ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ مشرک یا مشرکہ مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے۔ (۲) دوسری آیت میں ہے۔ **لا هن حل لهم ولاهم یحلون لهن**. (آیت ۱۰ سورۃ الممتحنۃ ۶۰) اس آیت میں بھی ہے کہ مشرکہ حلال نہیں ہیں (۳) حدیث میں ہے کہ حضرت ابوالعاصؓ بعد میں ایمان لائے تو نکاح جدید کے ذریعہ حضرت زینب کو ان کے حوالے کیا گیا۔ **عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله ﷺ رد ابنته علی ابی العاص بن الربیع بمهر جدید ونکاح جدید** . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الزوجین المشرکین یسلم احدهما ص ۲۱۷ نمبر ۱۱۴۲) ۔ اور اسلام اس لئے پیش کرے کہ اسلام لانے کی وجہ سے شوہر اور بیوی جیسی نعمت ختم ہو جائے یہ اچھی بات نہیں ہے، اس لئے اسلام پیش کرے، اور وہ انکار کرے تو اس انکار کو نکاح ٹوٹنے کا سبب بنائے (۱) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **ان رجلا من بنی ثعلب یقال له عباد بن النعمان فکان تحته امرأة من بنی تمیم فاسلمت فدعاه عمر فقال اما ان تسلم واما ان انزعها منک فابی ان یسلم فنزعها منه عمر** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۳ ما قالوا فی المرأۃ تسلم قبل ان یسلم زوجها من قال یفرق بینهما ج رابع، ص ۱۱۰، نمبر ۱۸۲۹۷ / مصنف عبدالرزاق، باب النصرانیین تسلم المرأۃ قبل الرجل ج سابع ص ۱۳۶ نمبر ۱۲۷۰۶) اس اثر میں شوہر پر اسلام پیش کیا اور اس کے انکار کے بعد حضرت عمر نے تفریق کی۔ (۲) ایک اور اثر میں ہے۔ **عن ابن شهاب انه قال یعرض علیه الاسلام فان اسلم فهی امرأته والا فرق بینهما الاسلام**. (مصنف عبدالرزاق، باب النصرانیین تسلم المرأۃ قبل الرجل ج سابع ص ۱۳۶ نمبر ۱۲۷۰۷) اس اثر میں ہے کہ اس کو اسلام پیش کیا جائے گا، پس اگر اسلام نہ لائے تو تفریق کردی جائے گی۔

اس عبارت میں تیسری بات یہ کہی گئی ہے کہ شوہر کی جانب سے اسلام لانے کا انکار ہو تو چونکہ شوہر کی جانب سے نکاح توڑنے کا اقدام ہوا ہے اس لئے طرفینؒ کے نزدیک اس کو طلاق شمار کیا جائے گا، کیونکہ طلاق شوہر کی جانب سے ہوتی ہے، اور اگر عورت کی جانب سے اسلام لانے کا انکار ہو تو اس کو فسخ نکاح شمار کیا جائے گا، کیونکہ عورت کی جانب سے طلاق نہیں ہوتی، اس لئے صرف تفریق ہوگی۔

۱؎ وقال ابو یوسفؒ لایکون الفرقة طلاقا فی الوجهین ۲؎ اما العرض فمذهبنا وقال الشافعی لایعرض الاسلام لان فیه تعرضا لهم وقد ضمنّا بعقد الذمة ان لا نتعرض لهم الا ان ملک النکاح قبل الدخول غیر متاکد فینقطع بنفس الاسلام وبعده متاکد فیتاجل الی انقضاء ثلث حیض کما فی الطلاق

لغت : فسخ نکاح ۔اور طلاق میں فرق یہ ہے کہ [۱] فسخ نکاح عورت کی جانب سے ہوتا ہے اور اس کی جانب سے قاضی فسخ کرتے ہیں، کیونکہ عورت طلاق نہیں دے سکتی ،اور مرد کی جانب سے جو تفریق ہوتی ہے وہ عموما طلاق ہوتی ہے، چاہے قاضی تفریق کرے۔ [۲] دوسرا فرق یہ ہے کہ اگر طلاق ہو تو اگلے نکاح کے بعد شوہر ایک طلاق کم کا مالک ہوگا ،مثلا بیوی کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے طلاق ہوئی ،اور بعد میں عورت مسلمان ہوئی اور شوہر نے اس عورت سے نکاح کیا تو شوہر اب دو ہی طلاق کا مالک ہوگا اور اسی سے عورت مغلظہ ہو جائے گی ، کیونکہ شوہر نے ایک طلاق پہلے دے دیا ہے، اور اگر اس کو فسخ نکاح شمار کریں تو دوسرے نکاح کے بعد بھی شوہر تین طلاق کا مالک ہوگا، کیونکہ فسخ نکاح میں صرف عورت مرد الگ ہو جاتے ہیں طلاق واقع نہیں ہوتی ۔

ترجمہ: ۱؎ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ان دونوں صورتوں میں فرقت طلاق نہیں ہوگی ۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ [۱] عورت اسلام لے آئے اور مرد اسلام لانے سے انکار کرے تب بھی اس تفریق کو طلاق شمار نہیں کیا جائے گا [۲] اور شوہر اسلام لے آئے اور عورت انکار کرے تب بھی اس تفریق کو طلاق شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ صرف فسخ نکاح ہوگا۔

وجہ : امام ابو یوسفؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ ایسی وجہ سے تفریق ہو جو صرف شوہر کی جانب سے ہو سکتی ہو تو اس سے طلاق ہوگی ،اور اسلام سے انکار کرنا دونوں جانب سے ہوتا ہے اس لئے اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی ،اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ شوہر بیوی کا مالک ہو جائے تب بھی تفریق ہوتی ہے، اور بیوی شوہر کا مالک ہو جائے تب بھی تفریق ہوتی ہے، اب ملک کے سبب سے تفریق دو نوں کی جانب سے ہوتی ہے تو وہ طلاق نہیں ہے، اسی طرح اسلام لانا دونوں کی جانب سے ہے اس لئے یہ تفریق طلاق نہیں ہوگی ۔

وجہ :(۱) اثر میں اس کا ثبوت ہے ۔عن الحسن قال اذا اسلمت المرأة قبل زوجها انقطع ما بینهما من النکاح (۲) دوسری راویت ہے ۔عن عطاء فی النصرانیة تسلم تحت زوجها قال یفرق بینهم ا (مصنف ابن ابی شیبة ما قالوا فی المرأة تسلم قبل زوجها من قال یفرق بینهما ج رابع ،ص ۱۰۹،نمبر ۱۸۲۹۶/۱۸۲۹۳) ان اثروں میں ۔ یفرق بینهما اور انقطع ما بینهما ہیں ۔جن سے پتہ چلا کہ دونوں کے درمیان تفریق ہوگی طلاق نہیں ہوگی ۔

ترجمہ : ۲؎ بہر حال اسلام پیش کرنا تو یہ ہمارا مذہب ہے، اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اسلام پیش نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ اس

میں اس کو چھیڑنا ہے اور ذمیت کے عقد کی وجہ سے ہم نے ذمہ داری لی ہے کہ انکو نہ چھیڑیں، مگر یہ کہ دخول سے پہلے نکاح مؤکد نہیں ہے اس لئے صرف اسلام لانے سے منقطع ہو جائے گا، اور دخول کے بعد مؤکد ہو گیا اس لئے تین حیض کے ختم ہونے تک تاخیر کی جائے گی جیسا کہ طلاق میں ہوتا ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ بیوی یا شوہر اسلام لے آئے تو دوسرے پر اسلام پیش نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اسلام پیش کرنے سے اس کو چھیڑنا ہے اور ذمہ کے عقد کی وجہ سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اس کو نہ چھیڑیں اس لئے اس پر اسلام پیش کر کے اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ پس اگر عورت سے دخول نہیں ہوا ہے تو ابھی نکاح مؤکد نہیں ہوا ہے اور اس پر عدت گزارنا بھی نہیں ہے اس لئے فورا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر دخول ہو گیا ہے تو اس پر تین حیض تک عدت گزرنا لازم ہے اس لئے تین حیض تک انتظار کیا جائے گا، اور تین حیض گزرنے سے نکاح بھی ختم ہو گیا اور تفریق بھی ہو جائے گی۔ جس طرح طلاق ہونے کے بعد تین حیض تک اس کی بیوی شمار کی جاتی ہے اسی طرح اسلام لانے کے بعد تین حیض تک اس کی بیوی شمار کی جائے گی۔

وجہ: (۱) اسلام پیش کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **انبأ الشافعی أنبأ جماعة من اهل العلم .....ان ابا سفیان بن حرب اسلم بمر و رسول الله ﷺ ظاهر علیها فکانت بظهور ہ و اسلام أهلها دار اسلام و امرأته هند بنت عتبة کافرة بمکة و مکة یومئذ دار حرب ثم قدم علیها یدعوها الی الاسلام فأخذت بلحیته.** (سنن للبیہقی، باب من قال لا ینفسخ النکاح بینهما باسلام احدهما اذا کانت مدخولا بها حتی تنقضی عدتها قبل اسلام المتخلف منها، ج سابع، ص ۳۰۱، نمبر ۱۴۰۶۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت ہند پر اسلام پیش کیا۔ (۲) اور عدت کے اندر اندر نکاح باقی رہے گا اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ ۔ **واسلمت امرأة عکرمة بن ابی جهل وامرأة صفوان بن امیة وهرب زوجاهما ناحیة الیمن من طریق الیمن کافرین الی بلد کفر ثم جائا فاسلما بعد مدة وشهد صفوان حنین کافرا فدخل دار الاسلام بعد هربه منها کافرا فاستقر علی النکاح وکان ذلک کله ونساؤهم مدخول بهن لم تنقص عددهن.** (سنن للبیہقی، باب من قال لا ینفسخ النکاح بینهما باسلام احدهما اذا کانت مدخولا بها حتی تنقضی عدتها قبل اسلام المتخلف منها، ج سابع ص ۳۰۱، نمبر ۱۴۰۶۲ / بخاری شریف، باب اذا اسلمت المشرکة او النصرانیة تحت الذمی او الحربی ص ۹۶۷ نمبر ۵۲۸۸) اس حدیث میں **لم تنقص عددهن** سے پتہ چلا کہ عدت گزرنے سے پہلے شوہر اسلام لائے اس لئے بیوی کا نکاح بحال رہا (۳) اس حدیث میں ہے کہ عدت کے اندر حضورؐ نے اپنی بیٹی کو حضرت ابو العاص کو واپس کیا۔ **عن ابن عباس قال رد رسول الله ﷺ ابنته زینب علی ابی العاص بالنکاح الاول لم یحدث شیئا .** (ابو داؤد شریف، باب الی متی ترد علیہ امرأتہ اذا اسلم بعدھا ص ۳۱۱ نمبر ۲۲۴۰ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الزوجین المشرکین یسلم احدھما ص ۲۱۷ نمبر ۱۱۴۳ / سنن للبیہقی، باب من قال لا ینفسخ النکاح بینھما باسلام احدھما ج سابع ص ۳۰۳، نمبر ۱۴۰۶۷) اس حدیث میں ہے کہ حضرت زینب کو نکاح اول کے ذریعہ حضرت ابو العاص

۳؎ ولنا ان المقاصد قد فاتت فلابد من سبب يبتنى عليه الفرقة والاسلام طاعة لايصلح سببا لها فيعرض الاسلام ليحصل المقاصد بالاسلام اويثبت الفرقة بالاباء ۴؎ وجه قول ابى يوسفؒ ان الفرقة بسبب يشترک فيه الزوجان فلايكون طلاقا كالفرقة بسبب الملک ۵؎ ولهما ان بالاباء امتنع عن الامساک بالمعروف مع قدرته عليه بالاسلام فينوب القاضى منا به فى التسريح كما فى الجب والعنة

کے حوالے کی گئی۔لیکن وہ عدت میں تھی اس لئے حوالہ کی گئی۔(۴) و قال مجاهد اذا أسلم فى العدة يتزوجها ۔(بخاری شریف، باب اذا اسلمت المشرکۃ اوالنصرانیۃ تحت الذمی اوالحربی ص ۹۶۷ نمبر ۵۲۸۸)اس اثر میں ہے کہ عدت میں دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔

ترجمہ : ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح کے مقاصد فوت ہوگئے اس لئے ایسا سبب ضروری ہے جس پر فرقت کی بنا ہو سکے، اور اسلام طاعت ہے وہ تفریق کے سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے اسلام پیش کیا جائے گا تا کہ اسلام پیش کرنے سے مقاصد حاصل کیا جائے اور انکار کرنے کی وجہ سے فرقت ثابت کی جائے۔

تشریح: ہماری دلیل کہ ہے کہ اسلام لانے کی وجہ سے نکاح کا جو مقصد تھا ساتھ رہنا وہ ختم ہوگیا، اس لئے کوئی ایسا سبب ہونا چاہئے جس پر تفریق کی بنیاد رکھی جائے اور اسلام لانا طاعت ہے اس لئے اس پر تفریق کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، اس لئے اسلام پیش کیا جائے گا تا کہ اس کے انکار کرنے پر اس پر تفریق کی بنیاد رکھی جائے گی اور اس سے فرقت ثابت ہوگی۔

ترجمہ : ۴؎ حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فرقت ایسے سبب سے ہو کہ میاں بیوی دونوں شریک ہوں تو وہ طلاق نہیں ہوگی، جیسے ملک کے سبب سے فرقت ہوئی ہو۔

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایسے سبب سے فرقت ہوئی ہو جو شوہر کی جانب سے بھی ہوسکتا ہو اور عورت کی جانب سے بھی ہوسکتا ہو تو اس سبب سے طلاق نہیں ہوگی بلکہ فسخ نکاح ہوگا، کیونکہ عورت کی جانب سے طلاق نہیں ہوتی، جیسے شوہر مالک ہو جائے یا عورت مالک ہو جائے اور اس سے فرقت واقع ہو تو وہ فسخ نکاح ہوتا ہے طلاق واقع نہیں ہوتی، اسی طرح اسلام لانے کی وجہ سے دونوں جانب سے فسخ نکاح ہوگا طلاق واقع نہیں ہوگی۔ باقی دلیل اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ۵؎ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اسلام سے انکار کرنے سے امساک بالمعروف پر قدرت کے باوجود اس سے رک گیا، اس لئے تسریح بالاحسان کرنے کے لئے قاضی اس کا نائب ہوگا جیسے ذکر کٹا ہوا ہو یا عنین ہو۔

تشریح : اوپر امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا مسلک یہ گزرا کہ شوہر مسلمان ہو جائے اور عورت اسلام لانے سے انکار کردے تو عورت

٦ے اما المرأة فليست باهل للطلاق فلا ينوب منا بها عند اباءها (۱۶۸۴) ثم اذا فرّق القاضى بينهما بابائها فلها المهر ان كان دخل بها [لتاكده بالدخول]وان لم يكن دخل بها فلا مهر لها ﴿ ﴾ لان الفرقة من قبلها والمهر لم يتاكد فاشبه الردة والمطاوعة

کا انکار کرنا فسخ نکاح ہوگا، اور عورت اسلام لے آئے اور شوہر انکار کر جائے تو شوہر کا انکار کرنا طلاق شمار کی جائے گی۔

وجہ: (۱) یہ دلیل عقلی ہے کہ شوہر کے اسلام لانے سے انکار کرنے کی وجہ سے عورت کو معروف کے ساتھ روکنے سے رک گیا حالانکہ اسلام لا کر اس کو روکنے کی قدرت تھی پس جب وہ امساک نہ کر سکا تو قاضی اس کو جدا کرنے میں نائب بنے گا اور شوہر کی جانب سے قاضی کا جدا کرنا طلاق ہوتی ہے، اس کی دو مثالیں دیتے ہیں۔ جیسے کہ ذکر کٹا ہوا ہو، یا عورت پر قدرت نہ ہو، یعنی عنین ہو تو قاضی فسخ کراتا ہے جو طلاق شمار ہوتی ہے ،اسی طرح یہاں شوہر کی جانب سے فسخ نکاح طلاق شمار ہوگی۔ (۲) اس کی وجہ یہ اثر ہے۔عن الحسن قال اذا كان الرجل وامرأته مشركين فاسلمت وابى ان يسلم بانت منه بواحدة وقال عكرمة مثل ذلك. (۳) اور دوسری روایت میں ہے. ان الحسن وعمر بن عبد العزيز قالا تطليقة بائنة. (مصنف ابن ابی شیبة ۸۵من قال اذا ابی ان یسلم فھی تطلیقۃ ج رابع ،ص۱۱۰،نمبر ۱۸۳۰۹/۱۸۳۰۸) اس اثر میں ہے مرد کے اسلام نہ لانے پر تفریق طلاق بائنہ کے درجے میں ہے (۴) یوں بھی شوہر کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے تفریق ہے اس لئے گویا کہ شوہر کی جانب سے تفریق ہوئی۔ اور شوہر کی جانب سے تفریق طلاق کے درجے میں ہوتی ہے۔ اس لئے طلاق بائنہ کے درجے میں ہوگی۔

لغت: امساک بالمعروف: معاشرے میں جو مناسب طریقہ ہے اس کے اعتبار سے عورت کے ساتھ برتاؤ کر کے رکھنا۔ تسریح باحسان: احسان کے ساتھ عورت کو چھوڑ دینا۔ جب: ذکر کٹا ہوا۔ عنۃ: مرد کو ذکر تو ہو لیکن وطی پر قادر نہ ہو اس کو عنین کہتے ہیں۔

ترجمہ: ٦ے بہر حال عورت تو وہ طلاق کا اہل نہیں ہے اس لئے اس کے انکار کرتے وقت قاضی اس کا نائب نہیں بنے گا۔

تشریح: یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، چونکہ عورت طلاق کا اہل نہیں ہے اس لئے وہ اسلام لانے سے انکار کرے تو یہ انکار اس کی جانب سے طلاق نہیں ہوگی بلکہ فسخ نکاح ہوگا۔

ترجمہ: (۱۶۸۴) پھر اگر قاضی نے عورت کے انکار کرنے پر دونوں کے درمیان تفریق کرایا، پس اگر دخول کیا ہے تو عورت کے لئے مہر ہوگا۔ دخول کی وجہ سے مہر کے مؤکد ہونے کی وجہ سے۔ اور دخول نہیں کیا تو عورت کے لئے مہر نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ١ے اس لئے کہ فرقت عورت کی جانب سے ہے، اور مہر مؤکد نہیں ہوا ہے تو مرتد ہونے اور شوہر کے بیٹے کی اطاعت کرنے کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: عورت کے انکار کرنے پر قاضی نے تفریق کرائی، اور حال یہ تھا کہ عورت سے صحبت کی جا چکی تھی تو چونکہ عورت نے

(۱۶۸۵) واذااسلمت المرأة فی دارالحرب وزوجها کافر اواسلم الحربی وتحته مجوسیة لم یقع الفرقة علیها حتی تحیض ثلث حیض ثم تبین من زوجها ﴾ ۱؎ وھذا لان الاسلام لیس سببا للفرقة والعرض علی الاسلام متعذرلقصور الولایة ولا بدمن الفرقة رفعا للفساد فاقمناشرطها وھو مضی الحیض مقام السبب کما فی حفرالبیر

اپنا سامان سپرد کردیا تھا اس لئے اس کو پورا مہر ملے گا۔ اور اگر صحبت نہیں کی تھی تو چونکہ ابھی مہر مؤکد نہیں ہوا ہے اور عورت کی جانب سے فرقت ہے اس لئے اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ جیسے کہ وہ صحبت سے پہلے مرتد ہو جاتی تو عورت کو کوئی مہر نہیں ملتا، یا شوہر کے بیٹے سے زنا کرا لیتی جسکی وجہ سے نکاح ٹوٹ جاتا تو عورت کو کچھ نہیں ملتا اسی طرح یہاں عورت کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

وجه : (۱) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الثوری قال اذا ارتدت المرأة ولها زوج ولم یدخل بها فلا صداق لها وقد انقطع ما بینهما فان کان قد دخل بها فلها الصداق کاملا . (مصنف عبدالرزاق، باب امرتدین ج سابع ص ۱۶۱ نمبر ۱۲۶۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحبت نہ کی ہو تو کچھ نہیں ملے گا اور صحبت کی ہو تو پورا مہر ملے گا۔

لغت : الردة: عورت مرتد ہو جائے جسکی وجہ سے اس کا نکاح ٹوٹ جائے۔ مطاوعة: عورت شوہر کے بیٹے سے زنا کرالے جسکی وجہ سے اس کا نکاح ٹوٹ جائے اس کو المطاوعة کہتے ہیں۔

ترجمه : (۱۶۸۵) اگر عورت دار الحرب میں اسلام لائی اور اس کا شوہر کافر ہے، یا حربی مرد نے اسلام لایا اور اس کے تحت میں مجوسیہ ہے تو اس پر فرقت واقع نہیں ہوگی جب تک کہ تین حیض نہ گزر جائے پھر اپنے شوہر سے بائنہ ہوگی۔

تشریح : دار الحرب میں عورت اسلام لے آئی اور اس کا شوہر کافر ہے، یا شوہر اسلام لے آیا اور اس کی بیوی کافرہ ہے تو چونکہ یہ لوگ دار الحرب میں ہیں اس لئے ان پر اسلام پیش نہیں کیا جا سکتا ہے اس لئے انکے انکار کو نکاح توڑنے کا سبب نہیں بنایا جا سکتا ہے، اس لئے عورت کے حیض کو نکاح کے ٹوٹنے کا سبب بنایا جائے گا، اور تین حیض پر نکاح ٹوٹ جائے گا۔

وجه : (۱) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔

ترجمه : ۱؎ یہ اس لئے ہے کہ اسلام لانا فرقت کا سبب نہیں ہے، اور ولایت کے کم ہونے کی وجہ سے دوسرے پر اسلام پیش کرنا متعذر رہے، اور فساد کو دور کرنے کے لئے فرقت ضروری ہے اس لئے ہم نے شرط کو اس کے قائم مقام کیا اور وہ سبب کے درجے میں تین حیض کا گزرنا ہے، جیسے کہ کنواں کے کھودنے میں ہوتا ہے۔

تشریح : اسلام لانا فرقت کا سبب نہیں ہو سکتا، اور دار الحرب ہونے کی وجہ سے اس پر اسلام بھی پیش نہیں کر سکتے اس لئے تین حیض گزرنے کو تفریق کا سبب بنایا جائے گا، جیسے کہ کنواں میں خود گرنا موت کا سبب ہے، لیکن کنواں کھودنے کو موت کا سبب قرار دیکر

۲ ولافرق بین المد خول بها وغیر المدخول بها ۳والشافعیؒ یفصل کما مر له فی دارالاسلام (١٦٨٦) واذاوقعت الفرقةوالمرأة حربية فلاعدة عليها وان كانت هی المسلمة فكذلک ﴾۱ عند ابی حنیفةؒ

اس پر دیت لازم کی جائے گی

لغت: حفرالبیر: کنواں کھودنا۔

ترجمہ: ۲ اوردخول والی عورت اوربغیر دخول والی عورت میں کوئی فرق نہیں کی ۔

تشریح : دارالحرب میں جوعورت ہے چاہےاس سے دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہودونوں صورتوں میں تین حیض گزرنے کے بعد تفریق ہوگی،اوراس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حیض ہی گزرنے کوتفریق کا سبب قرار دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۳ امام شافعیؒ فرق کرتے ہیں جیسا کہ دارالاسلام میں گزرا۔

تشریح : امام شافعیؒ کے یہاں یہ ہے کہ اگرعورت سے دخول کیا ہواہےتو تین حیض گزرنے پرتفریق ہوگی ، کیونکہ وہ اس کی عدت ہے،اوراگر دخول کی ہوئی نہیں ہےتو چونکہ اس پرعدت نہیں ہےاس لئے فوراہی نکاح ٹوٹ جائے گا۔امام ابوحنیفہؒ کے یہاں یہی تفصیل دارالاسلام کی عورت میں تھی۔

ترجمہ : (١٦٨٦) اگرفرقت واقع ہوئی اورعورت حربیہ ہےتواس پرعدت نہیں ہے،اوراگر وہ مسلمہ ہے۔

ترجمہ: ۱ توامام ابوحنیفہؒ کے یہاں ایسے ہی عدت نہیں ہے۔

تشریح : دارالحرب میں شوہراسلام لایاجسکی وجہ سےفرقت ہوئی اورعورت ابھی تک کافرہ ہےتواس پرسب کےنزدیک عدت نہیں ہے، کیونکہ عدت گزارنا اسلامی شریعت ہےاور یہ کافرہ ہے جواسلامی شریعت کونہیں مانتی ہےاس لئے اس پرعدت کیسے ہوگی !اوراگرعورت مسلمہ ہےامام ابوحنیفہؒ کےنزدیک تب بھی اس پرعدت نہیں ہے۔

وجہ : (۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت شوہر کےاحترام کے لئے ہےاوراس پرافسوس کے لئے ہےاورشوہر کےکافرہونے کی وجہ سےاس کا احترام نہیں ہےاور نہ اس کےٹوٹنے کا افسوس ہےاس لئے اس پرعدت بھی نہیں ہے۔(۲) اس آیت میں عدت نہ گزارنےکااشارہ ہے۔یآیها الـذين آمنو اذا جآء كم المؤمنات مهاجرات فامتحنوهن الله اعلم باء مانهن فان علـمتـموهـن مؤمنات فلا ترجعوهن الى الكفار لا هن حل لهم و لا هم يحلون لهن و ء اتو هم ما انفقوا و لا جناح عليكم ان تنكحوهن اذا ء اتيتموهن أجورهن ۔(آیت۱۰،سورة الممتحنة ٦٠) اس آیت میں ہے کہ عورت ہجرت کر کےآئےتومہر دیکراس سےنکاحکر سکتے ہو،جس سےمعلوم ہوا کہ اس پرعدت نہیں ہے۔

۲؎ خلافا لهما وسيأتيک انشاء الله تعالىٰ (١٦٨٧) واذا اسلم زوج الكتابية فهما علىٰ نكاحهما ﴾ ۱؎ لانه يصح النكاح بينهما ابتداء فلان يبقى اولىٰ (١٦٨٨) قال واذا خرج احدالزوجين الينا من دارالحرب مسلما وقعت البينونة بينهما ﴾

ترجمه: ۲؎ خلاف صاحبینؒ کے۔اوران شاءاللہ اس کا ذکر آئے گا۔

تشریح: صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ عورت مسلمہ ہے اورشوہر سے تفریق ہوئی ہے اس لئے شریعت کا حکم اس پرلاگو ہوگا، یعنی عدت لازم ہوگی، چاہے شوہر کافر ہو۔

ترجمه: (۱۶۸۷) اگر کتابیہ کا شوہر مسلمان ہو جائے تو دونوں اپنے نکاح پر بحال رہیں گے۔

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان ابتداء میں بھی نکاح درست ہے، اس لئے نکاح باقی رہے یہ زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: کتابیہ یعنی یہودیہ اور نصرانیہ کا شوہر مسلمان ہو گیا تو مسلمان کے تحت میں نصرانیہ اور یہودیہ ہوئیں۔اور مسلمان کے تحت میں کتابیہ ہو تو نکاح شروع سے جائز ہے۔اس لئے یہ بھی جائز ہوگا۔اس لئے دونوں کا نکاح بحال رہے گا۔

وجه: (۱) اس آیت میں ہے۔والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب من قبلكم اذا اتيتموهن اجورهن (آیت ۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا حلال قرار دیا گیا ہے۔(۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الحكم ان هانی بن قبيصة قدم المدينة فنزل على ابن عوف وتحته اربع نسوة نصرانيات فاسلم واقرهن عمر معه۔(سنن للبیہقی، باب الرجل یسلم وتحتہ نصرانیۃ، ج سابع، ص ۱۹۰) اس اثر سے پتہ چلا کہ نصرانی مسلمان ہو جائے تو اس کے تحت میں نصرانیہ یا یہودیہ رہ سکتی ہیں۔

ترجمه: (۱۶۸۸) اگر میاں بیوی میں سے ایک دارالحرب سے ہماری طرف مسلمان ہو کر آئے تو بینونت واقع ہو جائے گی۔

تشریح: بیوی شوہر میں سے ایک مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام آجائے تو دارالاسلام داخل ہوتے ہی جدائیگی واقع ہو جائے گی۔اور بیوی نہیں رہے گی۔

وجه: (۱) يا ايها الذين آمنوا اذا جاء كم المومنات مهاجرات فامتحنوهن الله اعلم بايمانهن فان علمتموهن مومنات فلا ترجعوهن الى الكفار لا هن حل لهم ولا هم يحلون لهن واتوهم ما انفقوا ولا جناح عليكم ان تنكحوهن اذا اتيتموهن اجورهن ولا تمسكو بعصم الكوافر. (آیت ۱۰ سورۃ الممتحنۃ ۶۰) اس آیت میں ہے کہ عورت دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام آئے تو اس کو واپس نہ کرے۔یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ دونوں کا نکاح ٹوٹ گیا ہو۔اس آیت میں یہ بھی ہے کہ مشرکہ مومن کے لئے اور مومنہ عورت مشرک کے لئے حلال نہیں ہیں۔یہ بھی دلیل ہے کہ دونوں کا

ل وقال الشافعیؒ لاتقع (۱۶۸۹) ولوسبی احدالزوجین وقعت البینونة بینهما بغیر طلاق وان سبیا معا لم یقع البینونة ﴾

نکاح ٹوٹ گیا(۲)اثر میں ہے عن ابن عباس اذا اسلمت النصرانية قبل زوجها بساعة حرمت عليه ،وقال داؤد عن ابراهيم الصائغ سئل عطاء عن امرأة من اهل العهد اسلمت ثم اسلم زوجها فی العدة اهی امرأته ؟ قال لا، الا ان تشاء هی بنكاح جديد و صداق ۔(بخاری شریف، باب اذا اسلمت المشرکۃ اوالنصرانیۃ تحت الذمی اوالحربی ص ۹۶ے نمبر ۵۲۸۸)اس اثر میں ہے کہ نصرانی کی بیوی مسلمان ہو جائے تو فورا نکاح ٹوٹ جائے گا تو جب وہ دار الحرب سے دار الاسلام ہجرت کر کے آئے گی تو بدرجۂ اولی نکاح ٹوٹ جائے گا۔

نوٹ: اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف دارین سے نکاح ٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ل امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فرقت واقع نہیں ہوگی۔

تشریح: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عورت ہجرت کر کے دار الاسلام آئی تو اس سے نکاح نہیں ٹوٹے گا بلکہ تین حیض تک انتظار کیا جائے گا،اور تیسری حیض سے نکاح ٹوٹے گا۔

وجہ: (۱)اس حدیث میں ہے۔عن ابن عباس.... فكان اذا هاجرت امرأة من اهل الحرب لم تخطب حتى تحيض و تطهر فاذا طهرت حل لها النكاح فان هاجرزوجها قبل ان تنكح ردت اليه ۔(بخاری شریف، باب نکاح من اسلم من المشرکات وعدتھن، ص ۹۴۴، نمبر ۵۲۸۶)اس حدیث میں ہے کہ اہل حرب کی بیوی عدت گزرنے سے بائنہ ہو گی۔(۲)اس اثر میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ عن الزهری ان امرأة عكرمة بن ابی جهل اسلمت قبله ثم اسلم وهی فی العدة فردت اليه و ذلک علی عهد النبی ﷺ ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۶ ما قالوا فیہ اذا اسلم وھی فی عدتھا من قال ھو احق بھا ج رابع، ص ۱۱۱، نمبر ۱۸۳۱۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عدت میں شوہر مسلمان ہو جائے تو عورت اس کی بیوی رہے گی۔اور عدت گزر جائے تو تفریق ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۱۶۸۹) اگر میاں بیوی میں سے ایک قید ہو کر دار الاسلام آیا تو دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے بینونت ہو جائے گی،اور دونوں قید ہو کر آئے تو بینونت نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) میاں بیوی میں سے ایک قید ہو کر آیا تو اختلاف دار ہو گیا۔ایک دار الحرب میں رہا اور ایک دار الاسلام میں آ گیا۔اب زوجیت کی مصلحت باقی نہیں رہی اس لئے اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا تا کہ نیا نکاح کر کے اپنی زندگی گزار سکے(۲) اگر عورت قید ہو کر آئی تو وہ آقا کی باندی بن گئی اس لئے آقا کے لئے صحبت کرنا جائز ہو گیا۔اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب پہلا نکاح ٹوٹ

لے وقال الشافعیؒ وقعت

جائے۔اس لئے تنہا عورت کے قید ہوتے ہی نکاح ٹوٹ جائے گا۔(۳)اس کے لئے حدیث یہ ہے۔عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ ﷺ یوم حنین بعث جیشا الی اوطاس فلقوا عدوا فقاتلوھم فظھروا علیھم و اصابوا لھم سبایا فکان ناسا من اصحاب رسول اللہ ﷺ تحرجوا من غشیانھم من اجل ازواجھن من المشرکین فانزل اللہ عز وجل فی ذالک ﴿والمحصنات من النساء الا ما ملکت أیمانکم . (آیت ۲۴،سورۃ النساء۴)ای فھن لکم حلال اذا انقضت عدتھن (مسلم شریف، باب جواز وطی المسبیۃ بعد الاستبراء وان کان لھا زوج انفسخ نکاحہ بالسبی ص ۴۷۰ نمبر ۱۴۵۶/۳۶۰۸) اس حدیث میں ہے کہ قید ہونے کے بعد ایک حیض کے بعد نکاح کر سکتا ہے،جس کا مطلب یہ ہوا کہ قیدی عورت کا پہلا نکاح ٹوٹ گیا۔(۴)حدیث میں ہے۔عن ابن عباس قال نھی رسول اللہ ان توطأ حامل حتی تضع او حائل حتی تحیض . (دار قطنی ،کتاب النکاح ،ج ثالث ،ص ۱۸۰،نمبر ۳۵۹۸ ۳ رسنن للبیہقی ،باب استبراء من ملک الامۃ ،ج سابع ،ص ۷۳۸،نمبر ۱۵۵۸۷)اس حدیث میں قیدی عورتوں کے بارے میں فرمایا ۔پہلے شوہر کے حمل سے ہو تو وضع حمل کے بعد وطی کرے۔اور غیر حاملہ ہو تو ایک حیض گزرنے کے بعد استبراء رحم کر کے صحبت کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ قیدی عورت کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر دونوں قید ہو کر آئے تو ہمارے یہاں نکاح نہیں ٹوٹے گا۔

وجہ: (۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ دار تو ایک ہے اس لئے اگر مالک اجازت دے تو دونوں وطی کر سکتے ہیں اس لئے مصلحت زوج باقی رہ سکتا ہے،اور دونوں ابھی کافر ہیں اس لئے نکاح توڑنے کی ضرورت نہیں ہے،جیسے دونوں امن لیکر دار الاسلام میں آئے تو دونوں وطی کر سکتے ہیں،اس لئے دونوں کے (۲) نکاح ٹوٹنے کا مدار اختلاف دارین ہے،اور یہاں دونوں کا دار ایک ہے اس لئے نکاح نہیں ٹوٹے گا۔

لغت: بغیر طلاق: کا مطلب یہ ہے کہ اسلام لانے کی وجہ سے یہ فرقت فسخ نکاح ہے طلاق نہیں ہے۔

ترجمہ: لے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ نکاح ٹوٹ جائے گا۔

تشریح: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میاں بیوی دونوں قید ہو کر آئے تب بھی نکاح ٹوٹ جائے گا۔

وجہ: (۱)انکی دلیل یہ ہے کہ جس نے قید کیا ہے اسکو گردن کی ملکیت بھی چاہئے اور وطی کی ملکیت بھی چاہئے،اور اسی وقت ہو سکتا ہے جب شوہر سے نکاح ٹوٹ جائے اور وطی خالص مالک کے لئے ہو جائے،اس لئے نکاح ٹوٹ جائے گا۔(۲)اس حدیث کے اشارۃ النص سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔عن ابی سعید الخدری رفعہ انہ قال فی سبایا اوطاس لا توطأ حامل حتی تضع ولا غیر ذات حمل حتی تحیض حیضۃ . (سنن للبیہقی ،باب استبراء من ملک الامۃ ،ج سابع ،ص ۷۳۸،

۲؎ فالحاصل ان السبب ھو التباین دون السبی عندنا وھو یقول بعکسہ لہ ۳؎ ان التباین اثرہ فی انقطاع الولایۃ وذلک لایؤثر فی الفرقۃ کالحربیّ المستامن والمسلم المستامن اما السبی فیقتضی الصفاء للسابی ولایتحقق الابانقطاع النکاح ولھذا یسقط الدین عن ذمۃ المسبیّ

نمبر ۱۵۵۸۷/دار قطنی، کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۱۸۰، نمبر ۳۵۹۸) اس حدیث میں ہے کہ قیدی عورتوں سے وطی کر سکتا ہے اور یہ فرق نہیں کیا کہ شوہر ساتھ ہو یا نہ ہو اس لئے ساتھ ہو تب بھی وطی کر سکتا ہے، جس کا مطلب یہ نکلا کہ اس کا نکاح ٹوٹ گیا تب ہی تو مالک وطی کر سکے گا۔

ترجمہ: ۲؎ حاصل یہ ہے کہ تفریق کا سبب ہمارے نزدیک تبائن دار ہے قید ہونا نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ اس کے الٹے کے قائل ہیں۔

تشریح: دونوں حضرات کے اصول کا حاصل یہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں قیدی میاں بیوی کے تفریق کا سبب دار الحرب کا اختلاف ہونا ہے، صرف قید ہونا نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں دار الگ الگ ہو گئے تو بیوی شوہر کی مصلحت باقی نہیں رہ سکتی اس لئے نکاح توڑوانا ضروری ہے۔ اور امام شافعیؒ کا اصول قید ہونا ہے، اختلاف دار ہونا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قید کرنے والا مالک وطی کرنا چاہے گا، اور یہ نکاح توڑوائے بغیر نہیں ہوگا، اس لئے قید سے نکاح جائے گا۔

ترجمہ: ۳؎ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ تباین کا اثر ولایت کے انقطاع میں ہے اور یہ فرقت میں اثر انداز نہیں ہے، جیسے امن لینے والا حربی اور امن لینے والا مسلمان، بہر حال قیدی تو قید کرنے والا اپنے لئے خالص چاہتا ہے اور نکاح کے انقطاع کے بغیر یہ متحقق نہیں ہوگا اسی لئے قید شدہ کے ذمے سے کفار کا قرضہ ساقط ہو جاتا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ تبائن دار سے ولایت ختم ہو جاتی ہے، یعنی اگر ایک دار الحرب میں ہو اور دوسرا دار الاسلام میں ہو تو ایک دوسرے پر ولایت نہیں رہتی، لیکن ولایت نہ ہونے کی وجہ سے نکاح توڑنا ضروری نہیں ہے، جیسے حربی آدمی امن لیکر دار الاسلام چلا آئے اور بیوی دار الحرب میں رہے تو ولایت نہیں رہی لیکن نکاح برقرار رہ سکتا ہے، اسی طرح مسلمان مرد امن لیکر دار الحرب چلا جائے تو بیوی پر ولایت باقی نہیں رہے لیکن نکاح توڑنے کی ضرورت نہیں ہے، جب واپس جائے گا تو میاں بیوی بن کر رہیں گے اس لئے تباین دار سے نکاح نہیں ٹوٹنا چاہئے، البتہ قید ہونے کے بعد قید کرنے والا یہ چاہئے گا کہ قید شدہ عورت سے وطی کرنے کا پورا حق ہو، اور اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ نکاح توڑوایا جائے، اس لئے قید ہونا ہی نکاح ٹوٹنے کا سبب ہے، اس لئے میاں بیوی دونوں ساتھ قید ہوئے ہوں تب بھی نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ قید ہونے کے بعد دار الحرب والے کافر کا قرضہ اس سے ساقط ہو جاتا ہے تا کہ مالک کو اس کے قرضے میں بیچنا نہ پڑے اور پورا غلام مالک کو ملے، اس لئے یہاں بھی

۴ ولنا ان مع التباين حقيقة وحكما لاينتظم المصالح فشابه المحرمية ۵ والسبي يوجب ملك الرقبة وهو لاينافي النكاح ابتداءً فكذٰلك بقاء فصار كالشراء ۶ ثم هو يقتضي الصفاء في محل عمله وهو المال لا في محل النكاح

نکاح توڑوا کر وطی کا پورا حق قید کرنے والے کو ملنا چاہئے۔

لغت: سبی: قید کیا ہوا آدمی، اسی سے ہے سابی، قید کرنے والا، اسی سے ہے مسبی: قید کیا ہوا غلام۔ مستامن: امن لیکر رہنے والا۔ صفاء: صاف ہو جائے، مالک کے لئے خالص ہو جائے۔

ترجمہ: ۴ ہماری دلیل یہ ہے کہ تباین دار حقیقۃ ہو یا حکما مصلحت کا انتظام نہیں ہو سکتا، اس لئے ذی رحم محرم کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ حقیقت میں دونوں کا دار الگ ہو جائے یا حکمی طور پر بھی الگ ہو جائے تو اس سے بیوی شوہر کا انتظام نہیں ہو سکتا، اور وطی وغیرہ نہیں ہو سکتی، اس لئے جس طرح ذی رحم محرم سے نکاح ہو جائے تو وطی نہیں ہو سکتی اس لئے نکاح توڑوانا ضروری ہے، اسی طرح حکمی طور پر دونوں کا دار الگ الگ ہو جائے تو نکاح توڑوانا ضروی ہے، اس لئے تباین دار تفریق کا سبب ہو گا۔

لغت: تباین دار حقیقۃ: مسلمان امن لیکر دار الحرب چلا جائے، یا حربی امن لیکر دار الاسلام چلا جائے اور وہاں رہنے کی نیت نہ ہو تو یہ حقیقی طور پر تباین دار ہے لیکن حکم کے اعتبار سے حربی دار الحرب کا ہے اور مسلمان دار الاسلام کا ہے۔ اور حربی دار الاسلام میں رہنے کی نیت کر لے تو حکم کے اعتبار سے بھی اس کی بیوی اور اس کے درمیان تباین دار ہو گیا، اس کو حکمی تباین دار کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۵ قید ہونا ملک رقبہ کو واجب کرتا ہے اور وہ ابتدائی طور پر نکاح کے منافی نہیں ہے ایسے ہی بقاء کے طور پر نکاح کے منافی نہیں ہے، اس لئے وہ خریدنے کی طرح ہو گیا۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ قید کرنے کا اصلی مقصد یہ ہے کہ قیدی کے گردن کا مالک ہو وطی کا مالک ہونا کوئی ضروری نہیں ہے اس لئے عورت کا نکاح برقرار رہے تو کوئی حرج نہیں ہے، اسکی مثال یہ ہے کہ ایسی باندی کو خریدے جس کا نکاح کسی سے ہوا ہو تو خریدنے والا باندی کا مالک بنے گا لیکن اس سے وطی نہیں کر سکے گا، اسی طرح میاں بیوی دونوں قید ہو کر آئے ہوں تو اسکی گردن کا مالک بنے گا لیکن اس سے وطی کرنے کا حق نہیں ہو گا۔

ترجمہ: ۶ پھر قید ہونا خالص ہونے کا تقاضا کرتا ہے اپنے محل میں اور وہ مال ہے نہ کہ نکاح کے محل میں۔

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے انہوں نے کہا تھا کہ قید کا مطلب یہ ہے کہ وطی کا بھی حق ہو، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ قید کا تقاضا یہ ہے کہ مالک قیدی کی گردن کا مالک بنے اور وہ اس کے لئے خاص ہو وطی کا حق ہونا کوئی ضروری نہیں، جیسے کہ شادی شدہ

ے وفی المستامن لم یتباین الدار حکما لقصده الرجوع (۱۶۹۰) واذا خرجت المرأة الینا مهاجرةً جاز ان تتزوج ولا عدة علیها ﴾ ا عند ابی حنیفةؒ ۲ وقالا علیها العدة لان الفرقة وقعت بعد الدخول فی دار الاسلام فیلزمها حکم الاسلام

باندی کو خریدے تو اس کی گردن کا مالک ہوتا ہے، اس میں وطی کا حق نہیں ہوتا۔

لغت: یقتضی الصفا فی محل عمله و هو المال لا فی محل النکاح :۔اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قید ہونا یہ تقاضا کرتا ہے کہ قید کے عمل کے محل میں وہ خالص ہو یعنی جس کے لئے قید کیا ہے وہ چیز مالک کو خالص مل جائے، اور قید کیا ہے گردن پر ملکیت کے لئے اس لئے گردن کی ملکیت اس کو مل جائے۔ نکاح کا جو محل ہے یعنی وطی کرنا اس کا ملنا ضروری نہیں، اس لئے شوہر سے نکاح توڑوانا بھی ضروری نہیں۔

ترجمہ: ے اور امن لینے والے میں حکما دار الگ الگ نہیں ہوا واپس لوٹنے کے ارادے کی وجہ سے۔

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ، امن لیکر داخل ہوا تو واپس اپنے ملک میں جانے کا ارادہ ہے اس لئے حکم کے اعتبار سے تباین دار نہیں ہوا اس لئے نکاح توڑوانے کی ضرورت نہیں۔

اصول: حکمی طور پر تباین دار ہو تب ہی نکاح توڑوانے کی ضرورت ہے۔

ترجمہ: (۱۶۹۰) اگر عورت دار الاسلام کی طرف ہجرت کر کے آئی تو اس کے لئے جائز ہے کہ فی الحال شادی کرے۔

ترجمہ: ا اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر عدت نہیں ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں ہے۔ ولا جناح علیکم ان تنکحوا هن اذا آتیتموهن اجورهن ولا تمسکو بعصم الکوافر. (آیت ۱۰ سورۃ الممتحنۃ ۶۰) اس آیت میں ہے کہ مہر ادا کرو تو مہاجرہ عورت سے شادی کر سکتے ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ فوری طور پر اس سے شادی کر سکتا ہے (۲) یہ عورت ہجرت کر کے دار الاسلام آئی ہے۔ یہاں اس کا کوئی ذی رحم محرم نہیں ہوگا اس لئے یہ اگر شادی کر کے شوہر نہ بنائے تو کیسے اجنبی کے پاس رہے گی۔ اس لئے شریعت نے عدت گزارے بغیر شادی کو جائز قرار دیا (۳) عدت پہلے شوہر کے احترام کے لئے ہے۔ اور پہلا شوہر کافر اور حربی ہے اس لئے اس کا کوئی احترام نہیں ہے۔ اس لئے ایسی عورت پر عدت بھی نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲ صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس پر عدت ہے اس لئے کہ فرقت دار الاسلام میں داخل ہونے کے بعد واقع ہوئی ہے اس لئے اس کو اسلام کا حکم لازم ہوگا۔

تشریح: صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دار الاسلام میں داخل ہونے کے بعد نکاح ٹوٹا ہے، اس لئے اسلامی شریعت کا حکم یعنی عدت

۳؎ ولابی حنیفةؒ انها اثر النکاح المتقدم وجبت اظهارا لخطره ولاخطر لملک الحربی ولهذا لاتجب العدة علیٰ المسبیة (۱۶۹۱) وان کانت حاملا لم تتزوج حتی تضع حملها ﴾

لازم ہوگی۔

وجه: (۱) اس حدیث میں ہے مہاجرہ پر عدت لازم ہے ۔عن ابن عباس.... فکان اذا هاجرت امرأة من اهل الحرب لم تخطب حتی تحیض و تطهر فاذا طهرت حل لها النکاح فان هاجرزوجها قبل ان تنکح ردت الیه ۔(بخاری شریف، باب نکاح من اسلم من المشرکات وعدتهن، ص ۹۴۴، نمبر ۵۲۸۶) اس حدیث میں ہے کہ اہل حرب کی بیوی عدت گزرنے سے بائنہ ہوگی۔(۲) اس اثر میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ عن الزهری ان امرأة عکرمة بن ابی جهل اسلمت قبله ثم اسلم وهی فی العدة فردت الیه وذلک علی عهد النبی ﷺ ۔(مصنف ابن ابی شیبة ۸۶ ما قالوا فیه اذا اسلم وهی فی عدتها من قال هواحق بها ج رابع، ص ۱۱۱، نمبر ۱۸۳۱۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عدت میں شوہر مسلمان ہو جائے تو عورت اس کی بیوی رہے گی۔اورعدت گزرجائے تو تفریق ہوجائے گی،جس سے معلوم ہوا کہ عورت پر عدت لازم ہے۔

ترجمه: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدت گزارنا پہلے نکاح کا اثر ہے جو احترام ظاہر کرنے کے لئے واجب ہوئی ہے اور حربی کی ملک کے لئے کوئی احترام نہیں ہے (اس لئے اس پر عدت واجب نہیں) اسی لئے قید شدہ عورت پر عدت واجب نہیں ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل عقلی یہ ہے کہ یہ عدت پہلے شوہر کے احترام کے لئے ہے اور پہلا شوہر کافر ہے اس لئے اس کا کوئی احترام نہیں ہے اس لئے ہجرت کر کے آنے والی عورت پر کوئی عدت بھی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ قید شدہ عورت پر استبراء رحم کے لئے ایک حیض ہے، اس پر شوہر کی عدت لازم نہیں ہے۔

لغت:۔خطر: کھٹکنا، دل میں کھٹکتی ہوئی بات، احترام۔

ترجمه: (۱۶۹۱) پس اگر وہ حاملہ ہے تو شادی نہ کرے یہاں تک کہ حمل نہ جن لے۔

تشریح: دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام آنے والی عورت پہلے شوہر سے حاملہ ہے تو حمل کی حالت میں ایک روایت ہے کہ نکاح بھی نہیں کرسکتی، اور دوسری روایت یہ ہے کہ نکاح تو کرسکتی لیکن صحبت نہ کرائے۔

وجه: (۱) کیونکہ پہلے شوہر کا حمل موجود ہے تو دوسرے شوہر سے صحبت کرانے سے دوسرے آدمی سے پہلے کی کھیتی کو سیراب کرنا لازم آئے گا۔اور پتہ نہیں چلے گا کہ کس کا بچہ ہے۔اس لئے حمل جننے تک نئے شوہر سے صحبت نہ کرائے (۲) اوپر حدیث گزر چکی ہے۔عن ابی سعید الخدری رفعه انه قال فی سبایا اوطاس لا توطأ حامل حتی تضع ولا غیر ذات حمل حتی

۱؎ وعن ابی حنیفة انه یصح النکاح ولایقربها زوجها حتی تضع حملها کما فی الحبلی من الزنا

۲؎ وجه الاول انه ثابت النسب فاذاظهر الفراش فی حق النسب یظهر فی حق المنع من النکا ح احتیاطا (۱۶۹۲) قال واذا ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بغیر طلاق ﴾

تحیض حیضة . (ابوداود شریف، باب فی وطء السبایا، ص ۳۱۱، نمبر ۲۱۵۷ سنن للبیہقی، باب استبراء من ملک الامۃ، ج سابع، ص ۷۳۸، نمبر ۱۵۵۸۷ دار قطنی، کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۱۸۰، نمبر ۳۵۹۸) اس حدیث میں ہے کہ حاملہ عورت سے وضع حمل سے پہلے صحبت نہ کرے۔

ترجمہ: ۱؎ امام ابوحنیفہؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ نکاح کرنا صحیح ہے لیکن اس کا شوہر اس سے صحبت نہ کرے یہاں تک کہ وضع حمل ہو جائے، جیسے کہ زنا سے حاملہ عورت میں ہوتا ہے۔

تشریح: زنا سے حاملہ ہوئی ہو تو وہ نکاح کر سکتی ہے لیکن بچہ جننے تک وہ عورت صحبت نہ کرائے تا کہ دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرنا نہ لازم ہو۔

وجہ: (۱) اس کے لئے حدیث یہ ہے۔عن رویفع بن ثابت الانصاری قال قام فینا خطیبا قال اما انی لا اقول لکم الا ما سمعت رسول الله ﷺ یقول یوم حنین، قال لا یحل لامرىء یؤمن بالله و الیوم الاخر ان یسقی ماء ه زرع غیره، یعنی اتیان الحبالی ۔(ابوداود شریف، باب فی وطء السبایا، ص ۳۱۱، نمبر ۲۱۵۸) اس حدیث میں ہے کہ دوسرے کی حاملہ عورت سے وطی نہ کرے۔

ترجمہ: ۲؎ پہلے قول (نکاح کرنا ہی جائز نہیں) کی وجہ یہ ہے کہ یہ حمل ثابت النسب ہے پس جب نسب کے حق میں فراش ظاہر ہوا تو احتیاطا نکاح سے روکنے کے حق میں بھی ظاہر ہوگا۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کا پہلا قول یہ تھا کہ ہجرت کر کے آئی ہوئی حاملہ عورت سے نکاح ہی جائز نہیں اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اس حمل کا نسب کافر شوہر سے ثابت ہے جسکی وجہ سے یہ عورت ابھی اسی کی فراش یعنی بیوی ہے، اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے نکاح بھی جائز نہ ہو۔

ترجمہ: (۱۶۹۲) اگر بیوی شوہر میں سے ایک اسلام سے مرتد ہو جائے تو دونوں میں بینونت واقع ہوگی۔اور فرقت دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے ہوگی

تشریح: بیوی اور شوہر میں سے کوئی نعوذ باللہ مرتد ہو جائے تو فورا بینونت ہو جائے گی۔اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جدائیگی فسخ نکاح شمار ہوگی۔

۱؎ وهذا عند ابی حنيفةؒ وابی يوسفؒ ۲؎ وقال محمدؒ ان كانت الردة من الزوج فهی فرقة بطلاق هو يعتبر بالاباء والجامع ما بيناه

وجہ: فورا نکاح ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور کافر کا نکاح مسلمان کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو اسلام کے بعد اور تمام باتیں سمجھنے کے بعد مرتد ہوا ہے اس لئے یہ اشد کافر ہے۔ اس لئے اس کا نکاح فورا ٹوٹے گا، اس میں سمجھانے کی اسلام پیش کرنے کی مہلت بھی نہیں دی جائے گی، اور نہ تین حیض گزرنے کا انتظار کیا جائے گا، مرتد ہوتے ہی فورا فسخ نکاح ہو جائے گا۔

(۲) آیت میں ہے لاهن حل لهم ولاهم يحلون لهن ۔ (آیت ۱۰ سورۃ الممتحنۃ ۶۰) کہ نہ مسلمان عورتیں کافر کے لئے حلال ہیں اور نہ کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال ہیں (۳) عن ابن عباس اذا اسلمت النصرانية قبل زوجها بساعة حرمت عليه (بخاری شریف، باب اذا اسلمت المشرکۃ او النصرانیۃ تحت الذمی او الحربی ص ۹۶۷ نمبر ۵۲۸۸) اس اثر میں ہے کہ نصرانیہ مسلمان ہو جائے تو وہ شوہر پر حرام ہو جائے گی۔ اسی طرح مسلمان مرتد ہو جائے تو وہ عورت پر حرام ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اور یہ فرقت امام ابو حنیفہ کے نزدیک طلاق نہیں ہوگی۔ (بلکہ فسخ نکاح ہوگا)

وجہ: اس لئے کہ ارتداد میں احترام نہیں رہتا۔ اور طلاق قرار دینا احترام کی دلیل ہے۔ اس لئے فسخ نکاح ہوگا (۲) اثر میں ہے عن عطاء فی النصرانية تسلم تحت زوجها قال يفرق بينهما (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۳ ما قالوا فی المرأۃ تسلم قبل زوجھا من قال یفرق بینھما ج رابع ص ۶۹) اس اثر میں ہے کہ تفریق کی جائے گی جس کا مطلب یہ ہے کہ فرقت ہوگی یعنی فسخ نکاح ہوگا طلاق نہیں۔

ترجمہ: ۲؎ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر مرتد ہونا شوہر کی جانب سے ہو تو یہ فرقت طلاق ہوگی، وہ قیاس کرتے ہیں اسلام سے انکار کرنے پر۔ اور دونوں کے اندر مجموعی دلیل وہ ہے جو ہم نے بیان کیا

تشریح: مسئلہ نمبر ۱۶۸۳) میں امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ دونوں کا مسلک بیان کیا ہے کہ شوہر اسلام لانے سے انکار کر دے تو یہ فرقت طلاق ہوگی، اور بیوی اسلام لانے سے انکار کر دے تو یہ فرقت فسخ نکاح ہوگا۔ کیونکہ شوہر کی جانب سے طلاق ہوتی ہے اور عورت کی جانب سے جو نکاح ٹوٹتا ہے وہ فسخ نکاح ہوتا ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہاں شوہر مرتد ہو گیا تو گویا کہ اس نے نکاح توڑا اس لئے اس کا توڑنا طلاق ہوگی۔

وجہ: (۱) امام محمد فرماتے ہیں کہ شوہر مرتد ہوا ہے جس کی وجہ سے فرقت ہوئی ہے تو چونکہ شوہر کی جانب سے فرقت کی ابتدا ہوئی اس لئے وہ طلاق کے درجے میں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ عن ابراهيم قال كل فرقة كانت من قبل الرجل فهی طلاق . (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۹ من قال کل فرقۃ تطلیقۃ ج رابع، ص ۱۱۳، نمبر ۱۸۳۳۷) اس اثر میں ہے کہ اگر شوہر کی جانب سے فرقت

۳ وابو یوسف مرّ علیٰ ما اصلّنا له فی الاباء ۴ وابو حنیفة فرّق بینهما ووجهه ان الردة منافیة للنکاح لکونها منافیة للعصمة والطلاق رافع فتعذر ان تجعل طلاقا بخلاف الاباء لانه یفوّت الامساک بالمعروف فیجب التسریح بالاحسان علی ما مر ولهذا تتوقف الفرقة بالاباء علی القضاء ولاتتوقف بالردة

ہوئی ہوتو وہ طلاق شمار ہوگی ۔ (۳) اور دوسری روایت میں ہے ۔عن ابراھیم قال کل فرقة فھی تطلیقة بائن ۔ (مصنف ابن ابی شیبة ۸۹ من قال کل فرقة تطلیقة ج رابع، ص ۱۱۳، نمبر ۱۸۳۴۰) اس سے معلوم ہوا کہ وہ طلاق بائنہ ہوگی ۔

ترجمہ: ۳ اور امام ابو یوسفؒ اس اصول پر گزرے جو اسلام سے انکار کرنے میں اصول بیان کیا گیا ۔

تشریح: مسئلہ نمبر ۱۶۸۳) میں امام ابو یوسفؒ کا مسلک گزرا کہ چاہے شوہر اسلام لانے سے انکار کرے یا عورت انکار کرے دونوں صورتوں میں یہ تفریق طلاق نہیں ہوگی ، بلکہ فسخ نکاح ہوگا ۔اسی قاعدے کے مطابق یہاں بھی ہے کہ شوہر مرتد ہو جائے یا بیوی مرتد ہو جائے دونوں صورتوں میں یہ تفریق فسخ نکاح ہوگا طلاق نہیں ہوگی ۔ وہ یہاں بھی اپنے پہلے اصول پر برقرار رہے ۔

ترجمہ: ۴ امام ابو حنیفہؒ نے دونوں کے درمیان فرق کیا ، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ مرتد ہونا نکاح کے منافی ہے اس لئے کہ وہ عصمت کے منافی ہے ، اور طلاق نکاح کو اٹھانے والی ہے اس لئے متعذر رہے کہ اس کو طلاق قرار دیا جائے ۔

تشریح: مسئلہ نمبر ۱۶۸۳) میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک بیان کیا ہے کہ شوہر اسلام لانے سے انکار کر دے تو یہ فرقت طلاق ہوگی ، اور یہاں یہ بیان کیا کہ شوہر مرتد ہو جائے تب بھی وہ طلاق نہیں ہوگی ، بلکہ فسخ نکاح ہوگا ، تو گویا کہ وہاں اور یہاں کے مسئلے میں فرق کیا ، تو اس کی وضاحت فرما رہے ہیں ۔اس فرق کا قاعدہ یہ ہے کہ میاں یا بیوی کے اسلام لانے کے بعد دوسرے پر اسلام پیش کرنے تک نکاح کو برقرار رکھا جاتا ہے اور اس درمیان یہ بیوی رہتی ہے اس لئے طلاق دینے کا موقع ہے ، اس لئے شوہر اسلام لانے سے انکار کرے تو اس کو طلاق شمار کی جا سکتی ہے ، اس لئے وہاں طلاق شمار کیا ۔اور مرتد ہونے کی شکل میں مرتد ہوتے ہی نکاح ٹوٹ گیا اس لئے اب طلاق دینے کا کوئی موقع نہیں رہا اس لئے اس کو فسخ نکاح شمار کیا جائے گا ۔۔صاحب ہدایہ نے اس بات کو لمبے انداز میں بیان کیا ہے ۔وہ یہ کہ مرتد ہونا نکاح کے منافی ہے ، کیونکہ یہ عصمت اور حفاظت عزت کے بھی منافی ہے اس لئے جیسے ہی مرتد ہوا اسی وقت نکاح ٹوٹ گیا ، عدت گزرنے کا ، اور اسلام پیش کرنے کی بھی مہلت نہیں دی جائے گی اس لئے فورا فسخ نکاح ہو جائے گا ۔اور طلاق نکاح کو اٹھانے والی ہے لیکن اب نکاح ہی باقی نہیں ہے تو کسکو اٹھائے گی ، اس لئے اس کو طلاق قرار دینا متعذر رہے ، اس لئے اس کو طلاق قرار نہیں دی جا سکے گی ۔

ترجمہ: بخلاف اسلام سے انکار کرنے کو اس لئے کہ امساک بالمعروف فوت ہو گیا تو تسریح بالاحسان واجب ہوا جیسا کہ گزر

(۱۶۹۳) ثم ان كان الزوج هو المرتد فلها كل المر ان دخل بها ونصف المهر ان لم يدخل بهاوان كانت هي المرتدة فلها كل المهر ان دخل بها وان لم يدخل بها فلامهر لها ولانفقة ﴾ ۱؎ لان الفرقة من قبلها

گیا۔

تشریح : اسلام سے انکار کرنے کے بعد بھی قاضی کے فیصلے تک نکاح باقی رہتا ہے،اور انکار کرکے امساک بالمعروف کوفوت کر دیا تو قاضی اس کی جگہ نائب بن کر تسریح بالاحسان کرے گا،اور شوہر کی جانب سے قاضی تسریح بالاحسان کرے تو اس کو طلاق قرار دیا جائے گا،اس لئے شوہر کا اسلام سے انکار کی شکل میں طلاق قرار دی جاسکتی ہے۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

ترجمہ: اسی لئے انکار کی وجہ سے فرقت فیصلے پر موقوف ہوتی ہے،اور مرتد ہونیکی وجہ سے فیصلہ پر موقوف نہیں ہوتی ہے۔

تشریح : اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام سے انکار کرے تب بھی فیصلے تک نکاح باقی رہتا ہے اور قاضی کے فیصلے کے بعد نکاح ٹوٹتا ہے،اس لئے شوہر کی جانب سے قاضی کے توڑنے کو طلاق قرار دیا جاسکتا ہے۔اور مرتد ہونے کی شکل میں فورا نکاح ٹوٹ جاتا ہے،اس لئے وہ فسخ نکاح ہی ہوگا۔

وجہ: اس اثر میں ہے کہ مرتد ہونے سے فورا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ عن الحسن قال اذا ارتد المرتد عن الاسلام ، فقد انقطع ما بينه و بين امراته (مصنف عبد الرزاق، باب المرتدین ج سابع ص ۱۲۵ نمبر ۱۲۶۶۸) اس اثر میں ہے کہ مرتد ہونے سے فورا نکاح ٹوٹ جائے گا۔

اصول: اسلام سے انکار کی صورت میں قضاء قاضی تک نکاح باقی رہتا ہے اور مرتد ہونے کی شکل میں فورا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

ترجمہ : (۱۶۹۳) اگر شوہر مرتد ہوا تو عورت کے لئے پورا مہر ہے اگر اس سے دخول کیا ہو،اور آدھا مہر ہے اگر دخول نہ کیا ہو۔ اور اگر عورت مرتد ہوئی ہے تو اس کو پورا مہر ملے گا اگر اس سے دخول کیا ہے اور اگر دخول نہیں کیا ہے تو اس کے لئے کچھ مہر نہیں ہے اور نہ اس کے لئے نفقہ ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ فرقت اس کی جانب سے ہے۔

تشریح : شوہر مرتد ہوگیا تو عورت کی کوئی غلطی نہیں ہے شوہر ہی نے نکاح توڑا ہے اس لئے اگر وطی کیا ہے تو اس کو پورا مہر ملے گا، اور اگر وطی نہیں کیا ہے تو اس کو آدھا مہر ملے گا۔اور اگر عورت مرتد ہوئی ہے تو عورت کی غلطی ہے،اس نے ہی نکاح توڑا ہے،اس لئے اگر وطی کی ہے تو اس کو پورا مہر ملے گا کیونکہ اس کا مال پورا وصول کر چکا ہے،اور اگر وطی نہیں کی ہے تو عورت کو نہ مہر ملے گا اور نہ نفقہ ملے گا، کیونکہ غلطی اسی کی ہے۔

(۱۶۹۴) قال واذا ارتدامعا ثم اسلما معا فھما علی نکاحھما ﴾ ۱؎ استحسانا ۲؎ وقال زفرؒ یبطل لان ردۃ احدھما منا فیۃ وفی رد تھما ردۃ احدھما ۳؎ ولنا ما روی ان بنی حنیفۃ ارتدوا ثم اسلموا ولم یأمر ھم الصحابۃ رضوان اللہ علیھم اجمعین بتجدید الا نکحۃ والارتداد منھم واقع معا لجھالۃ التاریخ (۱۶۹۵) ولواسلم احدھما بعد الارتداد فسد النکاح بینھما ﴾

وجہ : (۱) چونکہ عورت کامال وصول کر چکا ہے۔اس لئے اگر صحبت کر چکا ہوتو پورا مہر ملے گا (۲) اثر میں ہے۔عن الثوری قال اذا ارتدت المرأ ۃ ولھا زوج ولم یدخل بھا فلا صداق لھا وقد انقطع ما بینھما فان کان قد دخل بھا فلھا الصداق کاملا (مصنف عبدالرزاق، باب المرتدین ج سابع ص ۱۲۵ نمبر ۱۲۶۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحبت کی ہوتو عورت کو پورا مہر ملے گا۔اور عورت مرتد ہوئی ہو اور صحبت نہ کی گئی ہوتو اس کو کچھ نہیں ملے گا۔

ترجمہ : (۱۶۹۴) اگر دونوں ساتھ مرتد ہوئے ہوں پھر دونوں ساتھ مسلمان ہوئے تو دونوں نکاح پر بحال رہیں گے۔

ترجمہ: ۱؎ استحسان کا تقاضا یہی ہے۔

وجہ : (۱) بنی حنیفہ کے لوگ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ایک ساتھ مرتد ہوئے تھے اور ایک ساتھ مسلمان ہوئے تھے تو صحابہ نے کسی کا نکاح دوبارہ نہیں پڑھایا بلکہ پہلے نکاح پر بحال رکھا۔جس سے معلوم ہوا کہ دونوں ایک ساتھ مرتد ہوئے ہوں اور ایک ساتھ مسلمان ہوئے ہوں تو نکاح بحال رہے گا۔

ترجمہ : ۲؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ نکاح باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ ایک کا مرتد ہونا نکاح کو توڑنے والا ہے تو دونوں کے مرتد ہونے میں ایک کا مرتد ہونا ہے۔

تشریح: امام زفرؒ نے فرمایا کہ میاں بیوی میں سے ایک مرتد ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے، اور یہاں تو دونوں مرتد ہوئے ہیں اس لئے اس میں ایک کا مرتد ہونا ضرور پایا گیا اس لئے بدرجہ اولی نکاح ٹوٹ جانا چاہئے۔

ترجمہ : ۳؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ بنو حنیفہ کے لوگ مرتد ہوئے پھر مسلمان ہوئے اور صحابہؓ نے انکو نیا نکاح کرنے کا حکم نہیں دیا، اور انکا مرتد ہونا ساتھ ہوا تھا تاریخ کی جہالت کی وجہ سے۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ بنو حنیفہ کے لوگ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ایک ساتھ مرتد ہوئے تھے اور ایک ساتھ پھر مسلمان ہوئے تھے اور صحابہؓ نے کسی کو نکاح کی تجدید کا حکم نہیں دیا جس سے معلوم ہوا کہ سب کا نکاح جائز رہ گیا، دوسری بات یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کون پہلے مرتد ہوا اور کون پہلے مسلمان ہوا اس کا علم نہیں ہے اس لئے نکاح توڑنا مشکل ہے۔

ترجمہ: (۱۶۹۵) اور اگر مرتد ہونے کے بعد ان میں سے ایک نے اسلام لایا تو نکاح فاسد ہو جائے گا۔

ل لاصرار الأخر علی الردة لانه منا ف کابتدائها

ترجمه: ل دوسرے کا ارتداد پر اصرار کرنے کی وجہ سے اس لئے کہ اصرار اد شروع میں مرتد ہونے کی طرح منافی ہے۔

تشریح : میاں بیوی ساتھ میں مرتد ہوئے تھےلیکن بعد میں ایک مسلمان ہوگیا اور دوسرا ارتداد پر باقی رہا تو اب نکاح ٹوٹ جائے گا، کیونکہ شروع میں دونوں میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جا تا ہے، اس لئے مرتد ہونے کے بعد کوئی ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا ارتداد پر برقرار رہے تب بھی نکاح ٹوٹ جائے گا۔

﴿باب القسم﴾

(۱۶۹۶) واذا كان لرجل امرأتا ن حرتان فعليه ان يعدل بينهما في القسم بكرين كانتا او ثيبين او احداهما بكر او الاخرى ثيبا ﴾ لـ لقوله عليه السلام من كانت له امرأتان ومال الى احدهما في القسم جاء يوم القيمة وشقه مائل ۲ وعن عائشة رضي الله عنها ان النبي عليه السلام كان يعدل في القسم بين نسائه وكان يقول اللهم هذا قسمي فيما املك فلا تواخذ ني فيما لا املك يعني زيادة المحبة ولا فصل فيما روينا

﴿ باری کا بیان ﴾

ترجمه : (۱۶۹۶) اگر آدمی کے پاس دو آزاد بیویاں ہوں تو اس پر واجب ہے کہ باری میں انصاف کرے، دونوں باکرہ ہوں یا دونوں ثیبہ ہوں، یا دونوں میں سے ایک باکرہ ہو اور دوسری ثیبہ ہو۔

ترجمه: لـ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ جس کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ باری میں دونوں میں سے ایک کی طرف مائل ہوا تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک حصہ جھکا ہوا ہوگا۔

تشریح: آدمی کے پاس سب آزاد بیویاں ہی ہوں تو تمام کے حقوق برابر ہیں۔ اس لئے سب کی باری برابر ہوگی۔ اور باکرہ اور ثیبہ کی وجہ سے کسی کو زیادہ دن اور کسی کو کم دن نہیں ملے گا۔

وجه: (۱) برابری کی دلیل یہ آیت ہے۔ ولن تستطيعوا ان تعدلوا بين النساء ولو حرصتم فلا تميلوا كل الميل فتذروها كالمعلقة. (آیت ۱۲۹ سورۃ النساء ۴) (۲) حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کی ہے۔ عن ابی هريرة عن النبي ﷺ قال من كانت له امرأتان فمال الى احداهما جاء يوم القيامة وشقه مائل۔ (ابوداؤد شریف، باب فی القسم بین النساء ص ۲۹۷ نمبر ۲۱۳۳ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی التسویۃ بین الضرائر ص ۲۱۶ نمبر ۱۱۴۱) اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی باری میں برابری کرنی چاہئے۔

ترجمه: ۲ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ عورتوں کے درمیان باری میں انصاف کرتے، اور فرماتے اے اللہ جس کا میں مالک ہوں اس میں میری یہ تقسیم ہے، پس جس چیز کا مالک نہیں ہوں یعنی زیادت محبت کا اس میں مؤاخذہ نہ فرمائیو۔ اور اس حدیث میں باکرہ اور ثیبہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ (اس لئے سب کی باری برابر ہوگی)

وجه: عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يقسم فيعدل و يقول اللهم هذا قسمي فيما املك فلا تلمني فيما تملك و لا املك. قال ابو داود يعني القلب (ابوداؤد شریف، باب فی القسم بین النساء ص ۳۰۸، نمبر

(۱۶۹۷) والقديمة والجديدة سواء ﴾ ۱؎ لاطلاق مارويناً ۲؎ ولان القسم من حقوق النكاح ولاتفاوت بينهن في ذلك ۳؎ والاختيار في مقدار الدور الى الزوج لان المستحق هو التسوية دون طريقها ۴؎ والتسوية في البيتوتة لا في المجامعة لانها تبتني على النشاط

۲۱۳۴/ترمذی شریف، باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر، ص ۲۱۶، نمبر ۱۱۴۰) اس حدیث میں بغیر کسی تفریق کے باکرہ ثیبہ سب کو برابر باری دی ہے اس لئے سب کے لئے برابر باری ہوگی۔

فائدہ: بعض ائمہ کی رائے ہے کہ شادی کر کے لایا ہو تو پہلے باکرہ کو سات دن دے اور ثیبہ ہو تو تین دن دے۔ پھر سب کے درمیان باری تقسیم کرے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن انس ولو شئت ان اقول قال النبی ﷺ ولكن قال السنة اذا تزوج البكر اقام عندها سبعا واذا تزوج الثيب اقام عندها ثلاثا. (بخاری شریف، باب اذا تزوج البکر علی الثیب ص ۸۵۷ نمبر ۵۲۱۳/ترمذی شریف، باب ماجاء فی القسمۃ للبکر والثیب ص ۲۱۶ نمبر ۱۱۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باکرہ کو شادی کر کے لائے تو پہلے اس کو سات دن ملیں گے۔ اور ثیبہ کو شادی کر کے لائے تو اس کو تین دن ملیں گے۔ پھر سب کے لئے باری مقرر ہوگی۔

ترجمہ: (۱۶۹۷) اور پرانی اور نئی برابر ہیں۔

ترجمہ: ۱؎ اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی۔

تشریح: کوئی بیوی ابھی شادی کر کے آئی ہو اس کے لئے پہلے تین دن یا سات نہیں ملے گا، بلکہ سب کے لئے برابر باری ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اوپر والی حدیث میں باری میں کوئی فرق بیان نہیں کیا، وہ حدیث مطلق ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس لئے کہ باری باندھنا نکاح کے حقوق میں ہے اور نکاح کے بارے میں ان عورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے (اس لئے سب کی باری برابر ہوگی)

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ باری باندھنا یہ نکاح کے حقوق میں سے ہے اور نکاح کے اعتبار سے سب بیویاں برابر ہیں اس لئے سب کے لئے برابر باری ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ اور دور کی مقدار میں اختیار شوہر کو ہے اس لئے کہ مستحق وہ برابری ہے، اس کا طریقہ نہیں ہے۔

تشریح: ایک ساتھ ایک ایک دن کی باری رکھے گا یا دو دو دن کی باری رکھے گا اس کا اختیار شوہر کو ہے، کیونکہ عورت کا حق صرف اتنا ہے کہ سبکو برابر دن دے، لیکن کتنے دنوں کا دور بنائے اس کا حق عورت کو نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴؎ رات گزارنے میں برابری کرے وطی میں برابری ضروری نہیں ہے اس لئے کہ اس کا مدار نشاط پر ہے۔

(۱۶۹۸) وان كانت احدهما حرة والاخرىٰ امة فللحرة الثلثان من القسم وللامة الثلث ﴾

۱؎ بذلک ورد الاثر ۲؎ ولان حل الامة انقص من حل الحرة فلابد من اظهار النقصان فی الحقوق

۳؎ والمكاتبة والمدبرة وام الولد بمنزلة الامة لان الرق فيهن قائم

تشریح : رات میں سونے میں عورت کے ساتھ برابری کرنا ضروری ہے، لیکن سب کے ساتھ برابر برابر وطی کرے یہ ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس کا مدار نشاط اور جذبے پر ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ ایک کے ساتھ ہمیشہ وطی کرے اور دوسری کے ساتھ جان کر بہت کم وطی کرے یہ جائز نہیں۔

ترجمہ : (۱۶۹۸) اگر بیویوں میں سے ایک آزاد ہو اور دوسری باندی ہو تو آزاد کے لئے دو تہائی ہے باری میں سے اور باندی کے لئے ایک تہائی ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اثر میں ایسا ہی وارد ہوا ہے۔

تشریح: چونکہ باندی کا حق آزاد سے آدھا ہے اس لئے تمام حقوق میں باندی کو آزاد کا آدھا ملے گا۔ اور باری میں بھی آزاد کو دو دن ملیں گے تو باندی کو ایک دن ملے گا

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کا اثر یہ ہے۔ عن علی قال اذا تزوجت الحرة على الامة قسم لها يومين وللامة يوما۔ (دار قطنی، کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۱۹۸، نمبر ۳۶۹۵ رسنن للبیہقی، باب الحر ینکح حرة علی الامة فیقسم للحرة یومین وللامة یوما، ج سابع، ص ۴۸۹، نمبر ۱۴۷۵۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ باندی کو آزاد کا آدھا ملے گا۔

ترجمہ : ۲؎ اور اس لئے کہ باندی کا حلال ہونا آزاد کے حلال ہونے سے کم ہے اس لئے حقوق میں نقصان کا اظہار ضروری ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ آزاد عورت کی طاقت نہ رکھتا ہو تب باندی سے نکاح کرنا جائز ہے اس لئے باندی کی حلت کم ہے اس لئے اس کے حق میں نقصان کا اظہار ہونا چاہئے اس لئے اس کو آزاد کی باری کا آدھا ملے گا۔

وجہ: باندی کی حلت کم ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ و من لم يستطيع منكم طولا ان ينكح المحصنات المؤمنات فمن ما ملكت أيمانكم من فتياتكم المؤمنات (آیت ۲۵، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ آزاد عورت کی طاقت نہ رکھتا ہو تب باندی سے نکاح کرے۔

ترجمہ: ۳؎ مکاتبہ اور مدبرہ اور ام ولد عورت باندی کے درجے میں ہے اس لئے کہ ان سب میں غلامیت قائم ہے۔

تشریح : جس باندی کو مال کتابت ادا کرنے کی شرط پر آزاد کرنے کا فیصلہ کیا ہو، اس کو مکاتبہ باندی کہتے ہیں۔ مالک نے کہا

(۱۶۹۹) قال ولا حق لهن فی القسم حالة السفر فیسافر الزوج بمن شاء منهن والاولیٰ ان یقرع بینهن فیسافربمن خرجت قرعتها ﴾ ۱؎ وقال الشافعیؒ القرعة مستحقة لماروی ان النبی علیه السلام کان اذا اراد سفرا اقرع بین نسائه ۲؎ الا انا نقول ان القرعة لتطییب قلوبهن فیکون من باب الاستحباب وهذا لانه لا حق للمرأة عند مسافرة الزوج الا یری ان له ان لا یستصحب واحدة منهن فکذا له ان یسافر بواحدة منهن ولا یحتسب علیه بتلک المدة

ہوکہ میرے مرنے کے بعد یہ باندی آزاد ہے اس کو مدبرہ باندی کہتے ہیں۔جس باندی سے آقا نے بچہ پیدا کیا ہواس کو ام ولد کہتے ہیں، یہ سب ابھی آزادنہیں ہوئے ہیں ان میں غلامیت کا اثر باقی ہے،اس لئے آزادعورت سے ان کی باری آدھی ہوگی۔

ترجمہ: (۱۶۹۹) ان کے لئے حق نہیں ہے باری میں سفر کی حالت میں۔اس لئے شوہر سفر کرے گا ان میں سے جن کے ساتھ چاہے گا۔اورزیادہ بہتر یہ ہے کہ انکے درمیان قرع ڈالے اورجن کا قرع نکلے اس کے ساتھ سفر کرے۔

تشریح: سفر کی حالت میں عورتوں کی باری ساقط ہوجائے گی اورشوہر جس کے ساتھ چاہے سفر کرے۔اوران دنوں کا حساب بھی نہیں کیا جائیگا۔البتہ بہتر یہ ہے کہ قرع ڈال لے اورجسکا قرع نکلے اس کے ساتھ سفر کرے تا کہ باقی عورت کو اطمینان ہو۔

وجہ: (۱) سفر میں ذہین اورسمجھدار عورت کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے باری برقرار رکھنا مشکل ہے (۲) حدیث میں سفر کے وقت قرع ڈالنے کا ثبوت ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔عن عائشة ان النبی ﷺ کان اذا اراد سفرا اقرع بین نسائه (بخاری شریف، باب القرعة بین النساء اذا اراد سفرا ص ۸۴۷ نمبر ۵۲۱۱/ مسلم شریف، باب فی حدیث الافک وقبول توبة القاذف، کتاب التوبة ص ۳۶۴ نمبر ۲۷۷۰/۷۰۲۰)اس حدیث میں ہے کہ سفر کا ارادہ کرے تو قرع ڈالے۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قرع ڈالنا واجب ہے اس روایت کی وجہ سے کہ نبی ﷺ جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرع ڈالتے۔

تشریح: اوپر میں حضرت عائشہؓ کی حدیث گزری جسکی بناء پر حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سفر کے وقت قرع ڈالنا ضروری ہے۔

ترجمہ: ۲؎ مگر ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ کا قرع ڈالنا بیویوں کے دل کے اطمینان کے لئے تھا اس لئے یہ استحباب کے درجے میں ہو گا،اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کے سفر کرتے وقت عورت کو باری کا حق نہیں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ بیویوں میں سے کسی کو ساتھ نہ لیجائے، ایسے ہی اس کے لئے جائز ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو سفر میں لیجائے، اور یہ مدت اس پر نہیں گنی جائے گی۔

۳؎ وان رضيت احدیٰ الزوجات بترک قسمها لصاحبتها جاز لان سودة بنت زمعة رضی الله عنها سألت رسول الله عليه السلام ان يراجعها وتجعل يوم نوبتها لعائشةؓ عنها ۴؎ ولها ان ترجع فی ذلک لانها اسقطت حقا لم يجب بعد فلايسقط .

تشریح : ہم اوپر والی حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضورؐ پر قرع ڈالنا واجب نہیں تھا یہ صرف بیویوں کی دلجوئی کے لئے تھا اس لئے قرع ڈالنا مستحب ہے، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ کسی بیوی کو بھی سفر میں ساتھ نہ لیجائے تو اس کے لئے یہ بھی ہے کہ ایک کو ساتھ لیجائے، اور جتنے دنوں تک ایک کو ساتھ لے گیا باری میں اس کا حساب نہیں ہوگا، جب گھر آئے گی تو شروع سے سب کی باری برابر ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ اگر راضی ہو جائے کوئی بیوی اپنی باری چھوڑنے پر اپنی سوکن کے لئے تو جائز ہے۔اس لئے کہ حضرت سودہ بنت زمعہ نے حضورؐ سے کہا تھا کہ اس سے رجعت کرلین اور اسکی باری حضرت عائشہؓ کے لئے کر دیں۔

وجہ : (۱) شوہر سے باری وصول کرنا اپنا حق ہے۔اس لئے اس کو دوسروں کے حوالے بھی کر سکتی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو سپرد کی تھی صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن عائشة ان سودة بنت زمعة وهبت يومها لعائشة وكان النبی ﷺ يقسم لعائشة بيومها ويوم سودة . (بخاری شریف، باب المرأة تھب یومھا من زوجھا لضرتھا وکیف یقسم ذلک ص ۸۵۷ نمبر ۵۲۱۲/ مسلم شریف، باب جواز ھبتھا نوبتھا لضرتھا ص ۴۷۳ نمبر ۱۴۶۳/۳۶۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی باری سوکن کو دے سکتی ہے (۳) آیت میں اس کا اشارہ موجود ہے۔وان امرأة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح عليهما ان يصلحا بينهما صلحا والصلح خير ـ (آیت ۱۲۸ سورة النساء ۴) اس آیت میں صلح کرنے سے باری ساقط کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اورعورت کے لئے جائز ہے کہ باری کو واپس لے لے، اس لئے کہ اس نے ایسا حق ساقط کیا تھا جو ابھی تک واجب نہیں ہوا تھا اس لئے ساقط نہیں ہوگا۔

تشریح: اپنی باری ساقط کرنے کے بعد جب واپس لینا چاہے واپس لے سکتی ہے۔اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ آئندہ کی باری ساقط کی ہے، حالانکہ وہ ابھی تک واجب ہی نہیں ہوئی ہے پس جو چیز ابھی تک واجب ہی نہیں ہوئی ہے اس کو ابھی کیسے ساقط کرے گی ،اس لئے آئندہ کی باری ساقط نہیں ہوئی۔

وجہ: (۱) کیونکہ ہمیشہ کے لئے ساقط نہیں کی (۲) یہ ہبہ کی طرح ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ ہبہ دینے کے بعد واپس لے سکتا ہے اس لئے اپنی باری بھی واپس لے سکتی ہے (۳) اثر میں ہے حضرت علی کے لمبے قول کا ٹکڑا یہ ہے۔فماطابت به نفسها فلا بأس

﴿کتاب الرضاع﴾

(۱۷۰۰)قال قلیل الرضاع و کثیرہ سواء اذا حصل فی مدۃ الرضاع یتعلق بہ التحریم ﴾

بہ فان رجعت سوی بینھما ۔(سنن للبیہقی، باب المرأۃ ترجع فیما وھبت من یومھا ج سابع ،ص ۴۸۵،نمبر ۱۴۷۳۷)اس اثر میں فان رجعت سوی بینھما ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ باری واپس لے لے تو برابری کی جائے گی۔

﴿ کتاب الرضاع ﴾

ضروری نوٹ: رضع کا معنی ہے دودھ پلانا، ڈھائی سال کے اندر دودھ پلانے کو رضاعت کہتے ہیں۔اس سے بھی ویسے ہی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسے نسب سے۔(۱)اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔وامھاتکم التّٰی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ ۔(آیت ۲۳ سورۃ النساء۴)(۲)دوسری آیت میں مدت رضاعت کا تذکرہ ہے۔والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ.(آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲)ان دونوں آیتوں سے رضاعت کا ثبوت ہوا۔

ترجمہ : (۱۷۰۰) تھوڑا دودھ پلانا اور زیادہ دودھ پلانا برابر ہے اگر حاصل ہو رضاعت کی مدت میں تو اس سے حرمت ثابت ہوگی۔

تشریح : رضاعت کی مدت امام اعظمؒ کے نزدیک ڈھائی سال ہے۔اگر اس مدت میں عورت نے تھوڑا سا بھی بچے کو دودھ پلایا تو اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔اور اس عورت سے اس بچے کا نکاح کرنا حرام ہوگا۔پانچ گھونٹ پینا ضروری نہیں ہے۔

وجہ: (۱)حرمت کی دلیل اوپر آیت گزری۔وامھاتکم التّٰی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ(آیت ۲۳ سورۃ النساء۴)(۲)حدیث میں ہے۔ان عائشۃ زوج النبی ﷺ اخبرتھا ... فقال نعم الرضاعۃ تحرم ما تحرم الولادۃ (بخاری شریف، باب وتحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب ص ۶۲۳ نمبر ۵۰۹۹ مسلم شریف، باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ ص ۴۶۶ نمبر ۱۴۴۴/۳۵۶۸ ترمذی شریف، باب ما جاء یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب ،ص ۲۷۸،نمبر ۱۱۴۶/ابوداؤد

ل وقال الشافعیؒ لایثبت التحریم الا بخمس رضعات لقوله علیه السلام لاتحرّم المصّة ولاالمصتان ولاالا ملاجة ولاالا ملاجتان

شریف، باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب، ص ۲۹۷، نمبر ۲۰۵۵) اس سے ثابت ہوا کہ نسب کی وجہ سے جن عورتوں سے نکاح حرام ہے رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوگا۔ اور تھوڑا سا بھی دودھ ہو اس سے حرمت ثابت ہوگی اس کی دلیل یہ ہے۔

وجه: ان علیا وابن مسعود کانا یقولان یحرم من الرضاع قلیله وکثیره۔ (نسائی شریف، القدر الذی یحرم الرضاعۃ، ص ۴۵۷، نمبر ۳۳۱۳/ دار قطنی، کتاب الرضاع، ج رابع، ص ۱۰۱، نمبر ۴۳۱۰/ سنن للبیہقی، باب من قال یحرم قلیل الرضاع وکثیرہ، ج سابع، ص ۷۵۴، نمبر ۱۵۶۴۱) (۲) ان ابن عباس کان یقول ماکان فی الحولین وان کانت مصة واحدة فهی تحرم۔ (موطا امام محمد، باب الرضاع، ص ۲۷۶/ مصنف عبد الرزاق، باب القلیل من الرضاع، ج سابع، ص ۳۷۵، نمبر ۱۴۰۰۰) ان آثار سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ چوسنے سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی (۳) آیت ارضعنکم مطلق ہے۔ کئی گھونٹ کی قید نہیں ہے اس لئے تھوڑا سا پلانے سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔

ترجمه: ل امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حرمت نہیں ثابت ہوگی مگر پانچ گھونٹ میں۔ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ نہیں حرام ہوتا ہے ایک مرتبہ چوسنے سے اور نہ دو مرتبہ چوسنے سے، اور نہ ایک مرتبہ پلانے سے اور دو مرتبہ پلانے سے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چوسنے یا دو مرتبہ چوسنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی، بلکہ پانچ مرتبہ پلائے گی تب حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔ انکی دلیل حضورؐ کی حدیث ہے جو آگے آرہی ہے۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعی ولو کانت لم تکمل خمس رضعات فحلب لها لبن کثیر فقطع ذالک اللبن فأجره صبی مرتین او ثلاثا حتی یتم خمس رضعات لم یحرم۔ (موسوعۃ امام شافعیؒ کتاب النکاح، فی لبن الرجل والمرأۃ، ج عاشر، ص ۱۰۵، نمبر ۱۵۶۱۰) اس عبارت میں ہے کہ چار گھونٹ پلایا تو اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی

وجه: (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشة انها قالت کان فیما انزل من القرآن عشر رضعات معلومات یحرمن ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی رسول الله وهی فیما یقرأ من القرآن۔ (مسلم شریف، باب التحریم بخمس رضعات ص ۴۶۹ نمبر ۱۴۵۲/ ۳۵۹۷/ ابو داؤد شریف، باب ھل یحرم مادون خمس رضعات، ص ۲۸۸، نمبر ۲۰۶۲/ ترمذی شریف، باب ماجاء لاتحرم المصۃ ولا المصتان، ص ۲۱۸، نمبر ۱۱۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ مرتبہ چوسنے سے پہلے حرمت ثابت نہیں ہوگی (۲) دوسری حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کی ہے۔ عن عائشة ... ان النبی ﷺ قال لا تحرم المصة والمصتان۔ (مسلم شریف، باب فی المصۃ والمصتان ص ۴۶۸ نمبر ۱۴۵۰/ ۳۵۹۰/ ابو داؤد شریف، باب ھل یحرم مادون خمس

۲ ولنا قوله تعالی وامهاتکم اللاتی ارضعنکم الآیة وقوله علیه السلام یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب من غیر فصل ۳ ولان الحرمة وان کانت لشبة البعضیة الثابتة بنشور العظم وابنات اللحم لکنه امر مبطن فتعلق الحکم بفعل الارضاع ۴ وما رواه مردود بالکتاب اومنسوخ به

رضعات ص ۲۸۸ نمبر ۲۰۶۳ ۳/ ترمذی شریف نمبر ۱۱۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ اور دو مرتبہ چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

لغت: مصۃ: چوسنا، دودھ پلانا۔ املاجۃ: ملج سے مشتق ہے دودھ پلانا۔

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل اللہ تعالی کا قول۔ وامھاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) اور حضورؐ کا قول ہے رضاعت سے وہ سارے لوگ حرام ہوتے ہیں جو نسب سے ہوتے ہیں، بغیر کسی فرق کے۔

تشریح: اوپر آیت گزری جس میں ہے کہ تمہاری وہ مائیں جس نے تمکو دودھ پلایا، اس آیت میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ ایک گھونٹ پلایا یا چند گھونٹ پلایا، یہ آیت مطلق ہے اس لئے ایک گھونٹ پلانے سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ نسب سے جو لوگ حرام ہوتے ہیں رضاعت سے بھی وہی لوگ حرام ہوتے ہیں، اور اس میں یہ تفصیل نہیں ہے ایک گھونٹ پلائے تب حرام ہونگے یا کئی گھونٹ پلائے تب حرام ہونگے، اس لئے ایک گھونٹ پلانے سے بھی حرام ہونا چاہئے۔ حدیث یہ ہے۔ (۲) حدیث میں ہے۔ ان عائشة زوج النبی علیہ السلام اخبرتها ... فقال نعم الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة (بخاری شریف، باب ویحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب ص ۶۳ ۷ نمبر ۵۰۹۹/ مسلم شریف، نمبر ۱۴۴۴/ ۳۵۶۸/ ترمذی شریف، نمبر ۱۱۴۶)

ترجمہ: ۳ اور اس لئے کہ حرمت اگر چہ بعضیت کے شبہ کی وجہ سے ہے جو ثابت ہے ہڈی کے بڑھ جانے اور گوشت کے اگانے سے، لیکن یہ باطن معاملہ ہے، اس لئے حکم دودھ پلانے کے فعل کے ساتھ متعلق ہوگا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ دودھ پلانے سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دودھ سے بچے کی ہڈی بڑھتی ہے اور گوشت پیدا ہوتا ہے جسکی وجہ سے بچہ ماں کا جزو بن جاتا ہے اور یہی بعض ہونے کی وجہ سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے، اور بعض ہوا یا نہیں یہ باطن اور پوشیدہ امر ہے، اس لئے ایک گھونٹ پلانے پر ہی یہ حکم لگا دیا گیا کہ بچہ ماں کا حصہ بن گیا اور بچے سے ماں اور خاندان کی شادی حرام ہوگئی۔ اس لئے ایک گھونٹ پلانے سے بھی بعضیت ثابت کردی گئی اور حرمت ثابت کردی گئی۔

ترجمہ: ۴ اور امام شافعیؒ نے جو روایت کی آیت کی وجہ سے وہ مردود ہے یا منسوخ ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ نے جو پانچ گھونٹ والی حدیث پیش کی ہے اگر وہ آیت سے پہلے ہے تو آیت نے اس حدیث کو منسوخ کر

۵ وینبغی ان یکون فی مدة الرضاع لما نبین (۱۷۰۱)ثم مدة الرضاع ثلثون شهرا عند ابی حنیفة ۱وقالا سنتان وهو قول الشافعیؒ

دیا، اور اگر آیت پہلے ہے اور حدیث بعد میں ہے تو آیت کے مقابلے میں حدیث کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اسی کو صاحب ہدایہ نے مردود بالکتاب کہا ہے۔

ترجمہ: ۵ اور مناسب ہے کہ یہ پینا رضاعت کی مدت میں ہو، اس کی وجہ آگے بیان کروں گا

تشریح: حرمت رضاعت اس وقت ثابت ہوگی جبکہ مدت رضاعت میں دودھ پیا ہو، اس کی وجہ آگے آئے گی۔

ترجمہ: (۱۷۰۱) رضاعت کی مدت امام ابوحنیفہ کے نزدیک تیس مہینے ہیں۔

تشریح: امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی اصل میں دو سال ہی ہیں البتہ احتیاط کے طور پر چھ ماہ زیادہ کر دیا ہے تاکہ دو سال کے بعد دودھ چھوڑتے چھوڑتے چھ ماہ نکل جائیں گے۔ چنانچہ موطا امام محمد میں اس کی تصریح ہے۔ **وکان ابو حنیفة یحتاط بستة اشهر بعد الحولین فیقول یحرم ما کان فی الحولین وبعدهما الی تمام ستة اشهر وذلک ثلثون شهرا ولا یحرم ما کان بعد ذلک ونحن لا نری انه یحرم ونری انه لا یحرم ما کان بعد الحولین** ۔(موطا امام محمد، باب الرضاع ص ۲۷۸) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حرمت کے لئے دو سال اصل ہیں اور مزید چھ ماہ احتیاط کے لئے ہیں۔

وجہ: (۱) **و حمله و فصاله ثلاثون شهرا** ۔(آیت ۱۵، سورۃ الاحقاف ۴۶) اس آیت میں حمل کی مدت بھی تیس مہینے ہیں۔ اور دودھ پلانے کی مدت بھی تیس مہینے ہیں۔ اور حدیث کی بنیاد پر حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہوگئی تو دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے یعنی ڈھائی سال رہ گئی۔

ترجمہ: ۱ صاحبینؒ نے فرمایا کہ دو سال ہے، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔

تشریح: صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے کہ دو سال تک رضاعت کی مدت ہے اس کے اندر اندر دودھ پلائے گی تو حرمت ثابت ہوگی اس کے بعد حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ **قال الشافعیؒ ....و لا یحرم من الرضاع الا ما تم خمس رضعات فی الحولین** ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ، باب رضاعۃ الکبیر، ج عاشر، ص ۹۸، نمبر ۱۵۵۷۶) اس عبارت میں ہے کہ دو سال تک رضاعت کی مدت ہے۔

وجہ: (۱) اس آیت میں ہے۔ **والوالدات یرضعن اولادهن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة** ۔(آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ دو سال دودھ پلائے (۲) **و حمله و فصاله ثلاثون شهرا** ۔(آیت ۱۵، سورۃ الاحقاف ۴۶) اس آیت میں حمل کی مدت اور دودھ پلانے کی مدت دونوں ملا کر تیس مہینے ہیں، اور حمل کی کم سے مدت چھ مہینے ہیں تو

۲ وقال زفرؒ ثلثة احوال لان الحول حسن للتحول من حال الى حال ولابد من الزيادة على الحولين لما تبين فتقدر به ۳ ولهما قوله تعالى وحمله وفصاله ثلثون شهرا ومدة الحمل ادنا ها ستة اشهر فبقى للفصال حولان

اب دودھ پلانے کی مدت دوسال رہ گئی۔(۳)ووصينا الانسان بوالديه حملته امه وهنا على وهن و فصاله فى عامين ان اشكر لى و لوالديک الى المصير ۔(آیت۱۴،سورۃ لقمان۳۱)اس آیت میں ہے کہ اسکی دودھ پلانے کی مدت دوسال ہے۔ (۴) عن ابن عباس قال رسول الله ﷺ لا رضاع الا ماكان فى الحولين. (دارقطنی،کتاب الرضاع،ج رابع،ص۱۰۳،نمبر۴۳۱۸،سنن للبیہقی،باب ماجاء فی تحدید ذلک بالحولین،ج سابع،ص۷۶۰،نمبر۱۵۶۶۳)(۵)اس حدیث میں بھی اس کا اشارہ ہے۔عن عائشة ... فقال انظرن ما اخواتكن فانما الرضاعة من المجاعة . (بخاری شریف،باب من قال لا رضاع بعد حولین ص۷۶۴نمبر۵۱۰۲/ابوداؤدشریف،باب فی رضاعۃ الکبیر ص۲۸۸ نمبر۲۰۵۸)اس حدیث میں ہے کہ جس زمانے میں صرف دودھ سے بھوک دور ہو اس زمانے میں دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوگی۔یعنی دوسال کے اندر۔

ترجمہ : ۲ اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ تین سال۔اس لئے کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدلنے کے لئے ایک سال بہتر ہے اور جیسے پہلے ظاہر ہوا دوسال سے زیادہ ہونا ضروری ہے،اس لئے تین سال متعین فرمایا۔

تشریح : امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مدت رضاعت تین سال ہے،اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ دوسال تو رضاعت کے لئے ہے اب دودھ پینے سے کھانے کی طرف عادت لگانے کے لئے کچھ نہ کچھ وقت چاہئے ،تو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدلنے کے لئے ایک سال بہتر ہے کیونکہ اس میں مختلف موسم آتے ہیں اس لئے دوسال پر ایک سال زیادہ کیا جائے تو تین سال مدت رضاعت ہوگی۔

لغت : حول: ترجمہ ہے سال،اسی سے احوال بدلنے والی چیز۔حولین: دوسال۔تبین: ظاہر ہو گیا۔تقدر بہ: اس سے اندازہ لگایا جائے۔

ترجمہ : ۳ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا قول حمل اور دودھ چھوڑ نا تیس مہینے ہیں،اور کم سے کم مدت حمل چھ مہینے ہیں تو دودھ چھڑانے کے لئے دوسال باقی رہے۔

تشریح : صاحبینؒ کی دلیل یہ آیت ہے۔و حمله و فصاله ثلاثون شهرا ۔(آیت۱۵،سورۃ الاحقاف۴۶)اس آیت میں حمل کی مدت اور دودھ پلانے کی مدت دونوں ملا کر تیس مہینے ہیں،اور حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہیں تو اب دودھ پلانے کی مدت دوسال رہ گئی۔

۴؎ وقال النبی علیہ السلام لارضاع بعد حولین ۵؎ وله هذه الأية ووجهه انه تعالی ذكر شيأين وضرب لهما مدة فكانت لكل واحد منهما بكما لها كالاجل المضروب للدينين الاانه قام المنقص في احدٰهما فبقي الثاني على ظاهره ٦؎ ولانه لابد من تغير الغذاء لينقطع الانبات باللبن وذلک بزيادة مدة يتعود الصبي فيها غيره فقدرت بادنى مدة الحمل لانها مغيرة فان غذاء الجنين يغاير غذاء

ترجمه: ۴؎ صاحبینؒ کی دوسری دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ دوسال کے بعد دودھ پلانا نہیں ہے۔اس کے لئے حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس قال رسول الله ﷺ لا رضاع الا ما كان في الحولين. (دار قطنی، کتاب الرضاع، ج رابع، ص۱۰۳ ،نمبر ۴۳۱۸ رسنن للبیہقی ، باب ماجاء فی تحدید ذلک بالحولین ، ج سابع ،ص ۷۶۰، نمبر ۱۵۶۶۳) اس حدیث میں ہے کہ دوسال کے بعد دودھ پلانا نہیں ہے۔

ترجمه: ۵؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل بھی یہی آیت ہے اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے دو چیزیں ذکر کیں، اور دونوں کے لئے ایک مدت متعین کی اس لئے ہر ایک کی مدت پوری پوری ہوگی، جیسے کہ کوئی مدت دوقرضوں کے لئے متعین ہو،مگر یہ کہ دونوں میں سے ایک میں کم کرنے والی حدیث مل گئی،اس لئے دوسری اپنے ظاہر پر باقی رہی۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ جوفرماتے ہیں کہ رضاعت کی مدت ڈھائی سال ہے انکی دلیل بھی یہ آیت ہے ۔ و حمله و فصاله ثلاثون شهرا ۔(آیت ۱۵،سورۃ الاحقاف ۴۶) لیکن انکا طریقہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں دودھ پلانے کی مدت بھی بیان کی گئی ہے اورحمل کی مدت بھی بیان کی گئی ہے اور دونوں کے لئے تیس مہینے کہا گیا ہے اس لئے دونوں کے لئے تیس تیس مہینے مدت ہو گی ،جس طرح دوقرضوں کی مہلت کی مدت ایک سال ہوتو دونوں کے لئے ایک ایک سال کی مہلت ہو جائے گی ،اسی طرح یہاں ہے۔البتہ حضرت عائشہؓ کے قول کی وجہ سے حمل کی مدت دوسال ہے اس لئے رضاعت کی مدت اپنی جگہ تیس مہینے یعنی ڈھائی سال ہی ہوگی۔

لغت: اجل: مدت ۔ضرب: متعین کرنا۔ منقص: کم کرنے والی چیز۔

ترجمه: ٦؎ اوراس لئے کہ غذا کی تبدیلی ضروری ہے تا کہ دودھ سے بڑھنا منقطع ہوجائے اور یہ تغیر ایسی مدت کی زیادتی سے ہوگا جس میں بچہ دودھ کے علاوہ دوسری غذا کا عادی ہوجائے ، پس ادنی مدت حمل کے ساتھ اس زیادتی کا اندازہ لگایا گیا ہے، کیونکہ یہ مدت تغیر دینے والی ہے، اس لئے کہ پیٹ کے بچے کی غذا دودھ پیتے بچے کی غذا سے الگ ہے، اور دودھ پیتے بچے کی غذا دودھ چھوڑنے والے بچے کی غذا سے الگ ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ آیت کی وجہ سے دوسال تو طے ہے اس کے بعد دودھ پینے سے کھانے کی عادت بدلنے کے لئے

الرضيع كما يغاير غذاء الفطيم ۷؎ والحديث محمول على مدة الاستحقاق وعليه يحمل النص المقيد بحولين في الكتاب (۱۷۰۲) قال واذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق بالرضاع تحريم ﴾ ۱؎ لقوله عليه السلام لا رضاع بعد الفصال

کچھ وقت ضروری ہے، اس لئے کہ پیٹ کے بچے کی غذا اور ہے اور دودھ پیتے بچے کی غذا اور ہے، اور دودھ چھوڑنے والے بچے کی غذا اور ہے، اس لئے حمل کی جو ادنی مدت ہے اس سے اندازہ لگایا گیا اور چھ مہینے اور بڑھا کر تیس مہینے کر دئے گئے۔

لغت : یتوعد: عادی بن جائے۔ انبات: اگنا، بڑھنا۔ جنین: پیٹ کے اندر کا بچہ۔ رضیع: دودھ پیتا بچہ۔ فطیم: دودھ چھوڑنے والا بچہ۔ فصال: دودھ چھوڑنا۔

ترجمہ: ۷؎ اور حدیث مدت استحقاق پر محمول ہے، اور اسی پر اس آیت کو حمل کیا جائے گا جو دو سال کے ساتھ مقید ہے۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب ہے، فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو ہے کہ دو سال تک دودھ پلائے، اس حدیث میں مدت رضاعت نہیں بیان کی گئی ہے، بلکہ اجرت دیکر دودھ پلانے کی مدت بیان کی گئی ہے، کہ باپ پر اجرت دیکر دو سال تک دودھ پلانا ضروری ہے۔ اور جس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دو سال تک دودھ پلائے اس میں بھی اجرت دیکر دودھ پلانے کا ذکر ہے، مدت رضاعت کا ذکر نہیں ہے، اس لئے مدت رضاعت دو سال سے زیادہ ہو سکتی ہے کہ ڈھائی سال کے اندر اندر دودھ پلائے تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس قال رسول الله ﷺ لا رضاع الا ما كان في الحولين.** (دار قطنی، کتاب الرضاع، ج رابع ص ۱۰۳، نمبر ۴۳۱۸؍ سنن للبیہقی، باب ماجاء فی تحدید ذلک بالحولین، ج سابع، ص ۷۶۰، نمبر ۱۵۶۶۳) اور آیت یہ تھی۔ **والوالدات يرضعن اولادهن حولين كاملين لمن اراد ان يتم الرضاعة.** (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ باپ پر دو سال تک دودھ پلانا ضروری ہے۔

ترجمہ: (۱۷۰۲) اگر رضاعت کی مدت گزر جائے تو دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ دودھ چھڑانے کے بعد حرمت رضاعت نہیں ہے۔

تشریح: اگر مدت رضاعت دو سال یا ڈھائی سال گزر گیا اور اس کے بعد کسی عورت کا دودھ پیا تو اب اس عورت سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) اس حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کیا ہے۔ **عن علیؓ قال قال رسول الله ﷺ لا طلاق الا بعد نكاح و لا عتق قبل ملك و لا رضاع بعد فصال** ۔ (سنن بیہقی، باب رضاع الکبیر، ج سابع، ص ۷۵۹، نمبر ۱۵۶۵۸) اس حدیث میں ہے کہ دودھ چھوڑنے کے بعد اب حرمت رضاعت نہیں ہوگی۔ (۲) **اتى ابن مسعود فقال انت الذي تفتي**

۲؎ و لان الحرمة باعتبار النشو وذلک فی المدة اذا الکبیر لا یتربی به ۳؎ ولایعتبر الفطام قبل المدة الا فی روایة عن ابی حنیفةؒ اذا استغنی عنه ووجهه انقطاع النشو بتغیر الغذاء

هذا بکذا و کذا و قد قال رسول اللہ ﷺ : لا رضاع الا ما شد العظم و انبت اللحم۔ (سنن بیہقی، باب رضاع الکبیر، ج سابع، ص۷۵۹، نمبر۱۵۶۵۳)(۳)عن عبد اللہ قال لا رضاع الا ما کان فی الحولین [ما انشز العظم و انبت اللحم ۔(سنن بیہقی، باب رضاع الکبیر، ج سابع، ص۷۵۹، نمبر۱۵۶۶۵)(۴)اوپر حدیث گزر گئی۔لا رضاع الا ما کان فی الحولین(دارقطنی، نمبر۴۳۱۸)(۵)اوردوسری حدیث گزری فانما الرضاعة من المجاعة۔(بخاری شریف، نمبر۵۱۰۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد بچے کو دودھ پلائے تو اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ اس لئے کہ حرمت گوشت بڑھنے کے اعتبار سے ہے اور یہ رضاعت کی مدت میں ہے اس لئے کہ بڑا دودھ سے نہیں بڑھتا۔

تشریح: رضاعت کی حرمت کا مدار اس بات پر ہے کہ اسی دودھ سے ہی گوشت اور ہڈی بڑھے، اور یہ ڈھائی سال کے اندر ہوتا ہے، اس لئے کہ ڈھائی سال کے بعد غذا سے بھی گوشت اور ہڈی بڑھتی ہے اس لئے ڈھائی سال کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

وجہ: اس اثر میں ہے۔ عن الحجاج بن الحجاج الاسلمی انه استفتی ابا هريرة فقال لا يحرم الا ما فتق الامعاء ۔(مصنف عبد الرزاق، باب القلیل من الرضاع، ج سابع، ص۴۷۳، نمبر۱۳۹۸۵)اس اثر میں ہے کہ اس دودھ سے حرمت ثابت ہوگی جس سے آنت بڑھے اور بھوک ختم ہو۔

ترجمہ: ۳؎ مدت سے پہلے دودھ چھوڑنے کا اعتبار نہیں ہے مگر امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت میں جبکہ دودھ سے بے پرواہ ہو جائے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غذا کے بدلنے سے اس کی نشو نما منقطع ہوگئی۔

تشریح: کسی بچے کو ڈھائی سال سے پہلے مکمل دودھ چھڑا دیا گیا اور وہ مکمل طور پر غذا پر بھروسہ کرنے لگا اب کسی عورت نے دودھ پلا دیا تب بھی حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ چاہے اس نے دودھ چھوڑ دیا ہے پھر بھی حدیث کے اعتبار سے وہ ابھی مدت رضاعت میں ہے اس لئے اس مدت میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔البتہ حسن بن زیاد سے امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت ہے کہ اس کو دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے مکمل طور پر دودھ چھوڑ دیا ہے تو اس کے گوشت اور ہڈی

۴ وهل يباح الا رضاع بعد المدة قد قيل لا يباح لان اباحته ضرورية لكونه جزء الا دمي

(۱۷۰۳) قال ويحرم من الرضاع ما يحرم من النسب﴾ ۱ للحديث الذي روينا

بڑھنے کا مدار اب دودھ پر نہیں رہا بلکہ غذا پر ہو گیا ہے اس لئے دودھ پینے سے گویا کہ گوشت اور ہڈی نہیں بڑھی اس لئے اس وقت پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

وجہ: اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن عائشةؓ ان النبی ﷺ دخل علیها و عندها رجل فکانه تغیر وجهه، کانه کره ذالک فقالت انه اخی فقال انظرن ما اخواتکن فانما الرضاعة من المجاعة ۔(بخاری شریف، باب لا رضاع بعد حولین، ص۹۱۲، نمبر۵۱۰۲) اس حدیث میں ہے کہ جو دودھ بھوک کو ختم کرے اس دودھ سے حرمت ثابت ہوتی ہے، اور اس بچے نے غذا کھانا شروع کر دیا ہے اس لئے اس سے بھوک ختم نہیں ہوگی اس لئے اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی ۔(۲) اس اثر میں ہے۔ عن الحجاج بن الحجاج الاسلمی انه استفتی ابا هریرة فقال لا یحرم الا ما فتق الامعاء ۔(مصنف عبدالرزاق، باب القلیل من الرضاع، ج سابع، ص۳۷۳، نمبر۱۳۹۸۵) اس اثر میں ہے کہ اس دودھ سے حرمت ثابت ہوگی جس سے آنت بڑھے اور بھوک ختم ہو، اور اس کا کھانا غذا ہو گیا ہے اس لئے اس سے حرمت ثابت نہیں ہونی چاہئے۔

لغت: فطام: دودھ پینا چھوڑ دینا۔ النشو: نشو ونما، گوشت اور ہڈی بڑھنا۔

ترجمہ: ۴ دو سال کی مدت کے بعد دودھ پلانا جائز ہے، تو کہا گیا ہے کہ مباح نہیں ہے اس لئے کہ دودھ پینے کی اباحت ضرورت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ وہ آدمی کا جزو ہے۔

تشریح: بچے پر ڈھائی سال کی مدت گزر چکی ہے، لیکن بچہ مزید دودھ پینا چاہتا ہے، تو کیا اس کو ماں کا دودھ پلانا جائز ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ مباح نہیں ہے، کیونکہ یہ آدمی کا جزو ہے، اور آدمی کا جزو ضرورت کی بنا پر حلال کیا گیا ہے، اور ڈھائی سال میں ضرورت پوری ہوگئی، اس لئے اب مباح نہیں ہونا چاہئے۔

ترجمہ: (۱۷۰۳) اور دودھ پلانے سے حرام ہوتے ہیں وہ لوگ جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

ترجمہ: ۱ اس حدیث کی بنا پر جو ہم نے روایت کی۔

تشریح: یہاں سے فرمانا چاہتے ہیں کہ جو لوگ نسب سے حرام ہوتے ہیں وہی لوگ رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نسب سے تو حرام ہو جائیں گے لیکن رضاعت کی وجہ سے وہ دور کے رشتہ دار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ لوگ حرام نہیں ہوں گے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

وجہ: (۱) حرمت کی دلیل یہ آیت ہے۔ وامهاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴)

(۱۷۰۴) الا ام اخته من الرضاع فانه يجوز ان يتزوجها ولا يجوز ان يتزوج ام اخته من النسب ﴾ لـ لانها تكون امه او موطوءة ابيه بخلاف الرضاع (۱۷۰۵) ويجوز تزوج اخت ابنه من الرضاع ولايجوز ذلک من النسب ﴾ لـ لانه لما وطی امها حرمت عليه ولم يوجد هذا المعنى فی الرضاع (۱۷۰۶) وامرأة ابيه او امرأة ابنه من الرضاع لا يجوز ان يتزوجها كما لا يجوز ذلک من النسب ﴾

(۲) حدیث میں ہے۔ان عائشة زوج النبی ﷺ اخبرتها ... فقال نعم الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة (بخاری شریف، باب وتحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب ص ۶۳۷ نمبر ۵۰۹۹ رمسلم شریف، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة ص ۶۶۴ نمبر ۱۴۴۴ ر ۳۵۶۸) اس سے ثابت ہوا کہ نسب کی وجہ سے جن عورتوں سے نکاح حرام ہے رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوگا۔

ترجمہ : (۱۷۰۴) مگر رضاعی بہن کی ماں کہ جائز ہے اس سے نکاح کرنا۔اور نہیں جائز ہے کہ نسبی بہن کی ماں سے شادی کرے۔

ترجمہ: لـ اس لئے کہ وہ اس کی ماں ہوگی یا اس کی باپ کی موطوہ ہوگی، بخلاف رضاعی بہن کی ماں کے۔

تشریح : رضاعی بہن کی ماں اجنبیہ ہوگی اس لئے اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔اور نسبی بہن کی ماں تو خود کی ماں بن گئی اس لئے اس سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔یا اپنی سوتیلی بہن کی ماں سوتیلی ماں ہوگی اور باپ کی مدخول بہا ہوگی اس لئے اس سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۱۷۰۵) اور رضاعی بیٹے کی بہن سے جائز ہے نکاح کرنا۔اور نہیں جائز ہے نسبی بیٹے کی بہن سے شادی کرنا۔

وجہ: رضاعی بیٹے کی بہن اجنبیہ ہوگی۔اس لئے اس سے نکاح جائز ہوگا۔اور اپنے نسبی بیٹے کی بہن اپنی بیٹی ہوگی اس لئے اس سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ: لـ اس لئے کہ جب اس کی ماں سے وطی کیا تو لڑکی اس پر حرام ہوگئی، اور یہ معنی رضاعی میں نہیں پائی گئی۔

تشریح : اپنے نسبی بیٹے کی اپنی بہن ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں [۱] ایک یہ کہ یہ لڑکی بھی اسی آدمی کے نطفے سے ہے تب تو یہ اپنی بیٹی بن گئی، اور اپنی بیٹی سے نکاح جائز نہیں۔[۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ بیٹا تو اپنا ہے لیکن اس کی ماں سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہ دوسرے شوہر سے، لیکن ماں سے جب وطی کیا تو وہ مدخول بہا بن گئی اور مدخول بہا کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں ہوگی، کیونکہ وہ سوتیلی بیٹی بن گئی، اس لئے اس سے بھی نکاح جائز نہیں ہے، صاحب ہدایہ نے یہی دلیل بیان کی ہے۔اور اپنے بیٹے کی رضاعی بہن ہے تو باپ نے اس کی ماں سے وطی نہیں کیا ہے اس لئے اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔

ترجمہ: (۱۷۰۶) اور نہیں جائز ہے نکاح رضاعی باپ کی بیوی سے، یا بیٹے کی بیوی سے، جیسا کہ نہیں جائز ہے نسبی سے۔

﴿ ۱ لما روينا ۲ و ذكر الاصلاب في النص لا سقاط اعتبار التبني على ما بيناه (۱۷۰۷) ولبن الفحل يتعلق به التحريم وهو ان ترضع المرأة صبية فتحرم هذه الصبية على زوجها وعلى اٰبائه و ابنائه ويصير الزوج الذى نزل لها منه اللبن اباً للمرضعة ﴾

ترجمہ: ۱ اس حدیث کی بنا پر جو ہم نے روایت کی۔

تشریح: رضاعی باپ کی بیوی کی صورت یہ ہے کہ، مثلا خالد نے عمر کی بیوی کا دودھ پیا جسکی وجہ سے عمر رضاعی باپ بن گیا، پھر عمر نے دوسری بیوی ہندہ سے نکاح کیا، پھر ہندہ کو طلاق دے دی تو خالد کے لئے ہندہ سے شادی کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ رضاعی باپ کا مدخول بھا ہے۔ اور رضاعی بیٹے کی بیوی کی صورت یہ ہے عمر کی بیوی نے خالد کو دودھ پلایا جسکی وجہ سے خالد اس کا رضاعی بیٹا بن گیا، اب خالد کی بیوی سے عمر کا نکاح درست نہیں ہے، کیونکہ وہ رضاعی بہو بن گئی۔ جس طرح اپنے نسبی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہوتا۔

وجہ: (۱) آیت میں ہے۔ وحلائل ابنائكم الذين من اصلابكم. (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں اپنے صلبی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا حرام قرار دیا۔ اس سے متبنی بیٹے کی بیوی نکل گئی۔ اس سے شادی کرسکتا ہے۔ لیکن رضاعی بیٹے کی بیوی داخل ہے اور اس سے نکاح کرنا حرام ہے (۲) اثر میں ہے۔ حدثني عمي اياس بن عامر قال قال لا تنكح من ارضعته امرأة ابيك ولا امرأة ابنك ولا امرأة اخيك . (سنن للبیہقی، باب یحرم من الرضاع ما یحرم من الولادة وان لبن الفحل یحرم ج سابع، ص ۷۶۴، نمبر ۱۵۶۱۶) اس اثر میں ہے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی سے شادی مت کرو۔

ترجمہ: ۲ آیت میں صلب کا ذکر متبنی کے اعتبار کو ساقط کرنے کے لئے ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

تشریح: آیت۔ وحلائل ابنائكم الذين من اصلابكم. (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) میں اصلاب کا ذکر متبنی بیٹے کی بیوی کو ساقط کرنے کے لئے ہے، ورنہ رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے۔

ترجمہ: (۱۷۰۷) مرد کے دودھ سے حرمت متعلق ہوتی ہے وہ یہ کہ عورت دودھ پلائے بچی کو تو حرام ہو جائے یہ بچی اس کے شوہر پر اور شوہر کے باپ پر اور شوہر کے بیٹوں پر اور وہ شوہر جس سے عورت کا دودھ اترا ہے وہ دودھ پینے والی بچی کا باپ ہوگا۔

تشریح: مثلا فاطمہ نے ساجدہ بچی کو دودھ پلایا تو فاطمہ کا شوہر مثلا زید ہے جس کی وطی سے فاطمہ کو دودھ اترا ہے۔ اس شوہر کے لئے ساجدہ دودھ پینے والی بچی حرام ہوگئی۔ اسی طرح شوہر زید کا باپ بچی کیلئے دادا بن گیا۔ اس لئے زید کا باپ ساجدہ سے شادی نہیں کرسکتا۔ زید کا نسبی بیٹا خالد ساجدہ بچی کا رضاعی بھائی بن گیا اس لئے ساجدہ اس رضاعی بھائی سے شادی نہیں کرسکتی۔

وجہ: (۱) صحبت کرنے کی وجہ سے دودھ اترا ہے اس لئے شوہر کا اصول یعنی باپ دادا اور فروع یعنی بیٹا اور پوتا بچی پر حرام ہو

۱؎وفی احد قولی الشافعیؒ لبن الفحل لا یحرم لان الحرمة لشبهة البعضیة و اللبن بعضها لا بعضه

گئے ۔ جیسے نسبی باپ، دادااور بھائی حرام ہو جاتے ہیں (۲) حدیث میں ہے، جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کیا ہے۔ عن عائشه قالت جاء عمی من الرضاعة یستأذن علی فابیت ان آذن له حتی استأمر رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ فلیلج علیک فانه عمک، قالت انما ارضعتنی المرأة ولم یرضعنی الرجل قال فانه عمک فلیلج علیک ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی لبن الفحل ص ۲۱۸ نمبر ۱۱۴۸/ بخاری شریف، باب لبن الفحل ص ۷۶۴ نمبر ۵۱۰۳/ مسلم شریف، باب تحریم الرضاعة من ماء الفحل ص ۴۶۶ نمبر ۱۴۴۵/۳۵۷۱) اس حدیث میں ہے کہ رضاعی باپ کا جو بھائی تھا جس کو رضاعی چچا کہتے ہیں ۔ اس سے پردہ نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی محرم بن گئے ۔ اور رضاعی باپ کے اصول اور فروع بھی محرم بن گئے ۔ ان سے بھی شادی کرنا حرام ہو گیا (۳) عن ابن عباس انه سئل عن رجل له جاریتان ارضعت احداهما جاریة والاخری غلاما ایحل للغلام ان یتزوج الجاریة ؟ فقال: لا، اللقاح واحد ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی لبن الفحل ص ۲۱۸ نمبر ۱۱۴۹/ سنن للبیہقی، باب یحرم من الرضاع ما یحرم من الولادة وان لبن الفحل یحرم ج سابع ص ۴۵۳) اس اثر میں ایک آقا کی دو باندیاں تھیں ۔ اور دونوں کو دودھ اترتا تھا ۔ ایک باندی نے لڑکے کو دودھ پلایا اور دوسری نے لڑکی کو دودھ پلایا تو چونکہ دونوں کا رضاعی باپ ایک ہے اس لئے یہ دونوں آپس میں شادی نہیں کر سکتے ۔ جس سے معلوم ہوا کہ جس شوہر کی صحبت سے دودھ اترا ہے حرمت میں اس کا اعتبار ہے۔

ترجمہ : ۱؎ حضرت امام شافعیؒ کے دو قول میں سے ایک قول میں یہ ہے کہ مرد کا دودھ حرام نہیں کرتا اس لئے کہ حرمت بعضیت کے شبہ کی وجہ سے ہے اور دودھ عورت کا جزو ہے نہ کہ شوہر کا، [اس لئے شوہر یعنی باپ سے حرمت نہیں ہونی چاہئے]۔

تشریح : امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ عورت کے دودھ پلانے کی وجہ سے اس کا شوہر بچی کے لئے حرام نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ دودھ کی وجہ سے بچی ماں کا جزو بن جاتی ہے اس لئے حرمت ہوتی ہے، اور یہ دودھ عورت کا ہے شوہر کا تو ہے نہیں اس لئے بچی شوہر کا جزو نہیں بنی اس لئے اس سے حرمت بھی ثابت نہیں ہونی چاہئے ۔ ۔ لیکن امام شافعیؒ کا دوسرا قول اصل ہے کہ رضاعی باپ بھی لڑکی کے لئے حرام ہوگا، کیونکہ اسی کی وطی سے دودھ اترا ہے، موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ و اللبن اذا کان من حمل ۔ و لا احسبه یکون الا من حمل ۔ فاللبن للرجل و المرأة کما یکون الولد للرجل و المرأة. (موسوعہ امام شافعیؒ، باب فی لبن الرجل والمرأة، ج عاشر ص ۱۰۰، نمبر ۱۵۵۸۳) اس عبارت میں ہے کہ دودھ مرد اور عورت دونوں کا ہے اس لئے دونوں سے حرمت ثابت ہوگی۔

لغت : فحل: سانڈ، وہ شوہر جس نے عورت سے وطی کی ہو اور اس سے بچہ پیدا ہوا ہو۔ البعضیة : بعض ہونا، جزو ہونا۔

۲؎ ولنا ماروينا والحرمة بالنسب من الجانبين فكذا بالرضاع ۳؎ وقوله عليه السلام لعائشة رضى الله عنها ليلج عليک افلح فانه عمک من الرضاعة ۴؎ ولانه سبب لنزول اللبن منها فيضاف اليه فى موضع الحرمة احتياطا

ترجمہ : ۲؎ ہماری دلیل وہ حدیث جو ہم نے روایت کی، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ نسب کے ذریعہ سے حرمت دونوں جانب سے ہے، پس ایسے ہی رضاعت کے ذریعہ سے ہوگی۔

تشریح : رضاعی باپ بھی حرام ہونگے اس کے لئے صاحب ہدایہ یہاں سے چار دلیل دے رہے ہیں۔[۱ پہلی دلیل] ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسکو ہم نے پہلے روایت کی یعنی رضاعت سے وہی لوگ حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، [۲ دوسری دلیل] اورنسب سے دونوں جانب یعنی ماں اور باپ دونوں حرام ہوتے ہیں اس لئے حدیث کی وجہ سے رضاعت سے بھی ماں اور باپ دونوں حرام ہونگے۔حدیث یہ ہے۔ان عائشة زوج النبى ﷺ اخبرتها ... فقال نعم الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة (بخاری شریف، باب ويحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب ص ۶۲۳ نمبر ۵۰۹۹ رمسلم شریف، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة ص ۴۶۶ نمبر ۱۴۴۴ر۳۵۶۸) اس حدیث میں ہے کہ نسب سے جولوگ حرام ہوتے ہیں رضاعت سے بھی وہ لوگ حرام ہونگے۔

ترجمہ: ۳؎ اور حضور نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ حضرت افلح تمہارے پاس آسکتے ہیں اس لئے کہ وہ تمہارا رضاعی چچا ہیں۔

تشریح : [۳ یہ تیسری دلیل ہے] حضرت عائشہؓ سے حضورؐ نے فرمایا تھا کہ حضرت افلحؓ تمہارے پاس آسکتے ہیں کیونکہ وہ تمہارے رضاعی چچا ہیں اور چچا باپ کے واسطے سے بنتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ باپ سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔ حدیث یہ ہے۔ عن عائشه قالت جاء عمى من الرضاعة يستأذن على فابيت ان آذن له حتى استأمر رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ فليلج عليک فانه عمک، قالت انما ارضعتنى المرأة ولم يرضعنى الرجل قال فانه عمک فليلج عليک ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی لبن الفحل ص ۲۱۸ نمبر ۱۱۴۸ ربخاری شریف، باب لبن الفحل ص ۶۲۴ نمبر ۵۱۰۳ رمسلم شریف، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل ص ۴۶۶ نمبر ۱۴۴۵ر۳۵۷۱)

ترجمہ : ۴؎ اوراس لئے کہ شوہر عورت کے دودھ اترنے کا سبب ہے، اس لئے حرمت کی جگہ میں احتیاط کے لئے باپ کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

تشریح : [۴۔ یہ چوتھی دلیل عقلی ہے] عورت سے دودھ اترنے کا سبب شوہر ہی ہے اس لئے احتیاط کی جگہ میں بچے کو شوہر کی طرف منسوب کیا جائے گا، اور باپ کا بچہ شمار کر کے حرمت رضاعت ثابت کی جائے گی۔

(۱۷۰۸) ویجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیه من الرضاع ﴾ ل لانه یجوز ان یتزوج باخت اخیه من النسب وذلک مثل الاخ من الاب اذا کانت له اخت من امه جاز لاخیه من ابیه ان یتزوجها

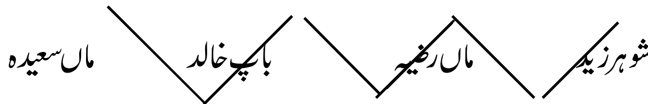
ترجمہ: (۱۷۰۸) اور جائز ہے کہ آدمی رضاعی بھائی کی بہن سے شای کرے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ جائز ہے کہ نسبی بھائی کی بہن سے شادی کرے۔اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے باپ شریک بھائی اس کی ماں شریک بہن ہو۔ جائز ہے اس کے باپ شریک بھائی کے لئے یہ کہ شادی کرے اس کی ماں شریک بہن سے۔

تشریح : یہاں دو مسئلے ہیں۔[ا] پہلا مسئلہ یہ ہے کہ رضاعی بھائی کی اپنی بہن سے شادی کرنا جائز ہے۔مثلا زید کا رضاعی بھائی خالد تھا۔ان دونوں نے ایک تیسری عورت سے دودھ پیا تھا۔اب خالد کی اپنی بہن تھی جو زید کے لئے اجنبیہ تھی اس لئے زید کے لئے جائز ہے کہ خالد کی اپنی بہن سے شادی کرلے۔اس لئے کہ خالد کی بہن زید کے لئے اجنبیہ ہے۔البتہ زید یا خالد اگر لڑکی ہو تو ان دونوں کے درمیان شادی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سوتیلے بھائی کی ماں شریک بہن سے نکاح جائز ہے۔

اس نقشہ کو دیکھیں۔



عبدالرشید کی شادی عبدالرحیم کی ماں شریک بہن عائشہ سے جائز ہے

(۱۷۰۹) وكل صبيين اجتمعا على ثدى امرأة واحدة لم يجز لا حدهما ان يتزوج بالاخرىٰ ﴾ ۱ھذا هو الاصل لان امهما واحدة فهما اخ واخت (۱۷۱۰) ولا يتزوج المرضعة احداً من ولد التى ارضعت ﴾

تشریح: رضیہ نے پہلی شادی زید سے کی تھی اس سے عائشہ پیدا ہوئی۔ پھر دوسری شادی خالد سے کی اس سے عبدالرحیم پیدا ہوا۔ جس کی بنا پر عائشہ رحیم کی ماں شریک بہن ہوئی۔ ادھر خالد نے ایک اور شادی سعیدہ سے کی جس سے عبدالرشید پیدا ہوا جو عبد الرحیم کا سوتیلا بھائی ہوا۔ اس لئے عبدالرشید کی شادی عائشہ سے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عائشہ عبدالرشید کے لئے اجنبیہ ہے۔

ترجمہ: (۱۷۰۹) جن دو بچوں نے ایک چھاتی سے دودھ پیا تو نہیں جائز ہے ان دونوں میں سے ایک کے لئے کہ دوسرے سے شادی کرے۔

ترجمہ: ۱ یہ قاعدہ ہے اس لیے کہ دونوں کی ماں ایک ہے، اور یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں۔

تشریح: مثلا خالد اور سعیدہ نے ایک عورت سے دودھ پیا چاہے ایک نے چند سال پہلے دودھ پیا ہو اور دوسری نے چند سال بعد دودھ پیا ہو تو خالد سعیدہ سے شادی نہیں کر سکتا۔

وجہ: (۱) کیونکہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہو گئے (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ اور حضرت حمزہؓ نے حضرت ثوبیہ سے دودھ پیا تھا جس کی وجہ سے دونوں رضاعی بھائی ہو گئے تھے۔ اور حضرت حمزہ کی بیٹی رضاعی بھتیجی ہو گئی تھی۔ اور آپؐ نے فرمایا تھا کہ حضرت حمزہ کی بیٹی میرے اوپر پیش نہ کرو وہ رضاعی بھتیجی ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ ان زینب ابنة ابی سلمة اخبرته ... انها لابنة اخی من الرضاعة ارضعتنی وابا سلمة ثوبية فلا تعرضن على بناتكن واخواتكن . (بخاری شریف، باب تحرم من الرضاعة ما تحرم من النسب ص ۷۶۳ نمبر ۵۱۰۱) (۳) ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی تو ایک عورت نے گواہی دی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ اس لئے تمہاری شادی اس عورت سے حلال نہیں ہے۔ کیونکہ ایک ہی چھاتی سے دونوں نے دودھ پیا ہے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال وقد سمعته من عقبة ... قال تزوجت امرأة فجائتنا امرأة سوداء فقالت ارضعتكما فاتيت النبی ﷺ فقلت تزوجت فلانة بنت فلانة فجاء تنا امرأة سوداء فقالت لی انی قد ارضعتكما ۔ (بخاری شریف، باب شہادۃ المرضعۃ ص ۷۶۴ نمبر ۵۱۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دولڑکا لڑکی نے ایک عورت سے دودھ پیا ہو تو آپس میں نکاح حلال نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں آپس میں رضاعی بھائی بہن ہیں۔

لغت: ثدی : پستان۔

ترجمہ: (۱۷۱۰) اور نہیں جائز ہے کہ شادی کرے دودھ پینے والی بچی کسی ایسے بچے سے جس کو اس کی ماں نے دودھ پلایا

لے لانه اخوها ولا ولد ولدها لانه ولد اخيها (۱۷۱۱) ولايتزوج الصبى المرضع اخت زوج المرضعة ﴿ لانها عمته من الرضاع (۱۷۱۲) واذا اختلط اللبن بالماء واللبن هو الغالب تعلق به التحريم وان غلب الماء لم يتعلق به التحريم ﴾ لے خلافا للشافعیؒ هو يقول انه موجود فيه حقيقة

ہے۔

ترجمه: لے اس لئے کہ وہ اس کا رضاعی بھائی ہے، اور نہ دودھ پلانے والی کے بچے کے بچے سے، اس لئے کہ وہ اس کے بھائی کا بیٹا ہے۔

تشریح: یہ پہلے ہی مسئلے کا اعادہ ہے۔ یعنی ماں نے بچی کو بھی دودھ پلایا اور بچے کو بھی دودھ پلایا تو بچی کا نکاح اس بچے سے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوئے۔ اور یہ لڑکی اس رضاعی بھائی کے بیٹے سے بھی نکاح نہیں کر سکتی، کیونکہ یہ اس کا رضاعی بھتیجا ہوا۔

ترجمه: (۱۷۱۱) اور نہیں جائز ہے دودھ پینے والے بچے کا نکاح دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی بہن سے۔

ترجمه: لے اس لئے کہ وہ رضاعی پھوپھی ہوئی۔

تشریح: دودھ پلانے والی ماں کا شوہر رضاعی باپ ہوا اور اس کی بہن رضاعی پھوپھی ہوئی ہے اس لئے دودھ پینے والے بچے کا نکاح رضاعی پھوپھی سے جائز نہیں ہے۔

وجه: ۔ پہلے گزر چکا ہے۔ **الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة.** (بخاری شریف، نمبر ۵۰۹۹) کہ نسب سے جس طرح حرام ہوتا ہے رضاعت سے بھی حرام ہوتا ہے۔

ترجمه: (۱۷۱۲) اگر دودھ کو پانی کے ساتھ ملایا اور دودھ غالب ہے تو اس کے ساتھ حرمت متعلق ہوگی۔ پس اگر پانی غالب ہو تو اس کے ساتھ حرمت متعلق نہیں ہوگی۔

تشریح: دودھ میں پانی ملا کر بچے کو پلایا۔ پس اگر دودھ غالب ہو یعنی آدھے پانی سے زیادہ ہو تو جس عورت کا دودھ ہے اس سے رضاعت ثابت ہوگی۔ اور اگر پانی غالب ہو تو رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

وجه: یہاں اعتبار۔ **للاكثر حكم الكل.** کا ہے۔ اس لئے جو غالب ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

ترجمه: لے خلاف امام شافعیؒ کے، وہ فرماتے ہیں کہ دودھ اس میں حقیقت میں موجود ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر برتن میں پانچ گھونٹ کے برابر دودھ موجود تھا اور پانی بھی موجود تھا اور اس کو بچے نے پیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ پانچ گھونٹ سے حرمت ثابت ہوتی ہے، اور اس میں پانچ

۲؎ ونحن نقول المغلوب غير موجود حكما حتى لا يظهر بمقابلة الغالب كما في اليمين

(۱۷۱۳) وان اختلط بالطعام لم يتعلق به التحريم وان كان اللبن غالبا عند ابی حنیفةؒ وقالا اذا كان اللبن غالبا يتعلق به التحريم ﴿۱﴾ قال رضی قولهما فيما اذا لم يمسه النار حتى لو طبخ بها لا يتعلق به التحريم في قولهم جميعا لهما

گھونٹ دودھ حقیقت میں موجود تھا اس لئے اس کے پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہم کہتے ہیں مغلوب حکم کے طور پر موجود نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ غالب کے مقابلے میں ظاہر نہیں ہوگا، جیسا کہ قسم میں ہوتا ہے۔

تشریح: ہم امام شافعیؒ کو یہ جواب دیتے ہیں کہ جب دودھ مغلوب ہے تو حکم کے اعتبار سے وہ موجود نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ پانی جو غالب ہے اس کے مقابلے میں دودھ صاف ظاہر نہیں ہوگا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کسی نے قسم کھائی کہ دودھ نہیں پیوں گا، اور ایسا دودھ پیا جس میں پانی غالب تھا تو اس دودھ پینے حانث نہیں ہوگا، اسی طرح یہاں بھی اس دودھ کے پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۱۳) اگر دودھ کھانے کے ساتھ مل جائے تو اس کے ساتھ حرمت متعلق نہیں ہوگی اگر چہ غالب ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ اور صاحبین فرماتے ہیں اس کے ساتھ حرمت متعلق ہوگی، اگر دودھ غالب ہو۔

وجہ: امام ابو حنیفہ کی نظر حدیث کا لفظ۔ یا عائشة انظرن من اخوانكن فانما الرضاعة من المجاعة. (بخاری شریف، باب الشهادة على الانساب والرضاع المستفيض والموت القديم ص ۳۶۰ نمبر ۲۶۴۷ / مسلم شریف، باب انما الرضاعة من المجاعة، ص ۴۶۹، نمبر ۱۴۵۵ / ۳۶۰۶) میں الرضاعة من المجاعة کی طرف گئی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ صرف دودھ سے بھوک ختم ہو تو اس دودھ سے رضاعت ثابت ہوگی۔ اور دودھ کو کھانے میں ملا دیا تو کھانا اصل ہو گیا اس سے بھوک دور ہوگی، اور کھانے سے ہی گوشت اور ہڈی بڑھے گی۔ اور دودھ تابع ہو گیا اب اس دودھ سے نہ بھوک دور ہوگی اور نہ ہڈی گوشت بڑھے گی، اس لئے اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ مصنف نے فرمایا کہ صاحبینؒ کا قول اس صورت میں ہے جبکہ آگ نے نہ چھویا ہو، یہاں تک کہ اگر دودھ اور کھانے کو آگ میں پکا دیا جائے تو سب کے قول میں اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

تشریح: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صاحبینؒ نے جو فرمایا کہ کھانے میں دودھ ملا دیا جائے تو غالب ہو تو اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی، یہ اس صورت میں ہے جبکہ دودھ اور کھانے کو پکایا نہ جائے، اس لئے کہ اگر پکا دیا جائے تو بالاتفاق اس دودھ سے

۲؎ ان العبرة للغالب كما فى الماء اذا لم يغيره شئ عن حاله ۳؎ ولابى حنيفةؒ ان الطعام اصل واللبن تابع له فى حق المقصود فصار كالمغلوب ولا معتبر بتقاطر اللبن من الطعام عنده هو الصحيح لان التغذى بالطعام اذ هو الاصل (۱۷۱۴) وان اختلط بالدواء واللبن غالب تعلق به التحريم ﴿۱؎ لان اللبن يبقى مقصودا فيه اذا الدواء لتقويته على الوصول

حرمت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ اب یہ دودھ نہیں رہا بلکہ کھانا ہوگیا۔

ترجمہ: ۲؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اعتبار غالب کا ہے جیسے کہ پانی ملانے کی صورت میں جبکہ اس دودھ کو کسی چیز نے متغیر نہ کیا ہو۔

تشریح: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح پانی میں دودھ ملانے سے دودھ کے غالب کا اعتبار کیا جاتا ہے اسی طرح کھانے میں دودھ ملانے سے غالب کا اعتبار کیا جائے گا، بشرطے کہ کھانے کو پکایا نہ ہو اور آگ وغیرہ سے دودھ کی حالت بدلی نہ ہو، کیونکہ آگ میں پکایا ہو تو چاہے دودھ غالب ہو پھر بھی اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ اب دودھ سے نشونما نہیں ہوگی بلکہ کھانے سے نشونما ہوگی، اور پہلے گزر چکا ہے کہ حرمت کا مدار نشو ونما پر ہے۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کھانا اصل ہے اور دودھ مقصود کے حق میں اس کے تابع ہے تو دودھ مغلوب کی طرح ہوگیا اور کھانے سے دودھ کے قطرے ٹپکنے کا اعتبار نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، صحیح یہی ہے اس لئے کہ غذا حاصل کرنا کھانے سے ہے اس لئے کہ وہ اصل ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ چاہے دودھ غالب ہو لیکن کھانا میں ملا دینے کے بعد نشو ونما کے لئے اور غذا حاصل کرنے کے لئے کھانا اصل ہوگیا اس لئے گویا کہ دودھ مغلوب ہوگیا اس لئے اس سے حرمت ثابت ہوگی۔ دوسری بات فرماتے ہیں کہ دودھ اتنا زیادہ ہے کہ کھانے سے قطرہ قطرہ ٹپک رہا ہے پھر بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں بھی کھانا ہی اصل ہے اور اسی سے غذا حاصل کرنا ہے اس لئے دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۱۴) اگر دودھ دوا کے ساتھ مل جائے اور دودھ غالب ہو تو حرمت اس سے متعلق ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ دودھ اس میں مقصود ہے اس لئے کہ دوا دودھ پہنچانے میں تقویت کے لئے ہے۔

تشریح: کسی عورت کے دودھ کو دوا کے ساتھ ملا کر دو سال کے اندر بچے کو پلایا اور دودھ غالب ہو تو بچے کی رضاعت اس عورت سے ثابت ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ کہ جب دودھ غالب ہے تو دودھ اصل ہے اور دوا دودھ کے اثر کو تیز کرنے کے لئے ہے اس لئے اس سے حرمت ثابت ہوگی۔ اور اگر دوا غالب ہے تو دوا اصل ہے اور دودھ اس کے اثر کو تیز کرنے کے لئے ہے اس لئے اس

(۱۷۱۵) وان اختلط اللبن بلبن الشاة و هو الغالب تعلق به التحريم و ان غلب لبن الشاة لم يتعلق به التحريم ﴾ ل اعتبارا للغالب كما فى الماء (۱۷۱٦) واذا اختلط لبن امرأتين تعلق التحريم باغلبهما ﴾ ل عند ابى يوسفؒ لان الكل صار شيئاً واحداً فيجعل الاقل تابعاً للاكثر فى بناء الحكم عليه ٢ وقال محمدؒ و زفرؒ يتعلق التحريم بهما لان الجنس لا يغلب الجنس فان الشئ لا يصير

سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

اصول: ان سب مسئلوں کا دارومدار اس بات پر ہے کہ دودھ اصل بن کر بھوک دور کر رہا ہو تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔ اور اگر تابع بن کر پیا جا رہا ہو تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ اور اس کی دلیل (۱) حدیث کا لفظ۔ الرضاعة من المجاعة۔ ہے (۲) عن ابن مسعود قال لا رضاع الا ما شد العظم و انبت اللحم ۔ (ابوداؤد شریف، باب رضاعۃ الکبیر ص ۲۸۸ نمبر ۲۰۵۹ / دار قطنی، کتاب الرضاع ج رابع ص ۱۰۲ نمبر ۴۳۱۵)

ترجمہ: (۱۷۱۵) اگر مل گیا دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ اور وہ غالب ہے تو متعلق ہوگی اس سے حرمت۔ پس اگر غالب ہو گیا بکری کا دودھ تو اس سے حرمت متعلق نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ل غالب کا اعتبار کرتے ہوئے، جیسا کہ پانی میں تھا۔

تشریح: عورت کا دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ ملا دیا اور عورت کا دودھ غالب ہوا اور وہ اس کو کسی بچے کو پلا دے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اور اگر عورت کا دودھ مغلوب ہو تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

وجہ: عورت کا دودھ غالب ہو تو وہ بھوک دور کرنے میں اصل ہو گیا اس لئے اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔ اصول اور اس کے لئے حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

ترجمہ: (۱۷۱۶) اگر دو عورتوں کا دودھ ملا دیا تو حرمت متعلق ہوگی ان دونوں میں سے اکثر کے ساتھ۔

ترجمہ: ل امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔ اس لئے کہ تمام دودھ ایک چیز بن گئی اس لئے اس پر حکم کی بنا کرنے کے اقل کو اکثر کے تابع کر دیا گیا۔

وجہ: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں دودھ ایک ہی جنس ہے اس لئے ایک ہی چیز بن گئی، اس لئے جس عورت کا دودھ زیادہ ہے بھوک دور کرنے میں وہ اصل ہو گیا اور دوسرا تابع ہو گیا اس لئے جس عورت کا دودھ زیادہ ہو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔

ترجمہ: ٢ اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ حرمت کا تعلق دونوں عورتوں کے ساتھ ہے اس لئے کہ جنس جنس کے ساتھ غالب

مستهلکا فی جنسه لاتحاد المقصود ۳؎ وعن ابی حنیفةؒ فی هذا روایتان واصل المسألة فی الایمان

(۱۷۱۷)واذا نزل للبکر لبن فارضعت صبیاً تعلق به التحریم ﴿۱﴾لا طلاق النص

نہیں ہوتا، اس لئے کہ مقصود کے متحد ہونے کی وجہ سے چیز جنس میں مل کر معدوم نہیں ہوتی۔

تشریح: امام محمدؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں عورتوں کے ساتھ حرمت رضاعت ہو جائے گی، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ دونوں عورتوں کا دودھ ایک ہی جنس ہے، یعنی دونوں ہی دودھ ہیں اس لئے دونوں ملکر دودھ ہی باقی رہے گا، البتہ ایک کیلو کے بجائے دو کیلو دودھ ہو جائے گا، اس لئے کسی کا دودھ غالب اور کسی کا دودھ مغلوب نہیں ہوگا، پس جب دونوں ہی ایک درجے میں رہے تو دو نوں عورتوں سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں، اور اصل مسئلہ قسم کے باب میں ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کا اس بارے میں دو روایتیں ہیں [۱] ایک روایت امام ابو یوسف کے ساتھ ہے کہ جسکا دودھ غالب ہے اس سے حرمت ثابت ہوگی [۲] اور دوسری روایت امام محمدؒ کے ساتھ ہے کہ دونوں عورتوں کے ساتھ حرمت ثابت ہوگی۔ اور دونوں کے دلائل وہی ہیں۔ اور اس کا اصل مدار قسم کے باب میں ہے۔ کہ ایک آدمی نے قسم کھائی کہ میں ہندہ عورت کا دودھ نہیں پیوں گا، اور دو عورتوں کا دودھ ملا کر پیا، تو ایک روایت کے اعتبار سے ہندہ کا دودھ غالب ہو یا مغلوب دونوں صورتوں میں حانث ہو جائے گا۔ اور دوسری روایت [امام ابو یوسفؒ والی] کے اعتبار سے ہندہ کا غالب ہوگا تو حانث ہوگا، اور اگر مغلوب ہوگا تو حانث نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۱۷۱۷) اگر باکرہ عورت کو دودھ اترے اور کسی بچے کو پلا دیا تو اس سے حرمت متعلق ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ آیت کے مطلق ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: عورت کو دودھ دو طرح سے اترتا ہے۔ ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد اور دوسرا کچھ دوائی کھانے سے۔ اس صورت میں صحبت کئے بغیر بھی عورت سے دودھ اتر سکتا ہے، یہاں پر باکرہ سے یہی مراد ہے کہ صحبت کے بغیر دودھ اتر آئے تو چونکہ عورت سے دودھ اتر رہا ہے اس لئے اس کا حکم بھی وہی ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد دودھ اترے۔ یعنی اس کے پینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔

وجہ: آیت میں ہے وامھاتکم التی ارضعنکم (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) آیت میں پلانے والی ماں سے حرمت کا ثبوت ہے۔ اس میں یہ قید نہیں ہے کہ ماں باکرہ ہو یا ثیبہ، اس لئے دونوں قسم کی ماں کے دودھ سے حرمت ثابت ہوگی، کیونکہ یہ بھی دودھ پلانے والی ماں ہی ہے۔

۲؎ ولانه سبب النشو فيثبت به شبهة البعضية (۱۷۱۸) واذا حلب لبن المرأة بعد موتها فاوجر الصبی تعلق به التحريم ﴾ ۱؎ خلافا للشافعیؒ هو يقول الأصل فی ثبوت الحرمة انما هو المرأة ثم تتعدی الی غيرها بواسطتها و بالموت لم تبق محلا لها ولهذا لا يوجب وطيها حرمة المصاهرة

ترجمہ: ۲؎ اوراس لئے کہ یہ دودھ نشونما کا سبب ہے اس لئے اس سے بھی بعضیت کا شبہ ثابت ہوگی۔

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے کہ حرمت کا مدار نشو ونما ہے اوراس دودھ سے بھی نشو ونما ہوگی اس لئے اس دودھ کے پینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۱۸) جبکہ دودھ نکالا عورت سے اس کے مرنے کے بعداور ڈال دیا اس کو بچے کے حلق میں تو متعلق ہوگی اس سے حرمت۔

تشریح: عورت کے مرنے کے بعد اس سے دودھ نکالا اوراس کو بچے کے حلق میں ڈال دیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

وجہ: اس دودھ میں بچے کی بھوک دور کرنے کی صلاحیت ہے۔اس لئے اس سے رضاعت ثابت ہوگی۔

لغت: البکر: وہ عورت جس سے وطی نہ کی گئی ہو۔اوجر: منہ میں دواڈالنا۔

ترجمہ: ۱؎ خلاف امام شافعیؒ کے وہ فرماتے ہیں کہ حرمت کے ثابت کرنے میں اصل وہ ماں ہے پھراس سے اس کے واسطے سے دوسروں کی طرف منتقل ہوتی ہے،اورمرنے سے ماں حرمت کا محل باقی نہیں رہی [اس لئے دوسروں کی طرف منتقل نہیں ہوگی] اسی لئے اس کی وطی سے حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوگی۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورت کے مرنے کے بعد دودھ نکال کر بچے کو پلایا تو اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی ۔موسوعۃ میں ہے۔ قال الشافعیؒ و لو رضعها الخامسة بعد موتها او حلب له منها لبن بعد موتها فأجر ه لم يحرم لامه لا يكون للميت فعل له حكم بحال ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ، باب فی لبن الرجل والمرأۃ، ج عاشر،ص ۱۰۵،نمبر ۱۵۶۰۹)اس عبارت میں ہے کہ موت کے بعد دودھ دوہا ہو تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ دودھ پینے سے پہلے عورت سے حرمت ثابت ہوتی ہے،اوراس کے واسطے سے دوسرے لوگ حرام ہوتے ہیں،اورعورت مرچکی ہے اس لئے اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی،اور جب اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی تو اس کے واسطے سے دوسرے سے بھی نہیں ہوگی۔یہی وجہ ہے کہ مردہ عورت سے وطی کرے تو اس سے حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوگی۔

۲ ولنا ان السبب هو شبهة الجزئية وذلک فی اللبن لمعنی الانشاء والانبات وهو قائم باللبن **۳** وهذه الحرمة تظهر فی حق المیتة دفنا وتیمماً **۴** اما الجزئیة فی الوطی لکونه ملاقیا لمحل الحرث وقد زال بالموت فافترقا (۱۷۱۹)واذا احتقن الصبی باللبن لم یتعلق به التحریم ﴾

ترجمہ: **۲** ہماری دلیل یہ ہے کہ حرمت کا سبب جزئیت کا شبہ ہے، اور یہ دودھ میں موجود ہے، کیونکہ گوشت بڑھانے اور ہڈی اگانے کے معنی دودھ میں موجود ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ حرمت کا اصل سبب دودھ میں گوشت بڑھانے اور ہڈی اگانے کی صلاحیت ہو اور یہ مردہ عورت کے دودھ میں بھی موجود ہے، اس لئے اس کے پینے سے حرمت ثابت ہوگی۔

ترجمہ: **۳** اور یہ حرمت مردہ عورت کے حق میں ظاہر ہوگی دفن کے لئے اور تیمّم کرانے کے لئے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے انہوں نے فرمایا تھا کہ یہ عورت مر چکی ہے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت کر کے فائدہ کیا ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ، مثلا اس عورت کا دودھ کسی دو سال کے اندر کی بچی نے پیا اور اس کا شوہر موجود تھا، تو یہ مردہ عورت شوہر کا رضاعی ساس بن گئی، اور محرم بن گئی اس لئے اگر کوئی ذی رحم محرم دفن کرنے والا نہ ہو تو یہ شوہر دفن بھی کر سکتا ہے، اور عورت کو تیمّم کرانے کی ضرورت پڑے تو تیمّم بھی کرا سکتا ہے۔ حرمت رضاعت ثابت کرنے کا یہ فائدہ ہوگا۔

ترجمہ: **۴** بہر حال وطی میں جزئیت تو اس وقت ہوگا کہ کھیتی کی جگہ میں وطی کیا ہو، اور موت کی وجہ سے کھیتی کی جگہ نہیں رہی، اس لئے دونوں میں فرق ہو گیا۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ موت کے بعد وطی کرنے سے حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوتی اسی طرح موت کے بعد اس کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ حرمت مصاہرہ کی بنیاد بچہ پیدا ہونا ہے اور موت کے بعد اس کا رحم اس قابل ہی نہیں رہا کہ اس سے بچہ پیدا ہو، اس لئے اس سے وطی کرنے سے نہ بچہ پیدا ہو گا اور نہ حرمت مصاہرت ثابت ہوگی۔ اور حرمت رضاعت کی بنیاد اس دودھ سے نشو ونما ہونا ہے، اور موت کے بعد بھی اس دودھ سے بچے کی نشو ونما ہو سکتی ہے اس لئے اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔ اس لئے دونوں میں فرق ہو گیا۔

لغت: ملاقیا: ملنے کی جگہ۔ محل الحرث: کھیتی کی جگہ، بچہ پیدا ہونے کی جگہ۔

ترجمہ: (۱۷۱۹) اگر بچے کو دودھ کا حقنہ لگایا تو اس سے حرمت متعلق نہیں ہوگی۔

تشریح: پیخانہ کے راستے سے دودھ پہونچانے کو حقنہ کہتے ہیں، اس لئے بچے کو کسی عورت کے دودھ کا حقنہ لگایا تو اس سے حرمت رضاعت نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ حرمت رضاعت کا مدار گوشت کا نشو ونما ہے اور منہ کے ذریعہ دودھ پینے سے نشو ونما

۱؎ وعن محمدؒ انه يثبت به الحرمة كما يفسد به الصوم ۲؎ ووجه الفرق على الظاهر ان المفسد فى الصوم اصلاح البدن ويوجد ذلک فى الدواء فاما المحرم فى الرضاع معنى النشو و لا يوجد ذلک فى الاحتقان لان المغذى وصوله من الاعلى (۱۷۲۰) واذا نزل للرجل لبن فارضع صبيا لم يتعلق به التحريم ﴾ ۱؎ لانه ليس بلبن على التحقيق فلايتعلق به النشو و النمو وهذا لان اللبن انما يتصور منه الولادة

ہوتی ہے، پیخانہ کے راستے سے داخل کرنے سے نشو ونمانہیں ہوگی اس لئے حقنہ سے حرمت رضاعت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ حقنہ سے حرمت ثابت ہوگی جیسے اس سے روزہ فاسد ہوتا ہے۔

تشریح: امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ حقنہ لگانے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہوگی، جس طرح حقنہ لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔، کیونکہ دونوں طریقوں سے دودھ جسم میں داخل ہورہا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ ظاہری طور پر فرق کی وجہ یہ ہے کہ روزے میں فاسد کرنے والی چیز اصلاح بدن ہے، اور یہ دوا میں بھی پایا جاتا ہے، اور رضاعت میں حرام کرنے والی چیز نشو ونما ہے، اور یہ حقنہ میں نہیں پائی جاتی اس لئے کہ غذا کا پہونچنا اوپر سے پایا جاتا ہے۔

تشریح: حقنہ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی لیکن روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصلاح بدن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور پیچھے کے راستے سے بھی دودھ بدن میں ڈالے تو اصلاح بدن ہو جائے گا اس لئے اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور حرمت رضاعت کا مدار نشو ونما سے ہے، اور اوپر یعنی منہ کے راستے سے دودھ ڈالے گا تب ہی نشو ونما ہوگی، پیچھے کے راستے سے ڈالے گا تو نشو ونمانہیں ہوگی اس لئے اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۲۰) اگر مرد سے دودھ اتر جائے اور وہ اس کو کسی بچے کو پلادے تو اس سے حرمت متعلق نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ تحقیق یہ ہے کہ وہ دودھ نہیں ہے اس لئے اس سے نشونما متعلق نہیں ہوگا، اس لئے کہ دودھ اس سے متصور ہے جس سے بچہ پیدا ہونا متصور ہے [اور مرد سے بچہ پیدا ہونا متصور نہیں اس لئے اس سے دودھ بھی متصور نہیں ہے]

وجہ: (۱) آیت میں۔ امهاتكم التى ارضعنكم۔ کہا ہے کہ ماں دودھ پلائے تو حرمت ثابت ہوگی۔ اور یہ دودھ براہ راست باپ کا ہوگا اس لئے اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ عن جابر عن عامر انهما كانا لايريان لبن الفحل شيئا. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸۷ من رخص فی لبن الفحل ولم یرہ شیئا ج رابع، ص ۱۹، نمبر ۱۷۳۵۶) اس اثر سے ثابت ہوا کہ مرد کے دودھ سے حرمت رضاعت نہیں ہوگی۔ (۳) صاحب ہدایہ نے دلیل عقلی یہ پیش کی ہے کہ مرد کا دودھ حقیقت میں دودھ ہی نہیں ہے، کیونکہ جس سے بچہ پیدا ہونا متصور ہے اسی دودھ اترنا بھی متصور ہے، اور مرد سے بچہ پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس سے جو

(۱۷۲۱)واذا شرب صبیان من لبن شاة لم یتعلق به التحریم ﴾ ۱؎ لانه لا جزئیة بین الأدمی والبهائم والحرمة باعتبارها (۱۷۲۲)واذا تزوج الرجل صغیرةً وکبیرةً فارضعت الکبیرة الصغیرة حرمتا علی الزوج ﴾ ۱؎ لانه یصیر جامعا بین الام والبنت رضاعاً وذلک حرام کالجمع بینهما نسبا (۱۷۲۳)ثم ان لم یدخل بالکبیرة فلا مهر لها [لان الفرقة جاء ت من قبلها قبل الدخول بها] وللصغیرة نصف

دودھ اترا ہے وہ دودھ بھی نہیں ہے جس سے نشو ونما ہو اس لئے اس کے پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۲۱) اگر دو بچوں نے بکری کا دودھ پیا تو دونوں کے درمیان رضاعت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ آدمی اور جانور کے درمیان جزئیت نہیں ہے، اور حرمت جزئیت کے اعتبار ہوتی ہے۔

وجہ: (۱) رضاعت انسانی اعضاء کی جزئیت سے ہوتی ہے۔ اور یہ حیوان کا دودھ ہے اس سے انسان کی جزئیت ثابت نہیں ہوگی۔ اس لئے اس سے رضاعت نہیں ہوگی (۲) آیت میں۔ امہات. کہا ہے کہ ماں کا دوھ پلائے تب رضاعت ہوگی اور بکری ماں نہیں ہوگی اس لئے اس کے دودھ پینے سے رضاعت نہیں ہوگی (۳) بلکہ انسان میں سے مرد دودھ پلائے تو رضاعت نہیں ہوگی کیونکہ وہ ماں نہیں ہے تو بکری کے دودھ سے رضاعت کیسے ثابت ہوگی۔

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ ماں کا دودھ ہو تو رضاعت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔

ترجمہ: (۱۷۲۲) اگر آدمی نے چھوٹی بچی اور بڑی عورت سے شادی کی۔ پس بڑی نے چھوٹی کو دودھ پلا دیا تو شوہر پر دونوں حرام ہوں گی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ یہ شوہر ماں اور رضاعی بیٹی کو جمع کرنے والا ہو گیا، اور یہ حرام ہے جیسے کہ ماں اور نسبی بیٹی کو جمع کرنا حرام ہے۔

تشریح: ایک آدمی نے دو سال کے اندر کی بچی اور بڑی عورت سے شادی کی۔ پس بڑی عورت نے چھوٹی بیوی کو دودھ پلا دیا تو دونوں شوہر پر حرام ہو جائیں گی۔

وجہ: دودھ پلانے کی وجہ سے چھوٹی بچی بڑی بیوی کی رضاعی بیٹی بن گئی۔ اس لئے یہ مرد ماں اور بیٹی کو جمع کرنے والا ہوا اس لئے دونوں حرام ہوں گی جیسے نسبی ماں اور بیٹی کو جمع کرنا حرام ہے۔ بڑی بیوی اس لئے حرام ہوگئی کہ چھوٹی بیوی کی ماں بن گئی اور بیوی کی ماں سے نکاح حرام ہے، اور چھوٹی بیوی حرام اسلئے ہوئی کہ وہ بڑی بیوی کی بیٹی بن گئی، اور بیوی کی بیٹی سے نکاح حرام ہے۔

ترجمہ: (۱۷۲۳) پس اگر بڑی سے صحبت نہ کی ہو تو اس کے لئے مہر نہیں ہے۔ [اس لئے کہ فرقت دخول سے پہلے بڑی کی جانب سے ہی آئی ہے] اور چھوٹی کے لئے آدھا مہر ہے۔

المهر ﴾ ۱؎ لان الفرقة وقعت لا من جهتها ۲؎ والاتضاع وان كان فعلا منها لكن فعلها غير معتبر في اسقاط حقها كما اذا قتلت مورثها (۱۷۲۴) ويرجع به الزوج على الكبيرة ان كانت تعمدت به الفساد وان لم تتعمد فلاشئ عليها وان علمت بان الصغيرة امرأته ﴿

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ فرقت چھوٹی کی جانب سے نہیں آئی ہے۔

تشریح: بڑی سے صحبت نہیں کی اور تفریق واقع ہوئی تو اس کو آدھا مہر ملنا چاہئے۔لیکن بڑی کے دودھ پلانے سے تفریق واقع ہوئی ہے اس لئے تفریق کا سبب بڑی بیوی بنی۔اس لئے اس کو آدھا مہر بھی نہیں ملے گا۔اور چھوٹی کی جانب سے تفریق نہیں ہے اور صحبت سے پہلے تفریق واقع ہوئی ہے اس لئے اس کو آدھا مہر ملے گا۔

ترجمه: ۲؎ اور دودھ پینا اگر چہ چھوٹی لڑکی کا فعل ہے،لیکن اس کا فعل اپنے حق کے ساقط کرنے میں معتبر نہیں ہے، جیسے کہ اپنے مورث کو قتل کر دے۔

تشریح: یہ ایک اشکال کا جواب ہے،اشکال یہ ہے کہ چھوٹی نے خود سے دودھ پیا ہے جسکی وجہ سے نکاح ٹوٹا ہے اس لئے اس کو بھی آدھا مہر نہیں ملنا چاہئے،اس کا جواب ہے کہ یہ اتنی چھوٹی ہے کے اس کے پینے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس کو یاد ہی نہیں ہے کہ میں نے دودھ پیا ہے اور میرے پینے سے نکاح ٹوٹا ہے، جیسے یہ چھوٹی اپنے مورث کو قتل کر دے تب بھی اس کی وراثت ملے گی، حالانکہ بڑی ہوتی اور اپنے مورث کو قتل کرتی تو اس کو اس کی وراثت نہیں ملتی۔اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ چھوٹی نے خود سے دودھ نہیں پیا،اور اس کے فعل سے نکاح نہیں ٹوٹا اس لئے اس کو آدھا مہر ملے گا۔

ترجمه: (۱۷۲۴) اور شوہر مہر وصول کرے گا بڑی سے اگر جان کر فساد کی ہو۔اور اگر فساد کا ارادہ نہ کی ہو تو بڑی پر کچھ نہیں ہے، اگر چہ جانتی ہو کہ صغیرہ اس کی بیوی ہے۔

تشریح: بڑی نے نکاح توڑنے ہی کے لئے چھوٹی کو دودھ پلایا ہو تو جو آدھا مہر شوہر نے چھوٹی کو دیا وہ بڑی سے وصول کرے گا۔ جان کر توڑنے کا اردہ اس وقت سمجھا جائے گا جبکہ یہ شرطیں پائی جائیں۔[۱] جبکہ بڑی عورت جانتی ہو کہ اس چھوٹی بچی کا نکاح میرے شوہر سے ہے [۲] دودھ پلا کر نکاح توڑنے کا ہی ارادہ ہو، مثلا بچی بھوک سے رو رہی ہے، اور اپنا دودھ پلانے کے علاوہ بھوک دور کرنے کی کوئی اور صورت نہیں ہے ایسی صورت میں دودھ پلایا تو سمجھا جائے گا کہ نکاح توڑنے کے ارادے سے دودھ نہیں پلایا ہے بلکہ بھوک دور کرنے کے لئے اور جان بچانے کے لئے اپنا دودھ پلایا ہے، اور اگر بچی کو بھوک نہیں تھی اور پلا دیا تو سمجھا جائے گا کہ نکاح توڑنے کے لئے بڑی نے دودھ پلایا ہے۔[۳] بڑی یہ بھی جانتی ہو کہ دودھ پلانے سے نکاح ٹوٹ جائے گا، اور اگر اس مسئلے کو جانتی نہیں تھی اور پلا دیا تو سمجھا جائے گا کہ نکاح توڑنے کے لئے نہیں پلایا ہے اس لئے شوہر چھوٹی کو دیا ہوا آدھا مہر بڑی بیوی

۱؎ وعن محمدؒ انه یرجع فی الوجهین ۲؎ والصحیح ظاهر الروایة لانها وان اکدت ما کان علی شرف السقوط وهو نصف المهر وذلک یجری مجری الاتلاف لکنها مسببة فیه

سے وصول نہیں کر یگا۔

وجہ: کیونکہ اس نے جان کر نکاح توڑوایا اور آدھا مہر دلوانے کا سبب بنی اس لئے اس پر چھوٹی کو دیا ہوا مہر لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ دونوں صورتوں میں رجوع کرے گا۔

تشریح: امام محمدؒ سے روایت یہ ہے کہ چاہے بڑی بیوی نکاح توڑوانے کے لئے دودھ پلائی ہو یا اصلاح کے لئے پلائی ہو ہر حال میں شوہر کو حق ہے کہ چھوٹی کو دیا ہوا آدھا مہر بڑی سے وصول کرے۔ اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ بڑی عورت نکاح توڑوانے کا سبب ہے، اور سبب جان کر کرے یا بھول میں کرے ہر حال میں اس کا ضمان دینا پڑتا ہے اس لئے یہاں عورت کو آدھا مہر دینا ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ صحیح ظاہر روایت ہے اس لئے کہ بڑی بیوی نے اگر چہ اس آدھے مہر کو مؤکد کر دیا جو ساقط ہونے کے قریب تھا، اور یہ اتلاف کے قائم مقام ہے لیکن وہ اس میں سبب والی ہے۔

لغت: [۱] ایک ہے سبب، [۲] اور دوسرا علت، [۳] تیسرا ہے مباشر [۴] چوتھا ہے شرف السقوط۔ چاروں کو سمجھیں۔

[۱] سبب: دودھ پلانا زندگی بچانے کے لئے ہے، نکاح توڑنے کے لئے نہیں ہے، یہ حسن اتفاق ہے کہ چھوٹی اور بڑی ایک شوہر کی بیوی ہے اس لئے چھوٹی کو دودھ پلانے کی وجہ سے دونوں کا نکاح ٹوٹ گیا، اور شوہر کو آدھا مہر دینا پڑا، اور اس نکاح توڑوانے میں بڑی عورت سبب بن گئی، پس ایسا فعل جو کئی کام کے لئے ہو، اور اس میں ایک کام ہو کر ضمان لازم ہو جائے، اس کو سبب کہتے ہیں۔ اس میں فساد کے لئے کرے گی تو ضمان لازم ہوگا، اور اصلاح کے لئے کرے گی تو ضمان لازم نہیں ہوگا۔ [۲] علت: جو فعل ایک ہی کام کے لئے ہو اس کو علت کہتے ہیں، مثلاً قتل کر دے تو اس پر دیت لازم ہوگی، اس قتل کرنے کو دیت کی علت کہتے ہیں۔ اس میں فساد کی نیت سے کرے یا اصلاح کی نیت سے قتل کرے ہر حال میں دیت لازم ہوگی [۳] مباشر: جو خود غلطی کرے تو اس کو مباشر کہتے ہیں، جیسے شوہر خود طلاق دے تو شوہر طلاق دینے کا مباشر ہوا۔ [۴] شرف سقوط: یہ چھوٹی بیوی بالغ ہونے کے بعد شوہر کے بیٹے سے زنا کرا لیتی تو نکاح ٹوٹ جاتا اور مہر ساقط ہو جاتا، یا عورت مرتد ہو جاتی تو بھی نکاح ٹوٹ جاتا اور شوہر سے مہر ساقط ہو جاتا، اس کو شرف السقوط، کہتے ہیں۔۔ لیکن بڑی نے چھوٹی کو دودھ پلایا تو نکاح ٹوٹا اور شوہر پر آدھا مہر لازم ہو گیا۔

تشریح: صاحب ہدایہ کی عبارت پیچیدہ ہے۔ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ، ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ آدھا مہر ساقط ہونے کے قریب تھا، لیکن بڑی بیوی نے دودھ پلا کر اس کو مؤکد کر دیا تو گویا کہ عورت نے ہی شوہر کا اتلاف کیا، اور وہ سبب کے درجے میں ہوئی، علت کے درجے میں نہیں، اس لئے جان کر توڑی ہو تو اس سے آدھا مہر وصول کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ ہاں علت کے درجے میں

۳؎ اما لان الارضاع لیس بافساد النکاح وضعاً وانما یثبت ذلک باتفاق الحال ۴؎ او لان فساد النکاح لیس بسبب لا لزام المهر بل هو سبب لسقوطه الا ان نصف المهر یجب بطریق المتعة علی ما عرف لکن من شرطه ابطال النکاح واذا کانت مسببة یشترط فیه التعدی کحفر البیر

ہوتی تو ہر حال میں اس سے مہر وصول کیا جاتا۔

ترجمہ: ۳؎ یا اس لئے کہ دودھ پلانا نکاح کو فاسد کرنے کے لئے وضع نہیں کیا گیا ہے، یہ تو اتفاق حال سے ثابت ہو گیا۔

تشریح: دودھ پلانا نکاح ٹوٹنے کا سبب ہے، علت نہیں ہے، اس کی وجہ بتا رہے ہیں، کہ دودھ پلانا نکاح توڑنے کے لئے وضع نہیں کیا گیا ہے، بلکہ وہ تو بھوک دور کرنے کے لئے اور جان بچانے کے لئے ہے، یہ تو حسن اتفاق سے دونوں بیوی ایک شوہر کے تحت میں تھی تو نکاح ٹوٹ گیا۔ اس لئے یہ سبب ہے علت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴؎ یا اس لئے کہ نکاح کا فاسد ہونا مہر لازم ہونے کا سبب نہیں ہے، بلکہ وہ مہر کے ساقط ہونے کا سبب ہے، مگر یہ کہ آدھا مہر متعہ کے طریقے پر لازم ہو گیا، جیسا کہ پہلے معلوم ہوا لیکن اس کی شرط ہے کہ نکاح باطل کیا ہو، اور جب عورت سبب بنی تو اس میں شرط ہے کہ تعدی کی ہو، جیسے شارع عام پر کنواں کھودا ہوا۔

تشریح: عورت کا دودھ پلانا سبب ہے علت نہیں ہے اس کے ثابت کرنے کے لئے یہ دوسری دلیل ہے۔ نکاح کا فاسد ہونا مہر کے لازم ہونے کا سبب نہیں ہے، بلکہ مہر ساقط ہونے کا سبب ہے، چنانچہ عورت دخول سے پہلے مرتد ہو جائے اور نکاح ٹوٹ جائے تو شوہر سے مہر ساقط ہو جاتا ہے، البتہ یہاں اس طرح نکاح فاسد ہوا کہ مہر لازم ہو گیا، بلکہ یہاں دخول سے پہلے طلاق ہے اس لئے متعہ لازم ہونا چاہئے، لیکن مہر متعین ہے اس لئے اس کی جگہ پر آدھا مہر لازم ہوا، تاہم یہ فساد مہر لازم ہونے کا سبب ہے، اس لئے اس کی شرط ہے کہ نکاح توڑنے کی نیت سے دودھ پلائی ہو۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ، کنواں میں گرنے کا اصل علت آدمی کا بوجھ اور وزن ہے، لیکن کنواں کھودنا گرنے کا سبب ہے، پس اگر اپنے کھیت میں کنواں کھودا ہو تو سمجھا جائے گا کہ کھیت کو پانی پلانے کے لئے کھودا تھا، اور اس میں کوئی آدمی گر گیا تو کھودنے والے پر دیت لازم نہیں ہوگی۔ اور اگر سرکاری زمین میں چلنے کے راستے میں کنواں کھودا تو سمجھا جائے گا کہ آدمی کو گرانے کے لئے کنواں کھودا تھا، اس لئے اب کوئی گرا تو کھودنے والے پر دیت لازم ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ سبب میں فساد کی علامت ہو تو ضمان لازم ہوگا اور اگر فساد کی علامت نہ ہو تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔ یہاں بڑی بیوی کا دودھ پلانا نکاح ٹوٹنے کا سبب ہے اسلئے فساد کی علامت موجود ہو تو اس سے آدھا مہر وصول کیا جائے گا، اور اگر اصلاح کی علامت ہو تو اس سے آدھا مہر وصول نہیں کیا جائے گا۔

لغت: متعۃ: فائدہ اٹھانے کے لئے عورت کو طلاق کے بعد تین کپڑا دیتے ہیں، اس کو متعہ کا کپڑا کہتے ہیں۔ تعدی: ظلم کرنا،

۵؎ ثم انما تكون متعدية اذا علمت بالنكاح وقصدت بالارضاع الفساد اما اذا لم تعلم بالنكاح او علمت بالنكاح ولكنها قصدت دفع الجوع والهلاک من الصغيرة دون الافساد لاتكون متعدية لانها مامورة بذلک ٦؎ ولو علمت بالنكاح ولم تعلم بالفساد لاتكون متعدية ايضاً ٧؎ وهذا منا اعتبار الجهل لدفع قصد الفساد لا لدفع الحكم

حد سے تجاوز کرنا۔حفر: کنواں کھودنا،حفر البیر: کنواں کھودنا۔

ترجمہ: ۵؎ پھر عورت تعدی کرنے والی اس وقت ہوگی ،جبکہ نکاح کو جانتی ہو،اور دودھ پلا کر فساد کا ارادہ کیا ہو،پس اگر نکاح کو ہی نہیں جانتی ہو،یا نکاح ہونے کو جانتی ہو لیکن بھوک دور کرنے اور چھوٹی کو ہلاکت سے بچانے کا ارادہ کیا ہو،فساد کا ارادہ نہ کیا ہو تو متعدیہ نہیں ہوگی،اس لئے کہ اس کا تو حکم دی گئی ہے۔

تشریح: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کتنی شرطوں کے بعد سمجھا جائے گا کہ بڑی نے دودھ پلا کر فساد کا ارادہ کیا ہے۔تو تین شرطوں کے بعد سمجھا جائے گا کہ بڑی بیوی نے فساد کا ارادہ کیا ہے [۱] بڑی جانتی ہو کہ اس چھوٹی کا نکاح میرے شوہر کے ساتھ ہے [۲] دودھ پلا کر فساد کا ارادہ کیا ہو،مثلا چھوٹی کو بھوک نہیں تھی اور پلا دیا،اور اگر بھوک سے رو رہی تھی اور ہلاکت کا خطرہ تھا اور اپنا دودھ پلانے کے علاوہ کوئی صورت نہیں تھی،ایسی صورت میں دودھ پلایا تو اس سے جان بچانا سمجھا جائے گا جسکا شریعت حکم دیتی ہے،نکاح توڑنے کا ارادہ نہیں سمجھا جائے گا۔[۳] اور تیسری شرط یہ ہے کہ بڑی کو یہ مسئلہ بھی معلوم ہو کہ دودھ پلانے سے نکاح ٹوٹ جائے گا ۔کیونکہ اگر یہ مسئلہ نہیں جانتی ہو تو کیسے کہا جائے گا کہ نکاح تڑوانے کی نیت تھی!

ترجمہ: ٦؎ اور اگر نکاح ہونا جانتی ہو لیکن فاسد ہونا نہیں جانتی ہو تب بھی تعدی کرنے والی نہیں ہوگی۔

تشریح: یہ تیسری شرط ہے کہ نکاح ہونا جانتی ہو،لیکن یہ نہیں جانتی ہو کہ دودھ پلانے سے نکاح فاسد ہو جاتا ہے تو تعدی کرنے والی نہیں ہوگی اور اس سے مہر وصول نہیں کیا جائیگا۔

ترجمہ: ٧؎ یہ ہمارے یہاں نہ جاننے کا اعتبار فساد کے ارادے کو دفع کرنے کے لئے ہے،حکم کو دفع کرنے کے لئے نہیں ہے۔

تشریح: یہ ایک اشکال کا جواب ہے،اشکال یہ ہے کہ دار الاسلام میں ہر آدمی کو موٹے موٹے مسئلے معلوم ہونا چاہئے،اس لئے مسئلہ معلوم نہ ہونا کوئی عذر نہیں ہے،اس لئے بڑی بیوی کو نکاح ٹوٹنے کا مسئلہ معلوم نہ بھی ہو تب بھی اس سے آدھا مہر وصول کرنا چاہئے،اس کا جواب دیا جا رہا ہے،کہ اس کو مسئلہ معلوم نہیں ہے تو سمجھا جائے گا کہ فساد کا ارادہ نہیں کیا ہے،اس لئے فساد کے ارادے کو دفع کرنے کے لئے جہل کا اعتبار ہے۔ہاں حکم کو دفع کرنے کے لئے جہل کا اعتبار نہیں ہے۔

لغت: دفع قصد الفساد: اس وقت سمجھا جائے گا کہ نکاح فاسد کرنے کا ارادہ ہے،جبکہ اس کو مسئلہ معلوم ہو،اور مسئلہ ہی معلوم نہ ہو تو

(۱۷۲۵) ولا یقبل فی الرضاع شهادة النساء منفردات وانما یثبت بشهادة رجلین او رجل وامرأتین ﴾ ۱وقال مالکؒ یثبت بشهادة امرأة واحدة اذا کانت موصوفةً بالعدالة لان الحرمة حق من حقوق الشرع فیثبت بخبر الواحد کمن اشتری لحما فاخبره واحد انه ذبحیة المجوسی

کیسے سمجھا جائے گا کہ دودھ پلا کر نکاح توڑنے کا ارادہ تھا۔اس لئے فساد کے ارادے کو دفع کرنے کے لئے جہل کا اعتبار کیا جائے گا ۔دفع الحکم: شریعت کا حکم کہیں لاگو ہو رہا ہو تو چاہے اس کو مسئلہ معلوم نہ بھی ہو تو دار الاسلام میں وہ حکم لاگو ہو جائے گا، مثلا آزاد عورت کی شادی بچپنے میں کر دی تھی اور اس کو مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ مجھے خیار بلوغ ملے گا، اور اس خیار کی وجہ سے نکاح توڑوا سکوں گی، اور وہ بالغ ہو گئی اور نکاح نہیں توڑا تو اس کا خیار بلوغ ختم ہو جائے گا، چاہے اس کو یہ مسئلہ معلوم نہ ہو۔

ترجمہ : (۱۷۲۵) اور نہیں قبول کی جائے گی رضاعت میں تنہا عورتوں کی گواہی، بلکہ ثابت ہوگی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے۔

وجہ: (۱) رضاعت کے ثبوت سے حرمت ثابت ہوگی اور نکاح فاسد ہوگا جو حقوق العباد ہیں۔اور حقوق العباد کے ثبوت میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی درکار ہے۔اس لئے رضاعت کے ثبوت کے لئے تنہا دو عورتوں یا چار عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے (۲) آیت یہ ہے۔**واستشهدوا شهیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذکر احداهما الاخری.** (آیت ۲۸۲، سورة البقرة ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔صرف عورتیں گواہ نہ ہوں (۳) ایک اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔**ان عمر بن الخطاب اتی فی امرأة شهدت علی رجل وامرأته انها ارضعتها فقال لا حتی شهد رجلان او رجل وامرأتان۔** (سنن للبیہقی، باب شہادة النساء فی الرضاع، ج سابع، ص ۷۶۴، نمبر ۱۵۶۷۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رضاعت کے لئے بھی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں چاہئے۔

ترجمہ: ۱ امام مالکؒ نے فرمایا کہ ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت ہوگی، جبکہ وہ عادل ہو، اس لئے کہ حرمت شریعت کے حقوق میں سے ہے اس لئے ایک کی خبر سے ثابت ہوگی، جیسے کہ کسی نے گوشت خریدا اور ایک آدمی نے خبر دی کہ وہ مجوسی کا ذبح کیا ہوا ہے [تو گوشت حرام ہوگا]

تشریح : امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر عورت عادل ہو تو رضاعت میں ایک عورت کی گواہی قابل قبول ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رضاعت شریعت کا حق ہے اس لئے کہ امور دینیہ ہے، اور امور دینیہ ایک عورت کی گواہی سے ثابت کی جاتی ہے اس لئے اس میں ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی، جیسے کسی نے گوشت خریدا، اور ایک عورت نے خبر دی کہ یہ مجوسی اور کافر کا ذبیحہ ہے تو

۲ ولنا ان ثبوت الحرمة لا يقبل الفصل عن زوال الملک فی باب النكاح وابطال الملک لا يثبت الا بشهادة رجلين او رجل وامرأتين

اس ایک عورت کی گواہی سے گوشت کو حرام سمجھا جائے گا، اسی طرح یہاں ایک عورت کی گواہی سے حرمت رضاعت ثابت کر دی جائے گی۔

وجہ: (۱) دودھ پلانے کا معاملہ پردے میں ہوتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ مرد نہ دیکھ سکے۔ اس لئے ایک عورت کی گواہی کافی ہوگی (۲) حدیث میں ہے کہ ایک کالی عورت نے دودھ پلانے کی گواہی دی اور حضورؐ نے مان لی۔ قال سمعت من عقبة لكنى لحديث عبيد احفظ ... قال تزوجت امرأة فجائتنا امرأة سوداء فقالت ارجعتكما فاتيت النبی ﷺ فقلت تزوجت فلانة بنت فلان فجائتنا امرأة سوداء فقالت لی انی قد ارضعتكما وهی كاذبة فاعرض عنی فاتيته من قبل وجهه قلت انها كاذبة قال كيف بها وقد زعمت انها قد ارضعتكما دعها عنک (بخاری شریف، باب شہادۃ المرضعۃ، ص ۶۴۷، نمبر ۵۱۰۴ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی شہادۃ المرأۃ والواحدۃ فی الرضاع، ص ۲۱۸، نمبر ۱۱۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ (۳) عن رجل عن الحسن قالا: تجوز شهادة الواحدة المرضعة فی الرضاع و النفاس۔ (مصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ امراۃ علی الرضاع، ج سابع، ص ۳۸۶، نمبر ۱۴۰۵۱) اس اثر میں ہے کہ ایک رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ حرمت کا ثبوت نکاح کے باب میں زوال ملک سے فصل قبول نہیں کرتا، اور ملک کا باطل کرنا دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہی سے ثابت ہوگا۔

تشریح: یہ امام مالکؒ کو جواب ہے۔ ایک ہے ملک کا زائل ہونا، یہ حقوق العباد ہے، اور اس کے لئے دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی چاہئے، اور دوسرا ہے گوشت وغیرہ کا کھانا حرام ہونا، یہ امور دینیہ ہے، یہ ایک عورت کی گواہی سے بھی حرام ہو جائے گا، اور یہ ممکن ہے کہ ایک چیز پر ملکیت ہو لیکن اس کا کھانا حرام ہو، مثلا کوئی آدمی کافر تھا اس لئے اس کی ملکیت میں شراب تھی، پھر مسلمان ہو گیا، اس لئے شراب پینا حرام ہو گیا، لیکن شراب پر اس کی ملکیت باقی ہے۔

رضاعت میں دو باتیں ہیں، [۱] ایک ہے حرمت ثابت ہونا یہ امور دینیہ ہے، یہ ایک عورت کی گواہی سے بھی ثابت ہو جانی چاہئے، لیکن حرمت ثابت ہوتے ہی نکاح ٹوٹ جائے گا، اور بیوی سے شوہر کی ملکیت زائل ہو جائے گی، اس لئے اس میں حقوق العباد کا درجہ غالب ہے، اس لئے حرمت رضاعت کو ثابت کرنے کے لئے دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہونی چاہئے۔

۳؎ بخلاف اللحم لان حرمة التناول ينفک عن زوال الملک فاعتبر امراً دينياً والله اعلم ...

ترجمہ: ۳؎ بخلاف گوشت کے اس لئے کہ کھانے کا حرام ہونا زوال ملک سے الگ ہوسکتا ہے، اس لئے کہ گوشت میں امور دینیہ کا اعتبار کیا گیا۔

تشریح: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ جہاں امور دینیہ، مثلا گوشت کا حرام ہونا، ملک کے ساتھ جمع ہو جائے تو وہاں امور دینیہ کا اعتبار کیا جائے گا اور ایک عورت کی گواہی سے حرام کر دیا جائے گا، مثال مذکور میں، آدمی کافر تھا اور مسلمان ہو گیا تو اس کے لئے شراب پینا حرام ہو گیا، لیکن اس کی ملکیت میں جو شراب تھی، وہ اس کی ملکیت میں ہی باقی رہے گی، تو یہاں حرمت اور ملکیت دونوں جمع ہو گئی، اس لئے حرمت اور امور دینیہ کا اعتبار کر لیا گیا۔ لیکن رضاعت میں حرمت کا اعتبار کریں تو فورا شوہر کی ملکیت بیوی سے زائل ہو جاتی ہے اس لئے وہاں امور دینیہ کے بجائے حقوق العباد کا اعتبار کیا گیا، اور دو مردوں کی گواہی کی ضرورت پڑی۔

اصول: امور دینیہ کی رعایت کرنے سے زوال ملک ہو تو حقوق العباد قرار دیکر دو مردوں کی گواہی کی ضرورت ہے، اور امور دینیہ کی رعایت کرنے سے قرار ملک ہو تو امور دینیہ کا اعتبار کر کے ایک عورت کی گواہی بھی کافی ہے۔

﴿كتاب الطلاق باب طلاق السنة﴾

(۱۷۲۶)قال الطلاق على ثلثة اوجه حسن واحسن وبدعى فالاحسن ان يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة فى طهر لم يجامعها فيه ويتركها حتى تنقضى عدتها ﴾ ١لان الصحابةؓ كانوا يستحبون ان لا يزيدوا فى الطلاق على واحدة حتى تنقضى العدة

﴿ كتاب الطلاق ﴾

﴿باب طلاق السنة﴾

ضروری نوٹ: عورت کو نکاح سے الگ کرنے کو طلاق کہتے ہیں۔[۱] اس کا ثبوت اس آیت سے ہے۔ الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان. (آیت ۲۲۹، سورۃ البقرۃ ۲)[۲] یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ۔ (آیت ۱، سورۃ الطلاق ۶۵) اور حدیث میں ہے[۳] عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق . (ابوداؤد شریف، باب فی کراھیۃ الطلاق، ص ۳۰۳، نمبر ۲۱۷۸) ان آیتوں اور حدیث سے طلاق دینے کا ثبوت ہوا۔

ترجمہ: (۱۷۲۶) طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ حسن اور احسن اور بدعت۔

تشریح: طلاق دینے کے تین طریقے ہیں [۱] احسن [۲] حسن [۳] بدعی۔ ان کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: [۱] احسن طلاق یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق دے ایسے طہر میں کہ جس میں اس سے وطی نہ کی ہو۔ پھر اس کو چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ صحابہ مستحب سمجھتے تھے کہ ایک طلاق سے زیادہ نہ دے یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔

تشریح: یوں تو طلاق نہیں دینی چاہئے لیکن اگر مجبوری میں دینی ہی پڑے تو اس کا احسن طریقہ یہ ہے کہ جس طہر میں صحبت نہ کی ہو اس طہر میں ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ عدت گزار کر خود بائنہ ہو جائے۔ صحابہ اسی کو مستحب سمجھتے تھے، اس لئے یہ طریقہ احسن ہے۔

وجہ: (۱) احسن اس لئے کہا کہ عدت کے اندر رجوع کرنا چاہے تو کرسکتا ہے (۲) صاحب ہدایہ کا اثر یہ ہے۔ عن ابراھیم قال کانوا یستحبون ان یطلقھا واحدۃ ثم یترکھا حتی تحیض ثلاث حیض۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲ ما یستحب من طلاق السنۃ وکیف ھو؟ ج رابع، ص ۵۸، نمبر ۱۷۷۳۲ / مصنف عبد الرزاق، باب وجہ الطلاق وھو طلاق العدۃ والسنۃ، ج سادس، ص ۲۳۸، نمبر ۱۰۹۶۹) اس اثر میں ہے کہ صحابہ یہ مستحب سمجھتے تھے کہ ایک طلاق دیکر چھوڑ دیا جائے تا کہ تین حیض گزار کر بائنہ ہو

۲؎ وان هذا افضل عندهم من ان يطلق الرجل ثلثا عند كل طهر واحدة ۳؎ ولانه ابعد من الندامة واقل ضرر بالمرأة ولا خلاف لاحد فى الكراهة (۱۷۲۷) والحسن هو طلاق السنة وهو ان يطلق المدخول بها ثلثا فى ثلثة اطهار ﴾

جائے۔(۳) دوسرے اثر میں ہے۔عن عبد الله قال من اراد الطلاق الذى هو الطلاق فليطلقها تطليقة ثم يدعها حتى تحيض ثلاث حيض ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۲ ما یستحب من طلاق السنۃ وکیف ھو؟ ج رابع ،ص ۵۷، نمبر ۱۷۷۳۳ ار مصنف عبدالرزاق، باب وجہ الطلاق وھو طلاق العدۃ والسنۃ، ج سادس،ص ۲۳۷،نمبر ۱۰۹۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو۔پھر عورت کو چھوڑ دے یہاں تک کہ عدت گزر جائے یہ احسن طلاق ہے۔اور بعض مرتبہ اس کو طلاق سنت بھی کہتے ہیں۔

ترجمہ : ۲؎ اور اس لئے کہ یہ صورت صحابہؓ کے نزدیک اس بات سے افضل ہے کہ آدمی تین طلاق (اس طرح) دے کہ ہر طہر میں ایک طلاق۔

تشریح : ہر طہر میں ایک طلاق دے،اور گویا کہ تین طہر میں تین طلاق دے اس سے یہ طریقہ صحابہ کے نزدیک زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس صورت میں بیوی مغلظہ ہو جائے گی اور حلالہ کے بغیر دوبارہ شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی،اور اس صورت میں بغیر حلالہ کے بھی شوہر کے لئے حلال ہے اس لئے یہ صورت زیادہ بہتر ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور اس لئے کہ یہ شرمندگی سے زیادہ دور ہے،اور عورت کو نقصان کم ہے،اور کراہیت کے نہ ہونے میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے۔

تشریح : طلاق احسن کے اچھے ہونے کی تین دلیلیں دے رہے ہیں۔[۱] اس صورت میں شوہر کیلئے شرمندگی کم ہوگی، کیونکہ ایک طلاق رجعی دی ہے اس لئے اگر بعد میں خیال آیا کہ میں نے غلطی کی ہے تو رجعت کر سکتا ہے،اور عدت گزر جائے تو بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے،اور اگر تین طہر میں تین طلاق دے دی،تو حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح نہیں کر سکے گا،اس لئے بھی یہ بہتر ہے۔[۲] اور عورت کو کم نقصان اس طرح ہے کہ اس صورت میں عدت مختصر ہوگی،اور اگر طلاق دی پھر رجعت کر لیا،پھر دوبارہ طلاق دیا تو عدت لمبی ہو جائے گی جس سے عورت کو نقصان ہوگا۔[۳] اور اچھا ہونے میں کسی امام کا اختلاف بھی نہیں ہے،اس کے بر خلاف طلاق حسن،یعنی تین طہر میں تین طلاق دے اس بارے میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے،کہ وہ اس کو بھی بدعت فرماتے ہیں۔

لغت : فی الکراہیۃ: سے مراد عدم الکراہیۃ ہے،مکروہ نہ ہونے میں کسی امام کا اختلاف نہیں ہے۔سبھی فرماتے ہیں کہ یہ احسن طریقہ ہے۔

ترجمہ: (۱۷۲۷) [۲] اور طلاق حسن،وہ طلاق سنت ہے اور طلاق سنت یہ ہے کہ مدخول بہا کو تین طہر میں تین طلاق دے۔

۱؎وقال مالکؒ انه بدعة ولايباح الا واحدة لان الاصل فی الطلاق هو الحظر والاباحة لحاجة الخلاص وقد اندفعت بالواحدة

تشریح: [۲] یہ دوسری قسم کی طلاق ہے، جسکو طلاق حسن کہتے ہیں، اوراسی کو طلاق سنت بھی کہتے ہیں۔ جس عورت سے صحبت نہیں کی ہے اس کو ایک طلاق بھی دے گا تو وہ فورا بائنہ ہو کر جدا ہو جائے گی۔ اور دوسری اور تیسری طلاق دینے کا محل باقی نہیں رہتی۔ اوراس پر عدت نہیں ہے۔ اس لئے جس عورت سے صحبت نہ کی ہواس کو تین مجلس میں تین طلاق نہیں دے سکتا۔ تین مجلس میں تین طلاقیں تو صحبت شدہ عورت کو دے سکتا ہے۔ اس لئے اس کے لئے سنت یہ ہے کہ تین طہروں میں تین طلاقیں دے۔ اسی کو طلاق حسن، کہتے ہیں۔

وجہ: (۱) یہ سنت طریقہ ہے لیکن چونکہ عورت کو تین طہروں میں تین طلاقیں واقع ہوں گی اور حلالہ کرانے کی ضرورت پڑے گی اس لئے یہ پہلی والی سے کم درجہ ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن عبد الله انه قال طلاق السنة تطليقة وهی طاهر فی غير جماع فاذا حاضت وطهرت طلقها اخرى فاذا حاضت وطهرت طلقها اخرى ثم تعتد بعد ذلك بحيضة۔ (نسائی شریف، باب طلاق السنۃ ص ۴۷۵ نمبر ۳۴۲۳ / دار قطنی، کتاب الطلاق، ج رابع، ص ۴، نمبر ۳۸۴۶) اس حدیث میں ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے (۳) حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو آپؐ نے رجعت کرنے کا حکم دیا پھر فرمایا کہ جب طہر آجائے تو اس میں چاہے تو طلاق دے اور چاہے تو بیوی رکھ لے۔ حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله بن عمر انه طلق امرأته وهی حائض علی عهد رسول الله فسأل عمر بن الخطاب رسول الله ﷺ عن ذلك فقال رسول الله ﷺ مره فليراجعها ثم ليمسكها حتى تطهر ثم تحيض ثم تطهر ثم ان شاء امسك بعد وان شاء طلق قبل ان يمس فتلك العدة التی امر الله ان يطلق لها النساء. (بخاری شریف، باب وقول اللہ تعالی یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة (آیت ا سورۃ الطلاق ۶۵] ص ۹۱۷، نمبر ۵۲۵۱) / مسلم شریف، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاها، ص ۶۴۷، نمبر ۱۴۷۱ / ۳۶۵۲ / ابوداؤد شریف، باب فی طلاق السنۃ، ص ۳۰۳، نمبر ۲۱۷۹) اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا مبغوض ہے۔ (۴) یا ايها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة۔ (آیت ا، سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت میں ہے کہ عدت کے گزارنے کا وقت شروع ہواس موقع پر طلاق دو، یعنی ایسے طہر میں طلاق دو جسکے بعد فورا حیض کی عدت گزارنا شروع کردے۔

ترجمہ: ۱؎ اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ وہ بدعت ہے اور نہیں مباح ہے مگر ایک طلاق، اس لئے کہ طلاق میں اصل ممانعت ہے، چھٹکارے کی ضرورت کی وجہ سے مباح ہے، اور ایک طلاق سے ضرورت پوری ہوگئی [اس لئے دوسری اور تیسری بدعت ہوگی]

۲؎ ولنا قوله عليه السلام فی حديث ابن عمر عنهما ان السنة ان يستقبل الطهر استقبالا فيطلقها لكل قرء تطليقة ۳؎ ولان الحكم يدار على دليل الحاجة وهو الاقدام على الطلاق فی زمان تجدد الرغبة وهو الطهر فالحاجة كالمتكررة نظراً الى دليلها

تشریح: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہر طہر میں ایک طلاق مجموعہ تین طلاق دینا یہ بھی بدعت ہے، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ ایک طلاق بھی دینا ممنوع ہے، یہ تو عورت کو چھٹکارے کے لئے ایک کی اجازت ہے، اور یہ ضرورت ایک طلاق سے پوری ہوگئی اس لئے دوسری اور تیسری طلاق دینا یہ بھی بدعت ہے۔

وجه: مبغوض ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ابغض الحلال الی الله عز و جل الطلاق۔ (ابوداود شریف، باب فی کراہیۃ الطلاق، ص ۳۱۵، نمبر ۲۱۷۸) اس حدیث میں ہے کہ طلاق جائز تو ہے لیکن اللہ کے نزدیک مبغوض ہے، اس لئے ایک سے کام چلتا ہو تو دوسری بدعت ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں حضورؐ کا قول ہے، کہ سنت یہ ہے کہ طہر کا انتظار کرے، پھر اس کو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔

تشریح: ہماری دلیل حضرت ابن عمر والی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے سکتا ہے، اور مجموعہ تین طلاق دے سکتا ہے، اس لئے وہ بدعت نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن الحسن قال نا عبد الله بن عمر انه طلق امرأته تطليقة و هی حائض ، ثم اراد ان يتبعها بتطليقتين أخراوين عند القرئين فبلغ ذالک رسول الله ﷺ فقال : يا ابن عمر ما هكذا أمرک الله انک قد أخطأت السنة ، السنة ان تستقبل الطهر فيطلق لكل قروء ، قال فامرنی رسول الله ﷺ فراجعتها ثم قال اذا هی طهرت فطلق عند ذالک او أمسک ۔ (دار قطنی، کتاب الطلاق، ج رابع، ص ۲۰، نمبر ۳۹۲۹) اس حدیث میں ہے کہ طہر کا انتظار کرو اور ہر طہر میں طلاق دو، جس سے تین طلاق دینا سنت ثابت ہوا۔

ترجمہ: ۳؎ اور اس لئے کہ حکم ضرورت کی دلیل پر دائر ہوتا ہے اور وہ ہے ایسے زمانے میں طلاق پر اقدام کرنا جس میں رغبت جماع تازہ ہوتی ہے، اور وہ ہے طہر تو ضرورت کی دلیل کی طرف دیکھتے ہوئے طلاق کی حاجت مکرر ہوگئی۔

تشریح: تین طلاق مباح ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے۔ اس عبارت میں ,دلیل الحاجۃ، ایک محاورہ ہے جسکو بار بار پیش کریں گے۔ ہر طہر میں جماع کرنے کی رغبت تازہ ہوجاتی ہے اس وقت طلاق دینے کا اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو بیوی سے اتنی نفرت ہے کہ بجائے جماع کے اس کو طلاق دیکر بالکل الگ کرنا چاہتا ہے، اس لئے اس وقت طلاق دینا حاجت کی دلیل ہے اسی

۴ ثم قيل الاولىٰ ان يؤخر الايقاع الى الطهر احترازاً عن تطويل العدة ۵ والاظهر ان يطلقها كما طهرت لانه لو اخر ربما يجامعها ومن قصده التطليق فيبتلى بالايقاع عقيب الوقاع (۱۷۲۸) وطلاق البدعة ان يطلقها ثلثا بكلمة واحدة او ثلثا فى طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصياً

کو,دلیل الحاجۃ، کہتے ہیں،اس جملے کو یاد رکھیں یہ کئی جگہ کام آئے گا۔عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ہر طہر میں جماع کی رغبت تازہ ہوتی ہے ایسے وقت میں طلاق کا اقدام کرنا ضرورت کی دلیل ہے۔

ترجمہ: ۴ پھر کہا گیا کہ بہتر یہ ہے کہ طلاق واقع کرنے کو طہر کے آخیر تک مؤخر کرے عدت لمبی ہونے سے بچنے کے لئے۔

تشریح: بہتر یہ ہے کہ جس طہر میں ابھی تک جماع نہ کیا ہو اس کے آخیر میں طلاق دے، تاکہ عورت کی عدت لمبی نہ ہو،اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابن سيرين قال قال رجل يعنى عليا ....او طاهر لم يجامعها ينتظر حتى اذا كان فى قبل عدتها فان بدا له ان يراجعها و ان بدا له ان يخلى سبيلها ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب ما قالوا فی طلاق السنۃ ما و متی یطلق ؟، ج رابع ،ص ۵۶ ،نمبر ۱۷۷۲۲)اس اثر میں ہے کہ انتظار کرے عدت سے پہلے یعنی حیض سے پہلے طلاق دے،جس سے معلوم ہوا کہ طلاق کو آخیر طہر تک مؤخر کرے۔

ترجمہ: ۵ لیکن اظہر یہ ہے کہ جیسے ہی عورت پاک ہو طلاق دے دے اس لئے کہ اگر مؤخر کیا تو ہوسکتا ہے کہ اس سے وطی کر لے، حالانکہ اس کی نیت طلاق دینے کی ہو تو جماع کے بعد طلاق واقع کرنے میں مبتلا ہوگا۔

تشریح: ظاہر روایت یہ ہے کہ عورت حیض سے جیسے ہی پاک ہوئی طلاق دے دے، کیونکہ اگر آخیر طہر تک مؤخر کیا تو ہوسکتا ہے کہ اس سے جماع کر بیٹھے، حالانکہ اس کی نیت طلاق دینے کی تھی ،تو جماع کے بعد طلاق دینا ہوجائے گا جو حدیث کے اعتبار سے اچھا نہیں ہے۔اس لئے طہر شروع ہوتے ہی طلاق واقع کردے۔

ترجمہ: (۱۷۲۸) [۳] اور طلاق بدعت یہ ہے کہ عورت کو تین طلاق دے ایک کلمے سے یا تین طلاق دے ایک طہر میں۔پس جب یہ کرے تو طلاق واقع ہوجائے گی (اور عورت بائنہ ہوجائے گی)۔اور وہ گنہگار ہوگا۔

تشریح : بدعت طلاق کی کئی صورتیں ہیں۔[۱] ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک جملے سے تین طلاق دیدے۔[۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دیدے۔تاہم طلاق دیدی تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

وجہ : (۱) حدیث میں ہے۔سمعت محمود بن لبيد قال اخبر رسول الله عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعا فقام غضبانا ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهركم . (نسائی شریف،الثلاث المجموعۃ ومافیہ من التغلیظ ص ۴۷۵ نمبر ۳۴۳۰ ،دار قطنی ، کتاب الطلاق ج رابع ص ۱۴ نمبر ۳۹۰۰)اس حدیث میں بیک وقت تین طلاق دینے سے آپؐ

غصہ ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ یہ طلاق بدعت ہے۔

اور تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔(۱) عن سید بن غفلة قال لما مات علیؓ جائت عائشة بنت خلیفة الخثعمية امأة الحسن بن علی ....و قال لولا انی أنبت الطلاق لها لراجعتها ، و لکنی سمعت رسول الله ﷺ يقول أيما رجل طلق امرأته ثلاثا عند كل طهر تطليقة او عند رأس كل شهر تطليقة ، او طلقها ثلاثا جميعا ،لم تحل حتى تنكح زوجا غيره ۔(دار قطنی، کتاب الطلاق، ج رابع، ص۲۰، نمبر ۳۹۲۸) اس حدیث میں ہے کہ تینوں طلاقیں ایک ساتھ دے دے تب بھی مغلظہ ہو جائے گی۔ (۲) لمبی حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔ان سهل بن سعد الساعدی اخبره ان عويمر العجلانی جاء الی عاصم .... قال عويمر كذبت عليها يا رسول الله ان امسكتها فطلقها ثلاثا قبل ان يأمره رسول الله ﷺ (بخاری شریف، باب من جوز الطلاق الثلاث ص ۷۹۱ نمبر ۵۲۵۹ر مسلم شریف، کتاب اللعان ص ۴۸۸ نمبر ۱۴۹۲/۳۷۴۳) اس حدیث میں حضرت عویمر نے بیک وقت تین طلاقیں دی اور واقع بھی ہوگئیں (۳) عن مجاهد قال كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال انه طلق امرأته ثلاثا قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ثم قال ينطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس! يا ابن عباس! وان الله قال ومن يتق الله يجعل له مخرجا (آیت ۲ سورة الطلاق ۶۵) وانك لم تتق الله فلا اجد لك مخرجا عصيت ربك وبانت منك امرأتك ۔(ابوداؤد شریف، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث ص ۳۰۴ نمبر ۲۱۹۷ر مصنف ابن ابی شیبة ۱۰ من کره ان یطلق الرجل امرأته ثلاثا فی مقعد واحد واجاز ذلک علیہ ج رابع، ص ۶۲، نمبر ۱۷۷۸۳) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا مبغوض ہے۔(۴) ایک اور اثر میں ہے۔سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأة ثلاثا فی مجلس قال اثم بربه وحرمت عليه امرأته ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب من کره ان یطلق الرجل امرأته ثلاثا فی مقعد واحد واجاز ذلک علیہ، ج رابع، ص ۶۲، نمبر ۱۷۷۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

فائدہ: ایک اثر میں ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں، اثر یہ ہے۔عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله وابی بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس استعجلوا فی امر قد كانت لهم فيه اناة فلو امضيناه عليهم فامضاهم عليهم ۔(مسلم شریف، باب طلاق الثلاث ص ۴۷۷ نمبر ۱۴۷۲/۳۶۷۳ر نسائی شریف ، باب طلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة ص ۴۷۶ نمبر ۳۴۳۵) اس اثر میں اگر چہ ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے شروع زمانے میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے تھے۔لیکن اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس کے منسوخ ہونے کا علم تھا اس لئے اس کو

منسوخ کیا۔اوران کے ہی زمانے میں بالاتفاق اس کوتین طلاق شمار کرنے لگے۔اثر کا آخری لفظ ہے۔ **فامضاه علیهم** ۔یعنی تین طلاقیں نافذ کردیں (۲) دوسرے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ صحبت سے پہلے عورت کوتین طلاقیں دے تو اس کوایک شمار کرتے تھے اوروہ تو ہم بھی کہتے ہیں۔اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**ان رجلا یقال له ابوا لصهباء کان کثیر السوال لابن عباس قال اما علمت ان الرجل کان اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها جعلوها واحدة علی عهد رسول الله وابی بکر وصدرا من امارة عمر قال ابن عباس بلی کان الرجل اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها جعلوها واحدة علی عهد النبی ﷺ وابی بکر وصدرا من امارة عمر فلما رای الناس قد تتابعوا فیها قال اجیزوهن علیهن** ۔(سنن للبیہقی ، باب من جعل الثلاث واحدة وما وردنی خلاف ذلک ج سابع ص ۵۵۴،نمبر ۱۴۹۸۵ رمصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ۲۰ ما قالوا اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها فھی واحدة ، ج رابع ص ۷۰،نمبر ۱۷۸۷۲)اس اثر میں ہے کہ صحبت سے پہلے تین طلاق دے تو اس کوایک طلاق شمار کرتے تھے۔لیکن لوگوں نے زیادتی کی تو ان کوبھی تین طلاقیں شمار کرنے لگے۔یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ غیر مدخول بھا کوایک مجلس میں طلاق،طلاق،طلاق کہہ کرطلاق دے تو صرف پہلی طلاق واقع ہوگی اور باقی ضائع ہو جائے گی۔کیونکہ اب وہ طلاق کا محل باقی نہیں رہی (۳) آیت میں تین کو تین ہی مانا ہے۔اس لئے اس کو ایک کیسے مان سکتے ہیں۔آیت یہ ہے **فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره** (آیت ۲۳۰ سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں ہے کہ تیسری طلاق دے تو حلالہ کے بغیر بیوی حلال نہیں ہے۔اس لئے تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقوں کوایک ماننا صحیح نہیں ہے۔

نوٹ : [۳]طلاق بدعی کی تیسری صورت یہ ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دے [۴] اور چوتھی صورت یہ ہے کہ،ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع کر چکا ہوتو یہ بھی طلاق بدعی ہیں۔

وجه : (۱) حیض کی حالت میں طلاق دینا مبغوض ہے۔اس کی دلیل حدیث ابن عمر گزری کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے طلاق دینے پر آپؐ ناراض ہوئے اور رجعت کرنے کا حکم دیا۔(۲) اور طہر میں جماع کیا ہو پھر طلاق دی ہو اس کے مبغوض ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔**عن ابن عباس یقول ... اما الحرام فان یطلقها وهی حائض او یطلقها حین یجامعها لا تدری اشتمل الرحم علی ولد ام لا** . (دارقطنی ، باب کتاب الطلاق ، ج رابع ص ۳،نمبر ۳۸۴۵ رسنن للبیہقی ، باب ماجاء فی طلاق السنۃ وطلاق البدعۃ ، ج سابع ص ۵۳۲،نمبر ۱۴۹۱۶)(۳)اوپر عبداللہ بن عمر کی حدیث گزری جس میں تھا **وان شاء طلق قبل ان یمس** (بخاری شریف ،نمبر ۵۲۵۱) جس سے معلوم ہوا کہ طہر میں وطی سے پہلے طلاق دے۔وطی کے بعد طلاق دینا بدعت ہے،لیکن یہ طلاق واقع ہوجائے گی۔

وجه : (۱)اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**قال طلق ابن عمر امرأته وهی حائض فذکر عمر للنبی ﷺ فقال**

۱؎ وقال الشافعیؒ کل طلاق مباح لانہ تصرف مشروع حتی یستفاد بہ الحکم والمشروعیۃ لا تجامع الحظر ۲؎ بخلاف الطلاق فی حالۃ الحیض لان المحرم تطویل العدۃ علیھا لا الطلاق

لیراجعھا قلت تحتسب قال فمہ؟ . (بخاری شریف، باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلک الطلاق، ص۷۰۴، نمبر۵۲۵۲ر مسلم شریف، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاھا الخ ص ۶۴۵ نمبر۱۴۷۱/۳۶۶۷ر دار قطنی ، کتاب الطلاق ، ج رابع ،ص۴ ،نمبر ۳۸۴۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہر طلاق مباح ہے اس لئے کہ مشروع تصرف ہے، یہاں تک کہ اس سے حکم مستفاد ہوتا ہے، اور مشروعیت ممانعت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ طلاق بدعی کی جتنی شکلیں گزریں وہ بھی جائز ہیں، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ طلاق بدعی دینے سے اس پر شریعت کا حکم لاگو ہوتا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ مشروع چیز ممنوع کے ساتھ جمع نہیں ہوتی، پس اگر یہ ممنوع ہوتیں تو اس پر مشروع حکم نافذ نہیں ہوتا اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تمام صورتیں مباح ہیں۔موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ: اختار للزوج ان لا یطلق الا واحدۃ لیکون لہ الرجعۃ فی المدخول بھا ، و یکون خاطبا فی غیر المدخول بھا، و متی نکحھا بقیت لہ علیھا اثنتان من الطلاق.

و قال الشافعی: و لا یحرم علیہ ان یطلق اثنتین و لا ثلاثا؛ لان اللہ تعالی اباح الطلاق ، و ما اباح فلیس بمحظور علی اھلہ ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ، باب کیف اباحۃ الطلاق، ج احدی عشر ص۱۱۴، نمبر۱۸۵۱۵/۱۸۵۱۶) اس عبارت میں ہے کہ ایک ہی طلاق دینا بہتر ہے، البتہ دو یا تین طلاقیں دینا حرام نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ نے جو کچھ مباح کیا ہو وہ حرام کیسے ہو سکتا ہے۔

لغت: یستفاد الحکم: جس پر حکم لاگو ہوتا ہو، یا اس سے حکم حاصل کیا جاتا ہو۔ مشروع: وہ کام جو شریعت میں جائز ہے۔ الحظر: روکنا۔ ممنوع چیز۔

ترجمہ: ۲؎ بخلاف حیض کی حالت میں طلاق کے اس لئے کہ حرام عورت پر عدت لمبا ہونا ہے، نہ کہ طلاق۔

تشریح: امام شافعیؒ پر اعتراض یہ ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوتی ہے اور اس سے احکام مستفاد ہوتے ہیں پھر بھی وہ ممنوع ہے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ، حیض کی حالت میں طلاق دینا ممنوع نہیں ہے کہ وہ مباح ہے، البتہ اس سے عدت لمبی ہو جائے گی یہ ممنوع ہے، کیونکہ جس حیض میں طلاق دے گا وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا، اس لئے ساڑھے تین حیض عدت ہو جائے گی، اس لئے تطویل عدت ممنوع ہے۔

۳؎ ولنا ان الاصل فی الطلاق ھو الحظر لما فیہ من قطع النکاح الذی تعلقت بہ المصالح الدینیة والدیناویة والاباحة للحاجة الی الخلاص ولا حاجة الی الجمع بین الثلث ۴؎ وھی فی المفرق علی الاطھار ثابتة نظراً الی دلیلھا والحاجة فی نفسھا باقیة فامکن تصویر الدلیل علیھا ۵؎ والمشروعیة فی ذاتہ من حیث انہ ازالة الرق لا تنافی الحظر لمعنی فی غیرہ وھو ما ذکرناہ

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق میں اصل ممانعت ہے اس لئے اس میں نکاح منقطع ہو جاتا ہے جس سے مصلحت دینی اور مصلحت دنیاوی متعلق ہیں، اور طلاق کا مباح ہونا چھٹکارے کی ضرورت کی وجہ سے ہے، اور تین طلاقوں کو جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہے [اس لئے وہ حرام ہوگی]

تشریح: بیک وقت تین طلاق دینا کیوں حرام ہے اور تین طہر میں تین طلاق دینا کیوں سنت ہے اس کی دلیل دی جارہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اصل میں طلاق ممنوع چیز ہے، کیونکہ اس سے نکاح منقطع ہو جاتا ہے جس پر دینی مصلحت کا مدار ہے، کہ زنا سے محفوظ رہتا ہے ، اور دنیوی مصلحت کا بھی مدار ہے، کہ عورت کو نان ونفقہ مل جاتا ہے، اور شوہر کو اولاد مل جاتی ہے۔ لیکن عورت کو چھٹکارا حاصل کرنا ہے اس لئے طلاق کو مباح قرار دے دیا گیا، یہ چھٹکارا حاصل کرنے کی ضرورت ایک طلاق سے پوری ہو جاتی ہے اس لئے بیک وقت تین طلاق حرام ہے۔

ترجمہ : ۴؎ اور یہ تین طلاق تین طہر میں تفریق کر کے اس کی دلیل کی طرف نظر کرتے ہوئے ثابت ہے، اور حقیقت میں ضرورت بھی باقی ہے اس لئے دلیل کو اس پر تصویر کرنا ممکن ہے۔

تشریح : یہ عبارت پیچیدہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی آدمی بیوی کی بد اخلاقی کی وجہ سے اتنی نفرت کرتا ہے کہ دوبارہ اس سے نہ رجعت کرنا چاہتا ہے، اور نہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے، اس لئے تین طلاق دیتا ہے تا کہ حلالہ کے بغیر حلال نہ ہو، اور عورت دوبارہ آنا بھی چاہے تو نہ آسکے یا فیملی اس کو لانا بھی چاہے تو نہ لا سکے، اس لئے ایسے موقع پر تین طلاق دیتا ہے جبکہ اس کو طہر کے وقت جماع کی رغبت زیادہ ہو، اس لئے تین طہر میں تین طلاق کی ضرورت باقی ہے۔ یہ وہی دلیل الحاجۃ کی تفسیر ہے۔

لغت: فامکن تصویر الدلیل علیھا : یہ ایک منطقی جملہ ہے۔ اس عبارت کا شاید مطلب یہ ہے کہ ہر طہر میں جماع کی رغبت تازہ ہوتی ہے اس لئے اس وقت عورت کو پورا چھٹکارا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اور اس کے لئے ظاہری کوئی سبب نہیں ہے تو طہر کو ہی رغبت کے تازہ ہونے کی دلیل مان لی۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: ۵؎ ذات کے اعتبار سے مشروع ہو، اس طرح کہ رقیت کو زائل کرنا ہو، وہ اس ممنوع کے منافی نہیں جو غیر کے اعتبار سے ممنوع ہو، جسکو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

۶ وكذا ايقاع الثنتين فى الطهر الواحد بدعة لما قلنا ۷ واختلفت الرواية فى الواحدة البائنة قال فى الاصل انه اخطأ السنة لانه لا حاجة الى اثبات صفة زائدة فى الخلاص وهى البينونة وفى رواية الزيادات انه لا يكره للحاجة الى الخلاص ناجزا (۱۷۲۹) والسنة فى الطلاق من وجهين سنة فى الوقت وسنة فى العدد

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو منطقی جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ تمام طلاق مشروع ہیں تو ممنوع کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، اس لئے کوئی طلاق ممنوع نہیں،اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔یہاں رق کا معنی ہے نکاح جسکی وجہ سے عورت گویا کہ مرد کی باندی ہے ،اور جماع کرنے کے لئے دینے پر مجبور ہے۔اورازالۃ الرق کا معنی ہے کہ طلاق دیکر نکاح توڑ دیا،طلاق دیکر نکاح توڑنا ذات کے اعتبار سے مشروع ہے،کیونکہ عورت سے غلامت [نکاح] سے چھٹکارا ہے۔لیکن اس سے مصلحت دینی اور مصلحت دنیاوی ختم ہوجاتی ہے اس لئے یہ حظر اور ممنوع ہے،تو ذات کے اعتبار سے طلاق مشروع ہے،اور غیر یعنی دوسری مصلحتوں کی بنا پر یہ ممنوع ہے،اور یہ جائز ہے کہ ذات کے اعتبار سے مشروع ہو اور غیر کے اعتبار سے ممنوع ہو، ہاں ذات کے اعتبار سے مشروع ہو،اور ذات ہی کے اعتبار سے ممنوع ہو ایسا نہیں ہوسکتا۔

ترجمہ: ۶ ایسے ہی ایک طہر میں دو طلاق بدعت ہے،اس دلیل کی وجہ سے جو بیان کیا۔

تشریح: دو طہر میں دو طلاق مسنون ہیں،لیکن ایک ہی طہر میں دو طلاق کی ضرورت نہیں ہے،اور طلاق بنفسہ محظور ہے اس لئے ایک طہر میں دو طلاق دینا بدعت ہے۔

ترجمہ: ۷ ایک طلاق بائنہ دینے میں اختلاف ہے،اصل میں یہ کہا کہ سنت کے خلاف کیا اس لئے کہ چھٹکارہ میں زائد صفت کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور وہ بینونت ہے،اور زیادات کی روایت میں کہا کہ مکروہ نہیں ہے جلدی چھٹکارے کی ضرورت کی بنا پر۔

تشریح: ایک طہر میں طلاق رجعی دینی چاہئے،لیکن ایک طہر میں طلاق بائنہ دے اس بارے میں اختلاف ہے۔کتاب الاصل مبسوط میں یہ ہے کہ یہ سنت کے خلاف ہے اس لئے بائنہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے،اور زیادات کی روایت میں ہے کہ طلاق بائنہ دینا مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ بعض مرتبہ اتنی نفرت ہوجاتی ہے کہ رجعت نہیں کرنا چاہتا ہے اور طلاق بائنہ دیکر بالکل الگ کرنا چاہتا ہے اس لئے طلاق بائنہ دینے کی ضرورت ہے۔نوٹ:۔کتاب الاصل میں کتاب النکاح،اور کتاب الطلاق کا باب نہیں ہے۔

ترجمہ: (۱۷۲۹) پس سنت طلاقیں دو طریقوں سے ہیں (۱) وقت میں سنت (۲) اور عدد میں سنت۔

تشریح: وقت میں سنت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دے کہ طہر ہو،حیض کا زمانہ نہ ہو اور صحبت نہ کی ہو۔اور عدد میں سنت یہ ہے کہ ایک طلاق دے۔بیک وقت تین طلاق نہ دے۔

(۱۷۳۰) فالسنة فی العدد یستوی فیها المدخول بها وغیر المدخول بها ﴾ وقد ذکرناها
(۱۷۳۱) والسنة فی الوقت یثبت فی المدخول بها خاصة و هو ان یطلقها فی طهر لم یجامعها فیه﴾

ترجمہ: (۱۷۳۰) پس عدد کی سنت میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں برابر ہیں۔

ترجمہ: ۱ ہم نے اس کو پہلے ذکر کیا۔

تشریح: جس عورت سے صحبت کر چکا ہے سنت یہ ہے کہ اس کو بھی ایک ہی طلاق دے۔اور جس عورت سے صحبت نہیں کی ہے اس کے لئے بھی سنت یہ ہے کہ ایک ہی طلاق دے۔ بیک وقت تین نہ دے۔اس سنت میں دونوں برابر ہیں۔

جس عورت سے وطی نہ کی ہو اس کو یوں طلاق دے کہ،تم کو طلاق دی،تم کو طلاق دی،تم کو طلاق دی،یعنی تفریق کر کے تو پہلی طلاق واقع ہوگی،اور اسی سے بائنہ ہو جائے گی،دوسری اور تیسری طلاق کا محل باقی نہیں رہے گی،اس لئے دوسری اور تیسری طلاق واقع نہیں ہوگی،اور چونکہ اس پر عدت نہیں ہے اس لئے عدت بھی گزارنی نہیں ہوگی۔اور اگر یوں کہا تم کو تین طلاق ہیں [ایک ہی ساتھ] تو اب تینوں طلاق واقع ہو جائے گی،اور بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہوگی۔اور جس عورت سے وطی کی ہو اس کو کہا کہ،تم کو طلاق دی،تم کو طلاق دی،تم کو طلاق دی،یعنی تفریق کر کے تو تینوں طلاق ہو جائے گی اور اب حلالہ کے بغیر حلال نہیں ہوگی،کیونکہ یہ تینوں کا محل ہے۔

اصول: مدخول بہا پر عدت ہے۔اور غیر مدخول بہا پر عدت نہیں ہے،کیونکہ اس سے وطی ہی نہیں کی ہے تو عدت کس بات کی!

وجہ: اثر میں ہے کہ ایک طلاق دینا سنت ہے۔عن ابراهیم قال کانوا (الصحابة) یستحبون ان یطلقها واحدة ثم یترکها حتی تحیض ثلاث حیض۔(مصنف ابن ابی شیبة ۲ ما یستحب من طلاق السنة وکیف هو؟ ج رابع ص ۵،مصنف عبد الرزاق،باب وجه الطلاق وهو طلاق العدة والسنة، ج سادس،ص ۲۳۸،نمبر ۱۰۹۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دینا سنت ہے۔

ترجمہ: (۱۷۳۱) اور سنت وقت میں ثابت ہے مدخول بہا کے حق میں خاص طور پر اور وہ یہ ہے کہ ایک طلاق دے ایسے طہر میں جس میں صحبت نہ کی ہو۔

تشریح: وقت کے اعتبار سے سنت کا اعتبار صرف مدخول بہا بیوی کے ساتھ خاص ہے۔کیونکہ غیر مدخول بہا کو تو جب چاہے طلاق دے چاہے حیض کا زمانہ ہو یا طہر کا زمانہ ہو۔اور اس کی شکل یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وطی نہ کی ہو۔

وجہ: (۱) کیونکہ مدخول بہا کو حیض کے زمانے میں طلاق دینا بدعت ہے۔اور جس طہر میں جماع کیا ہو اس میں بھی طلاق دینا بدعت ہے (۲) اس حدیث میں ہے۔ عن عبد الله بن عمر انه طلق امرأته وهی حائض علی عهد رسول الله

ل لان المراعی دلیل الحاجة وهو الاقدام علی الطلاق فی زمان تجدد الرغبة وهو الطهر الخالی عن الجماع اما زمان الحیض فهو زمان النفرة و بالجماع مرة فی الطھر تفتر الرغبة (۱۷۳۲) وغیر المدخول بھا یطلقھا فی حالة الطھر والحیض ﴾

فسأل عمر بن الخطاب رسول الله ﷺ عن ذلک فقال رسول الله ﷺ مره فلیراجعھا ثم لیمسکھا حتی تطھر ثم تحیض ثم تطھر ثم ان شاء امسک بعد و ان شاء طلق قبل ان یمس فتلک العدة التی امر الله ان یطلق لھا النساء. (بخاری شریف، باب وقول اللہ تعالی یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحسوا العدة (آیت ا سورة الطلاق ۶۵]، ص ۹۱ ۷، نمبر ۵۲۵۱) مسلم شریف، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاھا، ص ۶ ۴۷، نمبر ۱۴۷۱/۳۶۵۲/ ابوداؤد شریف، باب فی طلاق السنة، ص ۳۰۳، نمبر ۲۱۷۹) اس حدیث میں, قبل ان یمس، سے معلوم ہوا کہ اس طہر میں طلاق دے جس میں بیوی کو چھویا نہ ہو یعنی جماع نہ کیا ہو۔

ترجمہ : ل اس لئے کہ اس میں, دلیل الحاجة، کی رعایت ہے، اور وہ ایسے زمانے میں طلاق کا اقدام کرنا ہے جبکہ جماع کی رغبت تازہ ہو جائے، اور وہ طہر ہے جو جماع سے خالی ہو، اس لئے کہ حیض کا زمانہ جماع سے نفرت کا زمانہ ہے، اور طہر میں ایک مرتبہ جماع کر لیا ہو تو رغبت سست ہو جاتی ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دے جبکہ جماع کی رغبت زیادہ ہے، یہ حاجت طلاق کی دلیل ہے، اور مدخول بھا میں اسی کی رعایت کی گئی ہے، کیونکہ حیض کے زمانے میں عورت سے جماع نہیں کرنا چاہتا، یہ نفرت کا زمانہ ہے، اور طہر میں ایک مرتبہ جماع کر چکا ہو تو اب طبیعت سست ہو جاتی ہے، اس لئے جس طہر میں جماع نہ کیا ہو اس میں طلاق دیں، اس سے پتہ چلے گا کہ طلاق کھیل کے لئے نہیں دے رہا ہے بلکہ چھٹکارے کی ضرورت کی وجہ سے دے رہا ہے۔

لغت : تجدد الرغبة : رغبت تازہ ہو جاتی ہے۔ تفتر الرغبة : فتر کا معنی ہے سست ہونا، تفتر الرغبة : رغبت سست ہو جاتی ہے۔

ترجمہ : (۱۷۳۲) اور غیر مدخول بہا کو طلاق دے طہر کی حالت میں اور حیض کی حالت میں۔

وجہ : (۱) چونکہ ابھی تک جماع نہیں کیا ہے اس لئے ہر وقت اس میں رغبت ہے۔ اس لئے حیض اور طہر دونوں حالتوں میں اس کو طلاق دے سکتا ہے (۲) جس کو عدت گزارنا ہو اس کے لئے طہر کا انتظار کیا جائے گا تا کہ عدت لمبی نہ ہو۔ اور غیر مدخول بہا کو عدت نہیں گزارنی ہے اس لئے جب چاہے طلاق دیدے (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الثوری فی رجل طلق البکر حائضا قال لا بأس بہ لانہ لا عدة لھا (مصنف عبد الرزاق، باب ھل یطلق الرجل البکر حائضا، ج سادس، ص ۲۴۶، نمبر ۱۱۰۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غیر مدخول بہا کو حیض کی حالت میں طلاق دے سکتا ہے۔

لِ خلافا لزفرؒ وهو يقيسها على المدخول بها ٢ِ ولنا ان الرغبة فی غير المدخول بها صادقة لا تقل بالحيض مالم يحصل مقصوده منها و فی المدخول بها تتجدد بالطهر (۱۷۳۳)قال واذا كانت المرأة لاتحيض من صغر او كبر فاراد ان يطلقها ثلثا للسنة طلقها واحدة فاذا مضى شهر طلقها اخرىٰ ﴾

ترجمه: لِ خلاف امام زفرؒ کے وہ مدخول بہا پر قیاس کرتے ہیں۔

تشریح: امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح مدخول بہا کو ایسے طہر میں طلاق دیتے ہیں جس میں جماع نہ کیا ہو اسی طرح غیر مدخول بہا کو بھی ایسے طہر میں طلاق دے جو جماع سے خالی ہو، کیونکہ حیض کے زمانے میں طلاق دینے سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔

ترجمه : ٢ِ ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر مدخول بہا میں رغبت صادق ہے حیض کی وجہ سے کم نہیں ہوتی، جب تک کہ اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا، اور مدخول بہا میں طہر میں رغبت تازہ ہوتی ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ جس بیوی سے ابھی تک جماع نہیں کیا ہو تو ہر وقت اس سے وطی کرنے کی خواہش ہوتی ہے چاہے حیض کا زمانہ ہو یا طہر کا زمانہ ہو، جب ہر وقت اس سے ملنے کی خواہش ہے تو کسی وقت بھی طلاق کا اقدام کرنا طلاق کی ضرورت کی دلیل ہے، اس لئے کسی وقت بھی طلاق دے سکتا ہے۔ اور مدخول بہا میں طہر کے وقت ہی جماع کی رغبت ہوتی ہے اس لئے طہر کے وقت ہی طلاق دے۔

ترجمه: (۱۷۳۳) اگر عورت ایسی ہو کہ حیض نہ آتا ہو کم سنی کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے، پس چاہتا ہے کہ طلاق دے اس کو سنت کے طریقے پر تو طلاق دے اس کو ایک۔ پس جب گزر جائے ایک ماہ تو طلاق دے دوسری اور جب گزر جائے ایک ماہ تو طلاق دے تیسری۔

تشریح: عورت ایسی ہے کہ چھوٹی ہونے کی وجہ سے یا بڑی عمر ہونے کی وجہ سے یا کسی مرض کی وجہ سے اس کو حیض نہیں آتا ہے۔ اور شوہر چاہتا ہے کہ اس کو سنت طریقے سے ہر طہر میں طلاق دے اور تین طہر میں تین طلاقیں پوری کرے تو اس کے لئے یہ ہے کہ پہلی طلاق جب چاہے دے۔ پھر ہر ماہ ایک طلاق دے تو سنت کے مطابق ہو جائے گی۔

وجه : (۱) جس کو حیض نہ آتا ہو اس کے لئے ہر ایک ماہ ایک طہر کے درجے میں ہے اس لئے ہر ماہ پر ایک طلاق دیدے (۲) آیت میں ہے۔ والّائی یئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلثة اشهر. و الّلاتی لم یحضن (آیت ۴ سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت میں تین حیض کو تین مہینے قرار دیئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر ماہ ایک حیض کے درجے میں ہے (۳) اثر میں ہے۔ عن الزهری فی البكر التی لم تحض والتی قعدت من الحيض طلاقها كل هلال تطليقة ۔ (مصنف

۱؎ لان الشهر فی حقهما قائم مقام الحيض قال الله تعالی واللائی يئسن من المحيض الی ان قال واللائی لم يحضن ۲؎ والاقامة فی الحيض خاصی يقدر الاستبراء فی حقهما بالشهر وهو بالحيض لا بالطهر ۳؎ ثم ان كان الطلاق فی اول الشهر يعتبر الشهور بالاهلة وان كان فی وسطه فبالايام فی حق التفريق و فی حق العدة كذلک عند ابی حنيفةؒ

عبدالرزاق، باب طلاق التی لم تحض، ج سادس، ص ۲۶۹، نمبر ۱۱۱۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر ماہ میں ایک طلاق دے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ مہینہ ان دونوں کے حق میں حیض کے قائم مقام ہے، اللہ تعالی نے فرمایا جو عورتیں حیض سے مایوس ہو گئیں۔ تو انکی عدت تین مہینے ہیں۔

تشریح: جن عورتوں کو حیض نہیں آتا انکے لئے ایک مہینہ ایک حیض کے قائم مقام ہے، تو گویا کہ تین حیض کو تین مہینے کے قائم مقام قرار دیا اس لئے جسکو تین طہر میں تین طلاقیں دینی ہو وہ ہر مہینے میں ایک طلاق دے دے، سنت ادا ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ اور قائم کرنا حیض میں خاص طور پر یہاں تک کہ استبراء مقدر کیا گیا ان دونوں کے حق میں مہینے سے، اور وہ حیض سے ہے نہ کے طہر سے۔

تشریح: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مہینہ صرف حیض کے قائم مقام ہے، طہر کے قائم مقام نہیں ہے، اور حیض اور طہر دونوں کے قائم مقام بھی نہیں ہے، اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ کسی نے باندی خریدی اور اس کو حیض نہ آتا ہو تو ایک مہینہ گزار کر اسبراء کرے گا، اور استبراء حیض سے ہوتا ہے طہر سے نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ مہینہ حیض کے قائم مقام ہے، طہر اور حیض دونوں کے قائم مقام نہیں ہے۔ [۲] خود آیت میں مہینے کو حیض کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ والآئی یئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلثة اشهر. و اللاتی لم يحضن (آیت۴ سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت میں تین حیض کو تین مہینے قرار دیئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر ماہ ایک حیض کے درجے میں ہے۔

لغت: استبراء: باندی خریدے، یا باندی ایک ملک سے دوسرے کی ملک میں منتقل ہو تو فوراً وطی نہ کرے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ پہلے مالک کا حمل اندر ہو، بلکہ ایک حیض گزرنے دے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ اندر حمل نہیں ہے، پھر وطی کرے، اس کو، استبراء، کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۳؎ پھر اگر طلاق مہینے کے شروع میں ہو تو مہینے کو چاند سے شمار کیا جائے گا اور اگر درمیان میں ہو تو تفریق کے حق میں دن کے ساتھ، اور عدت کے حق میں بھی ایسے ہی دن کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: چاند نظر آنے سے ایک دن پہلے طلاق دی تو اب طلاق دینے کا وقت چاند سے شروع ہوگا، اور اگلی طلاق چاند نظر آئے

۴ وعند هما يكمل الاول بالاخير والمتوسطان بالاهلة وهي مسألة الاجارات (۱۷۳۴) قال ويجوز ان يطلقها ولا يفصل بين وطيها وطلاقها بزمان ۞ ۱ وقال زفرؒ يفصل بينهما بشهر لقيامه مقام الحيض ولان بالجماع تفتر الرغبة وانما تتجدد بزمان وهو الشهر

تب دے، اور تیسری طلاق بھی چاند نظر آنے پر دے، اور اسی طرح عدت بھی چاند ہی سے پوری کی جائے گی، چاہے مہینہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا ہو، یہ مسئلہ بالاتفاق ہے۔ اور اگر مہینے کے بیچ میں طلاق دی تو تینوں طلاق کا موقع دن سے گنا جائے گا اور تمام مہینے ۳۰ دن کا گنا جائے گا، اور ۹۰ دنوں میں طلاق بھی پوری ہوگی اور عدت بھی پوری ہوگی۔ مثلا ۱۵ تاریخ کو طلاق دی تو ۳۰ دن گزر جانے کے بعد دوسری طلاق دے، اور پھر ۳۰ دن گزر جانے کے بعد تیسری طلاق دے، اور پھر ۳۰ دن گزر جانے کے بعد عدت گزر جائے گی۔ چاہے مہینہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا ہو۔ اس عبارت میں تفریق سے مراد ہے تفریق کر کے تین مہینوں میں طلاق دینا۔

ترجمہ: ۴ اور صاحبینؒ کے نزدیک پہلی عدت کو آخیر کے ساتھ پوری کی جائے گی، اور درمیان میں چاند سے، اور یہ اجارات کا مسئلہ ہے۔

تشریح: صاحبینؒ کے یہاں عدت کے بارے میں یہ ہے کہ پہلا مہینہ آخیر کے ساتھ ملا کر پورا کیا جائے گا، اور درمیانی ماہ چاند کے ساتھ پورا کیا جائے گا، چاہے مہینہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا۔ مثلا کسی نے ۱۵ تاریخ کو طلاق دی تو ۲۹ تاریخ کو یا ۳۰ تاریخ کو جب چاند نظر آیا اس وقت سے مہینہ دوسرا مہینہ شروع ہو جائے گا، اور اسی طرح چاند نظر آنے پر تیسرا مہینہ شروع ہوگا، اور چاند نظر آنے پر ختم ہوگا اور پہلے ۱۵ کو آخیر کے ساتھ ملا کر ایک مہینہ ۳۰ کا پورا کیا جائے گا۔ یہ مسئلہ کتاب الاجارات کا ہے وہاں بھی اسی طرح کا اختلاف ہے، اور اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ۹۰ دن سے اور صاحبینؒ کے یہاں شروع اور آخیر کو دن سے اور درمیانی ماہ کو چاند سے پورا کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۱۷۳۴) اور جائز ہے کہ اس کو طلاق دے۔ اور وطی اور طلاق کے درمیان زمانے سے فصل نہ کرے۔

تشریح: جس عورت کو حیض نہیں آتا ہے اس سے وطی کرے اور فورا طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ حیض والی عورت کی طرح نہیں ہے کہ وطی کرنے کے بعد حیض آئے، رحم صاف ہو پھر اگلے طہر آئے تب طلاق دے۔

وجہ: چونکہ حیض نہیں آتا ہے اس لئے حمل ٹھہرنے کا سوال نہیں ہے۔ کیونکہ جس کو حیض کا خون آتا ہو اسی کو حمل ٹھہرتا ہے۔ اور حیض اور اگلے طہر کا انتظار اس لئے کرتے تھے کہ حیض کی وجہ سے رحم صاف ہو جائے اور یہاں حمل ٹھہرنے کا امکان نہیں ہے اس لئے جماع کے فورا بعد طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۱ امام زفرؒ نے فرمایا کہ وطی اور طلاق کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ کرے، کیونکہ مہینہ حیض کے قائم مقام ہے، اور اس لئے

۲؎ ولنا انه لا یتوهم الحبل فیهما والکراهیة فی ذوات الحیض باعتباره لان عند ذلک یشتبه وجه العدة ۳؎ والرغبة وان کانت تفتر من الوجه الذی ذکرلکن تکثر من وجه اٰخر لانه یرغب فی وطی غیر معلق فرارا عن مؤن الولد فکان الزمان زمان الرغبة فصار کزمان الحبل

کہ جماع سے رغبت سست پڑ جاتی ہے تو تازہ ہوگی کچھ زمانے کے بعد اور وہ ایک مہینہ ہے۔

تشریح: امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جس عورت کو حیض نہیں آتا ہو اس سے وطی کر لیا ہے تو اس کے ایک ماہ کے بعد طلاق دے، فورا طلاق نہ دے۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حیض والی ہوتی تو اگلے طہر میں طلاق سنت دی جاتی جو تقریبا ایک مہینہ ہے، پس اس عورت کے ساتھ بھی ایک مہینہ کا وقفہ کیا جائے کیونکہ ایک مہینہ ایک حیض کے قائم مقام ہے (۲) دوسری وجہ یہ فرماتے ہیں کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ طلاق دلیل الحاجۃ کے وقت دینی چاہئے، یعنی طلاق اس وقت دینی چاہئے جب جماع کی رغبت ہو، اور یہاں جماع کرنے کی وجہ سے رغبت سست ہوگئی ہے اس لئے ایک ماہ ٹھہرے تا کہ رغبت تازہ ہو جائے۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں میں حمل کا احتمال نہیں ہے، اور حیض والی میں کراہیت حمل کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اس وقت عدت کا طریقہ مشتبہ ہو جائے گا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ جنکو حیض آتا ہے اس کو جماع کے بعد فورا طلاق دے گا تو پتہ نہیں چلے گا کہ اس کو حمل ٹھہر چکا ہے یا نہیں، اور اس کی عدت کیا ہوگی، تین حیض یا وضع حمل، اب اس اشتباہ کی وجہ سے وطی کے فورا بعد طلاق دینا ممنوع ہے۔ اور جو عورت بڑھاپے کی وجہ سے مایوس ہوگئی ہو یا بہت چھوٹی ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ہو ان دونوں کو حمل ٹھہرنے کا امکان نہیں ہے، اس لئے جماع کے بعد فورا طلاق دے سکتا ہے، اور طے ہے کہ اس کی عدت تین مہینہ ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور رغبت اگر چہ اس طریقے سے سست ہو چکی ہے لیکن دوسرے طریقے سے زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ مرد ایسی وطی میں رغبت کرتا ہے جو حمل رکھنے والی نہ ہو بچہ کے بوجھ سے بھاگنے کے لئے، اس لئے یہ زمانہ رغبت کا زمانہ ہے، اور ایسا ہو گیا کہ حمل کا زمانہ ہو۔

تشریح: امام زفرؒ نے فرمایا تھا کہ جماع سے رغبت کم ہوگئی ہے اس لئے ایک ماہ کے بعد طلاق دے جبکہ رغبت تازہ ہو جائے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ دوسرے اعتبار سے رغبت تیز ہے، کیونکہ آدمی اس وطی سے بھاگتا ہے جس سے حمل ٹھہر جائے اور بچے سنبھالنے کا بوجھ سر پر آپڑے اور اس میں حمل ٹھہرنے کا امکان نہیں ہے اس لئے ہر وقت جماع کرنا چاہتا ہے، اس لئے وطی کے بعد طلاق دینا دلیل الحاجۃ ہے۔ اور جس طرح حمل کے وقت دوسرا حمل ٹھہرنے کا امکان نہیں رہتا اسلئے وطی کے بعد فورا طلاق دے سکتا

(۱۷۳۵) وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع ﴾ لانه لا يؤدى الى اشتباه وجه العدة وزمان الحبل زمان الرغبة فى الوطى لكونه غير معلق او فيها لمكان ولده منها فلا يقل الرغبة بالجماع

(۱۷۳۶) ويطلقها للسنة ثلثا يفصل بين كل تطليقتين بشهر ﴾ ا عند ابى حنيفةؒ وابى يوسفؒ

ہے اسی طرح یہاں حمل ٹھہرنے کا امکان نہیں ہے اس لئے فورا طلاق دے سکتا ہے۔

لغت : تفتر : جماع کرنے کی طبیعت سست پڑ جانا۔ معلق: علق سے مشتق ہے، حمل ٹھہرنا۔ مؤن: خرچہ برداشت کرنا۔

ترجمه: (۱۷۳۵) جائز ہے حاملہ عورت کو طلاق دینا جماع کے بعد۔

تشــــريــــح : بیوی حاملہ ہے اس سے جماع کیا اور جماع کے فورا بعد طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ ایک ماہ کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔

وجـــــه : (۱) حاملہ عورت سے جماع کے بعد دوسرا حمل ٹھہرنے کا امکان نہیں ہے۔ کیونکہ رحم کا منہ بند ہے۔ اس لئے جماع کی رغبت ہر وقت ہے اس لئے اس وقت طلاق دینا دلیل الحاجۃ ہے۔ اس لئے جماع کے بعد فورا طلاق دے سکتا ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن الحسن و محمد قالا اذا كانت حاملا طلقها متى شاء. (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۳ ما قالوا فی الحامل کیف تطلق، ج رابع، ص ۵۸، نمبر ۱۷۷۴۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حاملہ عورت کو جماع کے فورا بعد طلاق دے سکتا ہے۔

تــرجــمــه: ا اس لئے کہ عدت کے مشتبہ ہونے کی طرف نہیں پہونچائے گا، اور حمل کا زمانہ وطی میں رغبت کا زمانہ ہے اس لئے کہ حمل ٹھہرنے والا نہیں ہے، یا اس وجہ سے کہ اس میں بچہ ہے اس لئے جماع کی وجہ سے رغبت کم نہیں ہوگی۔

تشریح : حاملہ عورت کو جماع کے بعد فورا طلاق دے سکتا ہے اس کی تین وجہ بیان کی جا رہی ہے [۱] اندر حمل ہے اس لئے دوسرا حمل نہیں ٹھہر سکتا اس لئے عدت مشتبہ نہیں ہے ایک ہی عدت وضع حمل طے ہے اس لئے جماع کے بعد فورا طلاق دے سکتا ہے [۲] دوسری وجہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اس وطی سے دوسرا حمل نہیں ٹھہرے گا، کیونکہ اندر حمل ہے اس لئے ہر وقت وطی کی رغبت ہے، اس لئے طلاق کی بھی دلیل الحاجۃ ہے۔ [۳] تیسری وجہ یہ ہے کہ اندر شوہر کا بچہ پل رہا ہے اس لئے جماع کی وجہ سے عورت سے رغبت کم نہیں ہوئی ہے، اس لئے بھی طلاق دینا دلیل الحاجۃ ہے اس لئے اس وقت طلاق دے سکتا ہے۔

ترجمه: (۱۷۳۶) حاملہ کو طلاق دے سنت کے مطابق تین اور فصل کرے ہر دو طلاقوں میں ایک مہینے کا

ترجمه: ا شیخین کے نزدیک۔

تشریح: حاملہ عورت کو سنت کے طریقے پر طلاق دینا چاہے تو شیخین کے نزدیک تین طلاقیں دے سکتا ہے۔ البتہ آئسہ کی طرح ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک مہینہ کا فصل کرے یعنی ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق ایک ماہ کے بعد دے۔ اور تیسری طلاق پھر ایک

۲؎وقال محمدؒ لا یطلقها للسنة الا واحدة لان الاصل فی الطلاق الحظر وقد ورد الشرع بالتفریق علی فصول العدة والشهر فی حق الحامل لیس من فصولها فصار کالممتدة طهرها ۳؎ولهما ان الاباحة لعلة الحاجة والشهر دلیلها کما فی حق الآئسة والصغیرة وهذا لانه زمان تجدد الرغبة علی ما علیه الجبلة السلیمة فصلح علماً ودلیلاً بخلاف الممتدة طهرها لان العلم فی حقها انما هو الطهر

ماہ کے بعد دے، فوراً نہ دے۔

وجه : (۱) اس کو حیض تو آتا نہیں ہے کہ حیض کا انتظار کرے۔ اس لئے آئسہ کی طرح ایک ماہ ایک طہر کے قائم مقام ہوگا، اس لئے ایک ماہ کے بعد دوسری طلاق دے (۲) اثر میں ہے۔ قلت للزهری اذا اراد ان یطلقها حاملا ثلاثا کیف ؟ قال علی عدة اقرائها . (مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الحامل، ج سادس، ص ۲۳۹، نمبر ۱۰۹۷۵ / مصنف ابن ابی شیبة، باب ۳ ما قالوا فی الحامل کیف تطلق، ج رابع، ص ۵۸، نمبر ۱۷۷۴۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر ماہ میں ایک طلاق دے۔

ترجمه : ۲؎ اور کہا امام محمد نے نہیں طلاق دے سنت کے طریقے پر مگر ایک، اس لئے کہ طلاق میں اصل ممانعت ہے، اور شریعت میں وارد ہوئی ہے کہ طلاق کو عدت کی فصلوں پر متفرق کرے، اور مہینہ حاملہ کے حق میں فصول عدت میں سے نہیں ہے، پس ایسا ہو گیا۔ جیسا کہ وہ عورت جسکا طہر لمبا ہو گیا ہو۔

تشریح : امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ حاملہ عورت کو سنت کے طریقے پر تین طلاق دینا چاہیں تو تین نہیں دے سکتے ایک ہی دینا پڑے گا اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ طلاق میں اصل تو ممانعت ہے، اور شریعت میں آئسہ کے لئے مہینے کو حیض کے قائم مقام کیا گیا ہے، حاملہ کے حق میں مہینے کو حیض کو قائم مقام نہیں کیا گیا اس لئے کہ اس کو تو حیض ہی نہیں آتا، تو جس طرح جس عورت کا طہر ایک سال لمبا ہو جائے تو اس کو ایک سال کے بعد دوسری طلاق دی جائے گی اسی طرح اس کو وضع حمل تک طلاق نہیں دی جا سکے گی۔

وجه : (۱) اس کی عدت وضع حمل کے بعد ایک ہی مرتبہ ختم ہوگی۔ اس لئے ایک ہی طلاق دے سکتا ہے (۲) طلاق دینا مبغوض ہے اس لئے زیادہ طلاق دینا اچھا نہیں ہے۔ اس لئے ایک ہی پر اکتفا کرے (۳) اثر میں ہے۔ عن الحسن قال لا تزاد الحامل علی تطلیقة حتی تضع فاذا وضعت فقد بانت منه. (مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الحامل، ج سادس، ص ۲۳۹ نمبر ۱۰۹۷۷ / مصنف ابن ابی شیبة باب ۳ ما قالوا فی الحامل کیف تطلق ؟ ج رابع، ص ۵۸، نمبر ۱۷۷۴۰) اس اثر میں ہے کہ ایک طلاق دے اور اسی سے وضع حمل کے وقت بائنہ ہو جائے گی۔

ترجمه : ۳؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ طلاق کا مباح ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے اور مہینہ ضرورت کی دلیل ہے جیسا کہ آئسہ اور چھوٹی کے حق میں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ رغبت کے نیا ہونے کا زمانہ ہے جیسا کہ فطرت سلیم ہے اس لئے مہینہ

وهو مرجو فيها في كل زمان ولا يرجى مع الحبل (۱۷۳۷) واذا طلق الرجل امرأته في حالة الحيض وقع الطلاق ﴾ ا لان النهي عنه لمعنى في غيره وهو ما ذكرنا فلا ينعدم مشروعيته

علامت بن سکتی ہے اور دلیل بن سکتی ہے، بخلاف لمبے طہر والی کے اس لئے کہ اس کے حق میں علامت طہر ہے اور ہر زمانے میں اس کے آنے کی امید ہے، اور حمل کے ساتھ طہر کی امید نہیں۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ طلاق دینا حاجت کی وجہ سے ہے اور حاملہ کے حق میں بھی مہینہ حاجت کی دلیل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جسکی فطرت سلیم ہو وہ ایک مہینے میں جماع کرنا چاہتا ہے اس لئے ایک مہینہ دلیل الحاجۃ ہے، اور اس وقت طلاق دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ضرورت کی وجہ سے طلاق دے رہا ہے، بخلاف جسکی طہر لمبی ہوگئی ہو اس کے لئے ہر وقت امید ہے کہ حیض واپس آجائے اس لئے ایک مہینہ اس کے لئے حاجت کی دلیل نہیں ہے، اور حاملہ میں یہ امید نہیں ہے کہ حیض واپس آجائے اس لئے ایک مہینہ حاجت کی دلیل ہے۔

لغت : دلیل الحاجۃ : ایک مہینے میں رغبت تیز ہوتی ہے اس وقت جماع کے بجائے طلاق دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو اتنی نفرت ہے کہ اس کو طلاق دیکر اس سے جان چھڑانا چاہتے ہیں، اسی کو ,دلیل الحاجۃ ، کہتے ہیں۔ آئسۃ : جو عورت بڑھاپے کی وجہ سے حیض سے مایوس ہوگئی ہو۔ ممتد الطہر : جس عورت کو سال سال بھر حیض نہ آتا ہو اس کو ممتد الطہر ، کہتے ہیں۔ الجبلۃ السلیمۃ : جسکی فطرت سلیم ہو۔ علما : علامت۔ مرجو : رجی سے مشتق ہے، جسکی امید کی گئی ہو۔

ترجمہ : (۱۷۳۷) اگر مرد اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدے تو طلاق واقع ہوگی۔

وجہ : (۱) حیض کی حالت میں طلاق دے تو واقع ہو جائے گی، کیونکہ طلاق کا مدار بیوی ہونا ہے اور وہ بیوی ہے اس لئے طلاق واقع ہوگی، البتہ حیض کی حالت میں طلاق دینے سے عدت لمبی ہوگی اس لئے حیض کی حالت میں طلاق نہیں دینی چاہئے (۲) اس حدیث میں ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ **سمعت ابن عمر قال طلق ابن عمر امرأته وهي حائض فذكر عمر للنبي ﷺ فقال ليراجعها قلت تحتسب ؟ قال فمه ؟** ۔(بخاری شریف، باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلک الطلاق ص ۷۹۰ نمبر ۵۲۵۲ / مسلم شریف، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاھا ص ۶۷۵ نمبر ۱۴۷۱ / ۳۶۵۸ / ترمذی شریف، نمبر ۱۱۷۵ / ابو داؤد شریف، نمبر ۲۱۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں دی ہوئی طلاق شمار کی جائے گی۔ اور اگر رجعت نہیں کرے گا تو عدت گزار کر بائنہ ہو جائیگی۔

ترجمہ : ا اس لئے کہ طلاق سے جو روکا گیا ہے وہ کسی دوسری وجہ سے ہے، جس کو ہم نے ذکر کیا اس لئے اس کی مشروعیت ختم نہیں ہوگی۔

(۱۷۳۸) ويستحب له ان يراجعها ﴾ ا لقوله عليه السلام لعمرؓ مر ابنک فليراجعها وقد طلقها فی حالة الحيض وهذا يفيد الوقوع والحث على الرجعة ۲ ثم الاستحباب قول بعض المشائخ والاصح انه واجب عملا بحقيقة الامر ورفعا للمعصية بالقدر الممكن برفع اثره وهی العدة ودفعا لضرر تطويل العدة

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ حیض کے زمانے میں طلاق اس لئے ممنوع ہے کہ عورت کی عدت لمبی ہو جائے گی، اس لئے ذات کے اعتبار سے طلاق واقع ہونا مشروع ہے۔

ترجمہ: (۱۷۳۸) اور مستحب ہے کہ عورت سے رجعت کر لے۔

ترجمہ: ا حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ رجعت کر لے حال یہ کہ اس نے حیض کی حالت میں طلاق دی تھی، اور رجعت کرنے کا حکم دینا طلاق واقع ہونے کا فائدہ ہوتا ہے، اور رجعت کرنے پر ترغیب بھی ہے۔

تشریح :۔ حیض کی حالت میں طلاق دے تو واقع ہو جائے گی، لیکن مستحب یہ ہے کہ رجعت کر لے، کیوں کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حیض کی حالت میں طلاق دی تھی تو حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ اپنے بیٹے کو کہو کہ رجعت کر لے، اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ طلاق واقع ہو جائے گی تب ہی تو رجعت کرنے کا حکم دیا، اور یہ بھی پتہ چلا کہ رجعت کر لینے کی ترغیب دی۔

وجہ : (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله بن عمر انه طلق امرأته وهی حائض على عهد رسول الله ﷺ فسأل عمر بن الخطاب رسول الله عن ذلک فقال رسول الله ﷺ مره فليراجعها ثم ليمسكها حتى تطهر ثم تحيض ثم تطهر ثم ان شاء امسک بعد وان شاء طلق قبل ان يمس فتلك العدة التی امر الله ان يطلق لها النساء ۔ (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی (يا ايها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة) ،[سورة الطلاق ٦٥] ص ۷۹۰، نمبر ۵۲۵۱ مسلم شریف، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاها، ص ۴۷۵، نمبر ۳۶۵۲/۱۴۷۱) اس حدیث میں ہے کہ رجعت کر لینی چاہئے۔

ترجمہ: ۲ پھر استحباب بعض مشائخ کا قول ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ واجب ہے حقیقت امر پر عمل کرتے ہوئے، اور بقدر ممکن معصیت کو دور کرنے کے لئے طلاق کے اثر کو اٹھا کر اور وہ عدت ہے، اور عدت کے لمبے ہونے کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے۔

تشریح : بعض مشائخ کا قول ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق کے بعد رجعت کرنا مستحب ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ رجعت کرنا واجب ہے اس کی تین وجہ بیان کر رہے ہیں [۱] حدیث میں امر کا صیغہ استعمال فرمایا ہے۔ فقال رسول الله ﷺ مره فليراجعها ۔ اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اس لئے رجعت کرنا واجب ہوگا۔ [۲] حیض کی حالت میں طلاق دینا گناہ ہے اور اس

(۱۷۳۹)قال فاذا طهرت وحاضت ثم طهرت فان شاء طلقها وان شاء امسكها ﴾ ۱؎ قال وهكذا ذكر في الاصل ۲؎ وذكر الطحاوی انه يطلقهافی الطهر الذی يلی الحيضة الاولی قال ابو الحسن الكرخی

طلاق کا اثر عدت ہے اس لئے جہاں تک ہو سکے گناہ کو ختم کیا جائے اور اس کے اثرات کو بھی ختم کیا جائے ،اب طلاق تو واقع ہو چکی ہے اس لئے وہ ختم نہیں ہوگی ،البتہ اس کا اثر یعنی عدت رجعت کرنے سے ختم ہو جائے گی ،اور گناہ کا اثر ختم کرنا واجب ہے اس لئے رجعت کرنا بھی واجب ہونا چاہئے [۳] تیسری دلیل یہ ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے سے عدت لمبی ہوگی جو عورت کے لئے ضرر ہے ،اور دوسرے کے ضرر کو دور کرنا واجب ہے اس لئے رجعت کر کے ضرر دور کرنا واجب ہوگا۔

ترجمہ: (۱۷۳۹) پس جب پاک ہو جائے اور حائضہ ہو جائے پھر پاک ہو جائے پس اگر چاہے تو طلاق دے اور چاہے تو روک لے۔

ترجمہ: ۱؎ مصنف فرماتے ہیں کہ مبسوط میں ایسے ہی ذکر کیا ہے۔

تشریح : متن میں یہ ہے کہ جس حیض میں طلاق دی ہے اور اس میں رجعت کیا ہے ،اس حیض کے بعد طہر آئے ،اس کے بعد پھر حیض آئے اور اس حیض کے بعد طہر آئے تو اس میں چاہے تو دوسری طلاق دے اور چاہے تو پہلے سے رجعت کی ہوئی ہے اس لئے بیوی کو روکے رکھے ،تاہم پہلے حیض کے بعد جو طہر آیا ہے اس میں طلاق نہ دے کیونکہ وہ سنت کے خلاف ہے کتاب الاصل میں یہی ہے۔میرے پاس جو کتاب الاصل ہے اس میں نکاح طلاق کا باب ہی نہیں ہے۔

وجہ : (۱) اوپر حدیث میں یہی گزری کہ حیض کے بعد طہر ،پھر حیض کے بعد طہر آئے اس میں دوسری طلاق دیں ،حدیث یہ ہے **عن عبد الله بن عمر انه طلق امرأته وهی حائض علی عهد رسول الله ﷺ فسأل عمر بن الخطاب رسول الله عن ذلک فقال رسول الله ﷺ مره فليراجعها ثم ليمسكها حتی تطهر ثم تحيض ثم تطهر ثم ان شاء امسک بعد وان شاء طلق قبل ان يمس فتلک العدة التی امر الله ان يطلق لها النساء** ۔(بخاری شریف ،باب قول اللہ تعالی (يا ايها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة) ،[سورة الطلاق ۶۵]ص ۹۰ ۷،نمبر ۵۲۵۱ رمسلم شریف ،باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاها ،ص ۴۷۵ ،نمبر ۱۴۷۱/ ۳۶۵۲) اس حدیث میں ہے کہ دوسری طہر کے اندر طلاق دے ۔(۲) سنت یہ ہے کہ دو طلاقوں کے درمیان ایک حیض کا فاصلہ ہو ،اور یہاں حیض کے درمیان طلاق دی ہے تو اس کا بعض حصہ ہی باقی رہا اب اس کے بعد والے طہر میں طلاق دے گا تو دو طلاقوں کے درمیان پورا حیض نہیں ہوگا اور نہ پورا طہر ہوگا اس لئے اگلے حیض کے بعد طلاق دے گا تو ایک حیض مکمل ہو جائے گا اس لئے دوسرے حیض کے بعد ہی طلاق دے۔

ترجمہ: ۲؎ اور طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ اسی طہر میں طلاق دے جو حیض سے متصل ہے ،امام ابو الحسن کرخی نے ذکر کیا ہے کہ جو

ما ذكر الطحاوىؒ قول ابى حنيفةؒ وماذكر فى الاصل قولهما ۳؎ ووجه المذكور فى الاصل ان السنة ان يفصل بين كل طلاقين بحيضة والفاصل ههنا بعض الحيضة فتكمل بالثانية ولاتتجزى فتتكامل واذا تكاملت الحيضة الثانية فالطهر الذى يليه زمان السنة فامكن تطليقها على وجه السنة ۴؎ وجه القول الأخر ان اثر الطلاق قد انعدم بالمراجعة فصار كانه لم يطلقها فى الحيض فيسن تطليقها فى الطهر الذى يليه (۱۷۴۰) ومن قال لامرأته وهى من ذوات الحيض وقد دخل بها انت طالق ثلثا للسنة ولا نية له فهى طالق عند كل طهر تطليقة ﴾ ۱؎ لان اللام فيه للوقت ووقت السنة طهر لا جماع

امام طحاوی نے ذکر کیا ہے وہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے، اور جو اصل میں ذکر کیا وہ صاحبینؒ کا قول ہے۔۔

تشریح : امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ اسی طہر میں طلاق دے جو پہلے حیض کے بعد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق دے کر رجعت کر لیا تو گویا کہ وہ طلاق ہی نہیں رہی تو اب حیض کے بعد جو طہر آئے اس میں طلاق دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اصل میں جو ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے۔ سنت یہ ہے کہ دو طلاقوں کے درمیان ایک حیض سے فصل کرے، اور یہاں فصل کرنے والا بعض حیض ہے اس لئے دوسرے حیض سے پورا کیا جائے گا، اور حیض میں تجزی نہیں ہو سکتی اس لئے پورا کیا جائے گا، اور جب دوسرے حیض سے پورا کیا گیا تو وہ طہر جو اس کے بعد آئے وہ سنت کا زمانہ ہے اس لئے سنت کے طریقے پر اس کو طلاق دینا ممکن ہے۔

تشریح : کتاب الاصل میں ہے کہ دوسرے حیض کے بعد دوسری طلاق دے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت یہ ہے کہ دو طلاقوں کے درمیاں ایک حیض کا فصل ہو اور پہلے ایک حیض نہیں ہے بعض حیض ہی ہے اس لئے اگلے حیض سے اس کو پورا کیا جائے گا اور اگلے حیض میں ٹکڑا تو ہو نہیں سکتا اس لئے اس حیض کے بعد جو طہر ہے اس میں طلاق دینا سنت ہوگا۔

ترجمہ: ۴؎ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ رجعت کرنے کی وجہ سے پہلی طلاق کا اثر ختم ہو گیا تو گویا کہ حیض میں طلاق ہی نہیں دیا اس لئے وہ طہر جو اس کے بعد متصل ہے اس میں طلاق دینا سنت ہوگا۔

تشریح : دوسرے قول یعنی امام طحاویؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب طلاق سے رجعت کر لی تو گویا کہ وہ طلاق ہی نہیں رہی اس لئے اس حیض کے بعد جو طہر ہے اس میں طلاق دینا سنت ہوگا۔

ترجمہ: (۱۷۴۰) کسی نے اپنی عورت سے کہا حال یہ کہ وہ حیض والی ہو اور اس سے صحبت کر چکا ہو کہ تمکو سنت کے طور پر تین طلاقیں ہیں، اور اس کی کوئی نیت نہیں تھی تو ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ لام اس میں وقت کے لئے ہے، اور سنت کا وقت ایسا طہر ہے جس میں جماع نہ کیا ہو۔

فيه (۱۷۴۱) وان نوى ان تقع الثلث الساعة او عند رأس كل شهر واحدة فهو على ما نوى ﴿
لـ سواء كانت فى حالة الحيض او فى حالة الطهر

تشریح : عورت حیض والی ہے اس لئے ہر طہر میں ایک طلاق دے سکتا ہے، اور چونکہ مدخول بھا ہے اس لئے تین طہر میں تین طلاق دے سکتا ہے، اس لئے جب یہ کہا کہ تمکو تین طلاق سنت کے طور پر ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہوگی، کیونکہ سنت کا طریقہ یہی ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہو۔

وجه : کیونکہ , انت طالق للسنة ، میں لام وقت کے لئے ہے اور سنت طلاق کا وقت ہر طہر ہے اس لئے ہر طہر میں طلاق واقع ہوگی۔لیکن یہ ضروری ہے کہ کچھ نیت نہ کی ہو کیونکہ بیک وقت تین طلاق کی نیت کرے گا تین طلاق واقع ہو جائے گی، اس کی بحث آگے آرہی ہے۔

ترجمه: (۱۷۴۱) اور اگر نیت کی کہ تین بیک وقت واقع ہو جائے یا ہر مہینے میں ایک واقع ہو تو جیسی نیت کی ویسی ہی ہوگی۔

ترجمه: لـ چاہے حیض کی حالت میں ہو یا طہر کی حالت میں ہو۔

تشریح: للسنۃ کے دو معنی ہیں [۱] ایک معنی ہے کہ سنت کے طور پر طلاق، یعنی ہر طہر میں ایک طلاق، اگر کوئی نیت نہیں کی تو ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہوگی۔[۲] دوسرا معنی ہے کہ طلاق دینا سنت سے یعنی حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ انت طالق للسنۃ کہہ کر یہ نیت کی کہ بیک وقت تینوں طلاق واقع ہو جائے تو تینوں طلاق بیک وقت واقع ہو جائے گی۔یا ہر مہینے کے شروع میں واقع ہو جائے تو ہر مہینے کے شروع میں واقع ہو جائے گی، چاہے وہ وقت عورت کے حیض کا ہو چاہے طہر کا ہو، اور للسنۃ کا دوسرا معنی لیا جائے گا، کہ یہ تین طلاق بھی سنت یعنی حدیث سے ثابت ہے۔

وجه : (۱) سنت کے دونوں معنی کا احتمال ہے، پس اگر نیت نہیں کی تو پہلا معنی لیا جائے گا کیونکہ وہی اقرب ہے، اور نیت کی تو دوسرا معنی لیا جائے گا، کیونکہ اس کا بھی احتمال ہے (۲) تین طہر میں تین طلاق واقع ہو اس کی دلیل یہ اثر ہے۔قال الزهرى فى امراة يطلقها زوجها عند كل طهر تطليقة ، قالوا : تعتد بعد الثلاث حيضة واحدة ۔(مصنف عبد الرزاق، باب تعتد اذا طلقها عند کل حیضة، ج سادس، ص ۲۴۰، نمبر ۱۰۹۸۱) اس اثر میں ہے کہ تین طلاق واقع ہوگی، اور تیسری کے بعد ایک حیض سے عدت پوری کرے۔(۳) اور تین طلاق بیک وقت دے تو تینوں واقع ہو جائے گی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن داود عن عبادة بن صامت قال طلق جدى امرأة له الف تطليقة فانطلق ابى الى رسول الله ﷺ فذكر ذالك له فقال النبى ﷺ اما اتقى الله جدك اما ثلث فله و اما تسعماة و سبع و تسعون فودوان و ظلم ان شاء الله عذبه و ان شاء غفر له ۔(مصنف عبد الرزاق، باب المطلق ثلاثا، ج سادس، ص ۳۰۶، نمبر ۱۱۳۸۳ / مصنف ابن ابی شیبة، باب فی الرجل

۲؎ وقال زفرؒ لا تصح نية الجمع لانه بدعة وهی ضد السنة ۳؎ ولنا انه محتمل لفظه لانه سنی وقوعاً من حيث ان وقوعه بالسنة لا ايقاعا فلم يتناوله مطلق كلامه وينتظمه عند نيته (۱۷۴۲) وان كانت آئسة او من ذوات الاشهر وقعت الساعة واحدة وبعد شهر اخرىٰ وبعد شهر اخرىٰ ۱؎ لان الشهر فی حقها دليل الحاجة كالطهر فی حق ذوات الاقراء علی ما بينا

یطلق امراتہ مائۃ اوالفافی قول واحد، ج رابع ،ص ۶۳،نمبر ۱۷۷۹۸)اس حدیث میں ہے کہ بیک وقت ایک ہزار طلاق دینے سے تین واقع ہوگی اور باقی بیکار جائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ تینوں طلاق کی جمع کی نیت صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وہ بدعت ہے اور وہ سنت کی ضد ہے۔

تشریح: امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ انت طالق للسنۃ کہہ کر بیک وقت تین طلاق کی نیت کرے تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ بیک وقت تین طلاق دینا بدعت ہے اور یہ سنت کے خلاف ہوا، اور طلاق دینے والے نے للسنۃ کہا ہے اس لئے تین طلاق کی نیت صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل لفظ کا احتمال یہ بھی ہے اس لئے کہ واقع ہونا سنت ہے اس حیثیت سے کہ اس کا واقع ہونا سنت سے ثابت ہے، یہ نہیں ہے کہ اس کا واقع کرنا سنت کے مطابق ہے، اس لئے مطلق کلام اس کو شامل نہیں، اور نیت کے وقت اس کو شامل ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظ سنت میں تین طلاق کا بھی احتمال ہے اس طرح کہ تین طلاق واقع کرنا وہ سنت سے یعنی حدیث سے ثابت ہے، اسلئے مطلق سنت بولا اور کوئی نیت نہیں کی تو تین طلاق کو شامل نہیں، لیکن للسنۃ میں تین طلاق کا احتمال ہے اسلئے نیت کے وقت تینوں طلاق واقع ہوجائیں گی۔

لغت: وقوعا: جو طلاق واقع ہوئی وہ سنت، یعنی حدیث سے ثابت ہے۔ ایقاعا: باب افعال سے ہے، تین طلاق جو واقع کر رہا ہے وہ سنت کے مطابق نہیں ہے۔ لم یتناولہ: اس کو شامل نہیں۔ ینتظمہ: اس کو شامل ہے۔

ترجمہ: (۱۷۴۲) اور اگر عورت آئسہ ہو یا مہینے والی ہو تو ایک طلاق ابھی واقع ہوگی، اور دوسری ایک مہینے کے بعد اور تیسری دوسرے مہینے کے بعد۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ مہینہ اس کے حق میں دلیل الحاجۃ ہے جیسے حیض والیوں کے حق میں طہر، جیسے کہ پہلے بیان کیا۔

تشریح: ایسی عورت ہے جو بوڑھی ہونے کی وجہ سے حیض سے مایوس ہوچکی ہے جسکو آئسہ کہتے ہیں، یا صغیرہ ہونے کی وجہ سے حیض آتا ہی نہیں ہے، ان دونوں عورتوں کے لئے ایک مہینہ ایک طہر کے درجے میں ہے، اس لئے شوہر نے یہ کہا انت طالق ثلاثا

(۱۷۴۳) وان نوى ان يقع الثلث الساعة وقعن ﴿ ۱ عندنا لما قلنا ۲ بخلاف ماذا قال انت طالق للسنة ولم ينص على الثلث حيث لا تصح نية الجمع فيه لان نية الثلث انما صحت فيه من حيث ان اللام فيه للوقت فيفيد تعميم الوقت ومن ضرورته تعميم الواقع فيه فاذا نوى الجمع بطل تعميم الوقت فلاتصح نية الثلث

للسنۃ ، کہ تمکو سنت کے طریقے سے تین طلاق ہے،تو چونکہ انکو حیض آتا ہی نہیں ہے ہر وقت طہر ہی طہر ہے اس لئے ایک طلاق ابھی واقع ہو جائے گی ،اور دوسری طلاق ایک مہینے کے بعد،اور تیسری طلاق دوسرے مہینے کے بعد، کیونکہ انکے لئے ہر مہینہ ایک حیض اور ایک طہر ہے۔اور ایک مہینہ کے بعد جماع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس وقت طلاق دینا دلیل الحاجۃ ہے،یعنی جماع کے بجائے طلاق دے رہا ہے تو کوئی نفرت ہے جس سے طلاق دینے کی ضرورت ہے،اسی کو,دلیل الحاجۃ، کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۱۷۴۳) اور اگر نیت کی کہ تین اسی وقت واقع ہو جائے تو۔

ترجمہ: ۱ ہمارے نزدیک واقع ہو جائے گی ،اس دلیل کی بنا پر جو ہم دی۔

تشریح: یسی عورت تھی جس کو حیض نہیں آتا تھا اور مہینہ اس کے لئے حیض کے قائم مقام تھا،اس کے لئے ,انت طالق ثلاثا للسنۃ، کہا اور یہ نیت کی کہ اسی وقت تینوں طلاق واقع ہو جائیں،تو ہمارے نزدیک تینوں واقع ہو جائیں گی ،اس کی وجہ پہلے گزری کہ للسنۃ میں بیک وقت تین طلاقوں کا بھی احتمال ہے اس لئے تین کی نیت کرنے سے تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔

ترجمہ: ۲ بخلاف جبکہ کہا کہ انت طالق للسنۃ ،اور تین کی تصریح نہیں کی تو اس میں تین کو جمع کرنا صحیح نہیں ہے،اس لئے کہ تین کی نیت صحیح ہوتی ہے اس حیثیت سے کہ لام اس میں وقت کے لئے ہے،تو فائدہ دیتا ہے وقت کے عام ہونے کا ،اور اس کی ضرورت میں سے ہے کہ جو طلاق اس میں واقع ہو وہ بھی عام ہو، پس جبکہ نیت کی تینوں طلاق کے جمع کرنے کا تو وقت کا عام ہونا باطل ہو گیا،اس لئے تین کی نیت صحیح نہیں ہے۔

تشریح: انت طالق للسنۃ ،کہا اور اس میں تین کا لفظ نہیں بولا ،[پہلے میں تین کا لفظ,ثلاثا،تھا] اور یوں نیت کی تینوں طلاق بیک وقت واقع ہو جائے تو تین طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ سنت میں تین کی نیت اس وقت درست ہوگی جبکہ تین کا لفظ بھی بولا ہو اور یہاں تین کا لفظ نہیں بولا ہے تو تین کی نیت کیسے درست ہوگی !اوپر کے مسئلے میں تین کا لفظ بولا ہے اس لئے تین کی نیت کرنا درست تھی ۔صاحب ہدایہ منطقی انداز سے بتانا چاہتے ہیں، کہ للسنۃ میں لام وقت کے لئے ہے اس لئے وقت کو عام ہونا چاہئے یعنی تین طہر میں واقع ہونا چاہئے ، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ جو طلاق واقع ہو رہی ہے وہ بھی عام ہو یعنی تین ہو اور وہ تین نہیں ہے اس لئے وقت کا عموم بھی باطل

﴿فصل فی من یقع الطلاق﴾

(۱۷۴۴) ویقع طلاق کل زوج اذا کان عاقلا بالغا ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والنائم ﴾ ۱؎ لقوله علیه السلام کل طلاق جائز الا طلاق الصبی والمجنون

ہو جائے گا، اور تین کی نیت صحیح نہیں ہوگی۔

ngs\Administrator.USEF
Documents\3) JPEG
CLIPART\DAF.JPEG.jpg
not found.

﴿فصل فی من یقع الطلاق﴾

ترجمہ: (۱۷۴۴) واقع ہوگی طلاق ہر شوہر کی جو عاقل اور بالغ ہو، اس لئے نہیں واقع ہوگی طلاق بچے کی اور مجنون کی اور سونے والے کی۔

ترجمہ: ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ ہر طلاق جائز ہے مگر بچے اور مجنون کی طلاق۔

تشریح: جو شوہر عاقل ہے بالغ ہے اس کی طلاق واقع ہوگی، اس لئے بچے کی طلاق، مجنون کی طلاق اور سونے والے کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ: بغیر عقل اور بلوغ کے عقود اور فسوخ واقع نہیں ہوتے اور نہ شریعت اس کا اعتبار کرتی ہے بچے اور مجنون میں عقل نہیں ہوتی اس لئے ان کی طلاق واقع نہیں ہوگی (۲) حدیث میں ہے کہ ان لوگوں کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ عن علی عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل. (ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا ص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰۳ / بخاری شریف، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ والسکر ان والمجنون وامرھما، ص ۹۳۷، نمبر ۵۲۶۹ / نسائی شریف، نمبر ۳۴۶۲) (۳) بخاری شریف میں قول صحابی ہے۔ وقال عثمان لیس لمجنون ولا لسکران طلاق. وقال ابن عباس طلاق السکران والمستکرہ لیس بجائز وقال عقبة بن عامر لا یجوز طلاق الموسوس (بخاری شریف، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ، ص ۹۳۷، نمبر ۵۲۶۹) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ مجنون اور بچے کی طلاق واقع نہیں ہوگی (۴) آیت میں ہے۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا (آیت ۲۸۶ سورة البقرة

۲ و لان الاهلية بالعقل المميز وهما عديم العقل و النائم عديم الاختيار (۱۷۴۵) وطلاق المكره واقع ﴾

۲)اس آیت میں ہے کہ اگر میں بھول گیا یا غلطی کی تو نہ پکڑنا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بھول اور غلطی سے کوئی کام ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔اور بچے اور مجنون سے جو کام ہوتا ہے وہ بھول میں ہوتا ہے۔اس لئے اس کی طلاق کا اعتبار نہیں ہوگا۔اور یہی حال سونے والے کا ہے۔(۵)اثر میں ہے۔ **عن ابن عباس قال لایجوز طلاق الصبی** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۲ ما قالوا فی الصبی ج رابع ،ص ۶۷، نمبر ۱۷۹۲۹)(۶)صاحب ہدایہ کی حدیث تقریبا یہ ہے۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ كل طلاق جائز الا طلاق المعتوه المغلوب على عقله** ۔(ترمذی شریف،ص ۲۹۰، نمبر ۱۱۹۱/ بخاری شریف، باب الطلاق فی الاغلاق والکره الخ ،ص ۹۴۲، نمبر ۵۲۶۹)اس حدیث میں ہے کہ مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ترجمہ: ۲ اس لئے کہ طلاق کی اہلیت اس عقل سے ہے جو تمیز کرنے والی ہو،اور مجنون اور بچے کے پاس عقل ہی نہیں ہے اور سونے والے کو اختیار نہیں ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ طلاق دینے کی اہلیت اس کو ہے جسکو تمیز کرنے والی عقل ہو،اور بچے اور مجنون میں اتنی کم عقل ہوتی ہے کہ اچھے برے کو تمیز نہیں کر سکتی اس لئے ان کو طلاق کا اختیار نہیں ہے،اور سونے والے کو عقل ہے لیکن سوئے ہوئے ہونے کی وجہ سے طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے، یا یوں کہئے کہ عقل سوگئی ہے اسلئے وہ طلاق کو سوچ نہیں سکتی اس لئے اس کے طلاق کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ: (۱۷۴۵)جس سے زبردستی طلاق لی گئی ہو وہ واقع ہے۔

تشریح: مکرَہ،کرہ سے مشتق ہے،ر، کے فتحہ کے ساتھ،زبردستی کیا ہوا۔شوہر طلاق نہیں دے رہا تھا اس سے زبردستی کر کے طلاق دلوائی تو وہ طلاق واقع ہوگی۔

وجہ: اس اثر میں ہے۔ **عن الاعمش عن ابراهيم قالا : طلاق الكره جائز انما افتدى به نفسه** (مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الکرہ، ج سادس،ص ۳۱۷، نمبر ۱۱۴۶۳/ مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من کان یری طلاق المکرّہ جائزا، ج رابع، ص ۸۵، نمبر ۱۸۰۳۵)اس اثر میں ہے کہ زبردستی کی طلاق واقع ہو جائے گی۔(۲) **عن ابن عمر قال : طلاق الكره جائز** (مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الکرہ، ج سادس،ص ۳۱۷، نمبر ۱۱۴۶۵)اس اثر میں ہے کہ زبردستی کی طلاق واقع ہو جائے گی ۔یہی بات حضرت شعبی، قاضی شریح،سعید بن مسیّب اور ابن سیرین اور حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں(۳)اس حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ جب مذاق میں طلاق واقع ہو سکتی ہے تو زبردستی میں بدرجہ اولی طلاق واقع ہوگی۔ **عن ابی هريرة ان**

۱؎ خلافا للشافعیؒ هو یقول ان الاکراہ لا یجامع الاختیار وبه یعتبر التصرف الشرعی بخلاف الهازل لانه مختار فی التکلم بالطلاق ۲؎ ولنا انه قصد ایقاع الطلاق فی منکوحته فی حال اهلیته فلا یعری عن

رسول اللہ ﷺ قال ثلاث جدهن جد و هزلهن جد : النکاح ، و الطلاق، و الرجعة . (ابوداود شریف، باب فی الطلاق علی الهزل ،ص ۳۱۷،نمبر ۲۱۹۴ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی الجد والهزل فی الطلاق،ص ۲۸۸،نمبر ۱۱۸۴)اس حدیث میں ہے کہ مذاق میں بھی طلاق دے تو واقع ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۱؎ خلاف امام شافعیؒ کے وہ فرماتے ہیں کہ اکراہ اختیار کے ساتھ جمع نہیں ہوتا ہے،اور اختیار ہی سے تصرف شرعی کا اعتبار ہوتا ہے بخلاف مذاق کرنے والے کے اس لئے کہ وہ طلاق کے بولنے میں مختار ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی ، انکی دلیل یہ ہے کہ طلاق اختیار سے واقع ہوتی ہے اور اکراہ میں اختیار نہیں ہوتا اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی ، اور جو مذاق سے طلاق دیتا ہے وہ اپنے اختیار سے طلاق دے رہا ہے اس لئے اس کی طلاق واقع ہو جائے گی ۔۔الهازل: ھزل سے مشتق ہے، مذاق کرنا ٹھٹھا کرنا۔

وجہ: (۱) عن ابی ذر الغفاری قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تجاوز لی عن امتی الخطاء و النسیان و ما استکرهوا علیه ۔(ابن ماجۃ شریف، باب طلاق المکرّہ والناسی،ص ۲۹۲،نمبر ۲۰۴۳ر مصنف عبدالرزاق، باب طلاق الکرہ، ج سادس،ص ۳۱۷،نمبر ۱۱۴۶۰ر سنن بیہقی، باب ما جاء فی طلاق المکرّہ، ج سابع،ص ۵۸۴،نمبر ۱۵۰۹۴)اس حدیث میں ہے کہ زبردستی کی طلاق اللہ نے معاف کر دیا ہے، یعنی واقع نہیں ہوتی۔(۲)سمعت عائشة تقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : لا طلاق و لا عتاق فی اغلاق . قال ابو داود : الغلاق اظنه فی الغضب ۔(ابوداود شریف، باب فی الطلاق علی غلط،ص ۳۱۶،نمبر ۲۱۹۳ر ابن ماجۃ شریف، باب طلاق المکرّہ والناسی،ص ۲۹۲،نمبر ۲۰۴۶)اس حدیث میں ہے کہ اگر غصے سے عقل مغلوب ہو چکی ہے اور طلاق دے تو واقع نہیں ہوتی ، اسی طرح مکرہ کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی ۔(۳)ان ابن عباس عنهما قال لم یجز طلاق المکرہ ۔(سنن بیہقی، باب ما جاء فی طلاق المکرّہ، ج سابع،ص ۵۸۶،نمبر ۱۵۱۰۲ر مصنف عبدالرزاق، باب طلاق الکرہ، ج سادس،ص ۳۱۴،نمبر ۱۱۴۵۰ر مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب من لم یر طلاق المکرّہ شیئا ، ج رابع،ص ۸۴،نمبر ۱۸۰۲۱)اس اثر میں ہے کہ زبردستی کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔(۴)ان کی دلیل یہ آیت ہے۔الا من اکرہ وقلبه مطمئن بالایمان (آیت ۱۰۶ سورۃ النحل ۱۶)اس آیت میں ہے کہ زبردستی کرنے کی وجہ سے زبان سے کلمۂ کفر بول دیا اور دل ایمان سے مامور ہے تو اس کے کفر کا اعتبار نہیں۔اسی طرح زبردستی کرنے کی وجہ سے زبان سے طلاق بول دیا اور دل میں طلاق کی نیت نہیں ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ منکوحہ میں اہلیت کی حالت میں طلاق واقع کرنے کا ارادہ تھا اس لئے اس کے قضیہ یعنی حکم

قضیته دفعا لحاجته اعتباراً بالطائع وهذا لانه عرف الشرین واختیار اھونهما وھذا اٰیة القصد والاختیار الا انه غیر راض بحکمه وذلک غیر مخل به کالھازل (۱۷۴۶) وطلاق السکران واقع﴾ ۱؎واختیار الکرخیؒ والطحاویؒ انه لایقع وھو احد قولی الشافعیؒ لان صحة القصد بالعقل وھو زائل العقل فصار کزواله بالبنج والدواء

سے خالی نہیں ہوگا اپنی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے، قیاس کرتے ہوئے طائع پر، اور یہ قصد کرنا اس دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ دو شر میں سے ایک کو پہچانا اور ان دونوں میں سے آسان کو اختیار کیا، اور یہ قصد اور اختیار کی علامت ہے، مگر یہ کہ مکرہ اس کے حکم سے راضی نہیں ہے، اور یہ مخل نہیں ہے جیسے مذاق کرنے والا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر جب طلاق دے رہا تھا اس وقت عاقل بالغ تھا اور طلاق دینے کا اہل تھا، اور قصد اور ارادے سے طلاق دے رہا تھا، اس لئے طلاق واقع ہوگی، جیسے راضی خوشی سے طلاق دیتا ہے تو طلاق واقع ہوتی ہے، اور طلاق دینے کا ارادہ ہے اس کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ شوہر نے دو برائی کو دیکھا کہ بیوی جائے گی، یا جان جائے گی؟ تو اس نے جان کو اختیار کیا اور بیوی کو طلاق دے دی، یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے ارادے سے طلاق دی ہے، یہ اور بات ہے کہ وہ بیوی کے چھوٹنے پر راضی نہیں ہے، جس طرح مذاق کرنے والا ارادے سے طلاق دیتا ہے لیکن وہ بیوی چھوٹنے پر راضی نہیں ہے، لیکن پھر بھی طلاق واقع ہوتی ہے اور بیوی چھوٹتی ہے اسی طرح یہاں بیوی چھوٹے گی۔

لغت : یعری: خالی نہیں ہے قضیۃ: اس کا اصلی ترجمہ ہے فیصلہ، یہاں ترجمہ ہے حکم، مقتضی۔ طائع: فرماں بردار، یہاں مراد ہے راضی خوشی سے۔ شرین: شر کا تثنیہ ہے، دو شر۔ اھون: آسان، کمتر۔ ھازل: مذاق کرنے والا، ٹھٹھا کرنے والا۔

ترجمہ: (۱۷۴۶) اور نشہ میں مست کی طلاق واقع ہوگی۔

تشریح : اگر دوا کی وجہ سے نشہ آیا اور اس میں مست ہو کر طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ لیکن جان بوجھ کر نشہ پیا اور اس کی وجہ سے مست ہو کر طلاق دی تو واقع ہو جائے گی۔

وجہ : (۱) اثر میں ہے۔ عن مجاھد قال طلاق السکران جائز (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۳۴ من اجاز طلاق السکران، ج رابع، ص ۷۸، نمبر ۱۷۹۵۱ / سنن للبیہقی، باب من قال یجوز طلاق السکران وعتقه، ج سابع ص ۵۸۹، نمبر ۱۵۱۱۲) ان اثروں سے معلوم ہوا کہ سکر کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع ہوگی۔ یہی رائے حضرت عطاء، حضرت حسن، محمد ابن سیرین، عمر ابن عبد العزیز حضرت ابراہیم نخعی اور سعید بن مسیّب وغیرہ کی ہے۔

ترجمہ: ۱؎ امام کرخیؒ اور امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے کہ واقع نہیں ہوگی، اور امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ اس لئے کہ

طلاق کے ارادے کا صحیح ہونا عقل سے ہے اور اس کی عقل زائل ہے تو ایسا ہوا کہ بھنگ اور دوا سے زائل ہوئی ہو۔

تشریح : امام کرخی اور امام طحاوی نے فرمایا کہ نشہ کی چیز پینے سے عقل زائل ہوگئی ہو اور طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ طلاق واقع ہونے کا مدار عقل ہے اور اس کی عقل زائل ہو چکی ہے اس لئے اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسے دوا پینے سے یا بھنگ پینے سے عقل زائل ہو جائے اور طلاق دے تو حنفیہ کے یہاں بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ موسوعہ میں ہے قال الشافعیؒ و من شرب خمرا او نبیذا فأسکر فطلق لزمه الطلاق و الحدود کلها و الفرائض،.....و من شرب بنجا او حریفا او مرقدا لیتعالج به من مرض فأذهب عقله فطلق لم یلزمه الطلاق ۔(موسوعۃ امام شافعی، باب طلاق السکران، ج احدی عشر، ص۳۸۲، نمبر۱۹۸۸۴/۱۹۸۸۷) اس عبارت میں ہے کہ شراب سے عقل زائل ہوئی ہو تو طلاق واقع ہو گی، اور بھنگ، یا دوا سے عقل زائل ہوئی ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ : (۱) عقل زائل ہو چکی ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ عقل کے زائل ہونے کے بعد کسی چیز کا اعتبار نہیں ہے۔(۲) حدیث میں ہے۔رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (ابوداؤد شریف، باب المجنون یسرق او یصیب حدا ص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰۳) اور نشہ والے کی بھی عقل زائل ہوگئی ہے اس لئے اس کی طلاق کا اعتبار نہیں ہے(۳) اثر میں ہے۔وقال عثمان لیس لمجنون ولا لسکران طلاق .وقال ابن عباس طلاق السکران والمستکره لیس بجائز وقال عقبة بن عامر لا یجوز طلاق الموسوس (بخاری شریف، باب الطلاق فی الاغلاق والکره، ص۹۳۷، نمبر ۵۲۶۹) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ جو نشہ میں مست ہے اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی (۴) آیت میں ہے۔ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا (آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ اگر میں بھول گیا یا غلطی کی تو نہ پکڑنا۔جس سے معلوم ہوا کہ بھول اور غلطی سے کوئی کام ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔اور نشہ مست تو بالکل بھول میں طلاق دے رہا تو اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔(۵) عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ کل طلاق جائز الا طلاق المعتوه المغلوب علی عقله ۔(ترمذی شریف، ص۲۹۰، نمبر۱۱۹۱/ بخاری شریف، باب الطلاق فی الاغلاق والکره الخ، ص ۹۴۲، نمبر ۵۲۶۹) اس حدیث میں ہے جس کی عقل مغلوب ہو چکی ہے اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی، اور سکران کی عقل مغلوب ہے اس لئے اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔(۶) اور دوا پینے سے عقل زائل ہو جائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن الحکم قال من طلق فی سکر من الله فلیس طلاقه بشیء و من طلق فی سکر من الشیطان فطلاقه جائز ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ۳۴ من اجاز طلاق السکران، ج رابع، ص ۷۹، نمبر ۱۷۹۶۵) اس اثر میں ہے کہ اگر دوائی کے طور پر نشہ پیا ہو تو طلاق نہیں واقع ہوگی، اور اگر شراب وغیرہ کا نشہ ہے تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

۲؎ ولنا انه زال بسبب هو معصية فجعل باقيا حكما زجراً له حتى لو شرب فصدّع وزال عقله بالصداع نقول انه لا يقع طلاقه (۱۷۴۷) وطلاق الاخرس واقع بالاشارة ﴾

ترجمه : ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ معصیت کے سبب سے عقل زائل ہوئی ہے اس لئے حکم کے اعتبار سے عقل باقی رکھی جائے اس کو تنبیہ کرنے کے لئے، یہی وجہ ہے کہ اگر اس نے شراب پی جسکی وجہ سے دردسر ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح : ہم یہ کہتے ہیں کہ اس نے گناہ کے لئے شراب پی ہے اس لئے سزا کے طور پر یہ کہا جائے گا کہ اس کی عقل باقی ہے اور طلاق واقع کی جائے گی، چنانچہ اگر شراب پی اس سے عقل زائل نہیں ہوئی لیکن شراب پینے سے سر میں درد ہوا اور درد کی وجہ سے عقل زائل ہوئی اور طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ یہاں شراب کی وجہ سے عقل زائل نہیں ہوئی ہے بلکہ سر میں درد کی وجہ سے عقل زائل ہوئی ہے اس لئے اس زائل ہونے کا اعتبار کیا جائے گا اور طلاق واقع نہیں ہوگی۔

نوٹ : صاحب ہدایہ نے شوہر کو زجر و توبیخ کے لئے سکران کی طلاق واقع کی ہے، لیکن اس وقت تو ساری سزا بیوی اور بچوں کو ہو جاتی ہے کہ اور وہ مطلقہ ہو کر دوبارہ شادی نہیں کر پاتی، اور بچے بغیر باپ کے بلبلاتے رہتے ہیں، اور باپ فائدے میں رہتا ہے کہ وہ ہزاروں روپئے تلک اور جہیز کا لیکر دوسری شادی کرتا ہے اور موج اڑاتا ہے اس لئے اگر شوہر کو زجر و توبیخ بنیاد ہے تو سکر کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہونی چاہئے، جیسا کہ پہلے حدیث اور اثر سے ثابت کیا گیا۔

لغت : بنج: بھنگ، ایک قسم کی گھاس جس سے نشہ آتا ہے۔ معصیۃ: گناہ۔ زجرا: تنبیہ کرنے کے لئے۔ صداع: سر کا درد۔

ترجمہ: (۱۷۴۷) گونگے کی طلاق اشارہ سے واقع ہوگی۔

وجــــه: (۱) اس کا تمام کام اشارے سے ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے طلاق بھی اشارے سے ہی واقع ہوگی۔ (۲) اس کا اشارہ ضرورت کے موقع پر کلام کے درجے میں ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن سهل قال رسول الله ﷺ انا و كافل اليتيم فی الجنة هكذا و اشار بالسبابة و الوسطى و فرج بينهما شيئا. (بخاری شریف، باب اللعان، ص ۹۴۸ نمبر ۵۳۰۴) حدیث میں انگلی کے اشارے سے قربت کو بتایا (۳) فاشارت اليه قالوا كيف نكلم من كان فی المهد صبيا (آیت ۲۹، سورۃ مریم ۱۹) اس آیت میں اشارہ بات کے درجے میں ہے۔ (۴)۔ قال ابراهيم الاخرس اذا كتب الطلاق بيده لزمه و قال حماد الاخرس والاصم ان قال برأسه جاز (بخاری شریف، باللعان، ۹۴۷، نمبر ۵۳۰۰) اس اثر میں ہے گونگے اشارے سے کہے تب بھی طلاق واقع ہوگی (۵) لکھنا بھی ایک قسم کا اشارہ ہے اور لکھنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس لئے اشارے سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔ لکھنے سے طلاق واقع ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن الزهری قال اذا كتب اليها بطلاقها فقد وقع الطلاق عليها فان جحدها استحلف . (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یکتب الی امرأتہ بطلاقھا، ج سادس، ص ۳۱۹،

۱؎ لانها صارت معهودةً فاقيمت مقام العبارة دفعا للحاجة وستأتيک وجوهه فی اٰخر الكتاب ان شاء الله تعالى (۱۷۴۸) وطلاق الامة ثنتان حرا كان زوجها او عبدا وطلاق الحرة ثلث حرا كان زوجها او عبدا ﴾

نمبر ۱۱۴۷۷ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۱ فی الرجل یکتب طلاق امرأتہ بیدہ، ج رابع، ص ۸۱، نمبر ۱۷۹۹۲) اس اثر میں لکھنے سے طلاق واقع ہونے کا ثبوت ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ اس کا اشارہ متعین ہے، اس لئے ضرورت پوری کرنے کے لئے عبارت کے درجے میں ہے، اور اس کی وجہ کتاب کے آخیر میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تشریح : گونگے کا اشارہ کلام کے درجے میں، اس لئے متعین اشارے سے بات سمجھ میں آتی ہے اس لئے ایسا اشارہ ہو جس سے حتمی طور پر سمجھ میں آتا ہو کہ یہ طلاق ہی دے رہا ہے تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۱۷۴۸) باندی کی طلاق دو ہی ہے شوہر آزاد ہو یا غلام، اور آزاد عورت کی طلاق تین ہے شوہر آزاد ہو یا غلام۔

تشریح : باندی عورت کا شوہر چاہے آزاد ہو یا غلام دو ہی طلاق سے مغلظہ ہو جائے گی، اور آزاد عورت کا شوہر چاہے غلام ہو یا آزاد تین طلاق سے مغلظہ ہوگی، کیونکہ اس کے لئے تین طلاق ہے۔

وجہ : (۱) باندی کی نعمت آدھی ہوتی ہے اس لئے اس کی طلاق بھی آزاد عورت سے آدی ہوگی۔ لیکن تین طلاق کی آدھی ڈیڑھ ہوتی ہے اور طلاق ڈیڑھ نہیں ہوگی تو دو کر دی گئی اس لئے دو طلاق ہوگی (۲) حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کیا ہے۔ عن عائشة عن النبی ﷺ قال طلاق الامة تطليقتان وقروء ها حيضتان ۔ (ابوداؤد شریف، باب فی سنۃ طلاق العبد، ص ۳۰۴، نمبر ۲۱۸۹ / ترمذی شریف، باب ماجاء ان طلاق الامۃ تطلیقتان، ص ۲۲۳، نمبر ۱۱۸۲) اس حدیث سے پتہ چلا کہ باندی کی طلاقیں دو ہیں۔ اور اس میں شوہر کے غلام اور آزاد کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس لئے شوہر چاہے غلام ہو یا آزاد ہر حال میں وہ دو طلاقوں سے مغلظہ ہو جائے گی (۳) اثر میں ہے۔ قال علی بن ابی طالب الطلاق بالنساء والعدة بهن. (موطا امام محمد، باب طلاق الحرۃ تحت العبد، ص ۲۵۵ / مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی العبد تکون تحتہ الحرۃ اوالحر تکون تحتہ الامۃ کم طلاقھا؟، ج رابع، ص ۱۰۴، نمبر ۱۸۲۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طلاق اور عدت میں عورت کا اعتبار ہے۔۔ اور آزاد عورت تین طلاق سے مغلظہ ہوگی اس کی دلیل یہ ہے۔ (۴) اوپر اثر گزر چکا ہے کہ طلاق کا مدار عورت پر ہے۔ اس لئے عورت آزاد ہو تو تین طلاقوں سے مغلظہ ہوگی، شوہر چاہے آزاد ہو یا غلام۔ (۵) آیت میں ہے۔ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره . (آیت ۲۳۰ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں تیسری طلاق کا تذکرہ ہے کہ اس کے بعد حلالہ کئے بغیر حلال نہیں ہوگی۔ (۶) کان ابن عمر اذا سئل

۱؎ وقال الشافعیؒ عدد الطلاق معتبر بحال الرجال لقوله علیه السلام الطلاق بالرجال والعدة بالنساء ۲؎ ولان صفة المالکیة کرامة والآدمیة مستدعیة لها ومعنی الآدمیة فی الحر اکمل فکانت مالکیته ابلغ واکثر ۳؎ ولنا قوله علیه السلام طلاق الامة ثنتان وعدتها حیضتان ۴؎ ولان حل المحلیة نعمة فی حقها وللرق اثر فی تنصیف النعم الا ان العقدة لا تتجزی فتکامل عقدتان

عمن طلق ثلاثا قال : لو طلقت مرة او مرتین فان النبی ﷺ امرنی بهذا فان طلقها ثلاثا حرمت علیک حتی تنکح زوجا غیرک ۔(بخاری شریف، باب من قال لامرأته انت علی حرام، ص۹۴۰، نمبر ۵۲۶۴)اس اثر میں ہے کہ تین طلاق دے تو عورت حرام ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ طلاق کی تعداد مرد کی حالت کے ساتھ معتبر ہے، حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ طلاق مرد کے ذریعہ ہے اور عدت عورت کے ذریعہ۔

تشریح : امام شافعیؒ نے فرمایا کہ طلاق کا تعلق مرد کے ساتھ ہے اس لئے اگر شوہر آزاد ہو تو بیوی آزاد ہو یا باندی تین طلاق سے ہی مغلظہ ہوگی، دو طلاق سے نہیں، اور عدت گزارنے کا مدار عورت کے ساتھ ہے اس لئے شوہر آزاد ہو یا غلام ہر حال میں آزاد عورت تین حیض عدت گزارے گی، اور باندی دو حیض ہی عدت گزارے گی۔

وجہ:۔صاحب ہدایہ کا پیش کردہ اثر یہ ہے۔ عن ابن عباس و الشعبی عن مکحول و سفیان عمن سمع ابراهیم و الشعبی قالوا الطلاق بالرجال و العدة بالنساء ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب من قال الطلاق بالرجال والعدة بالنساء، ج رابع، ص۱۰۵، نمبر ۱۸۲۴۵)اس اثر میں ہے کہ طلاق کا مدار مرد پر ہے اور عدت کا مدار عورت پر ہے۔

ترجمہ : ۲؎ اور اس لئے کہ مالکیت کی صفت کرامت ہے اور آدمیت اس کا تقاضا کرتی ہے، اور آدمیت کا معنی آزاد میں زیادہ کامل ہے، اس لئے اس کی مالکیت زیادہ بلیغ اور اکثر ہے [اس لئے طلاق میں آزاد کا اعتبار کیا جائے]

تشریح : یہ امام شافعیؒ کی جانب سے دلیل عقلی ہے کہ، طلاق دینا مالک ہونے کی علامت ہے، اور مالک ہونا ایک کرامت کی چیز ہے اور جس میں آدمیت بلیغ ہو وہ اس کرامت کا زیادہ مستحق ہے، اور آزاد مرد میں آدمیت زیادہ بلیغ ہے اس لئے طلاق کا اعتبار آزاد مرد کے اعتبار سے ہونا چاہئے، اس لئے طلاق کا اعتبار مرد کے ساتھ ہونا چاہے بیوی آزاد ہو یا باندی۔

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ باندی کی طلاق دو طلاق ہے اور اس کی عدت دو حیض ہے۔۔ یہ حدیث گزر گئی ہے۔

ترجمہ : ۴؎ اور اس لئے کہ محلیت کا حلال ہونا عورت کے حق میں نعمت ہے اور باندی ہونا نعمت کے آدھے ہونے میں اثر انداز

۵؎ وتاويل ماروى ان الايقاع بالرجال (۱۷۴۹) واذا تزوج العبد امرأة باذن مولاه وطلقها وقع طلاقه ولا يقع طلاق مولاه على امرأته ﴿ ۱؎ لان ملك النكاح حق العبد فيكون الاسقاط اليه دون المولى

ہوتا ہے، مگر یہ کہ عقد میں تجزی نہیں ہے تو دو طلاق کامل کر دی گئی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ عورت شوہر کے لئے حلال ہوئی یہ عورت کے حق میں نعمت ہے، اس سے عورت کو نان نفقہ اور سکنی حاصل ہوتا ہے، اور غلامیت کی وجہ سے یہ نعمت آدھی ہو جائے گی اس لئے تین طلاق کا آدھا ڈیڑھ ہونا چاہئے لیکن طلاق کا آدھا نہیں ہوتا اس لئے دو طلاق ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۵؎ اور جو امام شافعیؒ نے روایت کی اس کی تاویل یہ ہے کہ واقع کرنا مرد سے ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کی حدیث کا جواب ہے کہ، اس حدیث میں یہ تھا طلاق کا مدار مرد کے ساتھ ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ طلاق دینے کا مالک مرد ہے، باقی کتنی تعداد میں طلاق دے یہ عورت پر ہے کہ اگر عورت آزاد ہے تو تین طلاق سے مغلظہ ہوگی اور اگر باندی ہے تو دو طلاق سے مغلظہ ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۴۹) اگر غلام نے مولی کی اجازت سے شادی کی اور طلاق دی تو اس کی طلاق واقع ہوگی۔ اور آقا کی طلاق غلام کی بیوی پر واقع نہیں ہوگی۔ ۱؎ اس لئے کہ نکاح کا ملک غلام کا حق ہے اس لئے نکاح کو ساقط کرنا بھی اسی کی طرف ہوگا، نہ کہ مولی کی طرف۔

تشریح: غلام نے آقا کی اجازت سے شادی کی تو شادی ہوگئی۔ اور چونکہ غلام نے شادی کی تھی اس لئے نکاح کو ساقط کرنا یعنی طلاق دینا بھی اسی کا حق ہوگا، اس لئے طلاق کا اختیار غلام کو ہوگا آقا کو نہیں ہوگا، کیونکہ نکاح آقا کا نہیں ہوا ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کی تفصیل ہے۔ عن ابن عباس قال اتى النبى ﷺ رجل فقال يا رسول الله ! ان سيدى زوجنى امته وهو يريد ان يفرق بينى وبينها ،قال فصعد رسولُ الله المنبر فقال يا ايها الناس ما بال احدكم يزوج عبده امته ثم يريد ان يفرق بينهما ؟ انما الطلاق لمن اخذ بالساق ۔(ابن ماجہ شریف، باب طلاق العبد، ص ۲۹۹، نمبر ۲۰۸۱/ دار قطنی، کتاب الطلاق، ج رابع، ص ۲۴، نمبر ۳۹۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے شادی کی اسی کو طلاق دینے کا حق ہے (۲) اثر میں ہے۔ ان ابن عمر كان يقول من اذن لعبده ان ينكح فالطلاق بيد العبد، ليس بيد غيره من طلاقه شىء ۔(سنن للبیہقی، باب طلاق العبد بغیر اذن سیدہ، ج سابع، ص ۵۹۰، نمبر ۱۵۱۱۴) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ طلاق کا اختیار غلام کو ہے مولی کو نہیں۔

﴿باب ايقاع الطلاق﴾

(۱۷۵۰)الطلاق على ضربين صريح و كناية فالصريح قوله انت طالق و مطلقة وطلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعي ﴾ ۱؎ لان هذه الالفاظ تستعمل فى الطلاق ولا تستعمل فى غيره فكان صريحا وانه يعقب الرجعة بالنص

﴿ طلاق صریح اور طلاق کنایہ کا بیان ﴾

ضروری نوٹ : پہلے باب طلاق احسن، طلاق حسن، اور طلاق بدعی کا بیان تھا، اس میں یہ ہے کہ صریح طلاق دینے کا طریقہ کیا ہے اور کنایہ طلاق دینے کا طریقہ کیا ہے اور کس میں نیت کی ضرورت پڑے گی اور کس میں نیت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

ترجمہ: (۱۷۵۰) طلاق دو قسموں پر ہے صریح اور کنایہ، پس صریح جیسے یوں کہے تجھے طلاق ہے، تم طلاق دی ہوئی ہے، میں نے تمہیں طلاق دیدی، پس اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ یہ الفاظ طلاق میں استعمال ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ میں استعمال نہیں ہوتے اس لئے یہ الفاظ صریح ہوئے، اور آیت کی وجہ سے اس کے بعد رجعت ہوگی۔

تشریح : طلاق دینے کے دو طریقے ہیں۔ ایک صریح کہ جس سے صاف معلوم ہو کہ شوہر طلاق دینا چاہتا ہے۔ اور دوسرا طریقہ کنایہ کا ہے۔ کنایہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ شوہر ایسے الفاظ استعمال کرے جن کے دو معنی ہوں۔ ایک معنی کے اعتبار سے طلاق نہ ہوتی ہو اور دوسرے معنی کے اعتبار سے طلاق واقع ہو جاتی ہو۔ اس شکل میں طلاق کی نیت کرے گا، یا حالت ایسی ہو جس سے طلاق واقع ہونے کا تقاضا ہو تو اس سے طلاق واقع ہوگی۔ اوپر کے تینوں الفاظ صریح ہیں۔ کیونکہ ان سے طلاق کا صاف پتہ چلتا ہے۔ اور قرآن میں بھی طلاق کے لئے یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔

وجہ: (۱) الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسريح باحسان ۔ (آیت ۲۲۸، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ طلقت ، طالق اور مطلقة صریح ہیں۔ اس لئے کہ قرآن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ دوسری بات معلوم ہوئی کہ اس لفظ کے استعمال کرنے کے بعد رجعت کر سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن نے کہا کہ اس کے بعد بیوی کو رکھ بھی سکتا ہے۔ اور احسان کے ساتھ چھوڑ بھی سکتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ رجعت کر سکتا ہے (۲) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے طلاق صریح دی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوئی۔ سمعت ابن عمر قال طلق ابن عمر امرأته وهى حائض فذكر عمر للنبى فقال ليراجعها قلت تحتسب ؟قال فمه؟ ۔ (بخاری شریف، باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلک الطلاق، ص ۷۹۰، نمبر ۵۲۵۲ رمسلم شریف، باب تحریم

(۱۷۵۱) ولا یفتقرالی النیة﴾ ل لانه صریح فیه لغلبة الاستعمال (۱۷۵۲) وکذا اذا نوی الابانة ﴾ ل لانه قصد تنجیز ما علقه الشرع بانقضاء العدة فیرد علیه

طلاق الحائض بغیر رضاھا ص ۴۷۵ نمبر ۱۴۷۱/۳۶۵۸ ترمذی شریف، نمبر ۱۱۷۵ ابوداؤد شریف، نمبر ۲۱۸۴) (۳) اور اگلی روایت میں ہے عن ابن عمر قال حسبت علی بتطلیقة (بخاری شریف، باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلک الطلاق ص ۹۰۷ نمبر ۵۲۵۳ مسلم شریف، نمبر ۱۴۷۱/۳۶۵۸) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ صریح الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور ایک طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۵۱) اور نیت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ اس میں صریح ہے عام استعمال کی وجہ سے۔

تشریح: طلاق کے صریح الفاظ کرنے کے بعد طلاق دینے کے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہے جس طرح الفاظ کنایہ میں نیت کی ضرورت ہے، بلکہ الفاظ بولتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ الفاظ طلاق کے معنی میں عام استعمال ہوتے ہیں۔

وجہ: (۱) نیت کرنے کی ضرورت کنایہ الفاظ میں ہوتی ہے، صریح الفاظ میں نہیں ہوتی۔ (۲) اثر میں ہے۔ عن الشعبی قال النیة فیما خفی فاما فیما ظھر فلا نیة فیه. (مصنف ابن ابی شیبة، ۹۶ ما قالوا فی رجل یطلق امرأته واحدة ینوی ثلاثا، ج رابع، ص ۱۱۵، نمبر ۱۸۳۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صریح الفاظ میں نیت کی ضرورت نہیں ہے

ترجمہ: (۱۷۵۲) ایسے ہی اگر بائنہ ہونے کی نیت کی۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ جسکو شریعت نے عدت کے ختم ہونے پر معلق کیا اس کو جلدی کرنے کا ارادہ کیا اس لئے اس کا ارادہ اس پر لوٹا دیا جائے گا۔

تشریح: طلاق کے لئے الفاظ صریح استعمال کر کے طلاق بائنہ کی نیت کی تب بھی بائنہ واقع نہیں ہوگی، طلاق رجعی واقع ہوگی، اس لئے کہ شریعت نے یہ کیا کہ عدت ختم ہو تب یہ عورت بائنہ ہو اور اس نے ابھی بائنہ کرنے کی کوشش کی اس لئے اس کی نیت نہیں مانی جائے گی، طلاق رجعی ہی واقع ہوگی۔

وجہ: اس اثر میں اس کا ثبوت ہے (۱) عن الحسن فی رجل طلق امرأته واحدة ینوی ثلاثا قال ھی واحدة۔ (مصنف ابن ابی شیبة، ۹۵ ما قالوا فی رجل یطلق امرأته واحدة ینوی ثلاثا، ج رابع، ص ۱۱۵، نمبر ۱۸۳۶۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صریح الفاظ میں تین کی نیت کرے تب بھی تین واقع نہیں ہوگی ایک ہی واقع ہوگی، اسی طرح بائنہ کی نیت کی تب بھی بائنہ

(۱۷۵۳) ولو نوى الطلاق عن وثاق لم يدين في القضاء [لانه خلاف الظاهر] ويدين فيما بينه وبين الله تعالى لانه يحتمله ﴾(۱۷۵۴)ولو نوى به الطلاق عن العمل لم يدين في القضاء ولا فيما بينه وبين الله تعالى ﴾ ۱ لان الطلاق لرفع القيد وهو غير مقيد بالعمل ۲ و عن ابى حنيفةؒ انه يدين فيما بينه وبين الله تعالى لانه يستعمل للتخليص (۱۷۵۵) ولو قال انت مطلقة بتسكين الطاء لا يكون طلاقا

واقع نہیں ہوگی۔

لغت : تنجیز: جلدی کرنا، موجود ہونا، اس کے خلاف ہے علق: معلق ہونا۔

ترجمہ : (۱۷۵۳) اور اس نے بیڑی سے رہائی کا ارادہ کیا تو قضاء تصدیق نہیں کی جائے گی، [اس لئے کہ یہ ظاہر کے خلاف ہے]، لیکن فیما بینہ وبین اللہ تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ اس معنی کا احتمال رکھتا ہے۔

تشریح : طلق کا ایک معنی ہے عورت کو طلاق دینا، ظاہر معنی یہی ہے اور اسی معنی میں لوگ استعمال کرتے ہیں، لیکن دوسرا معنی ہے چھوڑ دینا، قید سے رہائی دینا، یہ ظاہر معنی نہیں ہے، پس اگر شوہر نے طلقت کہہ کر قید سے رہائی دینے کے معنی کا ارادہ کیا تو چونکہ یہ ظاہر معنی نہیں ہے اس لئے قضاء کے طور پر یہ بات نہیں مانی جائے گی اور طلاق رجعی واقع کی جائے گی، لیکن چونکہ اس معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے، اس لئے دیانۃ اس کی بات مانی جائے گی، اور طلاق واقع نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ: (۱۷۵۴) اور اگر عمل سے رہائی کی نیت کی تو قضاء بھی نہیں مانی جائے گی اور فیما بینہ وبین اللہ بھی نہیں مانی جائے گی۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ طلاق قید دور کرنے کے لئے ہوتی ہے اور وہ عورت عمل کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

تشریح : انت طالق بول کر کام سے رہائی مراد لی تو یہ بات قضاء بھی نہیں مانی جائے گی، اور دیانۃ بھی نہیں مانی جائے گی، کیونکہ طلاق کا معنی ہے قید سے رہائی کرنا عمل سے رہائی کرنا اس کا معنی نہیں ہے اور نہ اس کا احتمال رکھتا ہے اس لئے یہ بات نہیں مانی جائے گی، اور طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ : ۲ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ فیما بینہ وبین اللہ اس کی بات مانی جائے گی اس لئے کہ چھٹکارے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ قضاء تو اس کی بات کا اعتبار نہیں ہے لیکن دیانۃ اس کی بات کا اعتبار ہے اس لئے کہ طلاق کا ترجمہ چھٹکارا ہے، تو عمل سے چھٹکارا بھی ہوسکتا ہے اس لئے چونکہ اس معنی کا احتمال ہے اس لئے دیانۃ اس کی بات مان لی جائے گی، اور طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۵۵) اگر کہا انت مطْلقۃ، ط، کے ساکن کے ساتھ تو نیت کے بغیر طلاق نہیں ہوگی اس لئے کہ عرفا یہ استعمال نہیں

الا بالنية لانها غير مستعملة فيه عرفا فلم يكن صريحا﴾ (١٧٥٦)قال ولا يقع به الا واحدة وان نوى اكثر من ذلک ﴾ا وقال الشافعیؒ يقع ما نوى لانه محتمل فان ذكر الطالق ذكر للطلاق لغة كذكر العالم ذكر للعلم ولهذا يصح قران العدد به فيكون نصبا على التفسير

ہے،اس لئے صریحا بھی نہیں ہوگا۔

تشریح : طاء کے ساکن کے ساتھ ,انت مطْلقة، کہا تو طلاق کی نیت کرے گا تو طلاق واقع ہوگی،اوراگر نیت نہیں کرے گا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں طلاق ادا ہوجاتی ہے،لیکن عام عرف میں ,طاء، کے ساکن کے ساتھ استعمال نہیں ہے، بلکہ ,طاء کا فتحہ اورلام کے تشدید کے ساتھ استعمال ہے اس لئے نیت سے طلاق شمار ہوگی،ورنہ نہیں۔

ترجمہ: (۱۷۵۶)اورنہیں واقع ہوگی مگر ایک طلاق اگر چہ اس سے زیادہ کی نیت کی ہو۔

تشریح : اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انت طالق اسم فاعل کے صیغے کے ساتھ ثلاثا نہیں کہا تو تین کی نیت کرسکتا ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے دلیل کا حاصل یہ ہے کہ طالق اسم فاعل کا صیغہ تین کا احتمال نہیں رکھتا اس لئے تین کی نیت کرنا صحیح نہیں ہے،صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی

وجہ: اس اثر میں اس کا ثبوت ہے(۱) عن الحسن فی رجل طلق امرأته واحدة ينوی ثلاثا قال هی واحدة ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۹۵ما قالوافی رجل یطلق امرأتہ واحدۃ ینوی ثلاثا ،ج رابع ،ص ۱۱۵،نمبر۱۸۳۶۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ صریح الفاظ میں تین کی نیت کرے تب بھی تین واقع نہیں ہوگی ایک ہی واقع ہوگی۔

ترجمہ : ا امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جتنی نیت کی سب واقع ہوں گی،اس لئے کہ لفظ کا احتمال ہے،اوراس لئے کہ طالق کا ذکر لغت کے اعتبار سے طلاق کا ذکر ہے، جیسے عالم کے ذکر سے علم کا ذکر ہوگیا،اسی لئے اس کے ساتھ عدد کا ملانا صحیح ہوگیا،پس تفسیر کے اعتبار سے منصوب ہوگا۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ,انت طالق،انت مطلقة،اور طلقتک ، سے تین طلاق کی نیت کرے گا تین بھی واقع ہوجائیں گی۔

وجہ: (۱) انکی دلیل یہ ہے کہ اوپر تینوں الفاظ میں تین کا احتمال ہے اس لئے تین کی نیت کرے گا تو تین واقع ہوجائیں گی،دلیل کا حاصل یہ ہے کہ لفظ ,طالق، اسم فاعل کا صیغہ ہے،جسکو صفت کا صیغہ،اورنعت کا صیغہ کہتے ہیں،اوراسم فاعل مصدر سے بنتا ہے اس لئے طالق میں طلاق کا مصدر ضرور ہے،جیسے عالم اسم فاعل کا صیغہ بولیں تو اس میں علم کا مصدر ضرور شامل ہوگا اور مصدر میں تین عدد کا احتمال رہتا ہے،اس لئے تین کی نیت کرسکتا ہے۔(۲) دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ،طالق اسم فاعل میں مصدر ہے یہی وجہ ہے کہ

۲؎ ولنا انه نعت فرد حتى قيل للمثنى طالقان وللثلث طوالق فلا يحتمل العدد لانه ضده ۳؎ وذكر الطالق ذكر لطلاق هو صفة للمرأة لا لطلاق هو تطليق ۴؎ و العدد الذى يقترن به نعت لمصدر محذوف ومعناه طلاقا ثلثا كقولک اعطيته جزيلا اى اعطاء جزيلاً

طالق کے ساتھ تین کی عدد ملا سکتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں انت طالق ثلاثا، اور ثلاثا تمیز کی بنا پر منصوب ہے، اور تمیز کا کام یہ ہوتا ہے کہ پہلے لفظ میں کئی احتمال ہیں، تمیز نے اس میں ایک احتمال کو متعین کیا، پس جب ثلاثا طالق کا تمیز بنا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ طالق میں تین کا احتمال تھا، اس لئے تین کی نیت کر سکتا ہے۔ تفسیر: کا معنی ہے تمیز کے طور پر۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ طالق صفت واحد کا صیغہ ہے، اس لئے تثنیہ کے لئے طالقان، کہا جاتا ہے، اور تین کے لئے طوالق کہا جاتا ہے اس لئے عدد کا احتمال نہیں رکھتا، اس لئے کہ عدد فرد کی ضد ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ طالق کا لفظ اسم فاعل کا صیغہ ہے [جسکو نعت فرد کہتے ہیں] جو صرف واحد اور ایک کے لئے آتا ہے، چنانچہ تثنیہ کے لئے طالقان، اور جمع کے لئے طوالق، بولا جاتا ہے، اور ایک کئی کی ضد ہے اس لئے طالق کا لفظ کئی یعنی تین کا احتمال نہیں رکھتا، کیونکہ کوئی چیز ضد کا احتمال نہیں رکھتی، اس لئے اس میں تین کی نیت کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور طالق کے ذکر میں طلاق کا ذکر ہے، لیکن یہ وہ طلاق ہے جو عورت کی صفت ہے، وہ طلاق نہیں ہے جو طلاق دینے کی صفت ہو۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ طالق میں مصدر طلاق ہے، لیکن یہ وہ طلاق ہے جو عورت کی صفت ہو اور وہ بھی ایک عورت کی، کیونکہ دو عورت کے لئے طالقان لانا پڑتا ہے، یہ وہ مصدر نہیں ہے جو طلاق دینے کی صفت ہو جس میں تین کا احتمال ہوتا ہے، چونکہ یہ ایک عورت کی صفت ہے اس لئے اس میں تین کا احتمال بھی نہیں ہے، اس لئے تین کی نیت کرنا بھی درست نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور وہ عدد جو طالق کے ساتھ ملتا ہے وہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور اس کا معنی ہے طلاقا ثلاثا، جیسے تمہارا قول، اعطيته جزيلا، یعنی اعطاء جزيلا۔

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ انت طالق ثلاثا کہتے ہیں تو ثلاثا طالق کی صفت ہے اور یہ اسی وقت بن سکتا ہے جبکہ طالق میں تین کا احتمال ہو، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ثلاثا طالق اسم فاعل کی صفت نہیں ہے بلکہ طالق کے بعد طلاقا مصدر محذوف ہے، ثلاثا طلاقا مصدر کی صفت ہے، اور مصدر محذوف ہو تو ثلاثا اسکی صفت بن سکتی ہے، کیونکہ مصدر میں تین کا احتمال ہے، جیسے اعطیتہ جزیلا کہیں، تو جزیلا اعطیتُ کی صفت نہیں ہے بلکہ اعطیت کے بعد اعطاء مصدر محذوف ہے جزیلا اس مصدر کی صفت ہے۔ اسی طرح طالق کے بعد طلاقا مصدر محذوف ہے ثلاثا اس مصدر کی صفت ہے، اس لئے طالق میں تین کا احتمال نہیں

(۱۷۵۷) ولو قال انت الطلاق او انت طالق الطلاق او انت طالق طلاقا فان لم تکن له نية او نوى واحدة او ثنتين فهى واحدة رجعية وان نوى ثلثا فثلث ﴾ ؂ووقوع الطلاق باللفظة الثانية والثالثة

ہےاور نہ اس کی نیت کرسکتا ہے۔۔اعطیتہ جزیلا: کا ترجمہ ہے میں نے اس کو بہت بڑا ہدیہ دیا۔

لغت : نعت: کا ترجمہ ہے اسم فاعل کا صیغہ،صفت کا صیغہ،صفت۔الطلاق: طلاق،اور طلاقا، یہ مصدر ہے۔

ترجمہ : (۱۷۵۷)اور اگر شوہر نے کہا۔انت الطلاق ، انت طالق الطلاق اور انت طالق طلاقا تو اگر اس کی کوئی نیت نہیں ہے تو ایک رجعی طلاق،اور دو کی نیت کی تو نہیں واقع ہوگی مگر ایک۔اور اگر نیت کی اس سے تین کی تو تین ہوگی۔

تشریح : اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مصدر کے صیغے میں فرد واحد ہوتا ہے، یا سب کو ملا کر ایک مجموعہ قرار دیا جاسکتا ہے جسکو منطق میں جنس کہتے ہیں وہ مراد لی جاسکتی ہے، اس کو فرد حکمی کہتے ہیں،آزاد عورت میں تین طلاق سب کا مجموعہ ہے[فرد حکمی ہے]اس لئے تین مراد لی جاسکتی ہے،لیکن دو طلاق نہ فرد واحد ہے اور نہ مجموعہ[جنس]ہے اس لئے مصدر کا صیغہ الطلاق بول کر دو مراد نہیں لے سکتا۔

صورت مسئلہ یہ ہے۔شوہر نے ,انت الطلاق، میں الطلاق،مصدر استعمال کیا، یا انت طالق الطلاق، میں بھی الطلاق مصدر استعمال کیا، یا,انت طالق طلاقا، میں بھی طلاقا مصدر استعمال کیا تو اس میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی،اور تین کی نیت کرے گا تو تین طلاق واقع ہوگی، البتہ دو کی نیت کرے گا تو دو واقع نہیں ہوگی۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرا اور تیسرا جملہ[انت طالق الطلاق ،اور انت طالق طلاقا]میں طلاقا مصدر کے ساتھ طالق اسم فاعل بھی ہے اور اسم فاعل سے طلاق واقع ہوتی ہے تو اس کے ساتھ مصدر کی تاکید ہو جائے تو بدرجہ اولی طلاق واقع ہوگی۔اور مصدر میں فرد واحد کا احتمال ہے اور صریح لفظ ہے اس لئے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی،اور تین مجموعہ ہے اور جنس ہونے کی وجہ سے فرد حکمی ہے اس لئے تین کی بھی نیت کرسکتا ہے، اس وقت تین واقع ہوگی۔البتہ ,انت الطلاق، میں صرف مصدر کا صیغہ ہے، اس میں اسم فاعل کا صیغہ طالق نہیں ہے، لیکن مصدر کا صیغہ بول کر اسم فاعل کے معنی میں لیتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں ,رجل عدل، اور اس سے رجل عادل مراد لیتے ہیں، اس لئے یہاں بھی انت الطلاق کو انت طالق، اسم فاعل کے معنی میں لیا جائے گا اور ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔اسی طرح انت طلاق، بغیر الف لام کے[نکرہ مصدر]کہا تب بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، کیونکہ یہ مصدر طلاق میں صریح ہے۔

لغت : جنس: سب کے مجموعے کو جنس کہتے ہیں، اسی کو فرد حکمی کہتے ہیں۔اور ایک فرد حقیقی ہے۔

ترجمہ : ؂ طلاق کا واقع ہونا دوسرے لفظ سے اور تیسرے لفظ سے ظاہر ہے اس لئے کہ اگر تنہا اسم فاعل کا صیغہ ذکر کرتا تو اس

ظاهر لانه لو ذکر النعت وحده یقع به الطلاق فاذا ذکره وذکر المصدر معه وانه یزیده وکادة اولیٰ
۲؎ و اما وقوعه باللفظة الاولیٰ فلان المصدر یذکر ویراد به الاسم یقال رجل عدل ای عادل فصار بمنزلة قوله انت طالق ۳؎ وعلی ھذا لو قال انت طلاق یقع الطلاق به ایضا ولا یحتاج فیه الی النیة ویکون رجعیا لما بینا انه صریح الطلاق لغلبة الاستعمال فیه ۴؎ وتصح نیة الثلث لان المصدر یحتمل

سے طلاق واقع ہوتی ، پس جبکہ اسم فاعل کو ذکر کیا اور اس کے ساتھ مصدر ذکر کیا اور وہ قوت کو زیادہ کرتا ہے تو زیادہ بہتر ہے کہ طلاق واقع ہو۔

تشریح : دوسرا اور تیسرا جملہ [انت طالق الطلاق ، انت طالق طلاقا] میں اس لئے طلاق واقع ہوگی کہ اس میں اسم فاعل کا صیغہ طالق موجود ہے ، اور اس کے ساتھ پہلے جملے میں الطلاق مصدر معرفہ موجود ہے ، اور دوسرے جملے میں طلاقا ، مصدر نکرہ موجود ہے جو اسم فاعل کو مضبوط کرتا ہے اس لئے بدرجہ اولی طلاق واقع ہوگی۔

لغت : وکادۃ : قوت ، تاکید ۔ نعت صفت ، یہاں مراد اسم فاعل کا صیغہ ۔ الطلاق : مصدر معرفہ ہے ، اور طلاق : مصدر نکرہ ہے ، اور طلاقا : مصدر نکرہ ہے اور منصوب ہے۔

ترجمہ : ۲؎ بہر حال پہلے لفظ کے ساتھ طلاق واقع ہونا تو اس لئے کہ مصدر ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے اسم فاعل مراد لی جاتی ہے ، کہا جاتا ہے رجل عدل یعنی عادل اس لئے وہ جملہ انت طالق کے درجے میں ہو گیا۔

تشریح : پہلا جملہ انت الطلاق ، میں صرف مصدر کا صیغہ ہے اس کے ساتھ اسم فاعل کا صیغہ طالق نہیں ہے ، اس لئے اس سے طلاق واقع ہونا مشکل ہے ، لیکن مصدر اسم فاعل کے معنی میں لیا جاتا ہے رجل عدل [مصدر] بول کر رجل عادل [اسم فاعل ، انصاف کرنے والا آدمی] مراد لیتے ہیں ، اس لئے انت الطلاق ، انت طالق کے درجے میں ہو گیا اس لئے اس سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۳؎ اسی قاعدے پر کہا گیا ہے کہ اگر ,انت طلاق ، کہا تو اس سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی ۔ اور اس میں نیت کی ضرورت نہیں پڑے گی ۔ اور رجعی طلاق ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا ، کہ غلبہ استعمال کی وجہ سے وہ صریح ہے۔

تشریح : قاعدہ یہ گزرا کہ صرف مصدر کا صیغہ استعمال کرے تو وہ اسم فاعل کے معنی میں ہو کر طلاق واقع ہو جائے گی ۔ اس لئے شوہر نے ,انت طلاق ، کہا یعنی مصدر کا صیغہ الف لام کے ساتھ معرفہ کے بجائے نکرہ استعمال کیا تب بھی ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی ، کیونکہ وہ اسم فاعل کے معنی میں ہے ۔ اور نیت کی بھی ضرورت نہیں ہوگی اس لئے کہ غلبہ استعمال کی وجہ سے وہ صریح ہے۔

ترجمہ : ۴؎ اور تین کی نیت صحیح ہے اس لئے کہ مصدر عموم اور کثرت کا احتمال رکھتا ہے ، اس لئے کہ عموم اسم جنس ہے اس لئے

العموم والكثرة لانه اسم جنس فيعتبر بسائر اسماء الاجناس فتتناول الادنى مع احتمال الكل ۵ ولا تصح نية الثنتين فيها خلافا لزفرؒ هو يقول ان الثنتين بعض الثلث فلما صحت نية الثلث صحت نية بعضها ضرورة ۶ ونحن نقول نية الثلث انما صحت لكونها جنسا حتى لو كانت المرأة أمة تصح نية الثنتين باعتبار معنى الجنسية اما الثنتان فى حق الحرة فعدد واللفظ لا يحتمل العدد ۷ وهذا لان معنى التوحد مراعىً فى الفاظ الوحدان وذلک بالفردية او الجنسية والمثنى بمعزل منهما

سارے اسم جنس پر قیاس کیا جائے گا، پس ادنی شامل ہوگا کل کے احتمال کے ساتھ۔

تشریح: اوپر جو تین مصدر کے صیغے گزرے [الطلاق، طلاقا، اور طلاق] تو ان میں ایک طلاق واقع ہوگی، اور تین کی نیت کرے گا تو تین بھی واقع ہو جائے گی۔

وجــه: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ مصدر کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک تو شامل ہی ہے۔ لیکن اگر تمام کو شامل کر کے انکو ایک مجموعے کے حکم میں کر دیا جائے تو وہ فرد کلی ہو جائے گا جسکو منطق میں اسم جنس کہتے ہیں، اس کا بھی احتمال رکھتا ہے، اور آزاد عورت کے حق میں تین طلاق کل ہے اور مجموعہ ہے اور اسم جنس ہے، پس مصدر کے ان تینوں صیغوں میں اسم جنس کا احتمال رکھتا ہے اس لئے ان تینوں میں تین کی نیت کرنے کی گنجائش ہے اس سے تین طلاق واقع ہو جائے گی۔

ترجمه: ۵ اور اس میں دو کی نیت صحیح نہیں ہے، خلاف امام زفرؒ کے، وہ فرماتے ہیں کہ دو تین کا بعض ہے پس جب تین کی نیت صحیح ہے تو اس کے بعض کی نیت یقیناً صحیح ہوگی۔

تشریح: امام زفرؒ کی رائے ہے کہ مصدر کے صیغے میں دو طلاق کی نیت بھی صحیح ہے، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ جب اس میں تین کی نیت کرنا صحیح ہے تو دو تین کا بعض حصہ ہے تو اس کا نیت کرنا بدرجہ اولی صحیح ہوگا۔

ترجمه: ۶ ہم کہتے ہیں کہ تین طلاق کی نیت اس لئے صحیح ہے کہ وہ اسم جنس ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر عورت باندی ہو تو دو کی نیت جنسیت کے اعتبار سے صحیح ہے، بہر حال آزاد کے حق میں دو طلاق تو یہ عدد ہے اور لفظ مصدر عدد کا احتمال نہیں رکھتا۔

تشریح: یہ امام زفرؒ کو جواب ہے کہ مصدر کے صیغے میں آزاد عورت کے لئے دو کی نیت نہیں کر سکتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مصدر ایک کو یقینی شامل ہوتا ہے اور کل کے اعتبار سے جنس کا احتمال رکھتا ہے، اور دو نہ ایک ہے اور نہ جنس ہے اس لئے اس کی نیت نہیں کر سکتے، ہاں عورت باندی ہو تو دو طلاق اس کے لئے آخری ہے اور جنس ہے اس لئے باندی کے لئے جنس کے اعتبار سے دو کی نیت کر سکتے ہیں۔

ترجمه: ۷ اور یہ اس لئے ہے کہ واحد کے لفظ میں ایک کے معنی کی رعایت ہے، اور یہ ایک فرد کے ساتھ ہے یا جنس کے ساتھ

(۱۷۵۸)ولو قال انت طالق الطلاق وقال اردت بقولی طالق واحدة وبقولی الطلاق اخری یصدق﴾ لے لان کل واحد منهما صالح للایقاع فکأنه قال انت طالق وطالق فتقع رجعیتان اذا کانت مدخولا بها (۱۷۵۹) واذا اضاف الطلاق الی جملتها او الی ما یعبربه عن الجملة وقع الطلاق ﴾ لانه اضیف الی محله (۱۷۶۰) وذلک مثل ان یقول انت طالق لان التاء ضمیر المرأة او یقول رقبتک طالق

ہےاور دو دونوں سے الگ ہے۔

تشریح: یہاں سے مصدر کا قاعدہ بیان کررہے ہیں کہ مصدر کے واحد کے لفظ میں وحدانیت کی رعایت ضروری کی جائے گی، اس لئے یا ایک فرد ہوگا، یا پھر جنس کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس میں توحد ہوتا ہے، اور دو میں توحد نہیں ہے اس لئے اس کا احتمال نہیں رکھے گا۔

ترجمہ: (۱۷۵۸)اور اگر کہا' انت طالق الطلاق' اور کہا کہ میرے قول طالق سے ایک طلاق مراد لی، اور میرے قول ,الطلاق، سے دوسری طلاق مراد لی تو تصدیق کی جائے گی۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ ہر ایک لفظ واقع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو گویا کہ انت طالق، وطالق، کہا، اس لئے اگر عورت مدخول بہا ہوتو دو رجعی واقع ہوگی۔

تشریح : انت طالق الطلاق، میں ایک طالق اسم فاعل کا صیغہ ہے اس سے ایک طلاق واقع ہوگی، اور دوسرا ,الطلاق، مصدر کا صیغہ ہے اس سے بھی طلاق واقع ہوسکتی ہے، کیونکہ وہ اسم فاعل کے معنی میں ہوجائے گا اس لئے اس سے دوسری طلاق واقع ہوگی، اور چونکہ طلاق کا لفظ صریح ہے اس لئے دو رجعی واقع ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۵۹)اگر منسوب کیا طلاق کو کل کی طرف یا ایسے عضو کی طرف جس سے کل کی تعبیر ہوتی ہو تو طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ طلاق اپنے محل یعنی عورت کی طرف منسوب کیا ہے۔

تشریح: طلاق کو کل جسم کی طرف منسوب کیا یا ایسے عضو کی طرف منسوب کیا جس سے کل جسم کی تعبیر کرتے ہیں تب بھی طلاق واقع ہوجائے گی۔ کیونکہ ہر حال میں عورت کی طرف طلاق منسوب کی گئی ہے۔

وجہ : آیت اور حدیث کے محاورے میں تعبیر کرنے کا انداز دونوں ہیں کہ کسی چیز کو کل کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کسی چیز کو ایسے عضو کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے پورا جسم مراد لیا جاتا ہو۔ مثال اور دلیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ : (۱۷۶۰) مثلا یوں کہے [۱] تو طلاق والی ہے، اس میں ت عورت کی ضمیر ہے [۲] تیری گردن کو [۳] تیری گردن کو [۴] تیرے سر کو طلاق ہے [۵] تیری روح کو [۶] تیرے بدن کو [۶] تیرے جسم کو [۷] یا تیری شرم گاہ کو [۸] تیرے چہرے کو طلاق

او عنقک طالق او رأسک طالق او روحک طالق او بدنک او جسدک او فرجک او وجهک ل لانه یعبر بها عن جمیع البدن اما الجسد والبدن فظاهر وکذا غیرهما قال الله تعالی فتحریر رقبة وقال فظلت اعناقهم ۲ وقال علیه السلام لعن الله الفروج علی السروج ۳ ویقال فلان رأس القوم ووجه العرب وهلک روحه بمعنی نفسه

ہے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ ان اعضاء سے تمام بدن کو تعبیر کرتے ہیں، بہر حال جسد اور بدن تو ظاہر ہے، اور ایسے ہی ان دونوں کے علاوہ، چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا: فتحریر رقبة، اور فرمایا فظلت اعناقهم۔

تشریح: انت طالق، میں [تو طلاق والی ہے] اس میں پورے جسم کی طرف طلاق منسوب کی۔ اور ,رقبتک طالق، میں اس کے ایسے عضو کی طرف منسوب کی جس سے پورا جسم مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے اعضاء بھی ہیں۔

وجہ: (۱) رقبۃ بول کر پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ ومن قتل مؤمنا خطاء فتحریر رقبة مؤمنة . (آیت ۹۲، سورۃ النساء۴) (۲) اور عنق بول کر پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ فظلت اعناقهم لها خاضعین ۔ (آیت ۴ سورۃ، الشعراء ۲۶) (۳) اور وجہ بول کر پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ وعنت الوجوه للحی القیوم ۔ (آیت ۱۱۱، سورۃ طہ ۲۰) باقی کو اسی پر قیاس کر لیں۔ (۴) اثر میں ہے۔ عن قتادة قال اذا قال اصبعک طالق فهی طالق قد وقع الطلاق علیها . (مصنف عبد الرزاق، باب یطلق بعض تطلیقۃ، ج سادس، ص ۲۹۱، نمبر ۱۱۲۹۶) اس سے انگلی کا ثبوت ہوا۔ لیکن گردن وغیرہ تو اس سے اہم عضو ہے اس سے بدرجۂ اولی طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۲ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا: لعن الله الفروج علی السروج۔

تشریح: اس عبارت میں فروج بول کر عورت مراد لیا ہے۔۔ یہ حدیث نہیں ملی۔

ترجمہ: ۔۳ اور کہا جاتا ہے فلاں عرب قوم کا سر ہے، یا فلاں قوم کا چہرہ ہے، اور اس کی روح ہلاک ہوگئی اس معنی میں کہ نفس ہلاک ہوگئی۔

تشریح: یہاں تین مثالیں دیکر یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ عضو بول کر پورا انسان مراد لیتے ہیں، اس لئے اگر یہ عضو بول کر طلاق دی تو پورے انسان پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ محاورے میں کہا جاتا ہے کہ ,فلاں رأس القوم، کہ فلاں قوم کا سردار ہے، اور رأس بول کر پورا انسان مراد لیا ہے۔ یا کہتے ہیں ,وجہ العرب، عرب کا چہرہ ہے یعنی عرب کا سردار ہے، اور سردار بول کر پورا انسان مراد لیا ہے۔ یا کہتے ہیں ,هلک روحه، اس کی روح ہلاک ہوگئی اس سے مراد ہے کہ پورا انسان ہلاک ہوگیا۔

ﷲ ومن ھذا القبیل الدم فی روایۃ یقال دمہ ھدر ومنہ النفس وھو ظاھر (۱۷۶۱) وکذلک ان طلق جزءً شائعا مثل ان یقول نصفک او ثلثک طالق ﴾ل لان الجزء الشائع محل لسائر التصرفات کالبیع وغیرہ فکذا یکون محلا للطلاق الا انہ لا یتجزیٰ فی حق الطلاق فیثبت فی الکل ضرورۃ

ترجمہ: ﷲ ایک روایت میں اسی قبیل سے ہے ،لفظ دم، کہا جاتا ہے ،دمہ ہدر، اور اسی قبیل سے نفس، اور وہ ظاہر ہے۔

تشریح: ایک روایت میں ہے کہ دم بول کر پورا انسان مراد لیا جا سکتا ہے، اس لئے اگر یہ کہے کہ دمک طالق، تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ محاورے میں بولتے ہیں دمہ ہدر، اس کا خون معاف ہے، یعنی وہ آدمی قتل نہیں کیا جائے گا۔اسی طرح نفس، سے پورا انسان مراد لیا جاتا ہے اور اس کی ذات مراد لی جاتی ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں ہے۔ و جائت کل نفس معھا سائق و شھید۔(آیت ۲۱، سورۃ ق ۵۰)(۲) و اذا الجنۃ ازلفت علمت نفس ما احضرت. (آیت ۱۴، سورۃ التکویر ۸۱) ان دونوں آیتوں میں نفس بول کر ذات مراد لی گئی ہے۔

ترجمہ: (۱۷۶۱) اسی طرح اگر عورت کے جزء شائع کو طلاق دی۔مثلا یوں کہا تیرا نصف یا تیرا ثلث حصہ طلاق والا ہے۔

تشریح: انسان کا ایسا غیر معین جزء جو بدن کے ہر ہر حصہ پر صادق آئے اس کو جزء شائع کہتے ہیں، جیسے انسان کا آدھا حصہ، تہائی حصہ پورے انسان پر صادق آتا ہے، کیونکہ ہاتھ کا بھی آدھا ہوتا ہے پیر کا بھی آدھا ہوتا ہے اس کو جزو شائع کہتے ہیں۔پس اگر کہا کہ بیوی کے آدھے کو طلاق، تہائی کو طلاق تو پوری بیوی کو طلاق واقع ہوگی، کیونکہ خرید و فروخت میں آدھا حصہ اور تہائی حصہ بکتا ہے تو طلاق بھی آدھے حصے پر ہو سکتی ہے، لیکن طلاق آدھے حصے پر واقع نہیں ہوتی بلکہ پورے پر واقع ہوتی ہے اس لئے آدھے پر واقع ہو کر پورے انسان پر واقع ہو جائے گی۔

وجہ: (۱) آدھے جسم کو طلاق واقع ہوگی تو عورت کے ہر ہر عضو کے آدھے پر طلاق واقع ہوگی اس لئے طلاق میں آدھا نہیں ہوتا پورا ہی ہوتا ہے۔اس لئے پورے انسان کو طلاق ہوگی (۲) اثر میں ہے۔عن الشعبی قال اذا قال انت طالق نصفا او ثلث تطلیقۃ فھی تطلیقۃ. (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵۱ ما قالوا فی الرجل یطلق امرأتہ نصف تطلیقۃ، ج رابع، ص ۸۷، نمبر ۱۸۰۵۵/ مصنف عبد الرزاق، باب یطلق بعض تطلیقۃ، ج سادس، ص ۲۹۰، نمبر ۱۱۲۹۴) اس اثر میں آدھی طلاق اور تہائی طلاق کو ایک طلاق قرار دیا۔اسی پر قیاس کر کے آدھے انسان کو پورا انسان قرار دیا جائے گا۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ جزو شائع تمام کا تصرفات کا محل ہے، جیسے بیع وغیرہ ایسے ہی طلاق کا بھی محل ہوگا، مگر یہ کہ طلاق کے حق میں تجزی نہیں ہوتا پس ضرورت کی بنا پر کل میں ثابت ہوگا۔

تشریح: خرید و فروخت میں انسان کا جزو شائع [آدھا حصہ، تہائی حصہ] بکتا ہے اس لئے جزو شائع بھی تصرفات کا محل ہے اس

(۱۷۶۲) ولو قال یدک طالق اورجلک طالق لم یقع الطلاق ﴾ ل وقال زفرؒ والشافعیؒ یقع وکذا الخلاف فی کل جزء معین لا یعبربه عن جمیع البدن لهما انه جزء متمتع بعقد النکاح وما هذا حاله یکون محلا لحکم النکاح فیکون محلا للطلاق فیثبت الحکم فیه قضیة للاضافة ثم یسری الی الکل کما فی الجزء الشائع

لئے طلاق کا بھی محل ہوگا، لیکن طلاق میں تجزی نہیں ہے یعنی ٹکڑا نہیں ہے، اس لئے آدھے حصے پر واقع نہیں ہوگی بلکہ کل پر واقع ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۱۷۶۲) اور اگر کہا تیرے ہاتھ یا تیرے پاؤں کو طلاق تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) ہاتھ اور پاؤں بول کر پورا جسم مراد نہیں لیتے اس لئے ہاتھ کو اور پاؤں کو طلاق دی تو پورے انسان کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اصول: محاورے میں جس عضو کو بول کر پورا انسان مراد لیا جاتا ہو اس پر طلاق دیا تو پورے انسان پر طلاق واقع ہوگی، اور جس عضو کو بول کر پورا انسان مراد نہیں لیتے ہوں اس پر طلاق دیا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، اور کلام بیکار ہو جائے گا۔

ترجمہ: ل امام زفر اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہاتھ پاؤں پر طلاق دینے پر طلاق واقع ہوگی، اور ایسے ہی اختلاف ہے ہر وہ معین جزو میں جس سے پورا بدن تعبیر نہیں کرتے۔ ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ عقد نکاح کی وجہ سے اس جزو سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اور جس کی حالت یہ ہو تو وہ نکاح کا محل ہے اس لئے وہ طلاق کا بھی محل ہوگا اس لئے اس میں طلاق کا بھی حکم ہوگا اس لئے اس میں حکم ثابت ہوگا اور اضافت کے قاعدے سے کل کی طرف سرایت کرے گی، جیسا کہ شائع جزو میں ہوتا ہے۔

تشریح: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس عضو کو بول کر پورا انسان مراد نہیں لیتے اس سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

وجہ: (۱) انکی دلیل یہ ہے کہ نکاح کی وجہ سے عورت کے اس عضو سے فائدہ اٹھانا حلال ہوا اس لئے طلاق دے کر اس کو حرام کیا جا سکتا ہے اس لئے وہ محل طلاق ہوا، اور وہاں سے سرایت ہو کر پورے انسان پر طلاق واقع ہو جائے گی، جس طرح عضو شائع میں ہو تا ہے، اس لئے عضو خاص سے بھی طلاق واقع ہو سکتی ہے۔ (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ نکاح کی وجہ سے حلت پورے جسم میں ہے اور حرمت صرف ایک عضو میں ہے، لیکن حلت اور حرمت میں تقابل ہو تو حرمت کو غالب کیا جاتا ہے اس لئے طلاق کی وجہ سے ایک عضو کی حرمت سے سارے اعضاء کی حلت ختم ہو جائے گی۔ (۳) یہ اثر اس کے لئے ثبوت ہے۔ عن الثوری قال اذا قال : اصبعک ، او شعرک ، او شیء منک طالق فهی تطلیقة. (مصنف عبد الرزاق، باب یطلق بعض تطلیقة، ج سادس، ص ۲۹۱، نمبر ۱۱۲۹۷) اس اثر میں ہے کہ انگلی اور بال کو بھی طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

۲؎ بخلاف ما اذا اضيف اليه النكاح لان التعدى ممتنع اذالحرمة فى سائر الاجزاء تغلب الحل فى هذا الجزء وفى الطلاق الامر على القلب ۳؎ ولنا انه اضاف الطلاق الى غير محله فيلغو كما اذا اضافه الى ريقها او ظفرها وهذا لان محل الطلاق ما يكون فيه القيد لانه ينبئ عن رفع القيد ولا قيد فى اليد ولهذا لا تصح اضافة النكاح اليه بخلاف الجزء الشائع لانه محل للنكاح عندنا حتى تصح اضافته اليه فكذا يكون محلا للطلاق

ترجمہ: ۲؎ بخلاف جبکہ اس کی طرف نکاح کی نسبت کی گئی ہو اس لئے کہ تعدی ممتنع ہے اس لئے کہ تمام اعضاء میں حرمت اس جزو میں حلت پر غالب ہو جائے گی، اور طلاق میں معاملہ اس کا الٹا ہے۔

تشریح: یہ اشکال کا جواب ہے، امام شافعیؒ پر اشکال یہ ہے کہ جب طلاق ایک عضو پر واقع ہو تو تمام پر سرایت کر جاتی ہے اور پوری عورت مطلقہ ہو جاتی ہے تو اسی طرح ایک خاص عضو پر نکاح کرے مثلا کہے نکحتُ بیدکِ، تو پوری عورت سے نکاح ہو جانا چاہئے، حالانکہ آپ کے یہاں بھی ایسا نہیں ہے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ نکاح کے وقت مرد کے لئے عورت کے تمام اعضاء ابھی حرام ہیں، اب ہاتھ سے نکاح ہونے سے عورت کا صرف ہاتھ مرد کے لئے حلال ہوا، لیکن باقی اعضاء میں ابھی حرمت ہے اور قاعدہ گزرا کہ حرمت اور حلت میں تقابل ہو تو حرمت غالب ہوتی ہے اس لئے حلت مغلوب ہو کر حرمت غالب ہوگی اور عورت حلال نہیں ہوگی اس لئے ہاتھ کے نکاح سے پوری عورت سے نکاح نہیں ہوگا۔ اور ایک ہاتھ کے طلاق سے حرمت غالب ہوگی اس لئے تمام اعضاء پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق کو غیر محل کی طرف منسوب کیا اس لئے لغو ہو جائے گی، جیسے طلاق کو تھوک اور ناخن کی طرف منسوب کرتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق کا محل وہ ہے جس میں نکاح کی قید ہو اس لئے کہ طلاق کا معنی ہے قید کو اٹھانا، اور ہاتھ میں قید نہیں یہی وجہ ہے کہ نکاح کو ہاتھ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں، بخلا جزو شائع کے اس لئے کہ وہ ہمارے نزدیک نکاح کا محل ہے یہی وجہ ہے کہ نکاح اس کے طرف منسوب کرنا صحیح ہے، پس ایسے ہی وہ طلاق کا بھی محل بنے گا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق کو خاص عضو کی طرف منسوب کرنا بے محل ہے اس لئے طلاق لغو ہو جائے گی اور طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسے کوئی کہے کہ تمہارے تھوک کو طلاق، تمہارے ناخن کو طلاق تو اس سے طلاق لغو ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عضو خاص کی طرف منسوب کرنے سے طلاق لغو ہو جائے گی۔

وجہ: (۱) اس قاعدے پر ہے کہ جو عضو محل نکاح ہے اس میں نکاح کی قید ہے اس لئے طلاق دے کر اس قید کو اٹھانا ہے اس لئے اس عضو سے طلاق واقع ہو سکتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس عضو سے پورے انسان کو مراد لیا جاتا ہے، جیسے گردن، روح، سر،

۴؎ واختلفوا فی الظھر والبطن والاظھر انہ لا یصح لأنہ لا یعبر بھما عن جمیع البدن (۱۷۶۳) وان طلقھا نصف تطلیقۃ او ثلث تطلیقۃ کانت طالقا تطلیقۃ واحدۃ ﴾ ۱؎ لان الطلاق لا یتجزی وذکر بعض ما لا یتجزی کذکر الکل وکذا الجواب فی کل جزء سماہ لما بیناہ

بدن، جسم، ان سے پورا انسان مراد لیا جاتا ہے اور ان اعضاء کے ذریعہ نکاح کرنا چاہے تو نکاح بھی ہو جاتا ہے، مثلا کہے کہ میں نے تیرے گردن سے نکاح کیا تو نکاح ہو جائے گا، یا تیرے سر سے نکاح کیا تو نکاح ہو جائے گا، پس جب یہ عضو محل نکاح ہوا تو یہی عضو محل طلاق بھی ہوگا، اور جن اعضاء کے ذریعہ نکاح نہیں ہوتا تو وہ محل نکاح بھی نہیں ہے اس لئے وہ محل طلاق بھی نہیں ہوگا، کیونکہ طلاق کا مطلب ہے کہ نکاح کے قید کو اٹھانا اور جب اس میں نکاح کی قید ہی نہیں ہے تو طلاق دیکر کسکو اٹھائے گا! (۲) جزو شائع، مثلا انسان کا آدھا، تہائی، چوتھائی کے ذریعہ نکاح ہوتا ہے اس لئے وہ محل نکاح ہے اس لئے وہ محل طلاق بھی ہوگا، اور اس سے سرایت کر کے پورے انسان کو طلاق واقع ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۴؎ پیٹھ اور پیٹ کے بارے میں اختلاف کیا ہے، ظاہر بات یہ ہے کہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ان دونوں سے پورے بدن کو تعبیر نہیں کرتے۔

تشریح : کسی نے کہا تمہاری پیٹھ کو طلاق، یا پیٹ کو طلاق، تو اس بارے میں اختلاف ہے کسی نے فرمایا کہ اس سے طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ حدیث کے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیٹھ اور پیٹ بول کر پورا بدن مراد لیتے ہیں، لیکن ظاہر روایت یہ ہے کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ محاورے میں ان دونوں سے پورے بدن کو تعبیر نہیں کرتے ہیں۔

ترجمہ : (۱۷۶۳) اگر عورت کو آدھی طلاق دی یا تہائی طلاق دی تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

وجہ : (۱) آدھی طلاق یا تہائی طلاق مکمل طلاق ہوتی ہے (۲) اثر میں گزر چکا ہے۔ **قیل لعمر بن عبد العزیز الرجل یطلق امرأتہ نصف تطلیقۃ قال تطلیقۃ.** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۵ ما قالوا فی الرجل یطلق امرأتہ نصف تطلیقۃ ج رابع، ص ۸۷، نمبر ۱۸۰۵۳ رمصنف عبد الرزاق، باب یطلق بعض تطلیقۃ، ج سادس، ص ۲۹۰، نمبر ۱۱۲۹۴) اس اثر میں آدھی طلاق کو پوری ایک طلاق قرار دیا۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ طلاق کا ٹکڑا نہیں ہوتا اور بعض کا ذکر نا کل کے ذکر کرنے کی طرح ہوتا ہے، اور ایسے ہی حکم ہے ہر وہ جزو میں جسکو بیان کیا، اس دلیل کی وجہ سے جسکو ہم نے بیان کیا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ طلاق کا ٹکڑا نہیں ہوتا اس لئے جب آدھی طلاق ہوئی تو وہ پوری طلاق ہو جائے گی، اسی طرح چوتھائی، دسواں حصہ، چھٹا حصہ سب میں ایک طلاق مکمل ہو جائے گی، کیونکہ طلاق کا ٹکڑا نہیں ہوتا۔

(۱۶۶۴) ولو قال لها انت طالق ثلثة انصاف تطليقتين فهى طالق ثلثا ﴾ لـ لان نصف التطليقتين تطليقة فاذا جمع بين ثلثة انصاف تكون ثلث تطليقات ضرورة (۱۶۶۵) ولو قالت انت طالق ثلثة انصاف تطليقة قيل يقع تطليقتان ﴾ لـ لانها طلقة ونصف فتكامل وقيل يقع ثلث تطليقات لـ لان كل نصف يتكامل فى نفسها فيصير ثلثا (۱۶۶۶) ولو قال انت طالق من واحدة الى ثنتين او ما بين واحدة الى ثنتين فهى واحدة وان قال من واحدة الى ثلث او ما بين واحدة الى ثلث فهى ثنتان وهذا عند ابى حنيفةؒ وقالا فى الاولى هى ثنتان وفى الثانية ثلث ﴾

وجه : اس اثر میں ہے۔ عن الشعبى قال اذا طلق الرجل بعض تطليقة قال ليس فيه كسر ، هى تطليقة تامة ، و قاله عمر بن عبد العزيز ۔(مصنف عبدالرزاق، باب یطلق بعض تطلیقۃ، ج سادس، ص۲۹۰، نمبر ۱۱۲۹۴) اس اثر میں ہے کہ طلاق میں تجزی نہیں ہے وہ پوری ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۱۶۶۴) اگر عورت سے کہا کہ تو دو طلاق کے تین نصف والی ہے تو یہ عورت تین طلاق کے ساتھ مطلقہ ہوگی۔

ترجمہ: لـ کیونکہ دو طلاقوں کے نصف ایک طلاق ہے پس جب تین نصف جمع کئے گئے تو تین طلاقیں ہوں گی۔

تشریح: دو طلاقوں کا آدھا آدھا کریں تو چار آدھا ہوگا، ان میں سے تین آدھا عورت پر لگایا، اور ہر آدھا ایک ہو جائے گا اس لئے جب کہا کہ تم تین آدھے والی ہو تو پہلا آدھا بھی پورا ہو گیا، اور دوسرا آدھا بھی پورا ہو گیا اور تیسرا آدھا بھی پورا ہو گیا تو تین طلاق ہو گئی اس لئے اس کو تین طلاق واقع ہو جائے گی۔

ترجمہ : (۱۶۶۵) اور اگر کہا تو ایک طلاق کے تین نصف والی ہے تو بعض نے فرمایا کہ دو طلاق واقع ہوگی۔[لـ اس لئے کہ ایک طلاق اور آدھا ہوا، اور یہ آدھا کامل ہو جائے گا۔] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

ترجمہ: لـ اس لئے کہ ہر نصف اپنی ذات میں کامل ہو جائے گا اس لئے تین طلاقیں ہوئیں۔

تشریح : ایک طلاق کے تین نصف کہا تو [۱] ایک شکل یہ ہے کہ دو نصف کو ملا کر ایک طلاق کر دیں، اور باقی آدھی طلاق اور ہے، اور یہ آدھی طلاق مکمل ہو جائے گی تو کل دو طلاقیں ہوئیں، اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ دو طلاق واقع ہوں گیں [۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ تینوں نصف کو کامل کر دیا جائے تو تین طلاق ہو جائیں گیں، اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ اس صورت میں تین طلاق واقع ہوں گیں۔

ترجمہ: (۱۶۶۶) اور اگر کہا کہ تم کو ایک طلاق سے دو تک ہے، یا ایک اور دو کے درمیان ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر کہا کہ ایک سے تین تک ہے، یا ایک اور تین کے درمیان میں ہے تو دو طلاق ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ

۱ وقال زفر فی الاولی لا یقع شئ وفی الثانیة تقع واحدة وهو القیاس لان الغایة لا تدخل تحت المضروب له الغایة کما لو قال بعت منک من هذا الحائط الی هذا الحائط

پہلی صورت میں دو طلاق ہے اور دوسری صورت میں تین ہے۔

تشریح : یہاں چار مسئلے ہیں [۱] پہلا مسئلہ یہ ہے کہ تم کو طلاق ہے ایک سے دو تک تو ایک طلاق واقع ہوگی، کیونکہ دو جو [غایت] انتہا ہے وہ داخل نہیں ہوگا اس لئے ایک ہی باقی رہ گیا اس لئے ایک طلاق واقع ہوگی، مثلا کہے کہ میری عمر ساٹھ سے ستر تک ہے، یا کہے کہ میری عمر ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے تو محاورے میں ساٹھ داخل ہوتا ہے اور ستر داخل نہیں ہوتا ہے، اور اس کی عمر انہتر تک مانی جا سکتی ہے، اسی طرح یہاں دو داخل نہیں ہوگا اور ایک داخل ہوگا اس لئے ایک طلاق واقع ہوگی۔ [۲] دوسرا مسئلہ ہے۔ کہے تم کو طلاق ہے ایک اور دو کے درمیان، تو ایک طلاق واقع ہوگی، کیونکہ اس صورت میں بھی انتہا داخل نہیں ہوگی، صرف ابتداء داخل ہو گی۔ [۳] تیسری صورت ہے: تم کو طلاق ہے ایک سے تین تک، تو اس صورت میں دو طلاق واقع ہوگی، کیونکہ تین جو انتہاء ہے وہ داخل نہیں ہوگی اس لئے باقی دو رہ گئی اس لئے دو طلاق واقع ہوگی۔ [۴] چوتھی صورت ہے، تم کو طلاق ہے، ایک سے تین کے درمیان، تو اس صورت میں بھی دو طلاق واقع ہوگی، کیونکہ تین جو انتہاء ہے وہ داخل نہیں ہوگی، تو اب دو باقی رہی اس لئے دو طلاق ہی واقع ہوگی۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ۔ وہاں تک، یا اسکے درمیان کے جملے میں ابتداء داخل ہوتی ہے لیکن انتہاء داخل نہیں ہوتی۔

اور صاحبینؒ کے یہاں پہلی صورت میں دو طلاق واقع ہوگی، اور دوسری صورت میں تین طلاق واقع ہوگی، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ انکے یہاں ایسے جملے میں ابتداء اور انتہاء دونوں داخل ہیں اس لئے پہلی صورت میں پہلی اور دوسری دونوں واقع ہوئی، اور دوسری صورت میں پہلی دوسری اور تیسری تینوں طلاق واقع ہوئیں۔

اصول: صاحبینؒ کے یہاں ابتداء اور انتہاء دونوں داخل ہیں۔

ترجمه: **۱** حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ پہلی صورت میں کچھ واقع نہیں ہوگی، اور دوسری صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی، اور قیاس کا تقاضا یہی ہے اس لئے کہ غایت مضروب لہ الغایت میں داخل نہیں ہوتا، جیسا کہ اگر کہا میں نے تم سے اس دیوار سے دیوار تک بیچا [تو دونوں دیوار بیع میں داخل نہیں ہونگے]

لغت : غایت: کسی چیز کی آخری حد کو غایت کہتے ہیں یا کسی تعداد کے آخری عدد کو غایت کہتے ہیں، اسی کو انتہاء بھی کہتے ہیں، جیسے، **بعت منک من هذا الحائظ الی هذا الحائط**، [کہ میں نے تم سے اس دیوار سے اس دیوار تک بیچا] اس میں دیوار بیچنے کی غایت ہے۔ اور جو چیز بیچی جارہی ہے اس کو **مضروب له الغائت**، کہتے ہیں، اسی کو مغیا کہتے ہیں۔ اور جہاں سے عدد

۲؎ وجه قولهما وهو الاستحسان ان مثل هذا الكلام متى ذكر فى العرف يراد به الكل كما تقول لغيرك خذ من مالى من درهم الى مائة ۳؎ ولابى حنيفةؒ ان المراد به الاكثر من الاقل والاقل من الاكثر فانهم يقولون سنى من ستين الى سبعين ومابين ستين الى سبعين ويريدون به ماذكرناه

شروع ہے اس کو ابتداء کہتے ہیں۔

تشریح: امام زفرؒ نے فرمایا کہ پہلی صورت یعنی ایک سے لیکر، یا ایک اور دو کے درمیان طلاق ہے، اس میں ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوگی، کیونکہ انکے یہاں ابتداء اور انتہاء داخل نہیں ہوتے تو ایک بھی داخل نہیں ہوا کیونکہ وہ ابتداء ہے اور دو بھی داخل نہیں ہوا کیونکہ وہ انتہاء ہے، اس لئے درمیان میں کچھ باقی نہیں رہا اس لئے کچھ بھی واقع نہیں ہوگی۔۔ اور ایک سے لیکر تین، یا ایک اور تین کے درمیان میں طلاق سے ایک طلاق واقع ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اور تین میں ابتداء اور انتہاء داخل نہیں ہوئی تو صرف درمیان کی دوسری طلاق باقی رہی اس لئے ایک طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ صاحبینؒ کے قول کی وجہ وہ استحسان ہے کہ اس قسم کے قول جب عرف میں ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے کل مراد لی جاتی ہے، جیسے اپنے غیر سے آپ کہیں میرے مال میں سے ایک سے سو درہم لے لو [تو پورا سو مراد ہوتا ہے]

تشریح: صاحبینؒ کی رائے ہے کہ پہلی صورت میں دو طلاق اور دوسری صورت میں تین طلاق واقع ہوگی، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ محاورے میں اس قسم کا کلام بولا جاتا ہے تو اس سے کل مراد لی جاتی ہے، مثلا کوئی کہے کہ ایک سے سو درہم تک لے لو تو اس سے مراد ہوتی ہے کہ سو درہم لے لو، اور ابتداء اور انتہاء دونوں داخل ہوتے ہیں، اس لئے استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ پہلی شکل میں دو طلاق اور دوسری شکل میں تین طلاق واقع ہو، کیونکہ طلاق میں حرمت ہے اس لئے احتیاط کا تقاضا بھی ہے کہ پہلی میں دو اور دوسری صورت میں تین طلاق واقع ہو جائے۔

ترجمہ: ۳؎ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس محاورے سے مراد کم سے زیادہ، اور زیادہ سے کم مراد ہے، چنانچہ لوگ کہتے ہیں میری عمر ساٹھ سے ستر تک ہے، یا ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے اور اس سے مراد وہ ہے جو ذکر کیا۔

لغت: الاكثر من الاقل ، والاقل من الاكثر : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء شامل ہے اور انتہاء شامل نہیں ہے۔ جو کم درجہ ہے اس سے زیادہ لیا جائے۔ اور جو زیادہ ہے اس سے کم لیا جائے، اس کی شکل یہی ہے کہ کم والے کو شامل کیا جائے اور زیادہ والے کو شامل نہ کیا جائے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک سے دو، یا ایک اور دو کے درمیان جو بولا، محاورے میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء کو لیا جائے اور انتہاء کو نہ لیا جائے، چنانچہ لوگ بولتے ہیں کہ میری عمر ساٹھ سے ستر تک ہے، یا ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے، اس

۴ و ارادة الكل فيما طريقه طريق الاباحة كما ذكر او الاصل فى الطلاق هو الحظر ۵ ثم الغاية الاولى لابد ان تكون موجودة لترتب عليها الثانية ووجودها بوقوعها بخلاف البيع لان الغاية فيه موجودة قبل البيع ۶ ولو نوى واحدة يدين ديانة لا قضاء لانه محتمل كلامه لكنه خلاف الظاهر

سے ساٹھ سے زیادہ اور ستر سے کم عمر مراد لیتے ہیں، اسی پر قیاس کرتے ہوئے پہلی صورت میں ایک طلاق اور دوسری صورت میں دو طلاق واقع ہوں گی۔

ترجمہ: ۴ اور کل کا ارادہ اس صورت میں ہے جبکہ اباحت کا طریقہ ہو جیسا کہ صاحبین نے ذکر کیا، اور طلاق میں اصل ممانعت ہے [اس لئے کل مراد نہیں لے سکتے]

تشریح: یہ صاحبینؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ ایک سے سو درہم میں کل مراد ہوتا ہے تو طلاق میں بھی کل مراد ہوگا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جہاں مال کو مباح کرنا ہو وہاں کل مراد لی جا سکتی ہے، کیونکہ وہاں اپنے مال کو مباح کرنا مقصود ہے، اور طلاق میں یہ ہے کہ زیادہ طلاق نہ دے اس لئے یہاں کل مراد لینا صحیح نہیں ہے، اس لئے انتہاء داخل نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۵ پھر پہلی غایت ضروری ہے کہ موجود ہو تا کہ اس پر دوسری غایت مرتب ہو سکے، اور پہلی غایت اس کے پائے جانے سے واقع ہوگی، بخلاف بیع کے کیونکہ غایت اس میں پہلے سے موجود ہے۔

لغت: غایت اولی: غایت اولی سے مراد ابتداء ہے، اور غایت ثانیہ سے مراد انتہاء ہے، **بعت منک من هذا الحائط الى هذا الحائط**، میں پہلی حائط ابتداء ہے، اور دوسری حائط انتہاء ہے اور بیچ کی زمین، **مضروب له الغاية**، [مبیع] ہے۔ وجودھا: دو نوں دیوار کے درمیان جو زمین ہے وہ بیچنے سے پہلے خارج میں موجود ہے اس کو موجود ماننے کی ضرورت نہیں ہے، اور تعداد کے اندر آخری عدد اس وقت موجود ہوگا جبکہ پہلے کو موجود مانا جائے، کیونکہ بعد کا عدد پہلے پر مرتب ہوتا ہے، جیسے پانچ کو ماننا ہے تو اس کے پہلے چار کو ماننا ہوگا، ورنہ پانچ کا وجود نہیں ہو سکے گا۔

تشریح: یہ امام زفر کو جواب ہے، انہوں نے طلاق میں ابتداء اور انتہاء دونوں کو ساقط کیا تھا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ عدد میں پہلے [ابتداء۔ غایت اولی] کو موجود ماننا ہوگا تا کہ انتہاء [غایت ثانیہ] کو اس پر مرتب کیا جا سکے اس لئے پہلی طلاق واقع ہوگی۔ اس کے برخلاف بیع میں دونوں دیوار پہلے سے موجود ہیں ایک دیوار کا ترتب دوسرے پر نہیں ہے اس لئے اگر دونوں کو ساقط کر دیا جائے اور صرف درمیان کی زمین بیچی جائے تو ہو سکتا ہے اس لئے وہاں ابتداء کو شامل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے امام زفرؒ کا قیاس صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶ اور اگر **انت طالق من واحدة الى ثلث**، میں ایک طلاق کی نیت کرے تو دیانۃ تصدیق کی جائے گی قضاء نہیں

(۱۷۶۷) ولو قال انت طالق واحدة فی ثنتین ونوی الضرب والحساب او لم تکن له نية فهی واحدة ﴿ ا وقال زفرؒ تقع ثنتان لعرف الحساب وهو قول حسن بن زيادؒ ۲ ولنا ان عمل الضرب فی تكثير الاجزاء لا فی زيادة المضروب وتكثير اجزاء التطليقة لا يوجب تعددها

اس لئے کہ اس کے کلام کا احتمال ہے لیکن خلاف ظاہر ہے۔

تشریح: انت طالق من واحدۃ الی ثلث، میں حنفیہ کے نزدیک دو طلاق واقع ہوئی تھی، لیکن اگر آدمی ایک طلاق کی نیت کرے اور امام زفرؒ کے قول کے مطابق ابتداء اور انتہاء کو ساقط کر دے تو دیانت کے طور پر اس کی بات مانی جائے گی، اگر چہ قضاء کے طور پر اس کی بات نہیں مانی جائے گی

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کلام میں اس بات کا احتمال ہے، لیکن محاورے کے اعتبار سے ظاہر کے خلاف ہے اس لئے دار القضاء میں اس پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

اصول: کلام میں جس بات کا احتمال ہو نیت کرنے سے اس کی بات دیانۃ مانی جاتی ہے، لیکن خلاف ظاہر ہونے کی وجہ سے قضاءً اس کی بات نہیں مانی جاتی ہے۔

ترجمہ: (۱۷۶۷) اور اگر کہا کہ تمکو طلاق ہے ایک دو میں اور ضرب اور حساب کی نیت کی، یا نیت نہیں کی تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

تشریح: یہاں سے بتانا چاہتے ہیں کہ ،فی، چار معنوں میں آتا ہے [۱] ضرب کے معنی میں، یہ اس کا اصلی معنی ہے [۲] واو کے معنی میں [۳] اور مع کے معنی میں ، یہ دونوں معنی کا احتمال رکھتا ہے، اس لئے اس کی نیت کرنے پر اس معنی کا اعتبار کیا جائے گا، ورنہ تو پہلے ظاہری معنی پر کلام محمول کیا جائے گا۔ [۴] اور ظرف کے معنی میں ۔۔ شوہر نے کہا تم کو طلاق ہے ایک دو میں تو ضرب کی نیت کے باوجود بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک چیز کی ضرب کریں تو ایک ہی طلاق کے کئی ٹکڑے ہونگے، لیکن طلاق ایک ہی رہے گی اور ہر ٹکڑا پوری پوری طلاق نہیں بنے گی اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ا امام زفرؒ نے فرمایا کہ دو طلاق واقع ہوگی حساب کے عرف کی وجہ سے، اور یہی قول حضرت حسن بن زیاد کا ہے۔

وجہ: امام زفر اور امام حسن بن زیاد کی دلیل یہ ہے کہ عرف میں اس جملے کو ضرب کہتے ہیں اور دو طلاق سمجھتے ہیں اس لئے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے دو طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ ضرب کا عمل اجزا کے زیادہ کرنے میں ہوتا ہے جس چیز کو ضرب دیا وہ زیادہ نہیں ہوتی، اور اجزا کتنی ہی زیادہ ہوں وہ ایک ہی طلاق ہے، طلاق کے تعدد کو واجب نہیں کرتا [اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوگی]

(۱۶۷۸) فان نوی واحدة وثنتین فھی ثلث ﴾ ۱؎ لانه یحتمله فان حرف الواو للجمع والظرف یجمع الی المظروف ۲؎ ولو کانت غیر مدخول بھا یقع واحدة کما فی قوله واحدة و ثنتین ۳؎ وان نوی واحدة مع ثنتین یقع الثلث لان الکلمة فی تأتی بمعنی مع کما فی قوله تعالی فادخلی فی عبادی ای مع عبادی

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ جملہ ضرب کا ہے، لیکن ضرب کا کام یہ ہے کہ ایک ہی طلاق کو کئی ٹکڑوں میں بانٹ دیتا ہے، لیکن طلاق تو ایک ہی رہتا ہے، اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: (۱۶۷۸) اور اگر ایک اور دو کی نیت کی تو تین واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ لفظ اس کا احتمال رکھتا ہے اس لئے کہ حرف واو جمع کے لئے ہے اور ظرف بھی مظروف کو جمع کرتا ہے۔

تشریح: [۲] یہ فی کے دوسرے معنی کی تشریح ہے۔ انت طالق واحدة فی ثنتین، کہا اور اس سے نیت کی ایک دو کے ساتھ جمع ہو جائے تو تین طلاق واقع ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ واو جمع کے لئے آتا ہے اور فی ظرف کے لئے آتا ہے اور ظرف مظروف کو جمع کرتا ہے تو فی میں ایک گونہ جمع کا معنی ہے اس لئے فی بول کر واو کا معنی جمع کے لے سکتا ہے اس لئے دو اور ایک ملا کر تین طلاق واقع ہو جائے گی۔ پہلے قاعدہ گزر گیا ہے کہ کلام میں جس چیز کا احتمال ہو کہنے والا اس کی نیت کرے تو کر سکتا ہے۔ لیکن یہ تین طلاق مدخول بھا عورت کو واقع ہوگی، غیر مدخول بھا کو نہیں۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اگر عورت غیر مدخول بھا ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی جیسا کہ اس کا قول واحدة وثنتین میں ہوتا ہے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ جس بیوی سے ابھی تک وطی نہ کیا ہو جسکو غیر مدخول بھا کہتے ہیں اس کو تین طلاقیں بیک وقت دے تو تینوں طلاق واقع ہوتی ہیں، لیکن یکے بعد دیگرے دے مثلا کہے کہ تم کو طلاق، تم کو طلاق، تو پہلی طلاق واقع ہوگی اور دوسری طلاق بیکار جائے گی، کیونکہ پہلی ہی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور شوہر کی بیوی نہیں رہے گی۔ اب اوپر کی صورت میں جمع کی نیت کی تو پہلے ایک طلاق واقع ہوگی اس کے بعد دو طلاق واقع ہوگی، اور چونکہ عورت غیر مدخول بھا ہے اس لئے پہلی ہی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اسلئے دوسری دو طلاقوں کا محل باقی نہیں رہے گی، اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ اور اگر ایک کو دو کے ساتھ کی نیت کی تو تین واقع ہوگی اس لئے کہ کلمہ فی مع کے معنی میں آتا ہے جیسے اللہ تعالی کا قول فادخلی فی عبادی، یعنی مع عبادی۔

تشریح: [۳] یہ فی کے تیسرے معنی کی تشریح ہے۔ انت طالق فی ثنتین، بول کر فی کو مع کے معنی میں لیا اور عورت مدخول بھا ہے تو تین طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ فی مع کے معنی میں آتا ہے، جیسے اللہ تعالی کا قول: فادخلی فی عبادی (آیت ۲۹، سورة

(١٧٦٩) ولو نوى الظرف يقع واحدة ﴾ ١ لان الطلاق لا يصلح ظرفا فيلغو ذكر الثانى

(١٧٧٠) ولو قال اثنتين فى اثنتين ونوى الضرب و الحساب فهى ثنتان ﴾ ١ وعند زفرؒ ثلث لان قضيته ان يكون اربعا لكن لا مزيد للطلاق على الثلث ٢ وعندنا الاعتبار للمذكور الاول على ما بيناه (١٧٧١) ولو قال انت طالق من ههنا الى الشام فهى واحدة يملك الرجعة ﴾

الفجر ۸۹) میں فی مع کے معنی میں ہے، کہ میرے بندے کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ترجمہ: (۱۷۶۹) اور اگر ظرف کی نیت کی تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ طلاق ظرف کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لئے دوسری طلاق کا ذکر لغو ہو جائے گا۔

تشریح: [۴] یہ فی کے معنی کی چوتھی صورت ہے۔ انت طالق واحدة فی ثنتین، بول کر ظرف کی نیت کی تب بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ظرف کا مطلب ہوا کہ ایک طلاق دوسری طلاق کے اندر ہو، اور طلاق اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ ایک طلاق دوسری طلاق کے اندر ہو، کیونکہ وہ کوئی برتن نہیں ہے، اس لئے ثنتین [دو طلاق] کا تذکرہ بیکار ہو گیا اس لئے ایک ہی طلاق باقی رہی اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۷۰) اگر کہا دو دو میں اور ضرب اور حساب کی نیت کی تب بھی دو ہی طلاق ہوگی۔

تشریح: انت طالق ثنتین فی ثنتین کہا تمکو دو طلاق ہے دو میں اور ضرب کی نیت کی تو دو ہی طلاق واقع ہوگی، اس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے کہ ہمارے نزدیک ضرب سے دو طلاق کے اجزا چار ہو جائیں گے لیکن طلاق عدد تو دو ہی رہے گا وہ نہیں بڑھے گا اس لئے دو ہی طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ١ اور زفرؒ کے نزدیک تین طلاق ہوگی، اس لئے اس کا حکم یہ ہے کہ چار ہو جائیں لیکن تین طلاق سے زیادہ نہیں ہے [اس لئے تین طلاق واقع ہوگی]۔

تشریح: اوپر گزرا کہ امام زفرؒ کے یہاں عرف کا اعتبار کرتے ہوئے ضرب کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے دو دو چار ہو جائے گا، لیکن چونکہ تین طلاق سے زیادہ واقع نہیں ہو سکتی اس لئے تین ہی طلاق واقع ہوں گی۔

ترجمہ: ٢ اور ہمارے نزدیک پہلے قاعدے کا اعتبار ہوگا جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ ضرب سے اجزا بڑھتے ہیں اصل عدد نہیں بڑھتا، اسی کا اعتبار ہوگا، جسکو ہم نے بیان کر دیا۔

ترجمہ: (۱۷۷۱) اگر کہا تمکو طلاق یہاں سے شام تک ہے تو ایک طلاق ہوگی جس میں رجعت کا مالک ہوگا۔

تشریح: طلاق جب واقع ہوتی ہے تو پوری دنیا میں واقع ہوتی ہے اس لئے شام کی جگہ تک ہی لمبا کرنا گویا کہ طلاق کو چھوٹا کرنا

ل وقال زفرؒ ھی بائنة لانه وصف الطلاق بالطول ۲؎ قلنا لا بل وصفه بالقصر لانه متی وقع وقع فی الاماکن کلھا (۱۷۷۲) ولو قال انت طالق بمکة او فی مکة فھی طالق فی الحال فی کل البلاد وکذلک لو قال انت طالق فی الدار ل لان الطلاق لا یتخصص بمکان دون مکان

ہے بڑا کرنا نہیں ہوا، اس لئے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اصل بات یہ ہے کہ شدت کا جملہ ہوتا تو طلاق بائنہ واقع ہوتی یہ جملہ شدت کا نہیں ہے بلکہ ڈھیلا پن ہے اس لئے اس سے طلاق بائنہ واقع نہیں ہوگی، رجعی واقع ہوگی۔

ترجمہ: ل امام زفرؒ نے فرمایا کہ یہ بائنہ ہوگی اس لئے کہ طلاق کو لمبائی کے ساتھ متصف کیا۔

تشریح : امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے طلاق بائنہ واقع ہوگی، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ گھر سے شام تک لمبا کرنا طلاق کو شدت کے ساتھ متصف کرنا ہے اس لئے طلاق بائنہ ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ ہم نے کہا کہ بلکہ طلاق کو قصر کے ساتھ متصف کیا، اس لئے کہ طلاق جب واقع ہوتی ہے تو سب جگہ واقع ہوتی ہے۔۔ یہ ہماری دلیل ہے، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ترجمہ : (۱۷۷۲) اگر بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے مکہ کے ساتھ، یا مکہ میں تو فی الحال طلاق واقع ہوگی تمام شہروں میں۔ اور ایسے ہی اگر کہا تمکو طلاق ہے گھر میں۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ طلاق کسی مکان کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

تشریح: یہ جملہ بولنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ طلاق کو مکہ میں داخل ہونے کی شرط پر معلق کرے۔ اس صورت میں اگر مکہ مکرمہ میں داخل ہوگی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ داخل ہونے کی شرط پر معلق نہ کرے بلکہ بغیر شرط کے کہے کہ تم کو مکہ کے ساتھ طلاق ہے، اور عربی کے اعتبار سے بمکۃ کہے [۲] یا کہے مکہ میں طلاق ہے، فی مکۃ کہے، یا اسی طرح انت طالق فی الدار کہے تو چونکہ شرط پر معلق نہیں کیا اس لئے مکہ مکرمہ سے باہر بھی کسی شہر میں ہوگی تو فوراً طلاق واقع ہو جائے گی۔

وجہ :(۱) اگر طلاق کو شرط پر معلق نہ کرے تو طلاق کسی شہر کے ساتھ خاص نہیں ہوتی بلکہ ہر جگہ واقع ہوتی ہے۔ اس لئے ہر جگہ واقع ہوگی اور فوراً واقع ہوگی۔ (۲) اس اثر میں ہے۔ عن الحسن فی الرجل یقول لامرأته انت طالق الی سنة قال یقع علیھا یوم قال۔ (مصنف ابن ابی شیبة ،۲۲ فی الرجل یطلق امرأته الی سنة متی یعق علیھا، ج رابع، ص ۷۱، نمبر ۱۷۸۸۲/ مصنف عبدالرزاق، باب الطلاق الی اجل، ج سادس، ص ۳۰۱، نمبر ۱۱۳۶۰) اس اثر میں ہے کہ سال تک پر طلاق دی تو چونکہ سال آنے پر معلق نہیں کیا اس لئے اسی دن طلاق واقع ہوگی۔ اسی طرح گھر اور مکہ میں داخل ہونے پر معلق نہیں کیا تو فوراً طلاق واقع ہوگی۔

۲ وان عنى به اذا اتيت مكة يصدق ديانة لا قضاء لانه نوى الاضمار وهو خلاف الظاهر

(۱۷۷۳) ولو قال انت طالق اذا دخلت مكة لم تطلق حتى تدخل مكة ﴾ ۱ لانه علقه بالدخول

۲ ولو قال في دخولك الدار يتعلق بالفعل لمقارنة بين الشرط والظرف فحمل عليه عند تعذر الظرفية

ترجمه : ۲ اور اگر اس سے مراد ہے کہ جب تم مکہ مکرمہ آؤ تو دیانۃ تصدیق کی جائے گی قضاءً نہیں اس لئے کہ اس نے مخفی بات کی نیت کی، اور وہ خلاف ظاہر ہے۔[اس لئے دیانۃ تصدیق کی جائے گی]

تشریح : انت طالق بمکۃ، یا فی مکۃ بول کر اذا اتیت مکہ مراد لیا کہ اگر تم مکہ مکرمہ آؤ گی تب تمکو طلاق ہے، اب اس عبارت کا مطلب ہوگا جب تم مکہ آؤ گی تب طلاق ہے، اور یہ جملہ شرطیہ ہوگا اور مکہ آنے کی شرط پر طلاق ہوگی، ابھی طلاق نہیں ہوگی۔ تو قضاء کے طور پر اس کی بات کی تصدیق نہیں کی جائے گی، ہاں دیانت کے طور پر تصدیق کی جائے گی۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہری جملے میں بمکۃ ہے اور اس نے اذا امکۃ مراد لیا جو پوشیدہ ہے، لیکن اس کا احتمال رکھتا ہے، اور قاعدہ گزر چکا ہے کہ جملہ جس بات کا احتمال رکھتا ہو نیت کرنے پر دیانۃ اس کی بات مانی جائے گی۔

ترجمه : (۱۷۷۳) اگر بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے جب تم مکہ میں داخل ہو، تو نہیں طلاق ہوگی یہاں تک کہ مکہ میں داخل ہو جائے۔

ترجمه: ۱ اس لئے کہ شوہر نے عورت کے داخل ہونے پر معلق کیا ہے۔

تشریح : مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی شرط پر طلاق کو معلق کیا تو داخل ہونے سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجه : کیونکہ داخل ہونے کی شرط پر طلاق کو معلق کیا اس لئے اس سے پہلے واقع نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ سئل عطاء عن رجل قال لامرأته انت طالق اذا ولدت أيصيبها بين ذلك ؟ قال نعم ولا تطلق حتى ياتي الاجل . (مصنف عبد الرزاق، باب الطلاق الی اجل، ج سادس، ص ۳۳۰، نمبر ۱۱۳۵۲ ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۳، من قال لا یطلق حتی تحل الاجل، ج رابع ص ۲۷، نمبر ۱۷۸۸۷ ر سنن للبیہقی، باب الطلاق بالوقت والفعل، ج سابع ص ۵۸۳، نمبر ۱۵۰۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شرط پر معلق کرے تو شرط جب تک نہ پائی جائے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ترجمه : ۲ اور اگر کہا، فی دخولک الدار، تو طلاق فعل کے ساتھ متعلق ہوگی، ظرف اور شرط کے ساتھ ملنے کی وجہ سے، اس لئے فعل پر حمل کیا جائے گا ظرفیت کے متعذر ہوتے وقت۔

تشریح: شوہر نے کہا، انت طالق فی دخولک الدار، [تیرے گھر میں داخل ہونے پر طلاق] اس عبارت میں طلاق دو باتوں

کے ساتھ ہے [۱] فی دخول کو ظرفیت قرار دیں، اور مطلب ہوگا کہ طلاق داخل ہونے کے اندر ہے، لیکن یہ معنی لینا ممکن نہیں ہے، کیونکہ داخل ہونا طلاق کا ظرف نہیں بن سکتا، کیونکہ طلاق داخل ہونے کے اندر نہیں ہوسکتی، اس لئے ظرف کا معنی لینا متعذر ہے [۲] دوسری صورت یہ ہے کہ داخل ہونا فعل ہے، اس پر طلاق کو معلق کیا جائے، اور یہ ممکن ہے اس لئے یہاں پر طلاق کو داخل ہونے کے فعل پر ہی معلق کیا جائے گا، اور گھر میں داخل ہونے پر طلاق واقع ہوگی۔

﴿فصل فی اضافة الطلاق الی الزمان﴾

(۱۷۷۴) ولو قال انت طالق غدا وقع علیها الطلاق بطلوع الفجر ﴾ ۱ لانه وصفها بالطلاق فی جمیع الغد وذلک بوقوعه فی اول جزء منه ۲ ولو نوی به اٰخر النهار صدق دیانة لا قضاء لانه نوی التخصیص فی العموم وهو یحتمله وکان مخالفا للظاهر

﴿فصل فی اضافة الطلاق الی الزمان﴾

ضروری نوٹ : اس فصل میں عموماً الفاظ پر بحث کئے گئے ہیں کہ کس لفظ کا کیا معنی کیا ہے اور اس سے کس وقت طلاق واقع ہو گی اس لئے حدیث یا اثر کہیں کہیں آئے گی۔

ترجمہ: (۱۷۷۴) اور اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے کل تو اس پر طلاق واقع ہو گی صبح صادق کے طلوع ہونے سے۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ عورت کو کل کے تمام حصے میں طلاق سے متصف کیا ہے، اور یہ کل اول جز میں واقع ہونے سے ہوگا۔

تشریح: کسی نے , انت طالق غدا ، کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کل کا پورا دن یعنی صبح سے شام تک وہ طلاق والی ہو، اور یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ صبح کے وقت ہی طلاق واقع کریں، البتہ پورے دن میں کسی وقت بھی طلاق کا احتمال ہے اس لئے دوسرے وقت کی نیت کرے گا تو دیانتا اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی۔

وجہ : (۱) کل کا مطلب یہ ہے کہ عورت کل کے پورے حصے میں طلاق والی ہو اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ جبکہ صبح کے اول جز میں طلاق واقع کی جائے۔(۲) اثر میں ہے۔ عن ابراهیم قال : من وقت فی الطلاق وقتا فدخل الوقت وقع الطلاق . (مصنف ابن ابی شیبة ، باب من قال: لایطلق حتی یحل الاجل، ج رابع ، ص ۲۷، نمبر ۱۷۸۸۶ر مصنف عبد الرزاق ، باب الطلاق الی اجل ، ج سادس ، ص ۳۳۰، نمبر ۱۱۳۵۲) اس اثر میں ہے کہ اگر طلاق کو وقت پر معلق کیا تو جب وقت آئے گا اس وقت طلاق واقع ہو جائے گی۔(۳) اور اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نیت نہ ہو تو اول وقت میں طلاق ہوگی۔عن الثوری قال فی رجل قال لامرأته اذا حضت حیضة فانت طالق او قال متی حضت فانت طالق ، قال : اما التی قال اذا حضت فانت طالق ، فاذا دخلت فی الدم طلقت (مصنف عبد الرزاق ، باب الطلاق الی اجل، ج سادس، ص ۳۳۰، نمبر ۱۱۳۵۲) اس اثر میں ہے کہ حیض پر طلاق معلق کیا ہو تو خون شروع ہوتے ہی طلاق واقع ہوگی، اسی طرح کل پر طلاق معلق کیا ہو تو کل کی صبح داخل ہوتے ہی طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ : ۲ اور اگر دن کے آخری حصے کی نیت کی تو دیانۃ تصدیق کی جائے گی، قضاء نہیں اس لئے کہ عموم میں تخصیص کی نیت کی ہے اور اس کا احتمال رکھتا ہے، اور یہ ظاہر کا مخالف ہے۔

(۱۷۷۵) ولو قال انت طالق اليوم غدا او غد اليوم فانه يوخذ باول الوقتين الذى تفوه به فيقع فى الاول فى اليوم وفى الثانى فى الغد ﴾ ۱؎ لانه لما قال اليوم كان تنجيزاً و المنجز لا يحتمل الاضافة ۲؎ ولو قال غدا كان اضافة والمضاف لا يتنجز لما فيه من ابطال الاضافة فلغا اللفظ الثانى فى الفصلين (۱۷۷۶) ولو قال انت طالق فى غد وقال نويت اٰخر النهار دين فى القضاء عند ابى حنيفة

تشریح : انت طالق غدا میں دن کے اول جز میں طلاق واقع ہوگی، لیکن اگر دن کے آخر حصے کی نیت کی تو دیانت کے طور پر اس کی بات مان لی جائے گی، کیونکہ اس کے کلام میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے دن کا کوئی بھی حصہ مراد لے، کیونکہ پورا دن غد ہے، لیکن چونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے اس لئے قضا کے طور پر تصدیق نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ : (۱۷۷۵) اگر کہا انت طالق اليوم غدا، یا کہا انت طالق غدا اليوم، تو دو وقتوں میں سے جو پہلے بولا اس کو لیا جائے گا۔ اس لئے پہلی صورت میں پہلے دن میں واقع ہوگی، اور دوسری صورت میں کل واقع ہوگی۔

تشریح : ایک ہی جملے میں دو وقت بیان کیا تو جو وقت پہلے بیان کیا اس میں طلاق واقع ہوگی، جیسے پہلے جملے میں کہا, انت طالق اليوم غدا، تو اس جملے میں اليوم پہلے ہے اور غدا بعد میں ہے تو پہلے کا اعتبار کرتے ہوئے آج طلاق واقع ہوگی، اور, انت طالق غدا اليوم، کہا تو اس میں غدا پہلے ہے اس لئے کل طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ جب اليوم کہا تو تنجیز ہوئی اور تنجیز اضافت کا احتمال نہیں رکھتی،

ترجمہ: ۲؎ اور اگر کہا غدا تو اضافت ہوگی اور اضافت تنجیز نہیں ہوتی اس لئے کہ اس میں اضافت کو باطل کرنا ہے اس لئے دونوں جملوں میں دوسرا لفظ لغو ہو جائے گا۔

لغت : تنجیز: نجز سے مشتق ہے، فوری طور پر ہونا، آج ہونا ۔ اضافت: یہاں اس کا ترجمہ ہے کل پر معلق ہونا، اسی کو تعلیق کہتے ہیں۔ یہ طے ہے کہ جملہ تنجیز ہوگا تو تعلیق نہیں ہوگا، اور تعلیق ہوگا تو تنجیز نہیں ہوگا۔

تشریح : اوپر کے دونوں جملوں میں دو وقت بیان کیا ہے، ایک اليوم، اور دوسرا غدا،، اور یوم، تنجیز ہے اور غد تعلیق ہے پس اگر تنجیز کی رعایت کرتے ہیں تو تعلیق باطل ہوتی ہے اور تعلیق کی رعاہت کرتے ہیں تو تنجیز باطل ہوتی ہے، اس لئے پہلے لفظ کی رعایت کی جائے، اور جو لفظ پہلے آئے اسی کے مطابق طلاق واقع کی جائے۔ اور بعد والے لفظ کو دونوں جملوں میں باطل قرار دیا جائے۔

ترجمہ : (۱۷۷۶) اگر کہا, انت طالق فى غد ، اور کہا کہ میں نے دن کے آخری حصے کی نیت کی ہے تو قضا کے اعتبار سے بھی مان لی جائے گی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: فی، ظرف کے لئے آتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دن کے کسی حصے میں طلاق واقع ہو، اس لئے اگر کل کے آخری حصے

(۱۷۷۷) وقالا لا یدین فی القضاء خاصة ﴾ ل لانه وصفها بالطلاق فی جمیع الغد فصار بمنزلة قوله غدا علی ما بینا ولهذا یقع فی اول جزء منه عند عدم النیة وهذا لان حذف فی واثباته سواء لانه ظرف فی الحالین ۲ ولابی حنیفةؒ انه نوی حقیقة کلامه لان کلمة فی للظرف والظرفیة لا تقتضی الاستیعاب

کی نیت کرے گا تو آخری حصے میں طلاق واقع ہوگی، اور قضاء بھی اس کی تصدیق کی جائے گی، اور اگر دن کے آخر حصے کی نیت نہیں کی تو کوئی مزحم نہیں ہے اسلئے دن کے شروع حصے میں طلاق واقع ہو جائے۔

ترجمہ:(۱۷۷۷) اور صاحبینؒ نے فرمایا خاص طور پر قضا میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ عورت کو طلاق سے پورے کل میں متصف کی اس لئے اس کا غدا کے درجے میں ہو گیا، اسی لئے نیت نہ ہوتے وقت اول جز میں طلاق واقع ہوگی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ,فی، کا حذف کرنا اور اس کو باقی رکھنا دونوں برابر ہے اس لئے کہ دو نوں صورت میں ظرف ہے۔

تشریح: صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ , انت طالق فی غد، کہا تب اور دن کے آخیر حصے میں طلاق ہونے کی نیت کی تب بھی قضاء اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، بلکہ قضاء اول جز میں طلاق واقع ہوگی، البتہ دیانت کے طور پر آخیر دن کی تصدیق کی جاسکتی ہے

وجہ: [۱]اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں عورت کو پورے غد میں طلاق سے متصف کرنے کا ارادہ کیا ہے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ دن کے اول جز میں طلاق واقع کی جائے [۲] اس لئے جس طرح انت طالق غدا، میں قضاء بھی اول جز میں طلاق واقع ہوگی اسی طرح , انت طالق فی غد، کی صورت میں بھی اول جز میں طلاق واقع ہوگی۔[۳] تیسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ جملہ ظرف کا ہے کیونکہ کسی زمانے میں ہی طلاق واقع ہوگی، اس لئے فی کا ذکر کریں یا نہ کریں یہ ظرف ہے، اس لئے حکم کے اعتبار سے فی کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے، یعنی اول جز میں طلاق واقع ہوگی، [۴] یہی وجہ ہے کہ آخر دن کی نیت نہ کی ہو تو جزو اول ہی میں طلاق واقع ہوتی ہے۔

ترجمہ: ۲ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے حقیقت کلام کی نیت کی ہے اس لئے کہ کلمہ ,فی، ظرف کے لئے ہے اور ظرفیت پورے دن کو گھیرنے کا تقاضا نہیں کرتی۔

تشریح: امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کلام میں فی، استعمال کیا ہے جو ظرف کے لئے آتا ہے، اور ظرف کا ترجمہ ہے ,میں، جس کا مطلب یہ ہے کہ دن کے حصے میں طلاق واقع ہو، وہ پورے دن کو گھیرنے کا تقاضا نہیں کرتا اس لئے شوہر نے دن کے آخیر حصے کی نیت کی ہے تو کلام کی حقیقت کی نیت کی ہے اس لئے قضاء اس کی تصدیق کی جائے گی۔

۳ وتعين الجزء الاول ضرورة عدم المزاحم فاذا عين آخر النهار كان التعين القصدى اولى باعتبار من الضرورى ۴ بخلاف قوله غدا لانه يقتضى الا ستيعاب حيث وصفها بهذه الصفة مضافاً الى جميع الغد نظيره اذا قال والله لا صومن عمرى ونظير الاول والله لا صومن فى عمرى وعلى هذا الدهر وفى الدهر (۱۷۷۸) ولو قال انت طالق امس وقد تزوجها اليوم لم يقع شئ

ترجمہ: ۳ اور پہلے جز کا متعین ہونا مزاحم کے نہ ہونے کی مجبوری کی وجہ سے ہے، پس جبکہ دن کا آخری حصہ متعین ہو گیا تو ارادے کے طور پر تعین زیادہ بہتر ہے مجبوری کے طور پر اعتبار کرنے سے۔

تشریح: مزاحم: مدمقابل ہونا، کوئی دوسرا موجود ہونا۔ یہ صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ نیت نہ ہو تو اس جملے میں بھی جز و اول میں طلاق متعین ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نیت نہ ہو تو کوئی دوسرا وقت موجود نہیں ہے اس لئے مجبورا جز و اول لے لیا گیا، لیکن نیت کر کے ارادے کے طور پر آخری دن متعین کیا تو مجبوری کے بجائے ارادے کو لینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ وہ حقیقت کلام ہے۔

ترجمہ: ۴ بخلاف اس کا قول غدا کے اس لئے کہ وہ جملہ گھیرنے کا تقاضا کرتا ہے اس طرح کہ عورت کو اس صفت کے ساتھ متصف کیا تمام دن کی طرف نسبت کرتے ہوئے، اس کی مثال جبکہ کہے واللہ لاصومن عمری، اور پہلے کی مثال و الله لاصومن فی عمری، اور اسی طرح, الدهر، اور,فی الدهر۔

تشریح: یہ بھی صاحبینؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ , انت طالق فی غد، انت طالق غدا، کی طرح ہو گیا۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ دونوں میں فرق ہے، انت طالق غدا، کا ترجمہ ہے کہ عورت کل کے پورے حصے میں طلاق کے ساتھ متصف رہے، اور یہ اسی شکل میں ہوسکتا ہے کہ دن کے پہلے جز و میں طلاق واقع ہو جائے، اور انت طالق فی غد کا ترجمہ ہے کہ کل کے کسی بھی حصے میں طلاق ہو جائے اتنا ہی کافی ہے۔ اس کی دو مثالیں دی ہیں[۱]و الله لاصومن عمری ،بغیر,فی، کے کہا تو اسکا ترجمہ ہوا کہ پوری عمر روزہ رکھوں گا، جس طرح,انت طالق غدا ، میں پورا دن طلاق سے ہونا ضروری ہے۔ اور و الله لاصومن فی عمری ، کا ترجمہ ہے عمر بھر میں کبھی ایک دن روزہ رکھ لوں گا، جس طرح انت طالق فی غد ، کا ترجمہ ہے کہ دن بھر میں کبھی بھی طلاق واقع ہو جائے تو کافی ہے۔ [۲] دوسری مثال ہے، و الله لاصومن الدهر ، میں فی نہیں ہے، اس کا ترجمہ ہے زندگی کا پورا زمانہ روزہ رکھوں گا، اور و الله لاصومن فی الدهر ، میں فی، ہے اس لئے اس کا ترجمہ ہے زندگی میں کبھی بھی روزہ رکھ لوں گا، جس طرح انت طالق فی غد کا ترجمہ ہے کہ دن بھر میں کبھی بھی طلاق واقع ہو جائے۔

ترجمہ: (۱۷۷۸) اور اگر کہا تو کل طلاق والی ہے، اور حال یہ ہے کہ اس سے آج شادی کی ہے تو کچھ واقع نہیں ہوگی۔

۱؎ لانه اسنده الی حالة معهودة منافية لمالكية الطلاق فيلغو كما اذا قال انت طالق قبل ان اخلق
۲؎ ولانه يمكن تصحيحه اخباراً عن عدم النكاح او عن كونها مطلقة بتطليق غيره من الازواج
(۱۷۷۹) ولو تزوجها اول من امس وقع الساعة ﴾ ۱؎ لانه ما اسنده الی حالة منافية ولا يمكن تصحيحه اخبارا ايضا فكان انشاءً والانشاء فی الماضی انشاء فی الحال فيقع الساعة

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ طلاق کی نسبت ایک متعین حالت کی طرف کی ہے طلاق کی مالکیت کے منافی ہے، اس لئے کلام لغو ہو جائے گا، جیسا کہ کہے کہ تم کو میرے پیدا ہونے سے پہلے طلاق۔

تشریح: طلاق کے لئے ضروری ہے کہ جس وقت میں طلاق دے رہا ہو اس وقت عورت اس آدمی کے نکاح میں ہو، پس اگر ایسے وقت میں طلاق دینے کی بات کرتا ہے کہ عورت مرد کے نکاح میں نہیں ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کلام لغو ہو جائے گا۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرد کہتا ہے کہ تم کو طلاق ہے کل گذشتہ، اور شادی آج کی ہے تو کل وہ عورت اس کے نکاح میں نہیں ہے اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی، کلام لغو ہو جائے گا، جیسے یوں کہے کہ تم کو طلاق ہے میرے پیدا ہونے سے پہلے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کلام لغو ہو جائے گا، کیونکہ پیدا ہونے سے پہلے یہ عورت اس مرد کے نکاح ہی میں نہیں تھی۔

لغت: معہودۃ: عہد سے مشتق ہے، متعین وقت۔ اخلق: پیدا ہونا۔

ترجمه: ۲؎ اور اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس کو صحیح کرنا خبر دیتے ہوئے نکاح نہ ہونے کا، یا کہ وہ عورت کسی دوسرے شوہر کے طلاق دینے سے مطلقہ ہے۔

تشریح: انت طالق امس کا دو مطلب اور بھی نکل سکتا ہے، اس لئے طلاق واقع ہونا ضروری نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ شوہر اس معنی کی خبر دے رہا ہو [۱] ایک مطلب یہ ہے کہ یہ عورت کل مطلقہ تھی یعنی چھوٹی ہوئی تھی، یعنی بے بیاہی تھی، کیونکہ طلاق کا دوسرا معنی ہے چھوٹا ہوا، اور یہ حقیقت ہے کہ کل وہ بے بیاہی تھی، کیونکہ نکاح تو آج ہوا ہے۔ [۲] دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ عورت دوسرے شوہر سے کل تک مطلقہ تھی، اور یہ بھی حقیقت بن سکتی ہے کہ کل تک کسی اور کی مطلقہ ہو اور آج اس مرد نے اس سے شادی کی ہو۔ ان دونوں احتمال کی وجہ سے عورت پر آج طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ترجمه: (۱۷۷۹) اور اگر اس سے کل سے بھی پہلے نکاح کیا ہو تو ابھی طلاق واقع ہوگی۔

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ منافی حالت کی طرف نسبت نہیں کی، اور اس کے کلام کی صحیح خبر بنا کر بھی نہیں کر سکتے۔ تو طلاق کی انشاء ہوئی اور ماضی میں انشاء کرے تو فی الحال انشاء ہوتی ہے۔ اس لئے ابھی طلاق واقع ہوگی۔

لغت: انشاء فی الماضی: زمانہ ماضی میں کسی کام کو کرنا ہو اس کو انشاء فی الماضی کہتے ہیں۔ اور انشاء فی الحال: ابھی کسی کام کو کرنا ہو تو

(۱۷۸۰) **ولو قال انت طالق قبل ان اتزوجک لم یقع شیٔ** ﴾ ۱؎ لانه اسنده الی حالة منافیة فصار کما اذا قال طلقتک وانا صبی او نائم او یصح اخبارا علی ما ذکرنا (۱۷۸۱) **ولو قال انت طالق مالم اطلقک او متی لم اطلقک او متیٰ مالم اطلقک وسکت طلقت** ﴾

اس کو انشاء فی الحال کہتے ہیں، مثلا ابھی طلاق دے تو فی الحال طلاق کا انشاء ہوا۔ قاعدہ یہ ہے کہ زمانہ ماضی میں کسی کو طلاق دے تو چونکہ پہلے پتہ نہیں تھا اس لئے وہ طلاق ابھی فی الحال واقع ہوگی۔

تشریح: مرد نے کل سے پہلے مثلا پرسوں نکاح کیا تھا اور یوں کہتا ہے, انت طالق امس، کہ تم کو کل طلاق ہے، تو ابھی طلاق واقع ہوگی۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت وہ طلاق کے لئے کہہ رہا ہے [یعنی کل] اس وقت یہ اس کی بیوی ہے، اس لئے منافی حالت کی طرف طلاق منسوب نہیں کرر ہا ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ شوہر خبر دے رہا ہو کہ تم کل بن بیاہی تھی کیوں کہ بیاہ تو پرسوں ہی ہو چکا ہے، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا ہے وہ خبر دے رہا ہو کہ تم کل دوسرے کی مطلقہ تھی، کیون وہ تو کل بیاہی ہوئی تھی، اس لئے اب یہی ہوسکتا ہے کہ کل طلاق دے رہا ہو، اور ماضی جو طلاق دیتا ہے چونکہ اس کی خبر نہیں تھی اس لئے وہ طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی، کیونکہ انشاء ماضی انشاء فی الحال ہوتا ہے۔

ترجمہ: (۱۷۸۰) اور اگر کہا تم کو طلاق ہے تم سے شادی کرنے سے پہلے تو کچھ واقع نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ اس نے طلاق کے منافی حالت کی طرف منسوب کیا، تو ایسا ہو گیا جیسے کہ کہے, میں نے تم کو طلاق دیا جبکہ میں بچہ تھا، یا میں سویا ہوا تھا، یا یہ صحیح قرار دیا جائے کہ خبر دینا مقصود ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا۔

تشریح: بیوی سے کہا کہ تم سے شادی کرنے سے پہلے طلاق ہے، تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی،

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ شادی کرنے سے پہلے اس کی بیوی ہی نہیں ہے تو کسکو طلاق دے گا! اس لئے یہ منافی حالت کی طرف طلاق کو منسوب کرر ہا ہے اس لئے طلاق نہیں ہوگی، یہ ایسی ہے کہ کہے، میں نے بچپنے میں تمکو طلاق دیا، یا سوئے ہوئے میں تم کو طلاق دیا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ یہ حالت طلاق کے منافی ہے، بچپنے اور سوئے ہوئے میں طلاق واقع نہیں ہوتی، یا اس کلام کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ بیوی کو خبر دے رہا ہے کہ تم مجھ سے نکاح کرنے سے پہلے بن بیاہی تھی، یا کسی دوسرے شوہر سے چھوٹی ہوئی تھی یعنی مطلقہ تھی، اس لئے اس سے طلاق نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۸۱) اگر شوہر نے کہا کہ تو طلاق والی اس وقت کہ میں تمکو طلاق نہ دوں، یا جب تک کہ میں تمکو طلاق نہ دوں، اور شوہر چپ ہو گیا تو عورت طلاق والی ہو جائے گی۔

ل لانہ اضاف الطلاق الی زمان خال عن التطلیق وقد وجد حیث سکت ۲ وھذا لان الکلمة متی ومتی ما صریح فی الوقت لانھما من ظروف الزمان وکذا کلمة ما للوقت قال اللہ تعالی ما دمت حیا ای وقت الحیوة (۱۷۸۲) ولو قال انت طالق ان لم اطلقک لم تطلق حتی یموت

ترجمه : ل اس لئے کہ طلاق کی نسبت ایسے زمانے کی طرف کی جو طلاق سے خالی ہو اور جب چپ ہوا تو یہ پایا گیا [اس لئے طلاق واقع ہو جائے گی]

تشریح : یہاں شوہر نے تین جملے استعمال کئے [۱] انت طالق مالم اطلقک [جس وقت میں تم کو طلاق نہ دوں اس وقت تمکو طلاق][۲] متی لم اطلقک [جس وقت تمکو طلاق نہ دوں اس وقت طلاق، [۳] اور متی مالم اطلقک [جس وقت تمکو طلاق نہ دوں تو تمکو طلاق۔ ان تینوں جملوں میں ہے کہ جس وقت طلاق نہ دوں تو تمکو طلاق، اور شوہر کے چپ ہونے کے بعد ایسا وقت پایا گیا جس میں وہ طلاق نہیں دے رہا ہے اس لئے شرط کے مطابق طلاق واقع ہو جائے گی۔

وجه : (۱) عن ابراھیم قال من وقت فی الطلاق وقتا فدخل الوقت وقع الطلاق ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب من قال لا یطلق حتی یحل الاجل، ج رابع، ص ۷۲، نمبر ۱۷۸۸۶) اس اثر میں ہے کہ کسی وقت پر طلاق معلق کیا ہو تو جب وقت آئے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی، یہاں طلاق نہ دینے کا وقت پایا گیا جس پر طلاق معلق کیا تھا اس لئے طلاق ہو جائے گی۔

ترجمه : ۲ اور یہ اس لئے ہے کہ لفظ متی، اور متی ما، وقت کے لئے صریح ہے اس لئے کہ وہ دونوں ظرف زمان میں سے ہیں، اور ایسے ہی کلمہ ,ما، وقت کے لئے آتا ہے اللہ تعالی نے فرمایا ما دمت حیا، یعنی زندگی کے وقت تک۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ کلمہ متی، اور متی دونوں ظرف زمان کے لئے آتے ہیں اس لئے جملے کا مطلب یہ ہوا کہ جس زمانے میں طلاق نہ دوں تو تمکو طلاق، اور چپ ہونے کے بعد طلاق نہ دینے کا زمانہ پایا گیا اس لئے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور لفظ ,ما، دو معنوں کے لئے آتا ہے۔ شرط کے معنی کے لئے، جیسے اس آیت میں شرط کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ما یفتح اللہ للناس من رحمة فلا ممسک لھا و ما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ (آیت ۲، سورۃ فاطر ۳۵) اس آیت میں ,لفظ ما، شرط کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور دوسرا وقت کے معنی کے لئے، جیسے اس آیت میں استعمال ہوا ہے۔ واوصانی بالصلوة و الزکوة ما دمت حیا (آیت ۳۱، سورۃ مریم ۱۹) اس آیت میں ما وقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے کہ جس وقت تک زندہ رہوں تو نماز اور زکوة کی وصیت کی گئی ہے۔ اس لئے متن میں ما وقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اس لئے چپ رہتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔

ترجمه: (۱۷۸۲) تو طلاق والی ہے اگر میں تجھکو طلاق نہ دوں، تو موت کے وقت تک طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ل لان العدم لا یتحقق الا بالیاس عن الحیوة وهو الشرط کما فی قوله ان لم اٰت البصرة ٢ وموتها بمنزله موته هو الصحیح (۱۷۸۳) ولو قال انت طالق اذا لم اطلقک او اذا مالم اطلقک لم تطلق حتی یموت عند ابی حنیفةؒ وقالا تطلق حین سکت ﴾ ل لان کلمة اذا للوقت قال الله تعالیٰ اذا

ترجمه : ل اس لئے کہ طلاق نہ دینا نہیں متحقق ہوگا مگر زندگی سے مایوسی کے وقت، اور یہی شرط ہے جیسے آدمی کا قول ان لم آت البصرۃ۔

تشریح : انت طالق ان لم اطلقک ،کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں زندگی میں طلاق نہ دوں تو طلاق ہے، اس لئے موت کے وقت زندگی سے مایوس ہو جائے تب معلوم ہوگا کہ اس نے طلاق نہیں دی اس لئے موت سے پہلے طلاق واقع ہوگی۔ جیسے کہے کہ اگر میں بصرہ نہ آؤں تو طلاق ہے، تو موت تک انتظار کیا جائے گا کہ بصرہ آیا یا نہیں، اور موت کے وقت پتہ چلے گا کہ بصرہ نہیں آیا اس لئے موت کے وقت طلاق واقع ہوگی، اسی طرح یہاں موت کے وقت طلاق واقع ہوگی۔

لغت : العدم: معدوم ہونا، یہاں مراد ہے طلاق نہ دینا۔ الیاس: مایوس ہونا۔

ترجمه: ٢ عورت کا مرنا شوہر کے مرنے کی طرح ہے۔

تشریح : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اب تک طلاق نہیں دی ہے اور عورت مرنے لگے تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ عورت کے مرتے وقت پتہ چلا کہ شوہر نے طلاق نہیں دیا۔ اس لئے کہا کہ عورت کا مرنا شوہر کے مرنے کی طرح ہے۔

ترجمه: (۱۷۸۳) اگر کہا کہ تم طلاق والی ہے جب میں تجھے طلاق نہ دوں تو طلاق واقع نہیں ہوگی یہاں تک کہ موت کے قریب ہو جائے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ طلاق واقع ہوگی جس وقت چپ ہوا۔

تشریح : اس مسئلہ میں ,اذا، اور ,اذا ما، استعمال ہوا ہے، یہ دونوں لفظ شرط کے لئے بھی آتا ہے اور وقت کے لئے بھی آتا ہے، پس اگر وقت کے لئے لیں تو شوہر کے چپ رہنے کے بعد ہی طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ مطلب یہ ہوا کہ جس وقت طلاق نہ دوں تو تم کو طلاق، اور چپ رہنے کے بعد طلاق نہ دینے کا وقت پایا گیا اس لئے فورا طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر شرط کے معنی میں لیں ،تو معنی یہ ہوگا کہ اگر زندگی میں طلاق نہ دوں تو تم کو طلاق، اس لئے موت کے وقت پتہ چلا کہ طلاق نہیں دی اس لئے موت کے وقت طلاق واقع ہوگی۔۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان دونوں لفظوں کو شرط کے معنی میں لیا ہے تاکہ زندگی بھر طلاق نہ ہو، کیونکہ اس کے وقت اور شرط دونوں معنی ہو سکتے ہیں اس لئے شک کی بنیاد پر فورا طلاق واقع نہیں کی جائے گی۔۔ اور صاحبینؒ نے ان دونوں لفظوں کو وقت کے معنی میں لیا اور شوہر کے چپ رہنے پر فورا طلاق واقع کی۔ دونوں کے دلائل آگے آرہے ہیں۔

ترجمه: ل اس لئے کہ کلمہ اذا وقت کے لئے آتا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا اذا الشمس کورت، اور شعر کہنے والوں نے کہا۔

الشمس كورت وقال قائلهم شعر: واذا تكون كريهة ادعىٰ لها ☆ واذا يحاس الحيس يدعىٰ جندب ☆ فصار بمنزلة متى ومتى ما ۲؎ ولهذا لو قال لامرأته انت طالق اذا شئت لا يخرج الا مر من يدها بالقيام من المجلس كما في قوله متى شئت

شعر

اذا تكون كريهة ادعى لها ..و اذا يحاس الحيس يدعى جندب

شعر کا ترجمہ : جس وقت کوئی لڑائی ہوتی ہے تو اس کے لئے میں بلایا جاتا ہوں ۔۔اور جس وقت حلوا تیار کیا جاتا ہے تو جندب بلایا جاتا ہے۔ اس لئے اذا متی ،اور متی ما ، کے درجے میں ہو گیا۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے کہ اذا اور اذا ما وقت کے لئے آتا ہے، اس کے لئے تین دلیلیں دی ہیں [۱] اذا الشمس کورت (آیت ا، سورت التکویر ۸۱)، اس کا ترجمہ ہے جس وقت سورج بے نور ہو جائے گا۔ اس لئے اس میں اذا وقت کے لئے استعمال ہوا ہے [۲] دوسری مثال اذا تکون کریھۃ والا ہے جس میں اذا وقت کے لئے استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اذا، اور اذا ما وقت کے لئے آتا ہے، اور جب اذا اور اذا ما وقت کے لئے ہے تو مطلب یہ ہے کہ جس وقت میں طلاق نہ دوں تو تمکو طلاق ، اس لئے چپ ہونے کے بعد طلاق نہ دینے کا وقت پایا گیا اس لئے فورا طلاق واقع ہو جائے گی۔

لغت : کورت: کور سے مشتق ہے، بے نور ہونا۔ کریھۃ: نا گوار باتیں، یہاں مراد ہے لڑائی وغیرہ۔ یحاس: حیس سے مشتق ہے، حیس عرب میں ایک قسم کا حلوا ہے، یحاس کا ترجمہ ہے جب حیس بنایا جاتا ہے۔ جندب: ایک آدمی کا نام ہے جسکو شاعر کا ممدوح ہر وقت کھانے پر بلایا کرتا تھا۔

ترجمہ : ۲؎ اسی لئے اگر اپنی عورت سے کہا, انت طالق اذا شئت ،تو مجلس سے، کھڑے ہونے سے اختیار اسکے ہاتھ سے نہیں نکلے گا، جیسے کہ کہے انت طالق متی شئت۔

تشریح: [۳] یہ صاحبینؒ کی تیسری دلیل ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے کہے انت طالق اذا شئت ۔اس کا ترجمہ ہے کہ تجھکو طلاق ہے جس وقت چاہے۔ اگر یہاں اذا شرط کے معنی میں لیں تو ترجمہ ہوگا ،تم کو طلاق کا اختیار ہے اگر تو چاہے۔ اور عورت کو اس کی اسی مجلس میں اس اختیار کو استعمال کرنا ہوگا ، اور طلاق دینا ہوگا ، اور مجلس ختم ہو گئی تو اس کا اختیار بھی ختم ہو جائے گا ، اب اپنے آپ کو طلاق نہیں دے سکتی ہے۔ اور اگر اذا کو وقت کے معنی میں لیں تو, انت طالق اذا شئت ، کا ترجمہ ہوگا، تم کو طلاق ہے جس وقت چاہے، اور اذا اس وقت ,متی شئت، کے معنی میں ہوگا ، اس لئے مجلس کے ختم ہونے کے بعد بھی عورت کا اختیار ختم نہیں ہوگا ، اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، پس جس طرح انت طلاق اذا شئت میں اذا وقت کے معنی میں ہے اسی طرح انت طالق اذا لم اطلقک ،

۳؎ ولابی حنیفةؒ انه یستعمل فی الشرط ایضا قال قائلهم **شعر** : واستغن ما اغناک ربک بالغنیٰ ☆ واذا تصبک خصاصة فتجمل ☆ فان ارید به الشرط لم تطلق فی الحال وان ارید به الوقت تطلق فلا تطلق بالشک و الاحتمال ۴؎ بخلاف مسألة المشية لانه علی اعتبار انه للوقت لا یخرج الامر من یدها وعلی اعتبار انه للشرط یخرج والامر صار فی یدها فلا یخرج بالشک والاحتمال

میں اذا وقت کے معنی میں لیا جائے، اور شوہر کے چپ ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے۔

ترجمه : ۳؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اذا کبھی شرط کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، چنانچہ اس شعر میں اذا شرط کے معنی میں ہے۔ شعر

و استغن ما اغناک ربک بالغنی .. و اذا تصبک خصاصة فتجمل

شعر کا ترجمه: جب تک کہ تیرے رب نے مالداری کے ساتھ غنی بنایا ہے بے پرواہی رکھ۔ اور اگر تمکو تنگدستی لاحق ہو جائے تو صبر جمیل اختیار کر۔

پس اگر اذا سے شرط مراد لی جائے تو فی الحال طلاق واقع نہیں ہوگی، اور اگر اس سے وقت مراد لی جائے تو فی الحال طلاق واقع ہوگی، اس لئے شک اور احتمال کی بنا پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اذا وقت کے معنی میں بھی ہے اور شرط کے معنی کے لئے بھی آتا ہے، چنانچہ واستغن والے شعر میں اذا شرط کے معنی میں ہے اسی لئے تصبک شرط کی بنا پر جزم ہے، پس اگر وقت کے معنی میں لیں تو فورا طلاق واقع ہوگی، اور شرط کے معنی میں لیں تو موت کے وقت طلاق واقع ہوگی، اور چونکہ طلاق کا معاملہ بہت اہم ہے اس لئے شک کی بنا پر طلاق واقع نہیں ہوگی، احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔

لغت :۔ استغن : غنی سے مشتق ہے، بے پرواہی اختیار کرنا، اغناک : تم کو مالدار بنایا۔ غنی : مالداری۔ تصبک : اصاب سے مشتق ہے، تم کو پہونچے، تم پر آئے۔ خصاصة : تنگدستی، فقر و فاقہ۔ تجمل : جمیل سے مشتق ہے، خوبصورتی اختیار کرنا، صبر اختیار کرنا۔

ترجمه : ۴؎ بخلاف مشیت کے مسئلے کے اس لئے کہ اگر اذا وقت کے لئے ہو تو اختیار عورت کے ہاتھ سے نہیں نکلے گا، اور اس اعتبار سے کہ شرط کے لئے ہو تو اختیار نکل جائے گا، حالانکہ طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں ہے، اس لئے شک اور احتمال کی وجہ سے اختیار اس کے ہاتھ سے نہیں نکلے گا۔

لغت : المشیة : مشیت کا ترجمہ ہے عورت کے ہاتھ میں طلاق دینے کا اختیار دینا، اسی کو الامر فی یدھا، اسی کو اختیار دینا، کہتے ہیں۔

تشریح: یہ بھی صاحبینؒ کو جواب ہے، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ انت طالق اذا شئت میں [اختیار دینے میں] سب کے

۵؎ وهذا الخلاف فیما اذا لم تکن له نیة اما اذا نوی الوقت یقع فی الحال ولو نوی الشرط یقع فی اٰخر العمر لان اللفظ یحتملهما (۱۷۸۴) ولو قال انت طالق مالم اطلقک انت طالق فهی طالق بهذه التطلیقة ﴾ ۱؎ معناه قال ذلک موصولا به ۲؎ والقیاس ان یقع المضاف فیقعان ان کانت مدخولا

نزدیک اذا وقت کے معنی میں ہے اس لئے اوپر کے مسئلے میں بھی اذا کو وقت کے معنی میں لیا جائے ،اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مشیت اور اختیار کا معاملہ اس کا الٹا ہے،اس لئے کہ مشیت میں اذا کو وقت کے معنی میں لیتے ہیں تو عورت کے ہاتھ سے طلاق دینے کا اختیار نہیں نکلتا ہے،اور شرط کے معنی میں لیتے ہیں تو اختیار نکل جاتا ہے، حالانکہ شوہر کے اختیار دینے سے طلاق دینے کا اختیار اس کے ہاتھ میں یقینی ہے،اس لئے شک اور احتمال کی بنا پر اختیار نہیں نکلے گا،اور اذا کو وہاں وقت ہی کے معنی میں لینا بہتر ہوگا۔

ترجمه : ۵؎ یہ خلاف اس صورت میں ہے جب کی اس کی کوئی نیت نہ ہو، بہر حال وقت کی نیت ہو تو فی الحال واقع ہوگی،اور اگر شرط کی نیت کی تو آخری عمر میں طلاق ہوگی ،اس لئے کہ لفظ دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔

تشریح : امام صاحبینؒ کے یہاں اذا وقت کے معنی میں،اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں شرط کے معنی میں اس وقت ہے جبکہ یہ جملہ بول کر کوئی نیت نہ کی ہو، اور اگر نیت کی ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں بھی وقت کی نیت کرے تو شوہر کے چپ ہونے کے بعد فورا طلاق واقع ہوگی ،اور شرط کی نیت کی ہو تو موت کے وقت واقع ہوگی ۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اذا کا لفظ وقت اور شرط دونوں کا احتمال رکھتا ہے اسلئے دونوں کی نیت کر سکتا ہے۔

ترجمه: (۱۷۸۴) اگر شوہر نے کہا تم طلاق والی ہو جس وقت تمکو طلاق نہ دوں ،تو طلاق والی ہے،تو اس کو یہ آخری طلاق واقع ہوگی۔

ترجمه: ۱؎ اس کا معنی یہ ہے کہ متصلا کہے۔

تشریح : شوہر نے کہا جس وقت میں تمکو طلاق نہ دوں اس وقت تمکو طلاق ہے،اور یہ کہنے کے بعد متصلا کہہ دیا تم کو طلاق ہے، تو جو بعد میں متصلا انت طالق کہا اس سے طلاق واقع ہوگی ، کیونکہ اس نے کہا تھا کہ تم کو طلاق نہ دوں تو طلاق ہے پس طلاق نہ دیتا تو پہلے جملے سے طلاق واقع ہوتی ،لیکن متصلا طلاق دے دیا تو شرط نہیں پائی گئی اس لئے پہلے جملے سے طلاق واقع نہیں ہوگی ، بلکہ بعد کے جملے سے طلاق واقع ہوگی ۔اور انت طالق مالم اطلقک ،اور انت طالق کے درمیان طلاق نہ بولنے کا جو تھوڑا سا وقفہ ہے وہ معاف ہے، کیونکہ اتنا وقفہ کرنے پر انسان مجبور ہے۔اور اگر **انت طالق مالم اطلقک** کے بعد متصلا انت طالق نہ کہتا بلکہ دیر کر کے انت طالق کہتا تو دو طلاق واقع ہوتی ،ایک شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے،اور دوسری بعد میں جو انت طالق کہا اس سے۔

ترجمه : ۲؎ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مضاف [پہلے جملے والی طلاق] واقع ہو تو دو واقع ہوگی اگر مدخول بہا ہو،یہی قول امام زفرؒ

بها وهو قول زفرؒ لانه وجد زمان لم يطلقها فيه وان قل وهو زمان قوله انت طالق قبل ان يفرغ منها ۳ وجه الاستحسان ان زمان البر مستثنى عن اليمين بدلالة الحال لان البر هو المقصود ولا يمكنه تحقق البر الا ان يجعل هذا القدر مستثنى ۴واصله من حلف لا يسكن هذه الدار فاشتغل بالنقلة من ساعته واخواته على ما ياتيک فی الايمان ان شاء الله تعالى

کا ہےاس لئے کہ ایسا زمانہ پایا گیا جس میں طلاق نہیں دی، چاہے وہ کم کیوں نہ ہو، اور وہ انت طالق کا زمانہ ہے اس سے فارغ ہونے سے پہلے۔

تشریح: انت طالق مالم اطلقک۔ انت طالق۔ اس عبارت میں انت طالق ما لماطلقک ،ایک جملہ ہے جسکو[۱] اضافت کہتے ہیں، [۲]اسی کا دوسرا نام جملہ شرطیہ ہے، [۳] اسی کو ہم پہلی طلاق کہیں گے۔ اگر شوہر نے طلاق نہ دی تو شرط کے مطابق یہ طلاق واقع ہوگی۔اس عبارت میں ڈیش کے بعد دوسرا جملہ ,انت طالق، ہے۔[۱]اس کو دوسری طلاق کہتے ہیں [۲] متن میں اسی کو بھذہ التطليقة، کہا ہے۔اس انت طالق میں سات حروف ہیں، یہ جملہ ,ق، پر پورا ہوتا ہے، ق، بولنے سے پہلے انت طال، تک بولنے کا جو ایک سکنڈ کا زمانہ ہے اس میں گویا کہ طلاق نہیں دی، اس لئے پہلی طلاق بھی واقع ہو جانی چاہئے، کیونکہ ایک سکنڈ کا زمانہ ایسا پایا گیا جس میں گویا کہ طلاق نہیں دی اس لئے شرط کے مطابق پہلی طلاق واقع ہو جائے۔ یہی قیاس کا تقاضا ہے اور یہی امام زفرؒ کا مذہب ہے۔۔ اگر مدخول بھا نہ ہو تو پہلی طلاق واقع ہوگی اور اب طلاق کا محل باقی نہیں رہے گا، لیکن اگر مدخول بھا ہو تو پہلی بھی ہوگی اور دوسری بھی ہوگی، اور مجموعہ دو طلاق ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۳ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ بری ہونے کا زمانہ دلالت حال سے قسم سے مستثنی ہے، اس لئے کہ بری ہونا ہی مقصود ہے، اور بری ہونا متحقق نہیں ہوگا جب تک کہ اتنی مقدار کو مستثنی نہ قرار دیا جائے۔

تشریح: اوپر استحسان کے طور پر پہلی طلاق واقع نہیں کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کا مقصد یہ ہے کہ قسم سے بری ہو۔ اسی لئے تو اس نے قسم کھائی ہے، اس لئے انت طالق تک بولنے کے لئے جو ایک سکنڈ کا زمانہ ہے، حانث ہونے کے لئے اس کو مستثنی قرار دینا ہوگا، کیونکہ آدمی بیک وقت انت طالق نہیں بول سکتا، ترتیب کے ساتھ سات حروف منہ سے نکالنے کے لئے ایک سکنڈ کا زمانہ ضرور چاہئے، اگر اتنا بھی معاف نہ ہو تو آدمی مجبور ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۴ اس کی اصل یہ ہے کہ کوئی قسم کھائے کہ اس گھر میں نہیں رہے گا، پھر اسی وقت سامان منتقل کرنے میں مشغول ہو جائے [تو حانث نہیں ہوگا] اور اس کی بہت سی مثالیں ہیں جو انشاء اللہ کتاب الایمان آئے گی۔

تشریح: اس مسئلے کا اصول یہ ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں ٹھہروں گا پھر فورا سامان منتقل کرنے میں لگ گیا تو اگر

(۱۷۸۵) ومن قال لامرأة يوم اتزوجك فانت طالق فتزوجها ليلا طلقت ﴾ ۱؎ لان اليوم يذكر ويراد به بياض النهار فيحمل عليه اذا قرن بفعل يمتد كالصوم والامر باليد لانه يراد به المعيار وهذا اليق به ويذكر ويراد به مطلق الوقت قال الله تعالىٰ ومن يولهم يومئذٍ دُبُرَه والمراد به مطلق الوقت فيحمل عليه اذا قرن بفعلٍ لا يمتد والطلاق من هذا القبيل فينتظم الليل والنهار

چہ سامان منتقل کرنے میں ایک گھنٹہ لگ جائے اور بار بار گھر کے اندر آنا پڑے پھر بھی وہ حانث نہیں ہوگا، کیونکہ جب فورا سامان منتقل کرنے میں لگ گیا تو گویا کہ وہ اس گھر میں قیام نہیں کرنا چاہتا ہے، اور جو سامان منتقل کرنے میں ایک گھنٹہ لگا وہ آدمی کی مجبوری ہے وہ معاف ہے، اس سے حانث نہیں ہوگا، اسی طرح کسی نے کہا کہ اس کپڑے کو نہیں پہنوں گا، اور وہ اس کپڑے کو پہنے ہوا تھا، اور فورا اس کو نکالنے لگ گیا تو حانث نہیں ہوگا، کیونکہ نکالنے تک کی دیر معاف ہے۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جو انشاء اللہ کتاب الایمان میں بیان کیا جائے گا۔

اصول: مجبوری کے درجے میں جتنا وقت نکل جائے وہ معاف ہے اس سے حانث نہیں ہوگا۔

لغت : البر: قسم سے بری ہونا۔ نقلۃ: سامان منتقل کرنا۔ ساعتہ: اسی گھڑی میں۔

ترجمہ: (۱۷۸۵) کسی نے بیوی سے کہا، جس دن تم سے نکاح کروں تم کو طلاق ہے، پس رات کو نکاح کیا تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

تشریح : اس مسئلے میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ,یوم، کے ساتھ ایسے فعل کو لایا جو دیر تک ہوتا ہے جیسے روزہ رکھنا تو اس سے دن مراد ہوگا، اور اگر ,یوم، کے ساتھ ایسے فعل کو لایا جو دیر تک نہیں ہوتا فوری طور پر ہو جاتا ہے، جیسے طلاق دینا تو اس سے مطلق وقت مراد ہوگا چاہے وہ کام دن میں ہو چاہے رات میں۔ اب اس قاعدے کے اعتبار سے شوہر نے کہا کہ جس دن تم سے شادی کروں تو تم کو طلاق، تو شادی میں قبلت کرنا ایک سکنڈ کا کام ہے اسلئے غیر ممتد ہے اس لئے اس سے مطلق وقت مراد ہوگا، اس لئے دن میں نکاح کرے یا رات میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ یوم کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے دن کی سفیدی مراد لیتے ہیں، لھذا دن کی سفیدی پر محمول کیا جائے گا اگر اس کے ساتھ ایسا فعل ملایا جائے جو دیر تک رہنے والا ہو، جیسے روزہ، اور عورت کا اختیار اس لئے کہ اس سے مراد معیار ہے، اور دن کی سفیدی اس کے زیادہ لائق ہے۔ اور کبھی یوم ذکر کرتے ہیں اور اس سے مراد مطلق وقت ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا: و من یولھم یومئذ دبرہ ۔ (آیت ۱۶، سورۃ الانفال ۸) اور اس یوم سے مراد مطلق وقت ہے اس لئے مطلق وقت پر حمل کیا جائے گا جبکہ ایسا فعل اس کے ساتھ ملایا جائے جو دیر تک نہیں رہتا ہو، اور طلاق اسی قسم میں سے ہے [یعنی دیر تک نہ رہنے والی] اس لئے دن رات

۲ ولو قال عنيت به بياض النهار خاصةً دين في القضاء لانه نوى حقيقة كلامه ۳ والليل لايتناول الا السواد والنهار لا يتناول الا البياض خاصة وهو اللغة

دونوں کو شامل ہوگا۔

تشریح: معیار: وہ زمانہ جو پورے کام کو گھیرا ہوا ہو۔ یہاں اوپر کے قاعدے کو بتانا چاہتے ہیں کہ یوم کا لفظ دن کے سفیدی [بیاض النہار] کے لئے بھی آتا ہے، اور رات یا دن میں سے کوئی بھی وقت ہو جسکو مطلق وقت کہتے ہیں اس کے لئے بھی آتا ہے، پھر آگے قاعدہ بتاتے ہیں کہ، اگر یوم کے ساتھ ایسا کام ملا ہوا ہو جو دیر تک ہوتا رہتا ہو، جسکو فعل ممتد کہتے ہیں، تو اس سے دن کی سفیدی مراد لی جاتی ہے، کیونکہ پورا دن ایسا وقت ہے جو اس لمبے کام کو گھیر سکے، جیسے روزہ، عورت کے ہاتھ میں طلاق دینے کا اختیار، اس سے پورا دن مراد ہوگا۔۔ اور اگر یوم کے ساتھ ایسا فعل لگا یا جائے جو دیر تک نہ رہتا ہو، جسکو فعل غیر ممتد کہتے ہیں، جیسے طلاق دینا، نکاح میں قبول کرنا تو اس سے مطلق مراد لی جاتی ہے، آیت۔ **و من يولهم يومئذ دبره الا متحرفا لقتال او متحيزا الى فئة فقد باء بغضب من الله** ۔(آیت ۱۶، سورۃ الانفال ۸) میں بھی یوم سے مطلق وقت مراد ہے کیونکہ رات میں جنگ میں پیچھے ہٹے یا دن میں دونوں ممنوع ہیں۔

لغت: قرن: ملا دے۔ یمتد: مد سے مشتق ہے، ممتد ہوتا ہو، لمبا ہوتا ہو۔ الامر بالید: معاملہ ہاتھ میں ہو، اس سے مراد ہے عورت کو طلاق دینے کا اختیار ہو۔ معیار: وہ زمانہ جو اپنے کام کو گھیرے ہوا ہو یولھم: پشت پھیرتا ہو، دبر: پشت، پیٹھ۔

ترجمہ: ۲ اور اگر کہا کہ یوم سے خاص طور پر دن کی سفیدی مراد لی ہے تو قضاء مان لی جائے گی اس لئے کہ حقیقت کلام کا ارادہ کیا۔

تشریح: چونکہ یوم کا ترجمہ دن کی سفیدی بھی ہے اسلئے، یوم اتزوجک، سے دن کی سفیدی مراد لے تو قضا کے طور پر بھی اس کی بات مان لی جائے گی، اور رات میں نکاح کرے گا تو طلاق نہیں ہوگی صرف دن میں نکاح کرے گا تو طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۳ لفظ اللیل، صرف رات کی اندھیری کو شامل ہے، اور لفظ النہار صرف دن کی سفیدی کو شامل ہے، لغت یہی ہے۔

تشریح: یہاں لفظ لیل، اور لفظ نہار کی لغوی تحقیق بیان کر رہے ہیں، کہ لیل صرف رات کے لئے آتا ہے، اور نہار صرف دن کے لئے آتا ہے۔ جبکہ یوم مطلق وقت، اور دن کی سفیدی کے لئے مشترک ہے۔ پس جس کا قرینہ ہوگا وہ معنی مراد لیا جائے گا۔

﴿فصل﴾

(۱۷۸۶) ومن قال لامرأته انا منک طالق فليس بشئ وان نوى طلاقا ولو قال انا منک بائن او عليک حرام ينوى الطلاق فهى طالق ﴾

﴿عورت کی جانب طلاق منسوب کرنے کی فصل﴾

ضروری نوٹ : اس فصل میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کون سا لفظ کس کی طرف منسوب کریں تو اس کا حکم کیا ہوگا؟

ترجمہ : (۱۷۸۶) کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ ,میں تم سے طلاق والا ہوں ,تو کچھ نہیں ہوگا اگر چہ طلاق کی نیت کی ہو۔اور اگر کہا کہ میں تم سے بائن ہوں ,یا تم پر حرام ہوں اور طلاق کی نیت کرتا ہے تو طلاق ہوگی

لغت : طلاق: نکاح کی قید کو زائل کرنے کو طلاق کہتے ہیں ,اور نکاح کی قید عورت پر ہے ,یہی وجہ ہے کہ وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی ,اور وہ بغیر شوہر کی اجازت کے گھر سے باہر نہیں نکل سکتی۔ طلاق :۔مملوک کی قید کو زائل کرنے کے لئے آتا ہے ,اور مملوک عورت ہے ,اسی لئے اس کو منکوحہ کہتے ہیں ,اور مرد کو ناکح کہتے ہیں۔بائن :۔دونوں کے درمیان تعلق کو زائل کرنے کے لئے آتا ہے , اور نکاح کا تعلق دونوں جانب ہے اس لئے مرد کی جانب سے بائن ہو تب بھی طلاق ہو جائے گی۔حرام :۔حلت نکاح کی حلت کو زائل کرنے کے لئے آتا ہے۔اور حلت نکاح دونوں جانب ہے ,یہی وجہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ,اس لئے مرد اپنی طرف حرام کی نسبت کرے تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

تشریح : یہاں تین الفاظ کی تحقیق ہے ,اور اس کا حکم ہے [۱] انا منکِ طالق۔[۲] انا منکِ بائن [۳] انا علیکِ حرام۔ پہلے لفظ [۱] انا منک طالق کی تحقیق۔شوہر نے بیوی سے کہا ,میں تم سے طلاق والا ہوں ,اور اس سے طلاق کی نیت بھی کی تب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ طلاق کا معنی ہے نکاح کی قید کو زائل کرنا ,اور نکاح کی قید عورت میں ہوتی ہے ,مرد میں نہیں ہو تی ,یہی وجہ ہے کہ مرد دوسری شادی کر سکتا ہے ,لیکن عورت نہیں کر سکتی ,مرد عورت کی اجازت کے بغیر نکل سکتا ہے لیکن عورت نہیں نکل سکتی ,اس لئے مرد اپنی طرف منسوب کر کے یوں کہے کہ میں تم سے طلاق والا ہوں تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

[۲] دوسرے لفظ انا منک حرام کی تحقیق۔شوہر نے کہا انا منک بائن [میں تم سے جدا ہوں] اگر یہ کہتا کہ تم مجھ سے جدا ہو ,تو سب کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ,لیکن یہاں کہہ رہا ہے میں تم سے جدا ہوں تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی ,اس کی وجہ یہ ہے کہ بائن کا ترجمہ ہے تعلق کو کاٹنا اور جدا کرنا ,اور نکاح کا تعلق جس طرح مرد کے ساتھ ہے اسی طرح عورت کے ساتھ بھی ہے ,اس لئے جب کہا کہ میں تم سے جدا ہوں تو مطلب یہ ہوا کہ میرے ساتھ جو نکاح کا تعلق ہے وہ کٹ گیا ,اس لئے طلاق واقع ہو جائے گی۔

[۳] لفظ حرام کی تحقیق۔شوہر نے کہا میں تم سے حرام ہوں تو طلاق واقع ہو جائے گی ,اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کی حلت مرد کی طرف

۱ وقال الشافعیؒ یقع الطلاق فی الوجه الاول ایضا اذا نوی لان ملک النکاح مشترک بین الزوجین حتی ملکت المطالبة بالوطی کما یملک هو المطالبة بالتمکین وکذا الحل مشترک بینهما والطلاق وضع لازالتهما فیصح مضافا الیه کما یصح مضافا الیها کما فی الابانة والتحریم

۲ ولنا ان الطلاق لازالة القید و هو فیها دون الزوج الا تری انها هی الممنوعة عن التزوج بزوج اٰخر والخروج

بھی ہےاورعورت کی طرف بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں، پس جب یہ کہا کہ میں تم سے حرام ہوں تو مطلب یہ ہوا کہ میری جو نکاح کی حلت تھی وہ ختم ہوگئی،اس لئے طلاق واقع ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ پہلی شکل میں بھی طلاق واقع ہوگی اگر نیت کی ،اس لئے کہ ملک نکاح بیوی شوہر کے درمیان مشترک ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت وطی کے مطالبے کی مالک ہے، جیسا کہ شوہر قدرت دینے کے مطالبے کے مالک ہے، ایسے ہی حلت دونوں کے درمیان مشترک ہےاور طلاق دونوں کے زائل کرنے کے لئے وضع کی گئی ہے،اس لئے مرد کی طرف طلاق کی نسبت کرنا صحیح ہے جیسا کہ عورت کی طرف نسبت کرنا صحیح ہے، جیسا کہ بائن اور حرام میں ہوتا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ انا منک طالق کہا اور اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔اس کی دو وجہ بیان کرتے ہیں [۱] ایک یہ کہ طلاق ملک نکاح کو زائل کرنے کے لئے آتی ہے،اور ملک نکاح میاں بیوی دونوں کے درمیان مشترک ہے، یہی وجہ ہے کہ جس طرح شوہر یہ مطالبہ کرسکتا ہے کہ وطی کرنے پر قدرت دو اسی طرح عورت بھی یہ مطالبہ کر سکتی ہے مجھ سے وطی کرو، پس جب ملک نکاح دونوں کے درمیان مشترک ہے تو جس طرح یہ کہے کہ تجھ کو مجھ سے طلاق ،اور اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے،تو یہ کہے کہ مجھ کو تجھ سے طلاق تو اس سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔[۲] اور دوسری دلیل یہ ہے کہ نکاح سے جو حلال ہوئے ہیں یہ بھی دونوں کے درمیان مشترک ہے، یہی وجہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں،اور طلاق حلت نکاح کو زائل کرنے کے لئے آتی ہے پس جب حلت دونوں طرف ہے تو یوں کہے کہ مجھ کو تم سے طلاق تو اس سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔جیسا کہ بائن اور تحریم کو مرد کی طرف منسوب کرو تب بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق نکاح کی قید کو زائل کرنے کے لئے آتی ہے،اور یہ قید عورت میں ہے شوہر میں نہیں ہے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ وہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی،اور نہ گھر سے نکل سکتی ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق ملک نکاح، یا حلت کو زائل کرنے کے لئے نہیں آتی بلکہ نکاح کی قید کو زائل کرنے کے لئے آتی ہے،اور یہ قید مرد میں نہیں ہوتی بلکہ عورت میں ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت دوسرا نکاح نہیں کرسکتی، جبکہ مرد اسی وقت دوسرا

۳ ولو كان لازالة الملك فهو عليها لانها مملوكة والزوج مالك ولهذا سميت منكوحة

۴ بخلاف الابانة لانها لازالة الوصلة وهي مشتركة ۵ وبخلاف التحريم لانه لازالة الحل وهو مشترك فصحت اضافتهما اليهما ولا تصح اضافة الطلاق الا اليها

نکاح کرسکتا ہے، یا عورت بغیر شوہر کی اجازت کے گھر سے باہر نہیں نکل سکتی، جبکہ شوہر بغیر عورت کی اجازت کے گھر سے باہر نکل سکتا ہے، پس جب عورت میں نکاح کی قید ہے تو یوں کہے کہ مجھ سے تمکو طلاق ہے تو اس سے طلاق واقع ہوگی، کیونکہ اس سے عورت کی قید زائل کرنا ہوا، اور یوں کہے کہ تجھ سے مجھ کو طلاق ہے تو اس سے طلاق نہیں ہوگی، کیونکہ مرد میں نکاح کی قید نہیں ہے کہ طلاق دے کر مرد کی قید زائل کرے۔

ترجمہ : ۳ اور اگر طلاق ملک کے زائل کرنے کے لئے ہو تو عورت پر ملکیت ہے اس لئے کہ وہی مملوکہ ہے اور شوہر مالک ہے، اسی لئے اس کو منکوحہ کہتے ہیں۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ مان لیا جائے کہ طلاق ملکیت زائل کرنے کے لئے ہے نکاح کی قید زائل کرنے کے لئے نہیں ہے، تو یہ ملکیت مرد پر نہیں ہے وہ تو مالک ہے، ملکیت عورت پر ہے، اسی لئے اس کو مملوکہ کہتے ہیں، اور مرد کو مالک کہتے ہیں اور اسی لئے اس کو منکوحہ کہتے ہیں اور مرد کو ناکح کہتے ہیں، اس لئے عورت کی ملکیت زائل کرنے کے لئے طلاق ہوگی، مرد کی ملکیت زائل کرنے کے لئے طلاق نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۴ بخلاف بائن کے اس لئے کہ وہ تعلق کے زائل کرنے کے لئے ہے اور وہ مشترک ہے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے لفظ بائن کا معاملہ اور ہے، اس لئے کہ وہ نکاح کے تعلق کو زائل کرنے کے لئے آتا ہے، اور نکاح کے تعلق میں دونوں مشترک ہیں، اس لئے عورت کی جانب سے مرد کو جدائیگی ہو جائے گی اور یوں کہے انا منک بائن، تب بھی طلاق ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۵ اور بخلاف تحریم کے اس لئے کہ وہ حلت کو زائل کرنے کے لئے آتا ہے اور حلت مشترک ہے اس لئے ان دونوں لفظوں کو دونوں کی طرف اضافت کرنا صحیح ہے اور طلاق کی اضافت نہیں صحیح ہے مگر عورت کی طرف۔

تشریح : یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ تحریم کا لفظ نکاح کی حلت کو زائل کرنے کے لئے آتا ہے، اور حلت مرد کی جانب بھی ہے اور عورت کی جانب بھی ہے اس لئے اس لئے مرد کی جانب نسبت کر دی، اور یوں کہا، میں تم سے حرام ہوں تب بھی طلاق ہو جائے گی۔

(۱۷۸۷) ولو قال انت طالق واحدة اولا فليس بشئ ﴾ ۱؎ قال رضی الله عنه هكذا ذكر الجامع الصغير من غير خلا ف وهذا قول ابی حنيفةؒ و ابی يوسفؒ اٰخراً . وعلیٰ قول محمدؒ وهو قول ابی يوسفؒ اولاً تطلق واحدة رجعية ۲؎ ذكر قول محمدؒ فی كتاب الطلاق فيما اذاقال لامرأته انت طالق واحدة اولا شئ ولا فرق بين المسألتين

ترجمہ : (۱۷۸۷) اور اگر کہا تم کوطلاق ہے ایک یا نہیں ہے،تو کچھ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح : شوہر نے کہا انت طالق واحدة اولا [تم کوطلاق ہے ایک یا نہیں] تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ یہاں انت طالق۔ واحدة۔اولا میں تین الفاظ ہیں جس کو سمجھنا ضروری ہے [۱] طالق،اسم فاعل کا صیغہ ہے،جسکو صفت کا صیغہ کہتے ہیں [۲] واحدة، یہ عدد کا صیغہ ہے،اوراس سے پہلے ایک مصدر تطلیقة محذوف ہے،واحدة اس کی صفت بنتی ہے [۳] اولا، یہ نفی کا صیغہ ہے۔اب جن حضرات نے اولا سے واحدة عدد کی نفی کی اور انت طالق کو چھوڑ دیا انکے یہاں انت طالق سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گی،جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔اور جن حضرات نے واحدة عدد کو انت طالق کا جزء مانا تو انہوں نے اولا سے گویا کہ انت طالق کی نفی کر دی اس لئے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔اس مسئلے کا حاصل یہ ہے۔

ترجمہ : ۱؎ مصنفؒ نے فرمایا کہ اسی طرح بغیر اختلاف کے ذکر ہے،اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا آخری قول ہے،اور امام محمدؒ کا اور امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

تشریح : مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہاں متن میں کسی امام کا اختلاف ذکر نہیں کیا ہے جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ سبھی کے یہاں ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔حالانکہ یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور امام ابو یوسفؒ کا آخری قول ہے۔اور امام محمد کا قول اور امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔و ان قال : انت طالق واحدة او لا ، فليس بشیء (جامع صغیر، باب ایقاع الطلاق،ص ۱۹۴) اس عبارت میں ہے کہ طلاق نہیں ہے اور کسی کا اختلاف ذکر نہیں کیا ہے۔

ترجمہ : ۲؎ مبسوط کے کتاب الطلاق میں امام محمد کا قول یہ ذکر کیا ہے کہ اپنی بیوی سے انت طالق واحدة اولاشیء، تو دونوں مسئلوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تشریح : امام محمد کی کتاب مبسوط میں ,انت طالق واحدة اولاشیء، عبارت ہے،پس یہ عبارت اور جامع صغیر کی عبارت میں کوئی فرق نہیں،اور وہاں یہ کہا ہے کہ اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی،جس سے معلوم ہوا کہ انکے یہاں ایک طلاق رجعی واقع ہو گی،اس لئے اس مسئلے کے بارے میں سب کا اتفاق نہیں ہے۔

۳؎ ولو كان المذكور ههنا قول الكل فعن محمدؒ روايتان له انه ادخل الشك فى الواحدة لدخول كلمة او بينها وبين النفى فيسقط اعتبار الواحدة ويبقى قوله انت طالق ۴؎ بخلاف قوله انت طالق او لا لانه ادخل الشك فى اصل الايقاع فلا يقع ۵؎ ولهما ان الوصف متى قرن بالعدد كان الوقوع بذكر العدد الا ترى انه لو قال لغير المدخول بها انت طالق ثلثا تطلق ثلثا ولو كان الوقوع بالوصف للغى ذكر الثلث وهذا لان الواقع فى الحقيقة انما هو المنعوت المحذوف ومعناه انت طالق تطليقة واحدة على ما مر واذا كان الواقع ما كان العدد نعتا له كان الشك داخلا فى اصل الايقاع فلا يقع

ترجمه : ۳؎ اور اگر یہاں سب کا قول مذکور ہے تو یہ کہا جائے گا کہ امام محمدؒ سے دو روایتیں ہیں۔ انکی دلیل یہ ہے کہ واحدۃ اور نفی کے درمیان میں کلمہ او داخل ہونے کی وجہ سے واحدۃ میں شک ہو گیا اس لئے واحدۃ کا اعتبار ساقط ہو جائے گا اور انت طالق باقی رہے گا [جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی]۔

تشریح : اگر قدوری کے متن میں سب کا قول مذکور ہے تو یہ کہا جائے گا کہ امام محمدؒ کی بھی دو روایتیں ہیں ایک روایت میں ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی، اور دوسری روایت ہے کہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اور جس روایت میں ہے کہ ایک طلاق رجعی واقع ہو گی اس کی دلیل یہ ہے کہ انت طالق واحدۃ۔ او۔لا، میں لا نفی اور واحدۃ کے درمیان او داخل کر دیا جس سے شک ہو گیا کہ ایک عدد طلاق دے رہا ہے یا نہیں، اور اس شک کی وجہ سے واحدۃ کا اعتبار ساقط ہو گیا اس لئے اب صرف انت طالق باقی رہا، اور اس لئے اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

ترجمه: ۴؎ بخلاف اس کا قول انت طالق او لا، اس لئے کہ شک اصل ایقاع میں ہے اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح: اگر یوں کہا انت طالق۔ او۔ لا، تو اس صورت میں امام محمدؒ کے نزدیک بھی طلاق واقع نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں انت طالق کے بعد واحدۃ کا لفظ نہیں ہے، اس لئے او سے شک اصل انت طالق میں ہو گیا اس لئے انت طالق کی ہی نفی ہو گئی اس لئے یہاں طلاق واقع نہیں ہوگی، اور پہلی عبارت میں واحدۃ ہے اس لئے وہاں واحدۃ کی نفی ہوئی انت طالق کی نفی نہیں ہوئی اس لئے وہاں انت طالق کے ذریعہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

ترجمه : ۵؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصف [طالق] جب عدد کے ساتھ مل جائے تو طلاق واقع ہونا عدد کے ذریعہ ہوتا ہے، کیا نہیں دیکھتے ہیں کہ غیر مدخول بھا کو انت طالق ثلاثا کہے تو تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں، اور اگر وصف [طالق] کے ذریعہ طلاق واقع ہونا ہوتا تو ثلث کا ذکر لغو ہو جاتا، اور یہ اس لئے کہ طلاق واقع ہونا حقیقت میں موصوف محذوف کے ذریعہ ہوتا ہے، اس کا معنی ہے انت طالق تطلیقۃ واحدۃ، جیسا کہ گزر گیا، پس جب واقع ہونا اس کے ذریعہ سے ہے جسکا عدد صفت

شئ (۱۷۸۸) **ولو قال انت طالق مع موتی او مع موتک فلیس بشئ** ۱؎ لانه اضاف الطلاق الیٰ حالة منافية له لان موته ينافي الاهلية وموتها ينافي المحلية ولا بد منهما (۱۷۸۹) **واذا ملک الزوج امرأته او شقصاً منها اول ملکت المرأة زوجها او شقصاً منه وقعت الفرقة**

ہے تو شک اصل ایقاع میں ہوا اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح: شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ انت طالق واحدة ۔او ۔لا ، میں واحدة طالق اسم فاعل کا جزو ہے اس لئے واحدة کی نفی سے طالق کی نفی ہوگئی اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی ۔اس کی دلیل یہ دیتے ہیں جس عورت کے ساتھ دخول نہیں کیا ہو اس کو پہلے انت طالق کہے اور بعد میں ثلاثا کہے تو انت طالق سے ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور ثلاثا کا محل باقی نہیں رہے گی ،لیکن ثلاثا کو طالق کا جزو مان لیا جائے تو بیک وقت تین طلاق واقع ہوگی ،چنانچہ اس کو تین طلاق واقع ہوتی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ ثلاثا انت طالق کا جزو ہے اسی طرح واحدة انت طالق کا جزو ہے ،اس لئے اولا کے ذریعہ واحدة کی نفی کی تو انت طالق کی بھی نفی ہوگئی جو طلاق واقع ہو نے کی اصل ہے اس لئے کچھ بھی واقع نہیں ہوگی۔

لغت : المنعوت المحذوف: سے مراد ہے کہ واحدة سے پہلے تطلیقة محذوف ہے جو واحدة کی صفت ہے جسکو منعوت کہتے ہیں اور واحدة [عدد] اس کی صفت ہے ،جسکو نعت کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۱۷۸۸) اگر کہا کہ تم کو میری موت کے ساتھ طلاق ہے ،یا تیری موت کے ساتھ طلاق ہے تو کچھ نہیں ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ طلاق کی نسبت ایسی حالت کی طرف کی جو اس کے منافی ہے ،اس لئے کہ شوہر کی موت طلاق دینے کے منافی ہے ،اور عورت کی موت محل کے منافی ہے ،حالانکہ دونوں ضروری ہیں۔

تشریح : شوہر نے دونوں میں سے کسی ایک کی موت کی شرط طلاق کو معلق نہیں کیا ، بلکہ کہا میرے مرنے کے ساتھ طلاق ،یا تیرے مرنے کے ساتھ طلاق تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں مرنے کے بعد طلاق واقع ہوگی ،اور موت کے بعد طلاق واقع نہیں ہوتی ، کیونکہ یہ حالت طلاق کے منافی ہے ،اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق دینے کے لئے شوہر کو طلاق دینے کا اہل ہونا چاہئے اور اس کی موت کے بعد طلاق دینے کا اہل نہیں رہا ،اور طلاق واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ عورت اس کا محل ہو اور زندہ ہو ،اور عورت کی موت کے بعد وہ طلاق کا محل نہیں رہی اس لئے طلاق نہیں ہوگی۔

ترجمہ : (۱۷۸۹) اگر شوہر اپنی بیوی کا مالک بن جائے یا اس کے ایک حصے کا یا بیوی اپنے شوہر کا مالک بن جائے یا اس کے ایک حصے کا تو دونوں کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی۔

ل لمنافاةٍ بين الملكين اما ملكها اياه فلاجتماع بين المالكية والمملوكية واما ملكه اياها فلان ملك النكاح ضروری ولا ضرورة مع قيام ملك اليمين فينتفى (۱۷۹۰) ولو اشتراها ثم طلقها لم يقع شئ ﴾ ل لان الطلاق يستدعى قيام النكاح ولابقاء له مع المنافى لامن وجه ولا من كل وجه

تشریح : شوہر آزاد تھا اور باندی بیوی سے شادی کی تھی، بعد میں اس کو خرید لیا یا وارث بن گیا جس کی وجہ سے شوہر اس کے ایک حصے کا مالک بن گیا۔ یا بیوی آزاد تھی اس نے غلام سے شادی کی۔ بعد میں بیوی نے شوہر کو یا اس کے ایک حصے کو خرید لیا جس کی وجہ سے وہ شوہر کا یا اس کے ایک حصے کا مالک بن گئی تو ان چاروں صورتوں میں نکاح ٹوٹ جائے گا۔

وجہ : (۱) بیوی اور شوہر کے حقوق میں برابری ہوتی ہے۔ اور مالک اور مملوک میں بہت تفاوت ہوتا ہے اس لئے مالک بنتے ہی نکاح ٹوٹ جائے گا (۲) اثر میں ہے۔ عن علی ان امرأة ورثت من زوجها شقصا فرفع ذلک الی علی فقال هل غشيتها قال: لا كنت غشيتها رجمتک بالحجارة ثم قال هو عبدک ان شئت بعتيه وان شئت وهبتيه وان شئت اعتقتيه وتزوجتيه۔ (سنن للبیہقی، باب النکاح وملک الیمین لا یجتمعان، ج سابع، ص ۲۰۷، نمبر ۱۳۷۳۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نکاح ٹوٹ جائے گا۔ (۳) ان عمر بن الخطابؓ اتى بامرأة قد تزوجت عبدها فعاقبها و فرق بينها و بين عبدها و حرم عليها الازواج عقوبة لها (سنن للبیہقی، باب النکاح وملک الیمین لا یجتمعان، ج سابع، ص ۲۰۷، نمبر ۱۳۷۳۶) اس اثر میں بھی ہے کہ اپنے غلام اور باندی سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

ترجمہ: ل دونوں ملک کے درمیان منافات کی وجہ سے۔ بہر حال عورت مالک ہو جائے شوہر کی تو اس لئے کہ مالک اور مملوک جمع ہو گئے۔ اور بہر حال شوہر مالک ہو جائے بیوی کا تو اس لئے کہ ملک نکاح ضرورة ثابت ہے اور ملک یمین کے قیام کے ساتھ ملک نکاح کی ضرورت نہیں ہے اس لئے نکاح ختم ہو جائے گا۔

تشریح: مالک اور مملوک کے درمیان نکاح نہیں رہ سکتا اس کی یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ اگر عورت شوہر کا مالک بن جائے، تو عورت کو ہونا چاہئے مملوکہ اور یہاں ہوگئی مالکہ تو یہ بالکل خلاف ہو گیا اس لئے نکاح باقی نہیں رہے گا۔ اور اگر شوہر عورت کا مالک ہو جائے تو نکاح کی ضرورت ہی نہیں رہی اس لئے کہ نکاح میں ملک متع ہوتا ہے، چونکہ آزاد پر ملک ثابت کرنا اچھا نہیں ہے اس لئے ضرورت کی بنا پر یہ ملکیت ثابت رکھی، پس جب شوہر گردن کا مالک بن گیا جسکو ملک یمین کہتے ہیں تو اب ملک متعہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی اس لئے نکاح ٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: (۱۷۹۰) اور شوہر نے بیوی کو خریدا پھر اس کو طلاق دی تو واقع نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ طلاق نکاح کے قائم رہنے کا تقاضا کرتی ہے اور منافی کے ساتھ نکاح باقی نہیں رہا، نہ من وجہ باقی ہے اور

وكذا اذا ملكته او شقصاً منه لا يقع الطلاق لما قلنا من المنافاة ٢؎ وعن محمدؒ انه يقع لان العدة واجبة بخلاف الفصل الاول لانه لا عدة هنا لک حتى حل وطيها له (١٧٩١) وان قال لها وهى امة لغيره انت طالق ثنتين مع عتق مولاک اياک فاعتقها ملک الزوج الرجعة﴾

نہ پورے طور پر۔ایسے ہی اگر عورت مالک ہوگئی یا اس کے ایک حصے کی مالک ہوگئی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اس دلیل کی وجہ سے کہ منافات ہے۔

تشریح: شوہر نے بیوی کو خریدا تو اس کا نکاح ٹوٹ گیا اس لئے اب طلاق دے گا بھی تو واقع نہیں ہوگی، کیونکہ اب نکاح باقی نہیں ہے۔اور اس عورت پر عدت بھی نہیں ہے، کیونکہ شوہر کی باندی ہونے کی وجہ شوہر اس سے فی الحال بھی وطی کر سکتا ہے، اس لئے پورے طور پر نکاح ٹوٹ گیا۔اور اگر عدت گزارنا باقی رہتا تو کہا جائے گا کہ نکاح کا کچھ اثر باقی ہے۔اسی کو شارح نے لا من وجہ، اور, ولا من کل وجہ، کہا ہے۔۔اور اگر عورت نے شوہر کو خرید لیا، یا اس کے ایک حصے کو خرید لیا تو نکاح ٹوٹ جائے گا، کیونکہ مالک اور مملوک کے درمیان نکاح نہیں رہ سکتا، اس لئے اب طلاق دے گا بھی تو واقع نہیں ہوگی۔

لغت:۔ یستدعی: چاہتا ہے۔شقصا :ایک حصہ۔

ترجمہ: ٢؎ امام محمدؒ کی ایک رائے ہے کہ طلاق واقع ہوگی اسلئے کہ عدت واجب ہے، بخلاف فصل اول کے اس لئے کہ وہاں عدت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ شوہر کے لئے اس عورت سے وطی کرنا حلال ہے۔

تشریح: عورت شوہر کا مالک بنے تو اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا، لیکن اس صورت میں عورت پر نکاح ٹوٹنے کی وجہ سے عدت ضروری ہے اس لئے ابھی کچھ نہ کچھ نکاح کا اثر باقی ہے اس لئے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ طلاق دے تو واقع ہو جائے گی۔البتہ پہلی شکل میں عورت پر عدت نہیں ہے کیونکہ شوہر اس سے وطی کر سکتا ہے، اس لئے نکاح کا کوئی اثر باقی نہیں ہے اس لئے طلاق دے گا بھی تو واقع نہیں ہوگی۔

اصول: نکاح ٹوٹنے کے بعد طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ترجمہ: (١٧٩١) اگر بیوی سے کہا حال یہ کہ وہ دوسرے کی باندی ہے تمکو دو طلاق ہے تمہارے آقا کی آزادگی کے ساتھ، پس آقا نے اس کو آزاد کیا تو شوہر اس سے رجعت کا مالک ہوگا۔

تشریح: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ طلاق کو آزادگی پر معلق کیا ہو تو چاہے اس میں ,مع، استعمال کیا ہو پھر بھی ذہنی طور آزادگی پہلے آئے گی اور طلاق اس کے تھوڑی دیر بعد آئے گی، پس جب عورت آزاد ہوگئی تو وہ دو طلاق سے مغلظہ نہیں ہوگی بلکہ تین طلاق سے مغلظہ ہوگی، اور دو طلاق پر اس سے رجعت کر سکتا ہے، کیونکہ وہ ابھی مغلظہ نہیں ہوئی ہے۔

لے لانہ علق التطليق بالاعتاق او العتق لان اللفظ ينتظمهما والشرط ما يكون معدوما على خطر الوجود وللحكم تعلق به والمذكور بهذه الصفة والمعلق به التطليق لان في التعليقات يصير التصرف تطليقا عند الشرط عندنا واذاكان التطليق معلقا بالاعتاقِ او العتق يوجد بعده ثم الطلاق يوجد بعد التطليق فيكون الطلاق متاخرا عن العتق فيصادفها وهي حرة فلا تحرم حرمة غليظة بالثنتين

اصول: جزا شرط کے بعد آئے گی۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ تطلیق کو معلق کیا آزاد کرنے پر، یا آزادگی پر اس لئے کہ لفظ عتق دونوں کو شامل ہے۔اور شرط اس کو کہتے ہیں کہ جو معدوم ہو لیکن پائے جانے کا امکان ہو، اور حکم کا تعلق شرط پر ہوتا ہے، اور جو مسئلہ ذکر کیا ہے وہ اسی طرح ہے، اور جو چیز معلق ہے وہ طلاق دینا ہے اس لئے تعلیقات میں طلاق دینے کا تصرف ہوسکتا ہے شرط پائے جانے کے وقت، ہمارے نزدیک، اور جب طلاق دینا اعتاق یا عتق پر معلق ہے اس لئے طلاق دینا پایا جائے گا عتق کے بعد، پھر طلاق پائی جائے گی تطلیق کے بعد، اس لئے طلاق عتق سے مؤخر ہو جائے گی اس لئے طلاق اس وقت واقع ہوگی جبکہ وہ آزاد ہو چکی ہوگی اس لئے دو طلاق سے حرمت غلیظہ نہیں ہوگی۔

تشریح: یہاں صاحب ہدایہ نے منطقی طور پر سمجھایا ہے۔ یہاں آٹھ الفاظ ہیں [۱] اعتاق: یہ مصدر ہے، آزاد کرنا۔ [۲] عتق: آزاد ہو چکی، یہ حکم ہے، یہاں عتق مولاک میں اعتاق مصدر بھی مراد لیا جا سکتا ہے، اور عتق حکم بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ یہ شرط ہے [۳] تیسرا لفظ تطلیق: مصدر ہے طلاق دینا۔ اس مسئلے میں یہ طلاق دینا ,مصدر، الطلاق حکم سے پہلے آئے گا۔ [۴] چوتھا لفظ ہے ,الطلاق: یہ حکم ہے، یہ تطلیق مصدر کے بعد میں آئے گا، اور یہ عتق شرط پائے جانے کے بعد جزا ہے۔ متن کی عبارت اس طرح ہوگی، اعتاق ،عتق ۔ التطليق ۔ الطلاق] پہلے اعتاق یا عتق آئے گا کیونکہ وہ شرط ہے اس کے ساتھ ہی مع کی وجہ سے التطلق مصدر آئے گا، اور اس تطلیق کے بعد الطلاق حکم آئے گا، اس لئے لازمی طور پر طلاق عتق کے بعد ہوئی اور دو طلاق آزادگی کے بعد ہوگی تو عورت اس سے مغلظہ نہیں ہوگی۔ [۵] پانچواں لفظ ہے ,الشرط ما يكون معدوما على خطر الوجود و للحكم تعلق به: اس عبارت میں شرط کی تعریف کی ہے کہ ,شرط: اسکو کہتے ہیں کہ وہ ابھی موجود نہ ہو لیکن موجود ہونا ممکن ہو، جیسے ابھی باندی آزاد نہیں ہے، لیکن آزاد ہونا ممکن ہے، پھر دوسری بات یہ کہی کہ حکم آنے کے لئے شرط کا پایا جانا ضروری ہے، جیسے طلاق ہونے کے لئے آزاد ہونا ضروری ہے۔ [۶] چھٹا جملہ ہے ,المذكور بهذه الصفة: اس کا مطلب یہ ہے کہ اوپر متن میں جو مسئلہ ہے وہ اسی قسم کا ہے، کہ عتق شرط ہے، اور الطلاق جزا ہے جو شرط کے بعد آئے گی۔ [۷] ساتواں جملہ ہے: المعلق به التطليق لان في

۲ یبقیشئ وھو ان کلمۃ مع للقران قلنا قد یذکر للتاخر کما فی قولہ تعالیٰ فان مع العسر یسراً ان مع العسر یسرافیحمل علیہ بدلیل ما ذکر نا من معنی الشرط (۱۷۹۲) ولو قال اذا جاء غد فانت طالق ثنتین وقال المولیٰ اذا جاء غدٌ فانت حرۃ فجاء الغد لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ وعدتھا ثلٰث حیض﴾ ا وھذا عند ابی حنیفۃ وابی یوسفؒ

التعلیقات یصیر التصرف تطلیقا عند الشرط عندنا :اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ،جس چیز کوعتق پر معلق کیا ہے وہ تطلیق مصدر ہے،اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ جب بھی شرط پر معلق ہوگا تو مصدر ہی معلق ہوگا،اور الطلاق جو حکم ہے اس کے بعد آئے گا۔

[۸] یصادفھا:طلاق عورت پر پڑے،طلاق عورت پر آئے گی۔

ترجمہ : ۲ ایک چیز باقی رہ گئی،وہ یہ کہ کلمہ مع ،ملانے کے لئے آتا ہے،ہم جواب دیتے ہیں کہ کبھی تاخیر کے لئے بھی آتا ہے جیسے کے اللہ تعالی کا قول:فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا (آیت ۵،سورۃ الشرح ۹۴)اس لئے اسی تاخیر پر حمل کیا جائے گا شرط کے معنی کی وجہ سے جو ہم نے پہلے ذکر کیا۔

تشریح : فرماتے ہیں کہ ایک اشکال باقی رہ گیا ہے،وہ یہ ہے مع تو ساتھ کے لئے آتا ہے تو یہاں طلاق کو عتاق کے بعد کیوں واقع کیا،تو اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ کبھی مع تاخیر کے معنی کے لئے بھی آتا ہے،جیسے آیت میں فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا،میں مع تاخیر کے معنی میں ہے اس لئے کہ تنگی کے ساتھ آسانی نہیں ہوگی بلکہ تنگی کے بعد آسانی آئے گی حالانکہ یہاں مع استعمال ہوا ہے،اسی طرح یہاں جزا شرط کے ساتھ واقع نہیں ہوسکتی اس لئے مع تاخیر کے لئے ہی ہوگا۔

ترجمہ : (۱۷۹۲) اگر شوہر نے کہا جب کل آئے تو تمکو دو طلاق۔اور آقا نے کہا جب کل آئے تو تم آزاد ہو،پس کل آیا تو حلال نہیں ہے جب تک کہ دوسری شادی نہ کرے،اور اس کی عدت تین حیض ہے۔

ترجمہ : ا یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں ہے۔

تشریح : یہ اس اصول پر ہے کہ،غد پر آزادی معلق ہو اور غد پر ہی طلاق بھی معلق ہو تو دونوں غد کے غ،پر واقع ہونگے،اور طلاق آزاد ہونے سے پہلے واقع ہو جائے گی اور باندی ہوتے وقت طلاق ہو تو دو طلاق ہی میں مغلظہ ہو جائے گی اور حلالہ کے بغیر پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ بیوی کسی کی باندی تھی،شوہر نے کہا کہ کل آئے تو تم کو دو طلاق ہیں،اور اس کے آقا نے کہا کہ کل آئے تو تم آزاد ہو،پس کل آیا تو آزادگی اور طلاق دونوں ایک ساتھ واقع ہوئے،اس لئے ذہنی طور پر طلاق آزادگی کی گ،سے پہلے واقع ہوئی اس لئے وہ دو طلاق میں مغلظہ ہوگئی اس لئے حلالہ کے بغیر پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔البتہ عدت گزارنا آزادگی کی حالت میں ہے اس لئے آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے۔

۲؎ وقال محمدؒ زوجها يملك الرجعة لان الزوج قرن الايقاع باعتاق المولى حيث علقه بالشرط الذى علق به المولى العتق وانما ينعقد المعلق سببا عند الشرط والعتق يقارن الاعتاق لانه علته اصله الاستطاعة مع الفعل فيكون التطليق مقارناً للعتق ضرورةً فتطلق بعد العتق فصار كالمسألة الاولىٰ ولهٰذا يقدر عدتها بثلث حيض

ترجمه : ۲؎ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کا شوہر رجعت کا مالک ہے، اس لئے کہ شوہر نے طلاق کے واقع کرنے کو آقا کے آزاد کرنے پر معلق کیا اس طرح کہ شوہر نے طلاق کو اس شرط پر معلق کیا جس شرط پر آقا نے آزادگی کو معلق کیا [یعنی کل پر] اور جس چیز کو معلق کیا وہ سبب بنتی ہے شرط کے پائے جاتے وقت، اور عتق اعتاق کے ساتھ ہوگا، اس لئے آزاد کرنا آزاد ہونے کا سبب ہے [اور علت کا مطلب یہ ہے کہ کام کے ساتھ کام کرنے کی قدرت بھی ہو، اس لئے مجبوری کے درجے میں طلاق دینا آزاد ہو جانے کے ساتھ ہوگا، اس لئے آزاد ہو جانے کے بعد طلاق واقع ہوگی، اس لئے یہ مسئلہ پہلے مسئلے کی طرح ہو جائے گا، اور اسی لئے اس کی عدت تین حیض ہے۔

تشریح : امام محمدؒ کے یہاں گویا کہ آزاد ہونے کے بعد طلاق واقع ہوئی اس لئے دو طلاق میں مغلظہ نہیں ہوگی اس لئے شوہر کو رجعت کرنے کا حق ہوگا۔

وجه : انکی دلیل منطقی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آقا نے کل پر آزاد ہونے کو معلق کیا ہے، اور شوہر نے بھی کل ہی پر طلاق دینے کو معلق کیا اس لئے طلاق آزاد ہو جانے کے بعد واقع ہوگی اس لئے وہ مغلظہ نہیں ہوگی۔

یہاں چار الفاظ سمجھنا ضروری ہے [۱] اعتاق: عتق کا مصدر ہے، آزاد کرنا۔ اس کو علت کہتے ہیں کیونکہ اسی سے آزادگی واقع ہوتی ہے، اور علت کا معنی یہ بتاتے ہیں ,اصلہ استطاعۃ مع الفعل: کہ ابھی وہ کام ہوا نہ ہو لیکن آدمی اس کو کرنے پر قادر ہو، اور جب شرط پائی جائے یعنی کل آجائے تو آزادگی واقع ہو جائے [۲] دوسرا لفظ عتق ہے، اس کا ترجمہ ہے آزاد ہو چکا ہے، یہ اعتاق مصدر کے بعد ہوتا ہے۔

[۳] تطلیق: طلاق کا مصدر ہے، طلاق دینا ۔اس کو علت کہتے ہیں کیونکہ اسی سے طلاق واقع ہوتی ہے، اور جب شرط پائی جائے یعنی کل آجائے تو طلاق واقع ہو جائے [۴] دوسرا لفظ طلاق ہے، اس کا ترجمہ ہے طلاق ہو چکی ہے، یہ تطلیق مصدر کے بعد ہوتا ہے۔

اور طلاق کے مؤخر ہونے کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ تطلیق جو مصدر ہے وہ عتق کے مقارن نہیں ہوگا بلکہ عتق کے مقارن ہوگا، پس جب تطلیق مصدر عتق کے مقارن ہوا تو طلاق [طلاق ہو جانا] آزاد ہو جانے کے بعد ہوگا، پس طلاق آزاد ہو جانے کے بعد ہوا تو دو طلاق

۳ ولهما انها علق الطلاق بما علق به المولى العتق ثم العتق يصادفها وهى امة فكذا الطلاق والطلقتان تحرمان الامة حرمة غليظة ۴ بخلاف المسألة الاولىٰ لانه علق التطليق باعتاق المولىٰ فيقع الطلاق بعد العتق على ماقررناه

سے مغلظہ نہیں ہوگی۔

امام محمدؒ کے نزدیک اس کے موازنہ کی صورت یہ ہوگی۔

غد ۔ اعتاق ۔ عتق
= .... تطلیق ۔ طلاق

اس عبارت میں دیکھیں کہ تطلیق اعتاق کے ساتھ نہیں بلکہ عتق کے ساتھ واقع ہوا، اور طلاق عتق کے بعد ہے۔ اس لئے دو طلاق سے مغلظہ نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے موازنہ کی صورت یہ ہوگی۔

غد ۔ اعتاق ۔ عتق
= التطلیق ۔ طلاق

اس عبارت میں دیکھیں کہ تطلیق اعتاق کے ساتھ واقع ہوا ہے۔ اور طلاق عتق کے ساتھ واقع ہوا ہے، اس لئے طلاق باندی ہونے کی حالت میں واقع ہوئی اس لئے دو طلاق میں مغلظہ ہوگی

لغت: انما ینعقد المعلق سببا عند الشرط: معلق سے مراد تطلیق اور اعتاق ہے، یہ شرط پائے جاتے وقت یعنی کل کے آنے پر منعقد ہوگا، اور جب شرط پائی جائے گی تو اعتاق کے بعد عتق، اور تطلیق کے بعد طلاق آئے گی۔

ترجمہ: ۳ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ طلاق کو اس پر [کل] معلق کیا جس پر آقا نے آزادگی کو معلق کیا ہے پھر عتق آئے گا اس حال میں کہ وہ باندی ہے، ایسے ہی طلاق بھی اس حال میں آئے گی کہ وہ باندی ہے ، اور دو طلاق میں باندی حرمت غلیظہ نہیں ہوتی۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ کل پر آقا نے آزادگی کو معلق کیا ہے، اور شوہر نے طلاق کو معلق کیا ہے، اس لئے آزادگی اس وقت آئے گی جبکہ وہ باندی ہے تو طلاق بھی اس وقت آئے گی جبکہ وہ باندی ہے اس لئے باندی ہونے کی حالت میں دو طلاق ہوئی، اس لئے وہ دو طلاق میں مغلظہ نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۴ بخلاف پہلے مسئلے کے اس لئے کہ طلاق کو آقا کی آزادگی پر معلق کیا ہے اس لئے طلاق آزادگی کے بعد واقع ہوگی،

۵ وبخلاف العدة لانه يوخذ فيها بالاحتيا ط وكذا الحرمة الغليظة يوخذ فيها بالاحتياط ٦ ولا وجه الى ماقال لان العتق لو كنا يقارن الاعتاق لانه علته فالطلاق يقارن التطليق لانه علته فيقترنان

جیسا کہ ہم نے ثابت کیا ہے۔

تشریح: یہ امام محمدؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ یہ مسئلہ پہلے مسئلے کی طرح ہو گیا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ پہلے مسئلے میں شوہر نے طلاق کو آقا کی آزادگی پر معلق کیا تھا اس لئے لازمی بات ہے کہ پہلے آزادگی ہوگی اس کے بعد طلاق آئے گی اس لئے طلاق آزاد ہونے کے بعد آئی۔ یہاں آزادگی اور طلاق دونوں ایک ساتھ آئے گی، اور آزادگی باندی ہونے کی حالت میں آئے گی تو طلاق بھی باندی ہونے کی حالت میں ہی آئے گی۔

ترجمہ: ۵ بخلاف عدت کے اس لئے کہ اس میں احتیاط کو لیا جاتا ہے، ایسے ہی حرمت غلیظہ میں احتیاط کو لیا جاتا ہے۔

تشریح: یہ بھی امام محمدؒ کو جواب دیا جا رہا ہے، انہوں نے کہا تھا کہ آزاد عورت کی عدت تین حیض گزارنا پڑتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آزاد ہونے پر طلاق ہوئی، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جب وہ عدت گزار رہی ہے تو وہ آزاد ہے اس لئے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آزاد کی عدت گزارے۔ اور طلاق میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ دو طلاق ہی میں غلیظہ ہو جائے، اس لئے دو طلاق ہی میں مغلظہ ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٦ اور امام محمدؒ نے جو فرمایا اس کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ عتق اگر اعتاق کے ساتھ ہوگا اس لئے کہ اس کی علت ہے تو طلاق بھی تطلیق کے ساتھ ہوگی اس لئے کہ وہ اس کی علت ہے تو عتق اور طلاق ایک ساتھ ہو جائیں گے۔

تشریح: یہ امام محمدؒ کو جواب ہے۔ امام محمدؒ نے جو فرمایا کہ اعتاق مصدر کے بعد عتق فعل آئے گا تو اسی طرح تطلیق مصدر کے بعد طلاق فعل آئے گا تو عتق اور طلاق دونوں ایک ساتھ ہو جائیں گے، اور عتق واقع ہوگا باندی ہونے کی حالت میں تو طلاق بھی واقع ہوگی باندی ہونے کی حالت میں اس لئے دو طلاق سے مغلظہ نہیں ہوگی۔ ۔ یقترنان: دونوں مل جائیں گے۔

Settings\Administrator.USER\My Documents\3) JPEG CLIPART\ANEMONE.JPEG.jpg not found.

﴿فصل فی تشبیه الطلاق ووصفه﴾

(۱۷۹۳) ومن قال لامرأته انت طاق هکذ یشیر بالابهام والسبّابة والوسطے فھی ثلٰث﴾ ۱؎ لان الاشارة بالاصابع تفید العلم بالعدد فی مجری العادة اذا اقترنت بالعدد المبھم قال علیه السلام الشھر ھکذا وھکذا الحدیث ۲؎ وان اشاربواحدة فھی واحدة وان اشاربالثنتین فھی ثنتان لما قلنا

﴿فصل فی تشبیہ الطلاق ووصفہ﴾

ضروری نوٹ : اس باب میں یہ بیان کریں گے کہ طلاق کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دے اس سے کیا طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ : (۱۷۹۳) کسی نے اپنی بیوی سے کہا تو طلاق والی ہے اس طرح، اور انگوٹھے اور شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا تو یہ تین طلاقیں ہیں۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ انگلی سے اشارہ کرنا عدد کے جاننے کا فائدہ دیتا ہے عادۃ جبکہ مبہم عدد کے ساتھ ملایا جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا الشھر ھکذ اوھکذا۔ الحدیث۔

تشریح : کسی نے بیوی سے کہا کہ تمکو اس طرح طلاق اور تین انگلیوں سے اشارہ کیا، انگوٹھے کی انگلی سے اور شہادت کی انگلی سے اور درمیان کی انگلی سے تو اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ عام محاورے میں انگلیوں سے اشارہ کیا جائے اور تعداد مبہم ہو تو جتنی انگلیوں سے اشارہ کیا اتنے عدد مراد ہوتے ہیں، یہاں تین انگلیوں سے اشارہ کیا ہے اس لئے تین مراد ہوں گے اور تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ (۲) حضورؐ نے مہینے کے عدد بیان کرنے کے لئے انگلیوں سے اشارہ فرمایا تھا جس سے معلوم ہوا کہ انگلیوں کا اشارہ بھی عدد بیان کرنے کے لئے کافی ہے، صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ سمع ابن عمرؓ یحدث عن النبی ﷺ قال انا امة امّیة لا نکتب و لا نحسب ، الشھر ھکذا و ھکذا و ھکذا و عقد الابھام فی الثالثة ،و الشھر ھکذا و ھکذا و ھکذا یعنی تمام ثلاثین (مسلم شریف، باب وجوب صوم رمضان لرؤیۃ الھلال والفطر لرویۃ الھلال ،ص ۴۴۱،نمبر ۱۰۸۰ /۲۵۱۱ /بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ لانکتب ولانحسب ،ص ۳۰۷،نمبر ۱۹۱۳) اس حدیث میں حضورؐ نے انگلیوں سے اشارہ کر کے انتیس اور تیس تاریخ بتائی۔

ترجمہ : ۲؎ اور اگر اشارہ کیا ایک انگلی سے ایک طلاق ہوگی، اور اگر اشارہ کیا دو سے تو دو طلاق ہوں گی، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے کہا۔

تشریح: انت طالق ھکذا کہا اور ایک انگلی سے اشارہ کیا تو ایک طلاق ہوگی، اور دو انگلیوں سے اشارہ کیا تو دو طلاق ہوگی، کیونکہ مبہم عدد کو انگلیوں کی مدد سے واضح کیا، اس لئے جتنی انگلیوں سے اشارہ کرے گا اتنی طلاق واقع ہوگی۔

۳ والاشارة تقع بالمنشورة منها ۴ وقيل اذا اشاربظهورها فبالمضمومة منها ۵ واذا كان تقع الاشارة بالمنشورة منها فلونوى الاشارة بالمضموتين يصدق ديانة لاقضاء وكذا اذا نوى الاشارة بالكف حتى يقع فى الاولىٰ ثنتان ديانة وفى الثانية واحدة لانه يحتمله لكنه خلاف الظاهر

ترجمہ : ۳ اشارہ واقع ہوگا کھلی ہوئی انگلی سے۔

وجہ : (۱) محاورے میں یہی ہے کہ کھلی ہوئی جو انگلی ہوتی ہے اسی سے اشارہ کا اعتبار ہوتا ہے، مثلا دو انگلیاں کھلی ہوئی ہیں اور تین بند ہیں تو دو کا اعتبار ہوگا، اور دو ہی طلاق واقع ہوگی۔ (۲) اس حدیث میں بھی کھلی ہوئی کا اعتبار رہا۔ **سمع ابن عمرؓ يحدث عن النبى ﷺ قال انا امة امّية لا نكتب و لا نحسب ، الشهر هكذا و هكذا و هكذا و عقد الابهام فى الثالثة ،و الشهر هكذا و هكذا و هكذا يعنى تمام ثلاثين** (مسلم شریف، باب وجوب صوم رمضان لرؤیۃ الھلال والفطر لرویۃ الھلال، ص ۴۴۱، نمبر ۱۰۸۰/۲۵۱۱/بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ لانکتب ولانحسب، ص ۳۰۷، نمبر ۱۹۱۳) اس حدیث میں جو انگلیاں کھلی ہوئیں تھیں اسی سے انتیس اور تیس متعین کئے، اور انگوٹھا جو بند فرمایا اس سے اشارہ کی نفی کی۔

ترجمہ: ۴ کہا گیا ہے کہ اگر اشارہ کیا انگلیوں کی پشت سے تو بند انگلیوں سے اشارہ واقع ہوگا

تشریح: اوپر بتایا کہ کھلی انگلیوں کے اشارے کا اعتبار ہوگا، لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ انگلیوں کی پشت سے اشارہ کرے تو پھر جو انگلیاں بند ہیں اس کے اشارے کا اعتبار ہوگا۔

ترجمہ: ۵ اگر بات ایسی ہے کہ اشارہ کھلی ہوئی انگلیوں سے مانا جاتا ہے پس اگر نیت کی دو بند انگلیوں سے تو دیانت کے طور پر مان لی جائے گی، قضاء نہیں مانی جائے گی، ایسے ہی اگر نیت کی ہتھیلی کے ساتھ اشارے کی، یہاں تک کہ پہلی صورت میں دو طلاق واقع ہوگی دیانۃ اور دوسری صورت میں ایک طلاق، اس لئے کہ بند کا بھی احتمال رکھتا ہے لیکن یہ خلاف ظاہر ہے۔

تشریح: اصل اعتبار تو کھلی ہوئی انگلی کا ہے لیکن بند انگلی کے اشارے کا بھی احتمال رکھتا ہے، اس لئے اگر بند انگلی کے اشارے کی نیت کرے گا تو اس کا اعتبار کیا جائے گا، لیکن چونکہ ظاہر کے خلاف ہے اس لئے اس قضاء کے طور پر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ اگر تین انگلیاں کھلی ہوئی تھی اور دو انگلیاں بند تھیں اور بند انگلیوں کی نیت کی تو دو طلاق واقع ہوں گی، یہ پہلی صورت ہے۔ اور اگر ہتھیلی سے اشارے کی نیت کی تب بھی دیانۃ اس کا اعتبار کیا جائے گا، اور اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی، کیونکہ ہتھیلی ایک ہے۔

لغت : منشورۃ: کھلی۔ بظہورھا: انگلیوں کی پشت سے۔ مضموۃ: انگلیاں بند ہوں۔ الکف: ہتھیلی۔

۶ ولو لم یقل هكذا یقع واحدة لانه لم تقترن بالعدد المبهم فبقی الاعتبار لقوله انت طالق

(۱۷۹۴) واذا وصف الطلاق بضرب من الزیادة والشدة كان بائنا مثل ان یقول انت طالق بائن او البتة ﴾ **۱** وقال الشافعیؒ یقع رجعیا اذا كان بعد الدخول لان الطلاق شرع معقبا للرجعة فكان وصفه بالبینونة خلاف المشروع فیلغو كما اذا قال انت طالق علی ان لا رجعة لی علیک

ترجمه: **۶** اور اگر ھکذا نہیں کہا تو ایک طلاق واقع ہوگی اس لئے کہ عدد مبہم نہیں ملا تو انت طالق کے قول کا اعتبار باقی رہ گیا [اور اس سے ایک طلاق واقع ہوگی]

تشریح: انت طالق کے بعد ھکذا نہیں کہا تو اب دو یا تین طلاق کا اشارہ نہیں ہے اس لئے اب صرف انت طالق باقی رہ گیا اس لئے اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۹۴) اگر طلاق کی صفت ہو کسی زیادتی اور شدت کے ساتھ تو طلاق بائن ہوگی، مثلا یہ کہے کہ تمکو طلاق بائن ہے، یا طلاق البتہ ہے۔

تشریح: انت طالق کے ساتھ یا طلاق صریح کے ساتھ کوئی ایسا جملہ بڑھا دیا جس سے طلاق کی شدت محسوس ہوتی ہو تو اس سے طلاق رجعی کے بجائے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ مثلا انت طالق کے ساتھ بائن لگایا، یا انت طالق کے ساتھ البتہ لگا دیا تو بائن اور البتہ شدت کا جملہ ہے اس لئے اس سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

وجہ: (۱) انت طالق کی وجہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوئی۔ اور مزید کوئی شدت کا جملہ مثلا بائن یا البتہ لگا دیا تو ان سے طلاق میں شدت واقع ہوگی۔ تو اس سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ اور اگر اس سے تین کی نیت کرے گا تو تین واقع ہوگی۔ کیونکہ اس کا احتمال رکھتا ہے (۲) ان عمر بن الخطاب سئل عن رجل طلق امرته البتة ؟ فقال الواحدة تبت راجعها (مصنف عبد الرزاق، باب البتة والخلية، ج سادس، ص ۲۷۸، نمبر ۱۱۲۱۸) اس اثر میں ہے کہ البتہ کہا تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ (۳) عن هشام بن عروة عن ابیه قال اذا طلق الرجل امرأته البتة فهی بائنة منه بمنزلة الثلاث . (مصنف عبد الرزاق، باب البتة والخلية، ج سادس، ص ۲۸۰، نمبر ۱۱۲۲۴) اس اثر میں ہے کہ البتہ میں طلاق بائنہ ہے اور تین بھی ہو سکتی ہے۔ (۴) عن ابراهیم فی الخلية ان نوی طلاقا فادنی ما یكون تطلیقة بائن ، ان شاء و شائت تزوجها و ان نوی ثلاثا فثلاث (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی الخلیۃ، ج رابع، ص ۹۶، نمبر ۱۸۱۴۸) اس اثر میں ہے کہ خلیۃ کے لفظ میں ادنی درجہ یہ ہے کہ طلاق بائن ہو اسی طرح بائن کے لفظ سے بھی طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

ترجمہ: **۱** امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اگر دخول کے بعد طلاق دی ہو، کیونکہ طلاق اس حال میں مشروع

کی گئی ہے کہ اس کے بعد رجعت ہو پس اس کا وصف بینونت مشروع کے خلاف ہے اس لئے لغو ہوگا، جیسے یوں کہے، تجھ کو طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجعت کا حق نہیں ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر عورت مدخول بھا ہو تو انت طالق بائن، یا انت طالق البتۃ سے بھی طلاق بائنہ واقع نہیں ہو گی بلکہ طلاق رجعی واقع ہوگی۔موسوعۃ میں ہے۔**قال الشافعیؒ و البتة تشدید الطلاق و محتمله لان یکون زیادة فی عدد الطلاق ، و قد جعلها رسول الله ﷺ اذا لم یرد رکانة الا واحدة واحدة یملک فیها الرجعة ففیه دلائل** ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ باب الحجۃ فی البتۃ وما اشبھھا، ج ۱۱ ،ص ۴۱۰ ،نمبر ۲۰۰۲۹)اس عبارت میں ہے کہ بائن اور البتۃ جیسے جملے سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور تین کی نیت کرے گا تو تین طلاق ہوگی تاہم طلاق بائن نہیں ہوگی۔ پس جس طرح یوں کہے کہ تم کو طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجعت کا حق نہیں ہے تو یہ کلام لغو ہو جائے گا اسی طرح یہ لفظ بھی لغو ہو جائے گا۔۔اور دخول کے بعد کی قید اس لئے لگائی کہ اگر دخول سے پہلے طلاق دی تو بائنہ کا لفظ نہ بھی ہو صرف انت طالق کا لفظ ہو تب بھی ایک طلاق بائنہ ہی پڑے گی، کیونکہ اس پر عدت بھی نہیں ہے اور اس سے رجعت بھی نہیں کر سکتا۔

وجه : (۱) دلیل عقلی یہ پیش کی ہے کہ طلاق اس لئے مشروع ہوئی ہے کہ اس کے بعد رجعت کر سکے اور بائن اس کے ساتھ لگا دیں تو یہ مشروع کے خلاف ہے اس لئے بائن اور البتۃ جیسے الفاظ کا لگانا مشروعیت کے خلاف ہے اس لئے وہ لغو ہو جائیں گے، اب صرف انت طالق باقی رہا، اس لئے اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔(۲) حدیث میں ہے کہ البتۃ جیسے جملے سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الله بن علی بن السائب عن نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانة ان رکانة بن عبد یزید طلق امرأته سهیمیة البتة فاخبر النبی ﷺ بذالک و قال والله ! ما اردت بها الا واحدة فقال رسول الله ﷺ و الله ! ما اردت الا واحدة فقال رکانة و الله ما اردت الا واحدة فردها الیه رسول الله ﷺ فطلقها الثانیة فی زمان عمر و الثالثة فی زمان عثمان** (ابوداود شریف، باب فی البتۃ ،ص ۳۱۹ ،نمبر ۲۲۰۶)اس حدیث کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ بائن یا البتۃ جیسے الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ (۳) اس اثر میں ہے۔**عن ابراهیم عن عمر و عبد الله فی البائن تطلیقة و هو املک برجعتها** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ما قالوا فی البائن ، ج رابع ،ص ۹۷ ،نمبر ۱۸۱۶۱ ؍مصنف عبد الرزاق ، باب البتۃ والخلیۃ ، ج سادس ،ص ۲۷۹ ،نمبر ۱۱۲۲۰) اس اثر میں ہے کہ لفظ بائن میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔(۴) اس اثر میں بھی ہے۔**عن ابراهیم عن عمر :فی الخلیة و البریة و البتة و البائنة هی واحدة و هو احق بها** (مصنف عبد الرزاق ، باب البتۃ والخلیۃ ، ج سادس ،ص ۲۷۹ ،نمبر ۱۱۲۲۰)اس اثر میں ہے کہ لفظ خلیۃ ، بریۃ البتۃ اور بائنۃ کے الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

۲؎ ولنا انه وصفه بما یحتمله لفظه الا تری ان البینونة قبل الدخول وبعد العدة تحصل به فیکون هذاالوصف لتعیین احد المحتملین ۳؎ ومسألة الرجعة ممنوعة ۴؎ فتقع واحدة بائنة اذا لم تکن له نیة او نوی الثنتین اما اذا نوی الثلث فثلٰث لما مر من قبل

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق کے ساتھ ایسا وصف لگایا جس کا احتمال رکھتا تھا، کیا نہیں دیکھتے ہیں کہ دخول سے پہلے بائنہ ہوتی ہے، یا عدت کے بعد اسی انت طالق سے بائنہ ہو جاتی ہے اس لئے یہ وصف دو احتمالوں میں سے ایک کو متعین کرنے کے لئے ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ انت طالق میں طلاق بائنہ کا بھی احتمال ہے اس لئے طالق کے بعد بائنہ کی صفت بڑھا دیا تو دو احتمالوں میں سے ایک کو متعین کر دیا، اس لئے بائن کے لفظ بڑھانے سے طلاق بائنہ واقع ہوگی، انت طالق میں بائنہ کا احتمال ہے اس کی دو دلیلیں ہیں [۱] دخول سے پہلے صرف انت طالق کہتا تو طلاق بائنہ ہی واقع ہوتی، کیونکہ اس میں رجعت بھی نہیں ہے اور عدت بھی نہیں ہے، اس سے پتہ چلا کی انت طالق میں بائنہ کا احتمال ہے۔ [۲] دوسری دلیل یہ ہے کہ مدخول بھا کو انت طالق کہہ کر ایک طلاق رجعی دے دی جائے تو عدت گزرنے کے بعد یہ طلاق بائنہ ہو جاتی ہے، یہ بھی دلیل ہے کہ انت طالق میں بینونت کا احتمال ہے تب ہی تو کسی نہ کسی حالت میں وہ بائنہ ہوتی ہے، اس لئے انت طالق کے بعد بائنہ کا لفظ بڑھایا تو ایک احتمال کو متعین کیا اس لئے لغو نہیں ہوگا، بلکہ اس سے بائنہ واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ اور رجعت کا مسئلہ ممنوع ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ، انت طالق علی ان لا رجعۃ لی علیک، کہے تو ان لا رجعت لی علیک، لغو ہو جائے گا، اور پھر بھی رجعت کا حق ہوگا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے کہ یہ لغو ہو جائے گا، بلکہ یہ باقی رہے گا اور اس سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۴؎ اس لئے ایک بائنہ واقع ہوگی اگر نیت نہ کی ہو، یا دو کی نیت کی ہو، بہر حال اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوگی، اس دلیل کی بنا پر جو پہلے گزری۔

تشریح: اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بائن، اور البتۃ مصدر کے صیغے کی طرح فرد واحد ہوتا ہے، یا سب کو ملا کر ایک مجموعہ قرار دیا جا سکتا ہے جسکو منطق میں جنس کہتے ہیں وہ مراد لی جا سکتی ہے، اس کو فرد حکمی کہتے ہیں، آزاد عورت میں تین طلاق سب کا مجموعہ ہے [فرد حکمی ہے] اس لئے تین مراد لی جا سکتی ہے، لیکن دو طلاق نہ فرد واحد ہے اور نہ مجموعہ [جنس] ہے اس لئے مصدر کا صیغہ الطلاق، یا بائن یا البتۃ بول کر دو مراد نہیں لے سکتے۔ اس کی تفصیل مسئلہ نمبر ۱۷۵۷ میں گزر چکی ہے۔

۵ ولو عنی بقوله انت طالق واحدة وبقوله بائن او البتة اخری یقع تطلیقتان بائنتان لان هذا الوصف یصلح لابتداء الایقاع (۱۷۹۵) وکذا اذا قال انت طالق افحش الطلاق ﴾ ل لانه انما یوصف بهذالوصف لاعتبار اثره وهو بینونة فی الحال فصارکقوله بائن (۱۷۹۶) و کذا اذ قال أخبث الطلاق او أسوأه ﴾ ل لما ذکرنا (۱۷۹۷) اذا قال طلاق الشیطان او طلاق البدعة ﴾ ل لان الرجعی هو السنة فیکون البدعة وطلاق الشیطان بائنا

ترجمہ: ۵ اور اگر انت طالق سے ایک طلاق اور بائن سے یا البتۃ سے دوسری طلاق مراد لی تو دو طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ وصف شروع سے طلاق واقع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

تشریح: بائن اور البتۃ کے لفظ میں اس بات کی صلاحیت ہے کہ شروع سے طلاق دے اس لئے اس سے طلاق کی نیت کرے گا تو طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی، اور ایک طلاق بائنہ ہوئی تو دوسری طلاق بھی بائنہ ہی واقع ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۱۷۹۵) ایسے ہی اگر کہا انت طالق افحش الطلاق [تمکو فحش والی طلاق ہے] تو طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

ترجمہ: ل اس لئے طلاق کو اس وصف کے ساتھ متصف کیا گیا ہے اس کے اثر کے اعتبار سے اور وہ اثر فی الحال بینونت ہے تو ایسا ہو گیا جیسا کہ انت بائن ہو۔

تشریح: انت طالق افحش الطلاق، میں افحش [فحش والی] شدت کا جملہ ہے اور اس کا اثر یہ ہے کہ فی الحال بائنہ ہو اس لئے اس سے طلاق بائنہ ہوگی۔ جیسے انت بائن سے طلاق بائنہ ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۹۶) ایسے ہی اگر کہا اخبث الطلاق، یا اسوأ الطلاق۔

ترجمہ: ل اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا۔

تشریح: اگر انت طالق اخبث الطلاق، یا انت طالق اسوأ الطلاق کہا، تو چونکہ اخبث الطلاق کا معنی ہے خبیث طلاق، اور اسوأ الطلاق کا معنی ہے بری طلاق، تو ان دونوں لفظوں میں بائن کی طرح شدت ہے اس لئے ان سے بھی طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۹۷) ایسے ہی اگر تم کو شیطان کی طلاق ہے، یا بدعت طلاق ہے [تو اس سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ رجعی طلاق وہ سنت ہے اس لئے بدعت اور شیطان کی طلاق وہ بائن ہوگی۔

تشریح: رجعی طلاق سنت کے طریقے کی طلاق ہے اس لئے جب یہ کہا کہ شیطان کی طلاق ہو یا بدعت طلاق ہو تو اس میں شدت پائی گئی اس لئے اس سے طلاق بائن واقع ہوگی۔

۲؎ وعن ابی یوسفؒ فی قوله انت طالق للبدعة انه لا یکون بائنا الا بالنیة لان البدعة قد تکون من حیث الایقاع فی حالة حیض فلا بد من النیة ۳؎ وعن محمدؒ انه اذا قال انت طالق للبدعة او طلاق الشیطان یکون رجعیاً لان هٰذا الوصف قد یتحقق بالطلاق فی حالة الحیض فلا یثبت البینونة بالشک (۱۷۹۸) وکذا اذا قال کالجبل ﴾ ۱؎ لان التشبیه به یوجب زیادة لا محالة وذلک باثبات زیادة الوصف وکذا اذا قال مثل الجبل لما قلنا

ترجمہ: ۲؎ حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ انت طالق للبدعۃ، میں نیت کے بغیر بائنہ نہیں ہوگی اسلئے کہ بدعت کبھی حیض کی حالت میں واقع ہونے کے اعتبار سے ہوتی ہے اس لئے نیت ضروری ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں۔ بدعت کی دو صورتیں ہیں [۱] ایک یہ ہے کہ طلاق بائنہ دے یہ بھی بدعت ہے [۲] اور دوسری صورت ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دے یہ بھی بدعت ہے، اس لئے یہ ممکن ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دے رہا ہو اس لئے انت طالق للبدعۃ میں طلاق بائنہ دینے کی نیت کرے تب طلاق بائنہ ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ امام محمدؒ سے ایک روایت ہے کہ انت طالق للبدعۃ، یا طلاق الشیطان کہا تو اس سے طلاق رجعی ہوگی اس لئے یہ وصف حیض کی حالت میں طلاق دینے سے ہوتا ہے، اس لئے شک کی وجہ سے بینونت ثابت نہیں ہوگی۔

تشریح: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ، حیض کی حالت میں طلاق دے تو یہ بھی بدعت والی طلاق اور شیطان والی طلاق ہوتی ہے، اس لئے اس بات میں شک ہو گیا کہ اس سے طلاق بائنہ ہی ہو اس لئے شک کی وجہ سے طلاق بائنہ واقع نہیں ہوگی، بلکہ طلاق رجعی واقع ہوگی۔

ترجمہ: (۱۷۹۸) ایسے ہی اگر کہا کہ تمکو طلاق ہے پہاڑ کی طرح۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ پہاڑ کے ساتھ تشبیہ لامحالہ زیادتی واجب کرتی ہے، اور یہ وصف کی زیاتی کے ساتھ ہوگا۔ اور ایسے ہی اگر کہا مثل الجبل [پہاڑ جیسی طلاق]۔

تشریح: یہاں طلاق کو پہاڑ جیسی عظیم چیز سے تشبیہ دی ہے اس لئے طلاق کی صفت میں بھی زیادتی ہونی چاہئے اور یہ اسی صورت میں ہوگا کہ طلاق بائنہ قرار دی جائے، اس لئے اس سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ اس میں یہ بھی بتایا کہ انت طالق کالجبل، کہے یا مثل الجبل کہے دونوں سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

وجہ: (۱) اس اثر میں ہے اونٹ کے بوجھ جیسی طلاق دی تو اس سے طلاق تین طلاق واقع ہوئی، اس پر قیاس کرتے ہوئے پہاڑ جیسی طلاق دے تو طلاق بائنہ واقع ہونی چاہئے۔ اثر یہ ہے۔ عن علی فی رجل طلق امرأته حمل بعیر، قال لا تحل له

۲؎ وقال ابویوسف یکون رجعیاً لان الجبل شئ واحد فکان تشبیهاً به فی توحده (۱۷۹۹) ولو قال لها انت طالق اشد الطلاق او کالف او ملأ البیت فهی واحدة بائنة الا ان ینوی ثلثا ﴾

حتی تنکح زوجا غیره . (مصنف ابن ابی شیبة ،۳۷ ما قالوا فی الرجل یقول لامرأته انت طالق واحدة کالف وطالق حمل بعیر ،ج رابع ،ص۱۰۲،نمبر۱۸۲۱۵)۔

ترجمه : ۲؎ امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ طلاق رجعی ہوگی اس لئے کہ پہاڑ ایک چیز کی طرح ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ تشبیہ ایک ہونے میں ہوگی۔

تشریح : حضرت امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ ایک طلاق ہوگی، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ پہاڑ اگر چہ بڑی چیز ہے لیکن سب کو ملا کر ایک چیز ہے اس لئے ایک ہونے میں تشبیہ ہوئی اس لئے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

ترجمه : (۱۷۹۹) اور اگر کہا انت طالق اشد الطلاق، یا طلاق ہے ایک ہزار کی طرح، یا گھر بھر طلاق تو ایک طلاق بائنہ ہے، مگر یہ کہ نیت کرے تین کی [تو تین طلاق ہوگی]۔

تشریح : طلاق کے ساتھ شدت لگانے کی یہاں تین مثالیں دے رہے ہیں [۱] انت طالق اشد الطلاق [تمکو سخت طلاق ہے] اس عبارت میں شدت خود موجود ہے اس لئے ایک طلاق بائنہ ہوگی، اور اس میں الطلاق مصدر کا صیغہ ہے اور عبارت کی اصل ہوگی، انت طالق طلاقا ھو اشد الطلاق، اور پیچھے گزر چکا ہے کہ مصدر کے صیغے میں جنس کا احتمال رہتا ہے اس لئے تو حد حکمی کا اعتبار کر کے تین کی نیت کرنا چاہے تو تین واقع ہو جائیں گی۔ [۲] دوسرا جملہ ہے، انت طالق کالف [تمکو ایک ہزار کی طرح طلاق ہے] اس کے دو مطلب ہیں ایک یہ عدد میں تشبیہ ہو، اس صورت میں تین طلاق واقع ہوگی چنانچہ اس میں تین کی نیت کرے گا تین طلاق واقع ہوگی، اور دوسرا مطلب ہے کہ قوت میں ایک ہزار کی طرح ہے، پس اگر قوت میں تشبیہ دی تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی، اور کچھ نیت نہ ہو تو یہی ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

وجه : (۱) عن عائشة فی رجل طلق امرأته واحدة کالف قال لا تحل له حتی تنکح زوجا غیره. (مصنف ابن ابی شیبة ،۳۷ ما قالوا فی الرجل یقول لامرأته انت طالق واحدة کالف وطالق حمل بعیر ،ج رابع ،ص۱۰۲،نمبر۱۸۲۱۶) اس اثر میں ہے کہ ایک ہزار کی طرح طلاق دے تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگی۔

[۳] اور تیسرا جملہ انت طالق ملء البیت، [تمکو طلاق ہے گھر بھر] اس کے بھی دو مطلب ہیں، ایک ہے کہ عظمت کے اعتبار سے گھر بھر ہے اس اعتبار سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی، چنانچہ نیت نہیں کرے گا تو یہی طلاق واقع ہوگی، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ کثرت کے اعتبار سے گھر بھر ہے، اس اعتبار سے تین کی نیت کرے گا تو تین واقع ہوگی۔

ل اما الاولفلانه وصفه بالشدة وهی البائن لانه لا یحتمل الانتقاض والارتفاض اما الرجعی فیحتمله وانما تصح نیة الثلٰث لذکره المصدر ٢ے واما الثانی فلانه قد یراد بهٰذ التشبیه فی القوة تارةً وفی العدد اخری یقال هو الف رجل ویرادبه القوة فیصح نیة الامرین وعند فقدانها یثبت اقلهما

٣ وعن محمدٍ انه یقع الثلٰث عند عدم النیة لانه عدد فیرادبه التشبیه فی العدد ظاهراً فصار کما اذا قال انت طالق کعدد الف

عن قتادة قال فی رجل قال لامرأته انت طالق ملء بیت ، قال فرق بینهما قتادة ، ۔عبد الرزاق عن الثوری قال هي واحدة او ما نوی ۔(مصنف عبدالرزاق، باب انت طالق ملءبیت، ج سادس، ص۲۹۱،نمبر۱۱۲۹۸/۱۱۲۹۹) اس اثر میں ہے کہ گھر بھر کر طلاق کہا تو اس سے تفریق ہو جائے گی، یعنی طلاق بائنہ ہوگی۔

ترجمه : ل بہر حال پہلا لفظ تو اس کی صفت شدت کے ساتھ ہے اور وہ بائنہ ہے اس لئے کہ بائنہ ٹوٹنے اور چھوٹنے کا احتمال نہیں رکھتی، بہر حال رجعی طلاق تو ٹوٹنے اور چھوٹنے کا احتمال رکھتی ہے، اور تین کی نیت صحیح ہے مصدر کے ذکر کرنے کی وجہ سے۔

تشریح : پہلا جملہ انت طالق اشد الطلاق ہے اس میں طلاق کو شدت کے ساتھ متصف کیا ہے اور شدت کے ساتھ متصف کرنا طلاق بائنہ ہوتی ہے، کیونکہ بائنہ میں رجعت نہیں کر سکتا اس لئے طلاق ٹوٹتی نہیں ہے، اور اس میں تین کی نیت اس لئے صحیح ہے کہ اس میں الطلاق مصدر کا صیغہ ہے اور مصدر کے صیغے میں جنس کا اعتبار کرتے ہوئے فرد حکمی شمار کیا جائے گا اور آزاد عورت کے حق میں تین طلاق آخری جنس ہے اس لئے تین کی نیت کر سکتا ہے۔

ترجمه: ٢ بہر حال دوسرا لفظ تو اس لئے کہ اس سے کبھی قوت میں تشبیہ دینا مراد ہوتی ہے، اور کبھی عدد میں تشبیہ دینا مراد ہوتی ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ ایک ہزار مرد کی طرح ہے اور اس سے اس کی قوت مراد ہوتی ہے اس لئے دونوں باتوں کی نیت صحیح ہے، اور نیت نہ ہوتے وقت کم ثابت کی جائے گی۔

تشریح: دوسرا جملہ انت طالق کالف، ہے [تم کو طلاق ہے ایک ہزار کی طرح]، اس الف سے کبھی قوت میں تشبیہ دینا مقصد ہوتا ہے، کہ ایک ہزار مرد کی طاقت کی طرح طلاق ہو، چنانچہ محاورے میں کہتے ہیں ھوالف رجل، یعنی وہ ہزار مرد کی قوت رکھتا ہے، اگر یہ مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ایک ہی طلاق طاقت ور ہو اور وہ ایک طلاق بائنہ ہوگی، کیونکہ وہی طلاق طاقت ور ہے، اور دوسرا مطلب ہے کہ ہزار کی عدد میں تشبیہ دینا مقصود ہو، اس صورت میں مقصد ہوگا کہ ایک ہزار کی عدد طلاق ہو اور ایک ہزار ہو نہیں سکتی اس لئے تین طلاق واقع ہوگی۔ اور کوئی نیت نہ ہو تو کم سے کم طلاق یعنی ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

ترجمه : ٣ اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ نیت نہ ہوتے وقت تین واقع ہوگی اس لئے کہ ہزار عدد ہے ظاہری طور پر اس سے

۴ واما الثالث فلان الشئ قد یملأ البیت لعظمة فی نفسه وقد یملأ لکثرته فای ذلک نوی صحت نتیه وعند انعدام النیة ثبت الاقل ۵ ثم الاصل عند ابی حنیفةؒ انه متی شبه الطلاق بشئ یقع بائنا ای شئ کان المشبه بہ ذکر العظم اولم یذکر لما مر ان التشبیه یقتضی زیادة وصف ۶ وعند ابی یوسفؒ ان ذکر العظم یکون بائنا والافلا ای شئ کان المشبه بہ لان التشبیه قد یکون فی التوحد علی التجرید اما ذکرُ العظم فللزیادة لامحالة

عدد میں تشبیہ دینا مراد لی جاسکتی ہے اس لئے ایسا ہوگیا کہ کہے انت طالق کعدد الف، [تم ہزار کی عدد کی طرح طلاق والی ہے]

تشریح: امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ الف کا لفظ ظاہری طور پر عدد میں ہی تشبیہ دینے کے لئے آتا ہے، اس لئے عدد میں ہی تشبیہ دینا مراد لی جاسکتی ہے اس لئے کوئی نیت نہ ہو تو ظاہری کا اعتبار کرتے ہوئے ایک ہزار طلاق ہوگی، اور اتنی نہیں ہوسکتی تو طلاق کی آخری حد تین طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۴ بہر حال تیسرا جملہ تو اس لئے کہ شیء کبھی گھر کو بھرتی ہے اپنے بڑی ہونے کی وجہ سے، اور کبھی بھر دیتی ہے اپنے کثرت کی وجہ سے، اس لئے جو بھی نیت کرے گا وہ نیت صحیح ہوگی، اور نیت نہ ہوتے وقت کم درجہ ثابت ہوگا۔

تشریح: تیسرا جملہ ,انت طالق مل ءالبیت، ہے [تم کو طلاق ہے گھر بھر کر] مل ءالبیت، میں دو طرح کی تشبیہ ہے ایک یہ کہ کسی چیز کے بڑے ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں کہ گھر بھر ہے، دوسرا یہ کہ تعداد کے زیادہ ہونے کو گھر بھر کہتے ہیں، اس لئے اگر عظمت کی نیت کرے گا تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی، اور کثرت کی نیت کرے گا تو تین طلاق واقع ہوگی، اور کچھ نیت نہیں کرے گا تو کم سے کم درجہ ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۵ پھر امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ طلاق کو کسی چیز سے تشبیہ دی جائے تو طلاق بائنہ واقع ہوگی جس کے ساتھ تشبیہ دی ہے وہ کچھ بھی ہو اور عظمت کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو، کیونکہ دلیل گزر چکی ہے کہ تشبیہ زیادت وصف کا تقاضا کرتی ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ طلاق کو کسی بھی چیز کے ساتھ تشبیہ دے تو اس سے طلاق بائنہ واقع ہوگی، جس کے ساتھ تشبیہ دیا ہو [مشبہ بہ] وہ چیز بڑی ہو یا چھوٹی ہو، اور چاہے لفظ عظمة، کا وہاں ذکر ہو یا نہ ہو، انکی دلیل یہ ہے کہ تشبیہ دینا زیادت وصف کا تقاضا کرتا ہے، اور طلاق میں زیادت وصف بائنہ ہے، اس لئے کسی بھی چیز کے ساتھ تشبیہ دے تو اس سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۶ امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ عظمت کا ذکر کرے تو بائنہ ہوگی، اور عظمت کا ذکر نہ ہو تو بائنہ نہیں ہوگی مشبہ بہ کچھ بھی ہو کیونکہ تشبیہ کبھی ایک ہونے میں ہوتی ہے عظمت کے معنی سے خالی کر کے، بہر حال عظمت کا ذکر کرنا لامحالہ زیادتی کے لئے ہے۔

۷ وعند زفرؒ ان کان المشبه بہٖ مما یوصف بالعظم عند الناس یقع بائنا والا فھو رجعی ۸ وقیل محمدؒ مع ابی حنیفةؒ وقیل مع ابی یوسفؒ ۹ وبیانه فی قوله مثل رأس الابرة مثل عظم رأس الابرة مثل عظم رأس الابرة ومثل الجبل مثل عظم الجبل

تشریح : امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ تشبیہ کے اندر عظمت کا ذکر کرے گا تو طلاق بائنہ ہوگی، کیونکہ عظمت کے ذکر کرنے سے یقیناً صفت کی زیادتی ہوگی، اور صفت کی زیادتی بائنہ ہے اس لئے عظمۃ کا ذکر ہو تو طلاق بائنہ ہوگی، اور عظمت کا ذکر ہو نہ ہو تو چاہے کسی بڑی یا چھوٹی چیز کے ساتھ تشبیہ دی ہو تب بھی طلاق بائنہ نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑی چیز کے ساتھ تشبیہ کبھی ایک ہونے اور تو حد میں دی جاتی ہے، عظمت اور بڑائی کے لئے نہیں دی جاتی، تو چونکہ تو حد کا بھی امکان ہے اس لئے بائنہ ہونا ضروری نہیں۔

ترجمہ : ۷ اور زفرؒ کا اصول یہ ہے کہ جس کے ساتھ تشبیہ دی جا رہی ہو وہ لوگوں کے نزدیک عظیم ہو تو بائنہ ہوگی، ورنہ تو رجعی ہوگی۔

تشریح : امام زفرؒ کا اصول یہ ہے کہ جس کے ساتھ طلاق کو تشبیہ دی جا رہی ہے اگر وہ چیز لوگوں کے نزدیک عظیم ہے تو چاہے لفظ عظمت کا ذکر تشبیہ میں ہو یا نہ ہو طلاق بائنہ ہوگی، اور اگر وہ چیز لوگوں کے یہاں عظیم نہیں ہے تو طلاق رجعی ہوگی، کیونکہ عظیم چیز کے ساتھ ہی تشبیہ دینے سے شدت پیدا ہوگی اور بائنہ ہوگی۔

ترجمہ: ۸ کہا گیا ہے کہ امام محمدؒ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہے، اور کہا گیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہے۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ امام محمدؒ تشبیہ کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہے کہ کسی بھی چیز کے ساتھ تشبیہ دے گا تو بائنہ ہو جائے گی، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہے کہ عظمت کا ذکر ہوگا تو بائنہ ہوگی ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ۹ اس اختلاف کا ظہور اس کے قول [۱] انت طالق مثل رأس الابرة [۲] مثل عظم رأس الابرة [۳] مثل الجبل [۴] مثل عظم الجبل، میں ہوگا۔

تشریح: یہاں چار مثالیں دی گئی ہیں اوپر اصول کا اختلاف اس میں ظاہر ہوگا۔

[۱] پہلی مثال, انت طالق مثل رأس الابرة ۔ تمکو سوئی کے سر کے برابر طلاق۔ اس میں امام ابو حنیفہؒ کے یہاں بائنہ واقع ہوگی، کیونکہ تشبیہ موجود، چاہے سوئی جیسے چھوٹی سی چیز کے ساتھ ہی سہی۔ امام ابو یوسفؒ کے یہاں بائنہ نہیں ہوگی اس لئے کہ عظمۃ کا لفظ نہیں ہے۔ امام زفرؒ کے یہاں بھی نہیں ہوگی، کیونکہ سوئی بڑی چیز نہیں ہے۔

[۲] انت طالق مثل عظم رأس الابرة ۔ تمکو سوئی کے بڑے سر کے برابر طلاق۔ اس میں امام ابو حنیفہؒ کے یہاں بائنہ واقع ہوگی، کیونکہ تشبیہ موجود، چاہے سوئی جیسے چھوٹی سی چیز کے ساتھ ہی سہی۔ امام ابو یوسفؒ کے یہاں بھی بائنہ ہوگی اس لئے کہ عظمۃ کا لفظ

(۱۸۰۰) ولو قال انت طالق تطليقة شديدة او عريضة او طويلة فهي واحدة بائنة ﴾ ۱؎ لان ما لايمكن تداركه يشتد عليه وهو البائن وما يصعب تداركه يقال لهذا الامر طول وعرض ۲؎ وعن ابي يوسفؒ انه يقع بها رجعية لان هٰذا الوصف لا يليق به فيلغو

ہے۔امام زفرؒ کے یہاں نہیں ہوگی، کیونکہ سوئی بڑی چیز نہیں ہے۔

[۳] انت طالق مثل الجبل ۔تمکو پہاڑ کی طرح طلاق ہے ۔اس میں امام ابوحنیفہؒ کے یہاں بائنہ واقع ہوگی، کیونکہ تشبیہ موجود ہے،اور پہاڑ جیسی بڑی چیز کے ساتھ موجود ہے۔امام ابو یوسفؒ کے یہاں بائنہ نہیں ہوگی اس لئے کہ عظمۃ کا لفظ نہیں ہے۔امام زفرؒ کے یہاں ہوگی، کیونکہ پہاڑ لوگوں کے یہاں بڑی چیز شمار ہوتی ہے اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

[۴] انت طالق مثل عظم الجبل ،تمکو پہاڑ کے بڑے کی طرح طلاق ہے ۔اس میں امام ابوحنیفہؒ کے یہاں بائنہ واقع ہوگی، کیونکہ تشبیہ موجود ہے،اور پہاڑ جیسی بڑی چیز کے ساتھ موجود ہے۔امام ابو یوسفؒ کے یہاں بائنہ ہوگی اس لئے کہ عظمۃ کا لفظ موجود ہے۔امام زفرؒ کے یہاں ہوگی، کیونکہ پہاڑ لوگوں کے یہاں بڑی چیز شمار ہوتی ہے اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

﴿طلاق بائنہ ہونے کے لئے تشبیہ کے اصول﴾

اصول: امام ابوحنیفہؒ ۔کوئی بھی تشبیہ ہو بائنہ ہوگی۔

اصول: امام ابو یوسفؒ ۔تشبیہ میں عظمت کا ذکر ہوتو بائنہ ہوگی۔

اصول: امام زفرؒ ۔تشبیہ بڑی چیز کے ساتھ ہوتو بائنہ ہوگی۔

ترجمہ: (۱۸۰۰) اگر کہا تمکو شدید طلاق ہے، یا چوڑی طلاق ہے، یا لمبی طلاق ہے تو ایک طلاق بائنہ ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ جس کا تدارک ممکن نہ ہو وہ شوہر پر سخت ہوتی ہے اور وہ بائنہ ہے،اور جس کا تدارک مشکل ہوتا ہے اس کے لئے کہا جاتا ہے، یہ کام لمبا ہے، چوڑا ہے۔

تشریح: یہاں انت طالق تطلیقۃ کی تین صفت لا رہے ہیں،اور تینوں میں شدت کا معنی پایا جاتا ہے اس لئے ان تینوں سے طلاق بائنہ واقع ہوگی [۱] پہلی صفت ہے شدیدۃ ،سخت ،جس طلاق کا تدارک شوہر پر مشکل ہو اور رجعت کر کے واپس نہ کرسکتا ہو اس کو شدید کہتے ہیں،اور یہ طلاق بائنہ میں ہوتا ہے اس لئے اس سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔[۲] دوسری صفت ہے طویلۃ ،[۳] اور تیسری صفت ہے عریضۃ ۔جس کام کا تدارک مشکل ہوتا ہے اس کے لئے کہتے ہیں کہ یہ کام لمبا چوڑا ہے،اور طلاق بائنہ میں تدراک مشکل ہے اس لئے یہ طلاق لمبی چوڑی ہوئی اس لئے اس سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی اس لئے کہ یہ وصف طلاق کے لائق نہیں ہے

۳؎ ولو نوی الثلث فی ھذہ الفصول صحت نیة لتنوع البینونة علی مامر والواقع بھا بائن

اس لئے لغو ہو جائے گا۔

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ طلاق کے ساتھ شدیدۃ، عریضۃ، اور طویلۃ کی صفت لگائی جائے تو یہ صفت طلاق کے لائق نہیں ہے، کیونکہ یہ صفات ایسی چیزوں کی ہیں جو جسم رکھتی ہیں اور طلاق جسم نہیں ہے اعراض میں سے ہے اس لئے یہ صفات لغو ہو جائے گی، اور صرف انت طالق باقی رہا، اور انت طالق سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ اگر ان تمام فصلوں میں تین کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہوگی بینونت کے کئی قسم ہونے کی وجہ سے جیسا کہ گزر چکا، اور اس سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

تشریح: طلاق کے ساتھ شدت کے جتنے بھی صفات گزرے اس میں طلاق بائنہ واقع ہوگی، اور بائنہ کی دو قسمیں ہیں [۱] ایک طلاق بائنہ، [۲] اور تین طلاق بائنہ، چونکہ ان صفات میں دونوں کا احتمال ہے اس لئے تین کی نیت کرے گا تو تین بھی واقع ہو گی، پہلے گزر چکا ہے کہ جن الفاظ میں تین کا احتمال ہوتا ہے اس کی نیت کر سکتا ہے، اور اگر نیت نہیں کی تو کم سے کم درجہ ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

Settings\Administrator.USER\My Documents\3) JPEG CLIPART\FLOWER6.JPEG.jpg not found.

﴿فصل فی الطلاق قبل الدخول﴾

(۱۸۰۱) واذا طلق الرجل امرأته ثلثا قبل الدخول بها وقعن عليها ﴾

﴿فصل فی الطلاق قبل الدخول ﴾

ضروری نوٹ : غیر مدخول بھا عورت کے بارے میں یہ پانچ باتیں یاد رکھیں۔ جس عورت سے نکاح کرنے کے بعد ابھی تک وطی نہیں کی ہے یا خلوت صحیحہ نہیں کی ہے جو وطی کے درجے میں ہے، اس کو غیر مدخول بھا عورت کہتے ہیں، اور جس سے وطی کر چکا ہو اس کو مدخول بھا کہتے ہیں۔ [۱] غیر مدخول بھا کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے تو سب واقع ہو جائیں گی، اور اب بغیر حلالے کے پہلے شوہر سے نکاح کرنا حلال نہیں ہوگا، [۲] اور اگر تفریق کر کے طلاق دے مثلا : انت طالق انت طالق، انت طالق، کہے تو پہلی طلاق واقع ہوگی اور باقی دو طلاقیں بیکار ہو جائیں گی، [۳] غیر مدخول بھا عورت پر عدت نہیں ہے اس لئے جیسے ہی طلاق واقع ہوئی تو بغیر عدت کے چلی جائے گی، [۴] اور چونکہ عدت نہیں ہے اس لئے شوہر اس سے رجعت بھی نہیں کر سکتا، [۵] اور گویا کہ غیر مدخول بھا عورت پر طلاق بائنہ ہی ہوتی ہے طلاق رجعی نہیں ہوتی۔

(۱) اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **یایها الذین آمنو اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم علیهن من عدة تعتدونها فمتعوهن و سرحوهن سراحا جمیلا** ۔ (آیت ۴۹، سورة الاحزاب ۳۳) اس آیت میں ہے کہ دخول سے پہلے طلاق دی ہو تو اس پر عدت نہیں ہے۔ (۲) اس اثر میں ہے۔ **عن ابن عباس قال اذا طلقها ثلاثا قبل ان یدخل بها لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره ، و لو قالها تتری بانت بالاولی**۔ (مصنف ابن ابی شیبة، باب فی الرجل یقول لامرأته: انت طالق انت طالق، انت طالق، قبل ان یدخل علیها متی یقع علیها، ج رابع، ص ۷۰، نمبر ۱۷۸۷۱ / مصنف عبد الرزاق، باب طلاق البکر، ج سادس، ص ۲۶۳، نمبر ۱۱۱۲۵) اس اثر میں ہے کہ غیر مدخول بھا کو بیک وقت تین طلاقیں دی تو تینوں واقع ہوں گی، اور اگر تفریق کر کے دی تو پہلی سے بائنہ ہو جائے گی۔ (۳) **عن الحکم فی الرجل یقول لامرأته ، انت طالق انت طالق ، انت طالق قال : بانت بالاولی و الاخریان لیستا بشیء قال قلت من قال هذا ؟ قال علی و زید و غیرهما ، یعنی قبل ان یدخل** ۔ (مصنف ابن ابی شیبة، باب فی الرجل یقول لامرأته: انت طالق، انت طالق، انت طالق، قبل ان یدخل علیها متی یقع علیها، ج رابع، ص ۶۹، نمبر ۱۷۸۶۵ / مصنف عبد الرزاق، باب طلاق البکر، ج سادس، ص ۲۶۳، نمبر ۱۱۱۲۵) اس اثر میں ہے کہ انت طالق الگ الگ کر کے دیا تو پہلی سے بائنہ ہوگی اور باقی دو طلاق بیکار چلی جائے گی۔

ترجمہ: (۱۸۰۱) اگر مرد اپنی بیوی کو دخول سے پہلے تین طلاق دے تو سب واقع ہو جائے گی

لے لان الواقع مصدر محذوف لان معناه طلاقا ثلثاعلی ما بيناه فلم يكن قوله انت طالق ايقاعاً علی حدة فيقعن جملة

ترجمہ: لے اس لئے کہ جوطلاق واقع ہوگی وہ مصدر محذوف ہے اس لئے کہ اس کا معنی ہے طلاقا ثلاثا ، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ، پس اس کا قول انت طالق کا الگ سے وقوع نہیں ہوگا اس لئے سب طلاقیں یکبارگی واقع ہوں گی۔

تشریح: غیر مدخول بھا کو الگ الگ کر کے تین طلاقیں دے تو پہلی طلاق واقع ہوتی ہے اور باقی دو طلاقیں بیکار ہوتیں ہیں، لیکن بیک وقت تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہوں گی۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے کہ ،انت طالق ثلاثا کہا تو ثلاثا سے پہلے طلاقا مصدر محذوف ہوگا ، اور عبارت یہ ہوگی ، انت طالق طلاقا ثلاثا ، اور اس صورت میں انت طالق سے طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ طلاقا ثلاثا [عدد] سے طلاق واقع ہوگی اس لئے تین طلاقیں یکبارگی واقع ہوں گی اس لئے تینوں واقع ہوجائیں گی۔ (۲) اثر میں ہے۔**عن ابن عباس قال اذا طلقها ثلاثا قبل ان يدخل بها لم تحل له حتی تنكح زوجا غيره ، و لو قالها تتری بانت بالاولی** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب فی الرجل یقول لامرأتہ: انت طالق انت طالق ، انت طالق ، قبل ان یدخل علیھا متی یقع علیھا ، ج رابع ، ص ۷۰ ، نمبر ۱۷۸۷۱ / مصنف عبدالرزاق ، باب طلاق البکر ، ج سادس ، ص ۲۶۳ ، نمبر ۱۱۱۲۵ / سنن للبیھقی ، باب ماجاء فی طلاق التی لم یدخل بھا ، ج سابع ، ص ۵۸۲ ، نمبر ۱۵۰۸۷) اس اثر میں ہے کہ غیر مدخول بھا کو بیک وقت تین طلاقیں دی تو تینوں واقع ہوں گی ، اور اگر تفریق کر کے دی تو پہلی سے بائنہ ہوجائے گی ، تتری کا معنی ہے یکے بعد دیگرے طلاق دینا۔ (۳) **عن الحكم فی الرجل يقول لامرأته ، انت طالق ، انت طالق ، انت طالق ، قال : بانت بالاولی و الاخريان ليستا بشیء قال قلت من قال هذا ؟ قال علی و زيد و غيرهما ، يعنی قبل ان يدخل** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب فی الرجل یقول لامرأتہ: انت طالق ، انت طالق ، انت طالق ، قبل ان یدخل علیھا متی یقع علیھا ، ج رابع ، ص ۶۹ ، نمبر ۱۷۸۶۵ / مصنف عبدالرزاق ، باب طلاق البکر ، ج سادس ، ص ۲۶۳ ، نمبر ۱۱۱۲۵) اس اثر میں ہے کہ انت طالق الگ الگ کر کے دیا تو پہلی سے بائنہ ہوگی اور باقی دو طلاق بیکار چلی جائے گی۔ (۴) **عن ابی هريرة و ابن عباس و عائشة فی الرجل يطلق امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها قالوا لا تحل له حتی تنكح زوجا غيره** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب فی الرجل یتزوج المرأۃ ثم یطلقھا ، ج رابع ، ص ۶۸ ، نمبر ۱۷۸۵۴ / مصنف عبد الرزاق ، باب طلاق البکر ، ج سادس ، ص ۲۶۰ ، نمبر ۱۱۱۰۷) اس اثر میں بھی ہے کہ دخول سے پہلے تین طلاقیں دے [بیک وقت دے] تو مغلظہ ہوگی۔ (۵) اور غیر مدخول بھا پر عدت نہیں ہے اس کے لئے یہ اثر ہے۔**عن الثوری فی رجل طلق البكر حائضا ؟ قال : لا بأس به لانه لا عدة لها** ۔(مصنف عبدالرزاق ، باب ھل یطلق الرجل البکر حائضا ؟ ، ج سادس ، ص ۲۴۶ ،

(۱۸۰۲) فان فرق الطلاق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیة والثالثة﴾ ل وذلک مثل ان یقول انت طالق طالق طالق لان کل واحد ایقاع علی حدة اذا لم یذکر فی اٰخر کلامه ما یغیر صدره حتی یتوقف علیه فتقع الاولیٰ فی الحال فتصادفها الثانیة وهی مبانة (۱۸۰۳) وکذا اذا قال لها انت طالق واحدة وواحدة وقعت واحدة﴾ ل لما ذکرنا انها بانت بالاولیٰ (۱۸۰۴) ولو قال لها انت طالق واحدة فماتت قبل قوله واحدة کان باطلا﴾ ل لانه قرن الوصف بالعدد فکان الواقع هو العدد فاذا ماتت قبل ذکر العدد فات المحل قبل الایقاع فبطل

نمبر۱۸(۱۱۰) اس اثر میں ہے کہ جس سے وطی نہ کی ہو اس کو طلاق دی ہو تو اس پر عدت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۱۸۰۲) پس اگر تفریق کر کے طلاق دی تو پہلی سے بائنہ ہوگی اور دوسری اور تیسری طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ل اور یہ مثلا کہے انت طالق، انت طالق، طالق، طالق، اس لئے کہ ہر ایک الگ الگ واقع ہے اس لئے کہ اس کے کلام کے آخیر میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس کے شروع کو بدل دے یہاں تک کہ اول کلام آخری کلام پر موقوف ہو، اس لئے پہلی طلاق ابھی واقع ہوگی اور دوسری اس وقت واقع ہوگی جبکہ وہ بائنہ ہو۔

تشریح: غیر مدخول بھا کو تفریق کر کے طلاق دی مثلا کہا، انت طالق، طالق، طالق، تو یہاں ہر طلاق الگ الگ وقت میں واقع ہوگی، کیونکہ کلام کے آخیر میں کوئی ایسا شرطیہ جملہ نہیں ہے جو کلام کے شروع کو بدل دے، اور شروع کا جملہ آخیر کے جملے پر موقوف رہے، اس لئے پہلی طلاق پہلے واقع ہوگی، دوسری طلاق اس کے بعد، اور تیسری طلاق اس کے بعد واقع ہوگی۔ اس لئے دوسری طلاق جب واقع ہونے کا وقت آئے گا تو عورت پہلی طلاق سے بائنہ ہو چکی ہوگی اور عدت بھی گزر چکی ہوگی، کیونکہ اس پر عدت ہی نہیں ہے، اس لئے دوسری اور تیسری طلاق واقع ہونے کا محل ہی باقی نہیں رہی ہوگی اس لئے دوسری اور تیسری طلاق بیکار جائے گی۔

ترجمہ: (۱۸۰۳) ایسے ہی اگر عورت سے کہا تمکو ایک طلاق ہے، اور ایک طلاق ہے، تو ایک واقع ہوگی۔

ترجمہ: ل اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ابھی ذکر کی کہ وہ پہلی طلاق سے بائنہ ہو چکی ہے۔

تشریح: جب انت طالق واحدة وواحدة کہا تو پہلی واحدة سے غیر مدخول بھا بائنہ ہو چکی ہے اب دوسری طلاق واقع کرنے کا محل باقی نہیں رہی اس لئے دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی اس لئے صرف پہلی طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: (۱۸۰۴) اور اگر کہا، انت طالق واحدة، اور واحدة کہنے سے پہلے عورت مرگئی تو جملہ باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ طالق [وصف] کے ساتھ عدد کو ملایا اس لئے عدد سے ہی طلاق واقع ہوگی، پس جب عدد کے ذکر سے

(۱۸۰۵) **وكذا اذا قال انت طالق ثنتين او ثلثا** ﴾ ل **لما بينا وهذه تجانس ماقبلها من حيث المعنى**

(۱۸۰۶) **ولو قال انت طالق واحدة قبل واحدة او بعدها واحدة وقعت واحدة**﴾

ل **والاصل انه متى ذكر شيئين وادخل بينهما حرف الظرف ان قرنها بهاء الكناية كان صفة للمذكور اٰخرا كقوله جاء نى زيد قبله عمر و وان لم يقرنها بهاء الكناية كانت صفة للمذكور اولا**

پہلے مرگئی تو واقع ہونے سے پہلے محل فوت ہو گیا اس لئے کلام باطل ہو جائے گا۔

تشریح: پہلے قاعدہ گزر گیا کہ صفت کا صیغہ یعنی، طالق، اسم فاعل کے صیغے کے ساتھ واحدۃ عدد ملا دیا جائے تو اب طالق سے طلاق واقع نہیں ہوگی، بلکہ واحدۃ عدد سے طلاق واقع ہوگی، اور عورت واحدۃ سے پہلے مر چکی ہے اس لئے طلاق کا محل باقی نہیں رہی اس لئے کلام لغو ہو جائے گا اور طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۱۸۰۵) ایسے ہی اگر کہا انت طالق ثنتین، یا انت طالق ثلاثا [تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ل اس دلیل کی بنا پر جو پہلے بیان کیا، اور یہ مسئلہ معنی کے اعتبار سے پہلے کے مشابہ ہے۔

تشریح: اگر انت طالق ثنتین [تمکو دو طلاق ہے] یا انت طالق ثلاثا [تمکو تین طلاق ہے] کہا اور ثنتین کہنے سے پہلے عورت مر گئی، یا ثلاثا کہنے سے پہلے عورت مرگئی تو چونکہ اس میں بھی عدد سے طلاق واقع ہوگی اور عدد سے پہلے عورت مرگئی اس لئے طلاق کا محل باقی نہیں رہی اس لئے کلام لغو ہو جائے گا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اور اوپر کا واحدۃ والا مسئلہ ایک جیسے ہی ہیں۔

اصول: ایک ساتھ دو ہوں تو دونوں واقع ہوں گی، اور جدا جدا ہو تو پہلی واقع ہوگی۔

ترجمہ: (۱۸۰۶) اور اگر کہا تم کو طلاق ہے ایک ایک سے پہلے، یا اسکے بعد ایک، تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ شوہر جس طلاق کو ٹکا کر دینا چاہتا ہے اس طلاق سے پہلے ایک ہو جائے تو چونکہ زمانہ ماضی میں واقع نہیں ہوئی تو ساتھ ہو کر دو واقع ہو جائیں گی۔ اور جس طلاق کو ٹکا کر دینا چاہتا ہے اس کے بعد ایک ہو تو ٹکائی طلاق واقع ہوگی اور بعد والی طلاق کا محل باقی نہیں رہے گا اس لئے وہ واقع نہیں ہوگی۔ عبارت کے مسئلے میں ٹکا کر ایک طلاق دینا چاہتا ہے اور اس کے بعد ایک دینا چاہتا ہے اس لئے ایک ہی واقع ہوگی، کیونکہ دوسرے کا محل باقی نہیں رہی، کیونکہ کہا ایک ایک سے پہلے، انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ، اس میں پہلی طلاق پہلے واقع ہوگی اور بعد والی بعد میں اس لئے پہلی طلاق واقع ہو جائے گی، اور بعد کا محل باقی نہیں رہے گی۔ اور دوسری صورت ہے ایک طلاق اس کے بعد ایک طلاق انت طالق واحدۃ۔ بعدھا واحدۃ، اس میں بھی پہلی طلاق پہلے واقع ہوگی اور اس کے بعد ایک طلاق واقع ہوگی تو دوسری طلاق کا محل باقی نہیں رہی اس لئے دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ل اصل یہ ہے کہ اگر دو چیزیں ذکر کی جائیں اور ان دونوں کے درمیان حرف ظرف [قبل، بعد] داخل کرے، پس

کقوله جاء نی زید قبل عمر و ۲؎ وایقاع الطلاق فی الماضی ایقاع فی الحال لان الاسناد لیس فی ۳؎ وسعه فالقبلیّة فی قولهٖ انت طالق واحدة قبل واحدة صفة للاولیٰ فتبین بالاولیٰ فلا تقع الثانیة

اگر اس کے ساتھ ,ہاء، کنایہ ملایا جائے تو وہ بعد والے کی صفت بن جاتی ہے ,جیسے ,جاءنی زید قبلہ عمر، [زید آیا اس کے قبل عمر آیا]، اور اگر ,ہاء، کنایہ اس کے ساتھ نہ ملایا جائے تو پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کی صفت بن جاتی ہے جیسے اس کا قول ,جاءنی زید قبل عمر، [زید آیا عمر سے پہلے]۔

تشریح : اس عبارت میں ایک قاعدہ بتا رہے ہیں، کہ حرف ظرف قبل اور بعد، اگر اس کے ساتھ ,ھا، ضمیر جسکو ہاء کنایہ کہتے ہیں، ملا ہوا ہو تو قبل اور بعد بعد والے کی صفت بنتا ہے یعنی بعد والے کے ساتھ ہوتا ہے، اور اگر اس کے ساتھ ہاء، کنایہ ملا ہوا نہ ہو تو قبل اور بعد پہلے والے عدد کی صفت بنتا ہے، پس قبل جسکے ساتھ ہو جائے وہ پہلے ہوگا، اور بعد جسکی صفت بن جائے وہ بعد میں ہوگا، مثال کے طور پر، جاءنی زید قبل عمر، میں ہاء کنایہ نہیں ہے اس لئے قبل سے پہلے جو زید ہے اس کی صفت بنے گا، اور مطلب یہ ہوگا زید پہلے آیا۔ اور جاءنی زید قبلہ عمر، [زید آیا اس سے پہلے عمر آیا] یہاں قبلہ میں ,ہاء کنایہ، ہے اس لئے قبل بعد والے کا یعنی عمر کی صفت بنے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ عمر زید سے پہلے آیا۔ اس قاعدے کو سمجھنے کے بعد اب عبارت کو دیکھیں۔ **انت طالق واحدة قبل واحدة** ، میں ,ہاء کنایہ نہیں ہے اس لئے قبل پہلے والے واحدۃ کی صفت بنے گا، اور مطلب یہ ہوگا پہلا واحدۃ دوسرے واحدۃ سے پہلے واقع ہو اس لئے جب پہلی طلاق پہلے واقع ہوگئی تو اب دوسری طلاق کا محل باقی نہیں رہی اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ متن کا دوسرا جملہ، **انت طالق واحدة بعدها واحدة** ، [تم کو طلاق ہوا ایک اس کے بعد ایک] یہاں بعد ظرف کے ساتھ ہاء کنایہ ملا ہوا ہے اس لئے بعد بعد والے واحدۃ کی صفت بنے گا، اور مطلب یہ ہوگا کہ بعد والا واحدۃ پہلے واحدۃ کے بعد واقع ہو، اور پہلے کے بعد پھر محل باقی نہیں رہے گا اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہو سکے گی اور دوسرا واحدۃ لغو ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۲؎ اور طلاق واقع کرنا ماضی میں طلاق واقع ہوگی فی الحال، اس لئے کہ ماضی کی طرف نسبت کرنا اس کی قدرت میں نہیں ہے۔

تشریح : یہ دوسرا قاعدہ بیان کر رہے ہیں۔ کسی نے زمانہ ماضی میں طلاق دی مثلا کہا کہ میں نے پرسوں طلاق دی تھی تو یہ طلاق ابھی واقع ہوگی، کیونکہ پرسوں تو گزر چکا ہے اب اس میں طلاق نہیں دے سکتا تو وہ طلاق ابھی واقع ہوگی اور عورت اس وقت سے مطلقہ شمار کی جائے گی۔

ترجمہ : ۳؎ پس اس کا قول انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ، میں قبلیت پہلے واحدۃ کی صفت ہے اس لئے پہلی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اس لئے دوسری واقع نہیں ہوگی۔

ﷺ والبعدية فی وقوله بعدها واحدة صفة للاخيرة فحصلت الابانة بالاولیٰ (۱۸۰۷) ولو قال انت طالق واحدة قبلها واحدة تقع ثنتان ﴾ ل لان القبلية صفة للثانية لاتصالها بحرف الكناية فاقتضے ايقاعها فی الماضی وايقاع الاولیٰ فی الحال غير ان الايقاع فے الماضی ايقاع فی الحال ايضاً فتقترنان فتقعان (۱۸۰۸) وكذا اذا قال انت طالق واحدة بعد واحدة تقع ثنتان ﴾ ل لان البعدية صفة للاولیٰ فاقتضے ايقاع الواحدة فی الحال وايقاع الاخریٰ قبل هذه فتقترنان

تشریح: انت طالق واحدة قبل واحدة، میں قبل کے ساتھ ,ہاء، کنایہ نہیں ہے اس لئے اوپر کے قاعدے کے اعتبار سے قبل پہلے واحدۃ کی صفت بنے گی، اور عورت پہلی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اس لئے دوسرے کا محل باقی نہیں رہے گی اس لئے دوسری طلاق لغو ہو جائے گی۔

ترجمہ: ﷺ اور بعدیت اس کا قول انت طالق واحدة بعدها واحدة، میں بعد والے واحدۃ کی صفت ہے اس لئے عورت پہلے والے سے بائنہ ہو جائے گی [اس لئے دوسری طلاق لغو ہوگی]۔

تشریح: انت طالق واحدة بعدها واحدة، میں ہاء، کنایہ ہے اس لئے لفظ بعد دوسرے واحدۃ کی صفت بنے گی، اس لئے یہ طلاق پہلی کے بعد واقع ہوگی، اور عورت پہلی طلاق سے بائنہ ہو چکی ہے اس لئے بعد والے کی محل باقی نہیں رہی اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: (۱۸۰۷) اور اگر کہا تم کو طلاق ہے ایک، اس کے پہلے ایک تو دو طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ قبلیت بعد والے کی صفت ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ حرف کنایہ [ہاء] متصل ہے اس لئے تقاضا کرتا ہے کہ زمانہ ماضی میں واقع ہو، اور پہلی طلاق فی الحال واقع ہو، یہ اور بات ہے کہ جو زمانہ ماضی میں واقع ہوگی وہ بھی فی الحال واقع ہوگی اس لئے دونوں مل کر واقع ہو جائے گی۔

تشریح: انت طالق واحدة قبلها واحدة، میں کنایہ کا ,ہاء، موجود ہے اس لئے قبل بعد والے واحدۃ کی صفت بنے گا، اور بعد والا واحدۃ پہلے واقع ہوگا، اور پہلے والا واحدۃ فی الحال واقع ہوگا، اور قاعدہ گزر چکا ہے کہ زمانہ ماضی میں جو طلاق واقع ہوگی وہ ابھی واقع ہوگی اس لئے دونوں مل کر ساتھ واقع ہوگی اس لئے بیک وقت دو واقع ہو جائے گی۔ یا یوں کہئے کہ پہلے واحدۃ کو ٹکا کر دینا چاہتا ہے اور اس سے پہلے ایک اور دینا چاہتا ہے اس لئے مل کر دو ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۱۸۰۸) ایسے ہی اگر کہا تم کو طلاق ہے ایک ایک کے بعد تو دو واقع ہوگی۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ بعدیت پہلے واحدۃ کی صفت ہے اس لئے تقاضا کیا کہ ایک واحدۃ فی الحال واقع ہو، اور دوسرا واحدۃ

(۱۸۰۹) ولو قال انت طالق واحدة مع واحدة او معها واحدة تقع ثنتان ﴾ ۱؎ لان کلمة مع للقران وعن ۲؎ ابی یوسفؒ فی قوله معها واحدة تقع واحدة لان لان الکنایة تقتضی سبق المکنی عنه لا محالة (۱۸۱۰) وفی المدخول بها تقع ثنتان فی الوجوه کلها ﴾ ۱؎ لقیام المحلیة بعد الوقوع الاولیٰ

اس سے پہلے تو مل کر دو واقع ہوجائے گی۔

تشریح : انت طالق واحدۃ بعد واحدۃ، میں کنایہ کا ,ہاء، نہیں ہے اس لئے بعد پہلے واحدۃ کی صفت بنا، اس لئے پہلا واحدۃ بعد میں واقع ہوا اور بعد والا اس سے بھی پہلے واقع ہوا، اس لئے دونوں مل کر ایک ساتھ واقع ہوجائے گا، اور دوسے بائنہ ہوگی۔

ترجمہ: (۱۸۰۹) اگر کہا تم کو طلاق ہے ایک ایک کے ساتھ، یا اس کے ساتھ ایک تو دو طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ ,مع، کا کلمہ ملانے کے لئے ہے۔

تشریح : لفظ مع ساتھ ہونے کے لئے آتا ہے اس لئے بغیر ,ہاء، کنایہ کے کہا ,انت طالق واحدة مع واحدة ، کہ ایک کے ساتھ ایک، یا ہاء کنایہ کے ساتھ کہا ,انت طالق واحدة معها واحدة، تم کو طلاق ہے ایک اس کے ساتھ ایک، تو مع ساتھ ہونے کے لئے آتا ہے اس لئے دونوں طلاقیں ایک ساتھ واقع ہوئیں۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے اس کے قول معھا واحدۃ، میں واقع ہوگی ایک اس لئے کہ ہاء کنایہ تقاضا کرتا کہ مکنی عنہ کے پہلے ہونے کا لا محالہ۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ انت طالق واحدۃ معھا واحدۃ، تو اس میں ایک واقع ہوگی، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ ہاء کنایہ کے ساتھ معھا واحدۃ کہا تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہا ضمیر جسکے طرف لوٹ رہی ہو وہ پہلے وہ اور بعد والا واحدۃ بعد میں ہو اس لئے پہلے والا جب واقع ہوگیا تو اب غیر مدخول بھا طلاق کا محل باقی نہیں رہی اس لئے اس کو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: (۱۸۱۰) اور مدخول بھا کو ان تمام صورتوں میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ پہلی طلاق واقع ہونے کے بعد محل باقی ہے۔

تشریح : اوپر کی تمام صورتوں میں جن میں غیر مدخول بھا کو ایک طلاق واقع ہوتی تھی اس میں مدخول بھا کو دو طلاقیں واقع ہوں گی، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ پہلی طلاق جو واقع ہوگی وہ رجعی ہوگی اور اس کے بعد عدت گزارے گی اس لئے دوسری طلاق کا محل باقی ہے اس لئے دوسری طلاق واقع ہوگی۔

(۱۸۱۱) ولو قال لها ان دخلت الدار فانت طالق واحدة وواحدة فدخلت وقعت عليها واحدة عند ابی حنيفةؒ وقالا تقع ثنتان ﴾ (۱۸۱۲) ولو قال لها انت طالق واحدة وواحدة ان دخلت الدار فدخلت طلقت ثنتين بالاجماع ﴾ ۱؎ لهما ان حرف الواو للجمع المطلق فتعلقن جملة كما اذا نص على الثنتين اواخر الشرط

ترجمه: (۱۸۱۱) اگرعورت سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو ایک طلاق اور ایک طلاق۔ پس داخل ہوئی گھر میں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک واقع ہوگی اس پر ایک اور صاحبین نے فرمایا واقع ہوگی دو۔

تشریح: اس صورت میں شرط کو مقدم کیا ہے بعد میں دو طلاقیں جدا جدا دی ہیں۔ اور دونوں کے درمیان حرف عطف واو ہے۔ اور واو کبھی جمع کے لئے آتا ہے اور کبھی ترتیب کے لئے آتا ہے۔ اگر ترتیب کے لئے ہو تو دونوں طلاقیں جدا جدا ہوئیں اس لئے امام ابوحنیفہؒ نے یہاں ترتیب کی رعایت کرتے ہوئے پہلی طلاق واقع کی اور دوسری کا محل باقی نہیں رہا اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوئی۔

وجه: طلاق دینا مبغوض ہے اس لئے ترتیب اور جمع میں شک ہونے کی وجہ سے ایک ہی طلاق واقع کرنا اچھا ہے اور ترتیب کا اعتبار کرنا بہتر ہے۔

فائده: صاحبین فرماتے ہیں کہ دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

وجه: واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے اس لئے جمع کی رعایت کرتے ہوئے دونوں طلاقیں ایک ساتھ واقع ہوں گی۔

ترجمه: (۱۸۱۲) اور اگر کہا انت طالق واحدة وواحدة ان دخلت الدار، پھر داخل ہوئی تو بالاجماع دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

تشریح: یہاں انت طالق واحدة وواحدة پہلے ہے، اور ان دخلت الدار بعد میں ہے اس لئے ان دخلت الدار شرط نے پہلے واحدة کو آخر کلام پر معلق کر دیا اس لئے دونوں واحدة ایک ساتھ واقع ہوا اس لئے سب کے یہاں دو طلاقیں واقع ہوں گی اور یہاں واو جمع کے لئے ہوگا۔ ترتیب کا احتمال ختم ہو جائے گا۔

ترجمه: ۱؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرف واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے اس لئے سب طلاقیں ایک ساتھ واقع ہوں گی، جیسا کہ اگر دو کی تصریح کرے یا شرط مؤخر کرے۔

تشریح: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ واو صرف جمع کے لئے آتا ہے اس لئے دو طلاقیں ایک ساتھ واقع ہوئیں اس لئے دو طلاق ہوں گی، جیسے دو طلاق کی تصریح کرتا یا شرط مؤخر کرتا تو دو طلاقیں واقع ہوتیں۔

۲ ولہ ان الجمع المطلق یحتمل القران والترتیب فعلے اعتبار الاول تقع ثنتان وعلی اعتبار الثانی لا تقع الا واحدة کما اذا نجزی بهذه اللفظة فلا یقع الزائد علی الواحدة بالشک ۳ بخلاف ما اذا اخر الشرط لانه مغیر صدر الکلام فیتوقف الاول علیه فیقعن جملة ولا مغیر فیما اذا قدم الشرط فلم یتوقف ۴ ولو عطف بحرف الفاء فهو علی هذاالخلاف فیما ذکر الکرخیؒ وذکر الفقیه ابو اللیثؒ انه یقع واحدة بالاتفاق لان الفاء للتعقیب وهو الاصح

ترجمہ: ۲ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مطلق جمع ملنے کے لئے بھی آتا ہے اور ترتیب کے لئے بھی آتا ہے، اس لئے پہلے کے اعتبار سے دو طلاق واقع ہوگی، اور دوسرے کے اعتبار سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی، جیسا کہ اس لفظ کے ساتھ فی الحال دے دے، اس لئے شک کی وجہ سے ایک سے زائد واقع نہ ہو۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ واو جمع کے لئے آتا ہے، لیکن جمع بھی دو معانی کے لئے آتا ہے [۱] ایک یہ کہ سب کو ملا کر ایک ساتھ واقع کرو یہ بھی جمع ہے [۲] دوسرا یہ کہ ترتیب کے ساتھ دو کو جمع کرے، اب پہلے کا اعتبار کریں دو بالکل ملا کر دو طلاق واقع ہوں گی، اور دوسرے معنی کا اعتبار کریں تو طلاق میں ترتیب ہو جائے گی اور صرف ایک طلاق واقع ہو سکے گی، اس لئے شک کی بنا پر ایک ہی واقع کریں، جیسے یوں کہتا انت طالق واحدة وواحدة تو ایک طلاق واقع ہوتی۔

لغت: انجز: انجز کا معنی ہے فوری طور کرنا، یہاں مراد ہے کہ کلام میں شرط نہ لگائے بغیر شرط کے یوں کہے انت طالق واحدة ووا حدة، تو اس میں پہلی طلاق واقع ہوگی اسی طرح شرط مقدم کرے تو اس میں پہلی طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۳ بخلاف جبکہ شرط کو مؤخر کر دے اس لئے کہ وہ شروع کلام کو بدلنے والا ہے اس لئے پہلا واحدة شرط پر موقوف ہو گا اس لئے سب طلاقیں ایک ساتھ واقع ہوں گی، اور اگر شرط کو مقدم کرے تو کوئی بدلنے والا نہیں ہے اس لئے موقوف نہیں ہوگا۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کو جواب ہے کہ اگر شرط ان دخلت الدار کو مؤخر کر دیا تو اس نے کلام کے شروع حصے کو بدل دیا اس لئے پہلا واحدة بھی شرط پر موقوف رہے گا اس لئے دونوں ایک ساتھ واقع ہوں گی، اور اگر ان دخلت الدار شروع میں ہو تو اول کلام کو بدلنے والی کوئی شرط نہیں ہے اس لئے پہلا واحدة پہلے واقع ہوگا اور دوسرا واحدة بعد میں واقع ہوگا اس لئے ایک طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۴ اور اگر حرف فاء کے ذریعہ عطف کیا جائے تو وہ بھی اسی اختلاف پر ہے، جیسا کہ امام کرخیؒ نے فرمایا، اور فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا کہ بالاتفاق ایک طلاق واقع ہوگی اس لئے کہ فاء تعقیب کے لئے ہے۔

تشریح: اگر حرف واو کے بجائے حرف ,فاء، کے ذریعہ عطف کرتا اور یوں کہتا ان دخلت الدار فانت طالق واحدة فواحدة، تو اس صورت میں امام کرخیؒ نے فرمایا کہ صاحبین اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان پہلے کی طرح اختلاف ہے کہ صاحبینؒ کے یہاں دو طلاق

﴿۱۸۱۳﴾ واما الضرب الثانی وهو الکنایات لا یقع بها الطلاق الا بالنیة او بدلالة الحال ﴾

ل لانها غیر موضوعة للطلاق بل تحتمله وغیره فلا بد من التعیین او دلالته

واقع ہوگی اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ایک طلاق واقع ہوگی، اس لئے کہ انکے یہاں واو اور فاء دونوں کا معنی ایک ہی ہے، لیکن فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ نے فرمایا کہ فاء تعقیب کے لئے آتا ہے یعنی ایک کے بعد دوسرے کو بیان کے لئے آتا ہے اس لئے پہلا واحدۃ پہلے واقع ہوا اور دوسرا اس کے بعد اس لئے پہلی سے بائنہ ہو جائے گی اور دوسری کا محل باقی نہیں رہے گا۔

ترجمہ: (۱۸۱۳) دوسری قسم کنایات ہے۔ نہیں واقع ہوتی اس سے طلاق مگر نیت سے، یا دلالت حال سے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ یہ طلاق کے لئے موضوع نہیں ہے بلکہ صرف اس کا احتمال رکھتا ہے اور اس کے علاوہ کا احتمال رکھتا ہے اس لئے تعین ضروری ہے، یا اسکی دلالت ضروری ہے۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ طلاق کنایہ ان الفاظ سے ہوتی ہے جن کے دو معنی ہوں۔ ایک معنی کے اعتبار سے طلاق ہوتی ہو اور دوسرے معنی کے اعتبار سے واقع نہیں ہوتی ہو۔ چونکہ ان کے دو معنی ہیں اس لئے یا تو نیت کرے یا حالات کا تقاضہ ہو کہ وہ طلاق ہی دینا چاہتا ہے تب طلاق واقع ہوگی۔ کنایہ کا معنی ہے کہ اشارہ سے طلاق دینا چاہتا ہے، صراحت سے طلاق نہیں ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عبد الله بن علی بن یزید بن رکانة عن ابیه عن جده انه طلق امرأته البتة فاتی رسول الله ﷺ فقال ماردتَ ؟ قال واحدة قال الله ؟ قال الله قال هو علی ما اردت۔ (ابوداؤد شریف، باب فی البتۃ، ص ۳۰۷، نمبر ۲۲۰۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یطلق امرأتہ البتۃ، ص ۲۲۲، نمبر ۱۱۷۷) اس حدیث میں حضرت رکانہ نے طلاق البتہ دیا ہے جس کے دو معنی ہیں [۱] کسی چیز کو کاٹنا [۲] اور نکاح کو کاٹنا۔ چونکہ دو معنی تھے اس لئے حضورؐ نے رکانہ سے پوچھا کیا نیت کی ہے؟ انہوں نے فرمایا ایک طلاق کی۔ پس آپ نے فرمایا جتنی نیت کی ہے اتنی ہی طلاق واقع ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا الفاظ کنایہ میں طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت ہوگی۔ (۲) عن علیؓ قال الخلیة و البریة و البتة و البائن و الحرام اذا نوی فهو بمنزلة الثلاث۔ (سنن بیہقی، باب من قال فی الکنایات انہا ثلاث، ج سابع، ص ۵۶۴، نمبر ۱۵۰۱۷ / مصنف عبد الرزاق، باب البتۃ والخلیۃ، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۲۳۳) اس اثر میں ہے کہ نیت کرے گا تو الفاظ کنایات سے طلاق واقع ہوگی۔ (۳) عن ابراهیم قال کل حدیث یشبه الطلاق اذا نوی صاحبه طلاقا فهو طلاق، ان نوی واحدة فواحدة، و ان نوی ثلاثا فثلاث، و ان لم ینو شیئا فلیس بشیء۔ (مصنف عبد الرزاق، باب البتۃ والخلیۃ، ج سادس، ص ۲۸۳، نمبر ۱۱۲۳۸) اس اثر میں بھی ہے کہ نیت کرے گا تو طلاق واقع ہوگی اور نیت نہیں کرے گا تو نہیں ہوگی۔

(۱۸۱۴) قال وهی علی ضربین منها ثلثة الفاظ یقع بها طلاق رجعی ولا تقع بها الا واحدة وهی قوله اعتدی واستبرئی رحمک وانت واحدة ﴿۱﴾ اما الاولیٰ فلانها تحتمل الاعتداد عن النکاح وتحتمل اعتداد نعم اللّٰہ تعالیٰ فان نوی الاول تعین بنیته فیقتضی طلاقاً سابقاً والطلاق یعقب الرجعة

ترجمه: (۱۸۱۴) اوراس کی دوقسمیں ہیں۔ان میں سے تین الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی اوراس سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی،اور وہ اس کا قول اعتدی،استبریء رحمک وانت واحدة ہے۔

تشریح: الفاظ کنایہ کی دوقسمیں ہیں[۱] ایک قسم وہ الفاظ ہیں جن سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے،کیونکہ یہ الفاظ اگرچہ کنایہ ہیں لیکن ان میں ایک صریح طلاق کا لفظ محذوف ماننا پڑتا ہے اس لئے اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی،[۲] اور دوسری قسم وہ جن سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے،کیونکہ ان میں طلاق صریح کا لفظ محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجه: (۱) وجہ یہ ہے کہ ان الفاظ میں انت طالق لفظ صریح محذوف ماننا پڑے گا۔اور انت طالق سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس لئے ان الفاظ سے بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔مثلا اعتدی کا ترجمہ ہے عدت گزارلو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سے پہلے میں نے طلاق دے دی ہے اس لئے عدت گزارلو۔عبارت یوں ہوگی انت طالق فاعتدی۔اس لئے اعتدی کے لفظ کنایہ ہے (۲) حدیث میں ہے۔عن ابی هريرة ان رسول الله قال لسودة بنت زمعه اعتدی فجعلها تطليقة واحدة وهو املک بها۔(سنن للبیہقی،باب ماجاء فی کنایات الطلاق التی لایقع الطلاق بھا الا ان یرید بمخرج الکلام منہ الطلاق ج سابع،ص ۵۶۱،نمبر ۱۵۰۰۶رمصنف ابن ابی شیبة ۲۴ فی الرجل یقول لامرأتہ اعتدی ما یکونَ،ج رابع،ص ۲۷،نمبر ۱۷۸۹۱) اس حدیث میں ہے کہ اعتدی سے ایک طلاق شمار کی اور هو املک بها سے رجعی کا پتہ چلا۔(۲)عن ابراهيم فی الرجل قال لامرأته اعتدی قال هی تطليقة اذا عنی الطلاق۔(مصنف ابن ابی شیبة ۲۴ فی الرجل یقول لامرأتہ اعتدی ما یکونَ،ج رابع،ص ۲۷،نمبر ۱۷۸۹۱) اس اثر میں ہے کہ اعتدی سے طلاق کی نیت کرے گا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

اور استبرئی رحمک کا ترجمہ ہے اپنا رحم صاف کرلو۔اس کے دو مطلب ہیں۔رحم صاف کرلو اس لئے کہ مجھے جماع کرنا ہے۔اور دوسرا ترجمہ ہے رحم صاف کرلو اس لئے کہ میں نے تم کو طلاق دے دی ہے۔اور عبارت یوں ہوگی انت طالق فاستبرئی رحمک۔اور انت طالق،لفظ صریح ہے اس لئے استبرئی رحمک سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

اور انت واحدة کا ترجمہ ہے تو اکیلی ہے۔یا تجھ کو ایک طلاق ہے۔اور عبارت ہوگی انت طالق تطليقة واحدة۔اس لئے صریح لفظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔چونکہ واحدة کا لفظ موجود ہے اس لئے دو اور تین کی بھی نیت نہیں کرسکتا۔

ترجمه: ۱؎ بہرحال پہلا لفظ[اعتدی] تو وہ احتمال رکھتا ہے نکاح سے شمار کرنے کا،اور اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے کا،پس اگر پہلی

۲ واما الثانية فلانها تستعمل بمعنے الاعتداد لانه تصريح بما هو المقصود منه فكان بمنزلته وتحتمل الاستبراء ليطلقها ۳ واما الثالثة فلانها تحتمل ان تكون نعتا لمصدر محذوف معناه تطليقة واحدة فاذا نواه جعل كانه قاله والطلاق يعقب الرجعة وتحتمل غيره وهو ان تكون واحدة عنده او عند قومه

کی نیت کرے تو اس کی نیت یہ معنی متعین ہو گئے پس تقاضا کرے گا اس سے پہلے طلاق ہو چکی ہو، اور طلاق کے بعد رجعت ہوتی ہے۔

تشریح: پہلا لفظ اعتدی ہے اس کے دو ترجمے ہیں [۱] اللہ کی نعمت کو گن لو، اگر یہ ترجمہ لیں تو طلاق نہیں ہوگی [۲] اور دوسرا ترجمہ ہے، نکاح کو شمار کر لو، اس کا مطلب یہ ہے کہ عدت کو گننا شروع کر دو، اور عدت گننا اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اس سے پہلے طلاق دے چکا ہو، پس اگر یہ نیت کرے گا تو طلاق کا لفظ محذوف ماننا ہوگا، اور عبارت یہ ہوگی ,انت طالق فاعتدی ،جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۲ بہر حال دوسرا لفظ [استبری ء] اس لئے کہ وہ عدت گزارنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے کہ تصریح ہے اس معنی کا جو مقصود ہے اس لئے یہ بھی اعتدی کے درجے میں ہے۔ اور احتمال رکھتا ہے استبراء کا تا کہ اس کو طلاق دے۔

تشریح: دوسرا لفظ استبری ء ہے، یہ براۃ سے مشتق ہے، اس کا ترجمہ ہے رحم صاف کر لو، اس لئے یہ عدت کے معنی میں صریح ہے اس لئے یہ بھی اعتدی کے درجے میں ہوا، پس اگر یہ معنی لیا جائے اور اس سے طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی ،اور عبارت یہ ہوگی۔ انت طالق فاستبرئی رحمک ،اس میں انت طالق موجود ہے جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اور دوسرا ترجمہ ہے رحم صاف کر لو تا کہ بعد میں طلاق دوں گا، اس صورت میں ابھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۳ بہر حال تیسرا لفظ [انت واحدۃ] تو اس لئے کہ احتمال رکھتا ہے کہ مصدر محذوف کی صفت ہو اور اس کا معنی ہوگا, تطلیقۃ واحدۃ [ایک طلاق ہو]، پس جبکہ اس کی نیت کرے تو گویا کہ کہا کہ ایک طلاق ہو، اور طلاق کے بعد رجعت ہوتی ہے، اور احتمال رکھتا ہے کہ دوسرا معنی ہو، وہ یہ کہ تم میرے نزدیک یکتا ہو، یا میری قوم کے نزدیک یکتا ہو۔

تشریح: تیسرا لفظ ,انت واحدۃ، ہے۔ اس کے دو معانی ہیں [۱] ایک یہ کہ یہ محذوف مصدر کی صفت ہو اس صورت میں عبارت ہوگی ,انت تطلیقۃ واحدۃ، پس اگر شوہر نے اسی تطلیقۃ واحدۃ کا ارادہ کیا تو اس سے ایک طلاق واقع ہوگی، اور چونکہ یہ صریح طلاق ہے اس لئے اس کے بعد رجعت بھی کر سکے گا، [۲] دوسرا معنی ہے انت واحدۃ عندی، یا انت واحدۃ عند قومی [تو میرے نزدیک یکتا ہے، یا میری قوم کے نزدیک یکتا ہے اور بے مثل ہے، اگر یہ معنی لیا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۴ ولما احتملت هذه الالفاظ الطلاق وغيره يحتاج فيه الى النية ولا يقع الا واحدة لان قوله انت طالق فيها مقتضى او مضمر ولو كان مظهرا لا تقع بها الا واحدة فاذا كان مضمراً او لى ۵ وفى قوله واحدة ان صار واحدة ان صار المصدر مذكورا لكن التنصيص على الواحدة ينافى نية الثلث ٦ ولامعتبر باعراب الواحدة عند عامة المشائخ وهو الصحيح لان العوام لا يميزون بين وجوه الاعراب

ترجمه: ۴ اور جب یہ الفاظ طلاق اور اس کے علاوہ کا احتمال رکھتے ہیں تو ان میں نیت کی ضرورت ہوگی، اور ایک ہی طلاق واقع ہوگی، اس لئے انت طالق یا تو اس کے اندر تقاضے کے طور پر ہے یا اس میں پوشیدہ ہے، پس اگر انت طالق ظاہر ہوتا تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی پس جب پوشیدہ ہے تو بدرجہ اولی ایک طلاق واقع ہوگی۔

تشریح: یہ تینوں الفاظ طلاق کا بھی احتمال رکھتے ہیں اور دوسرے معانی کا بھی احتمال رکھتے ہیں اس لئے ان میں نیت کرے گا تب طلاق واقع ہوگی اور نیت نہیں کرے گا تو دوسرے معانی کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی، اور ایک طلاق اس لئے واقع ہوگی کہ ان تینوں الفاظ میں انت طالق تقاضے کے اعتبار سے ہے، یا انت طالق پوشیدہ ماننا پڑتا ہے اور انت طالق سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے اس لئے ایک طلاق واقع ہوگی، مثلا اعتدی کا تقاضا ہے کہ انت طالق مانے اس لئے اس کی عبارت ہوگی, انت طالق فاعتدی، اور استبریء کا تقاضا ہے کہ انت طالق مانے، اور عبارت یوں ہوگی انت طالق فاستبریء، اور انت واحدۃ کے پہلے تطلیقۃ محذوف ماننا ضروری ہے اور عبارت ہوگی انت تطلیقۃ واحدۃ، اس لئے انت طالق کی وجہ سے ایک طلاق واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۵ اس کا قول واحدۃ میں اگر چہ مصدر ذکر کیا ہوا ہے لیکن واحدۃ کی تصریح ہے جو تین کے منافی ہے۔

تشریح: یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ انت واحدۃ کی عبارت تطلیقۃ واحدۃ بنے گی، تو تطلیقۃ مصدر ہے اس لئے اس میں تین کی نیت کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جب واحدۃ کی تصریح موجود ہے تو مصدر محذوف ہونے کی وجہ سے تین کی نیت کیسے کر سکتے ہیں! یہ تین کے منافی ہے۔

ترجمه: ٦ اور عام مشائخ کے نزدیک واحدۃ کے اعراب کا اعتبار نہیں ہے اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ عوام اعراب کے طریقوں میں تمیز نہیں کرتے۔

تشریح: عام مشائخ یہی فرماتے ہیں کہ انت واحدۃ میں واحدۃ کے اعراب کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ عوام اعراب کے مختلف طریقے کو اور اس کے مختلف احکام کو نہیں جانتے اس لئے واحدۃ پر چاہے رفع پڑھے چاہے منصوب پڑھے، چاہے سکون پڑھے ہر حال میں اس سے طلاق کی نیت کرنے سے طلاق واقع ہو جائے گی، صحیح بات یہی ہے۔ البتہ بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ واحدۃ کو نصب

(۱۸۱۵) قال وبقية الكنايات اذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائنةً وان نوى ثلثا كان ثلثا وان نوى ثنتين كانت واحدة بائنة

کے ساتھ بولے تو طلاق واقع ہوجائے گی چاہے نیت نہ کی ہو، اور رفع کے ساتھ طلاق واقع ہوجائے گی چاہے طلاق کی نیت کی ہو، اور سکون کے ساتھ بولے اور طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع ہوگی اور نیت نہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۱۸۱۵) اور بقیہ الفاظ کنایات اگر نیت کرے طلاق کی تو ایک طلاق بائنہ ہوگی۔ اور اگر نیت کرے تین کی تو تین اور اگر نیت کرے دو کی تو ایک ہوگی۔

تشریح: اوپر کے تین الفاظ کے علاوہ کنایات کے جتنے الفاظ ہیں ان میں نیت نہیں کرے گا تو کچھ واقع نہیں ہوگی۔ اور طلاق کی نیت کرے گا تو ایک طلاق بائنہ ہوگی، طلاق رجعی نہیں۔ اور دو طلاق کی نیت کرے گا تب بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگی دو نہیں۔ اور تین طلاق کی نیت کرے گا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

وجہ: (۱) نیت کرنے پر ایک طلاق بائنہ واقع ہونے کی وجہ یہ اثر ہے۔ عن ابراهيم قال اذا قال لا سبيل لى عليك فهي تطليقة بائنة (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۹ فی رجل قال لامرأتہ قد خلیت سبیلک او لا سبیل لی علیک، ج رابع، ص ۸۱، نمبر ۱۷۹۸۹ رمصنف عبد الرزاق، باب اذھبی فانکحی، ج سادس، ص ۲۸۶، نمبر ۱۱۲۶۱) اس اثر میں لا سبيل لى عليك لفظ کنایہ ہے۔ جس سے طلاق کی نیت کرنے سے حضرت ابراہیم نے طلاق بائنہ واقع کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیت کرنے سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے عمرۃ ابنۃ جون کو الحقی باهلک کہا اور طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگئی۔ حدیث یہ ہے۔ عن عائشة ان ابنة الجون لما ادخلت على رسول الله ﷺ ودنا منها قال اعوذ بالله منك فقال لها لقد عذت بعظيم الحقى باهلك۔ (بخاری شریف، باب من طلق وھل یواجہ الرجل امرأتہ بالطلاق، ص ۷۹۰، نمبر ۵۲۵۴) اور دو طلاق کی نیت کرے گا تو دو واقع نہیں ہوگی اس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے کہ یہ الفاظ جنس کا احتمال رکھتے ہیں جس سے مجموعہ مراد ہوگی اور طلاق کا مجموعہ تین ہے اس لئے تین کی نیت کرے گا تو تین واقع ہوگی اور دو نہ فرد اقل ہے اور نہ مجموعہ ہے۔ اس لئے دو کی نیت کرے گا تو دو واقع نہیں ہوگی۔ (۳) الفاظ کنایات میں تین کی نیت کرے گا تو تین واقع ہوگی اس کے لئے یہ اثر ہے۔ عن الثورى فى قوله اذهبى ، و الحقى، و اخرجى ، و نحو هذا قال نيته ان نوى ثلاثا فثلاث و ان نوى واحدة ، فواحدة بائنة ، و ان لم ينو شيئا فلا شيء ، و لا يكن ثنتين ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب اذھبی فانکحی، ج سادس، ص ۲۸۶، نمبر ۱۱۲۶۱) اس اثر میں ہے کہ الفاظ کنایہ سے طلاق بائنہ واقع ہوگی، اور یہ بھی ہے کہ ایک کی نیت کرے گا تو ایک، اور تین کی نیت کرے گا تین، اور دو کی نیت کرے گا تو دو واقع نہیں ہوگی۔ (۴) اور یہ اثر بھی ہے۔ عن على قال الخلية والبرية

(۱۸۱۶) **وهذا مثل قوله انت بائن وبتّةٌ وبتلة وحرام وحبلک علىٰ غاربک والحقی باهلک وخلیة وبریة ووهبتک لاهلک وسرحتک وفارقتک وامرک بیدک واختاری وانت حرة وتقنّعی وتخمّری واستتری واغربی واخرجی واذهبی وقومی وابتغی الازواج** ﴾ ۱ ﴿ **لانها تحتمل الطلاق وغیره فلا بد من النیة**

والبتة والبائن والحرام اذا نوای فهو بمنزلة الثلاث ۔(سنن للبیہقی ، باب قال فی الکنایات انھا ثلث، ج سابع ،ص ۵۶۴، نمبر ۱۵۰۱۷)(۵)لفظ کنایہ بول کر تین کی نیت کرنے سے تین طلاق واقع ہوگی اس کی دلیل حضرت رفاعۃ کی لمبی حدیث ہے جس میں , طلقنی فبت طلاقی، کہا ہے اور بت لفظ کنایہ سے تین طلاق مراد لی ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ان رفاعة طلقنی فبت طلاقی وانی نکحت بعده عبد الرحمن بن زبیر القرظی (بخاری شریف ،باب من جوز الطلاق الثلاث ،ص ۹۱۷،نمبر ۵۲۶۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لفظ کنایہ بول کر تین طلاق مراد لی جا سکتی ہے۔(۶)عن ابراهیم فی الخلیة ان نوی طلاقا فادنی ما یکون تطلیقه بائن ان شاء وشاء ت تزوجها وان نوی ثلاثا فثلاث. (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۶۴ ما قالوا فی الخلیۃ ، ج رابع ،ص ۵۶،نمبر ۱۸۱۴۸)اس اثر میں ہے کہ طلاق کی نیت کرے گا تو ادنی درجہ ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور تین کی نیت کرے گا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

ترجمہ : (۱۸۱۶) اور یہ مثلا تو [۱] بائنہ ہے، [۲] تو قطع والی ہے [۳] تو قطع والی ہے، [۴] تو حرام ہے، [۵] تیری رسی تیری گردن پر ہے، [۶] اور تو اپنے گھر والوں کے ساتھ مل جا، [۷] تو چھٹی ہوئی ہے، [۸] اور تو بری ہے، [۹] اور میں نے تجھکو تیرے گھر والوں کو ہبہ کر دیا، ، [۱۰] اور میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، [۱۱] اور میں نے تجھ سے مفارقت کی ، [۱۲] اور تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، [۱۳] اور اختیار کر لو، [۱۴] اور تو آزاد ہے، [۱۵] تو قناع چہرہ پر ڈال لے، [۱۶] تو خمار اوڑھ لے، [۱۷] تو چھپ جا۔ [۱۸]، تو دور ہو جا، [۱۹] تو نکل جا، [۲۰] تو چلی جا، [۲۱] تو کھڑی ہو جا، [۲۲] اور تو شوہر تلاش کر لے۔

ترجمہ : ۱ کیونکہ یہ الفاظ طلاق اور غیر طلاق کا احتمال رکھتے ہیں اس لئے نیت کی ضرورت ہے۔

لغت : بتۃ :ٹکڑے ٹکڑے کرنا،اس سے طلاق دے کر ٹکڑا ٹکڑا کرنا مراد ہو سکتا ہے،اور کسی معاملے میں ٹکڑے ٹکڑے کرنا مراد ہو سکتا ہے۔بتلۃ : کاٹ کر جدا کرنا ، یا عورت کو یا کسی اور معاملے کو کاٹنا۔حبلک علی غاربک :حبل کا معنی رسی ، غارب کا معنی ہے گردن ،تمہاری رسی تمہاری گردن پر ہے۔خلیۃ : خالی کرنا چھوڑنا۔ بریۃ : بریء سے مشتق ہے ، بری ہونا ، دور کرنا۔ سرحتُ : سرح سے مشتق ہے چھوڑ دینا ، جانور کو چرنے کے لئے چھوڑنا۔امرک بیدک :تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تقنعی : قنع سے مشتق ہے ،عورت کا دوپٹہ اوڑھنا۔اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ دوسروں سے پردہ کر لو، اور دوسرا مطلب ہے کہ مجھ سے پردہ کر لو کیونکہ میں نے طلاق دے دی

ہے۔تخمری: خمار سے مشتق ہے، دوپٹہ اوڑھنا، چھپانا۔استتری: ستر سے مشتق ہے، چھپ جاؤ۔اغربی: غرب سے مشتق ہے، چھپ جاؤ۔ابتغی الازواج :شوہر کو تلاش کرلو، بغی سے مشتق ہے، تلاش کرنا، اس عبارت کا ایک مطلب یہ ہے کہ طلاق دے دی ہے اس لئے اب شوہر تلاش کرو، یہ مطلب لینے سے طلاق واقع ہو جائے گی، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ شوہر ابھی سے تلاش کر کے رکھو میں بعد میں طلاق دے دوں گا، یہ مطلب لینے سے ابھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح : یہ ۲۲ الفاظ ہیں جن کے دو معانی ہیں، ایک معنی لینے سے طلاق واقع ہوتی ہے اور دوسرا معنی لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی اس لئے ان میں نیت کرے گا تو طلاق واقع ہوگی اور نیت نہیں کرے گا تو دوسرے معنی کے احتمال کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ : (۱) بائن، بتۃ، حرام، خلیۃ، بریۃ الفاظ کنایہ ہیں اس کے لئے یہ اثر ہے۔عن علی قال الخلیة والبریة والبتة والبائن والحرام اذا نوای فھو بمنزلة الثلاث ۔(سنن للبیہقی، باب قال فی الکنایات انہا ثلث، ج سابع ،ص ۵۶۴،نمبر ۱۵۰۱۷)(۲) اور حبلک علی غاربک الفاظ کنایہ ہے اس کے لئے یہ اثر ہے۔ان رجلا قال لامرأته حبلک علی غاربک قال ذلک مرارا فاتی عمر بن الخطاب فاستحلفه بین الرکن والمقام ما الذی اردت بقولک قال اردت الطلاق ففرق بینھما(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی کنایات الطلاق التی لا یقع الطلاق بہا الا ان یرید بمخرج الکلام منہ الطلاق، ج سابع ،ص ۵۶۲،نمبر ۱۵۰۱۲ رمصنف عبد الرزاق، باب حبلک علی غاربک، ج سادس ،ص ۳۸۸،نمبر ۱۱۲۷۶)(۳) الحقی باھلک الفاظ کنایہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عائشة ان ابنة الجون لما ادخلت علی رسول الله ﷺ ودنا منھا قال اعوذ بالله منک فقال لھا لقد عذت بعظیم الحقی باھلک ۔(بخاری شریف، باب من طلق وھل یواجہ الرجل امرأتہ بالطلاق ،ص ۷۹۰،نمبر ۵۲۵۴) (۴) اذہبی اخرجی اور الحقی باھلک الفاظ کنایہ ہیں اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن الثوری فی قوله اذھبی ، و الحقی، و اخرجی ، و نحو ھذا قال نیته ان نوی ثلاثا فثلاث و ان نوی واحدة ، فواحدة بائنة، و ان لم ینوشیئا فلا شیء ، و لا یکن ثنتین ۔(مصنف عبد الرزاق، باب اذھبی فانکحی، ج سادس ،ص ۳۸۶،نمبر ۱۱۲۶۱)(۵) وہبتک الفاظ کنایہ ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن علی بن ابی طالب قال فی الموھوبة قال ان قبلوھا فھی واحدة و ان لم یقبلوھا فلیس بشیء ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یقول لامرأتہ قد وھبتک لاھلک ج سادس ،ص ۳۸۸،نمبر ۱۱۲۷۹)(۶) اختاری الفاظ کنایہ ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔عن عائشة قالت خیرنا رسول الله ﷺ فاخترنا الله ورسوله فلم یعد ذلک علینا شیئا (بخاری شریف، ماب من خیر ازواجہ ،ص ۷۹۱،نمبر ۵۲۶۲)(۷) امرک بیدک الفاظ کنایہ میں سے ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن علی و عبد الله و زید قالوا امرک بیدک و اختاری سواء (مصنف ابن ابی شیبة، باب من قال اختاری، وامرک بیدک سواء، ج رابع ،ص ۹۲،نمبر ۱۸۱۰۱)(۸) اختاری الفاظ کنایہ ہے اس کے لئے یہ اثر ہے۔

(۱۸۱۷) قال الا ان یکون فی حالة مذاکرة الطلاق فیقع بها الطلاق فی القضاء ولایقع فیما بینه وبین الله تعالیٰ الاان ینویه ﴾ ۱؎ قالؓ سوی بین هذه الالفاظ وهٰذه فیما یصلح رداً

قال عبد الله اذا خیر الرجل امراته فاختارت نفسها فواحدة بائنة و ان اختارت زوجها فلا شیء قال علیؓ ان اختارت نفسها فواحدة بائنة و ان اختارت زوجها فواحدة و هو املک بها ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی الرجل یخیر امراتہ فتختارہ ان تختار نفسھا، ج رابع، ص۹۰، نمبر ۱۸۰۸۷)

ترجمہ : (۱۸۱۷) مگر یہ کہ طلاق کا تذکرہ ہو تو ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگی بطور قضا کے اور فیما بینہ و بین اللہ واقع نہیں ہو گی مگر یہ کہ نیت کرے۔

تشریح: الفاظ کنایہ بول کر طلاق کی نیت نہ کی ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ البتہ طلاق کا ذکر چل رہا تھا اور انداز یہ تھا کہ الفاظ کنایہ بول کر طلاق دینا چاہتا ہے تو قضاء اور فیصلے کے اعتبار سے طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ مذاکرۂ طلاق کے وقت ان الفاظ کے بولنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ طلاق دینا چاہتا ہے۔ لیکن شوہر اور اللہ کے درمیان یہی ہے کہ نیت کی ہوگی تو طلاق واقع ہوگی اور نیت نہیں کی ہوگی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ : (۱) مذاکرہ طلاق کا ایک واقعہ عمرۃ بنت جون کا ہے کہ اس نے پناہ چاہی اور حضورؐ کو ہاتھ لگانے نہیں دیا تو آپؐ نے لفظ کنایہ فرمایا 'الحقی باھلک'، تو چونکہ مذاکرہ طلاق کا ماحول تھا اس لئے الحقی باھلک سے طلاق واقع ہوگئی۔ اور یہاں طلاق دینے کی نیت بھی تھی جس کی وجہ سے طلاق واقع ہوگئی۔ حدیث یہ ہے۔ عن عائشة ان ابنة الجون لما ادخلت علی رسول الله ودنا منه قالت اعوذ بالله منک فقال لها لقد عذت بعظیم الحقی باھلک. (بخاری شریف، باب من طلق وھل یواجہ الرجل امرأتہ بالطلاق ص ۷۹۰ نمبر ۵۲۵۴) اس حدیث میں اعوذ بالله منک تذکرہ طلاق ہے جس کی وجہ سے الحقی باھلک سے طلاق واقع ہوئی۔

ترجمہ : ۱؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صاحب قدوریؒ نے ان تمام الفاظ میں ایک حکم لگا دیا، حالانکہ یہ حکم صرف ان الفاظ کا ہے جو رد کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو۔

تشریح: صاحب قدوری نے کنایات کے تمام الفاظ میں یہ حکم لگا دیا کہ مذاکرہ طلاق ہو تو نیت نہ ہونے کے باوجود طلاق واقع ہو جائے گی، حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ جو الفاظ عورت کے مطالبے کو رد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اس کا حکم یہ ہے کہ مذاکرہ طلاق کے وقت بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن جو الفاظ عورت کے مطالبے کو رد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اس سے صرف مذاکرہ طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوگی، بلکہ نیت کے بعد طلاق واقع ہوگی۔

۲ والجملة فی ذلک ان الاحوال ثلثة حالة مطلقة وهی حالة الرضاء وحالة مذاکرة الطلاق وحالة الغضب ۳ والکنایات ثلثة اقسام ما یصلح جوابا وردا وما یصلح جوابا لا ردا وما یصلح جوابا ویصلح سبا وشتیمة ۴ ففی حالة الرضاء لا یکون شئ منها طلاقا الا بالنیة والقول قوله فی انکار النیة لما قلنا

ترجمہ : ۲ اس بارے حاصل یہ ہے کہ تین حالتیں ہیں[۱] مطلق حالت، اور یہ رضامندی کی حالت ہے[۲] طلاق کے تذکرے کی حالت[۳] اور غصے کی حالت۔

تشریح: آدمی کی حالتیں تین ہیں[۱] ایک حالت رضامندی کی اس حالت میں الفاظ کنایہ میں طلاق کی نیت کرے گا تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں، [۲] دوسری حالت ہے طلاق کے تذکرے کی، اگر عورت طلاق مانگ رہی ہے، یا اس کا کوئی رشتہ دار طلاق مانگ رہا ہے اور اس وقت ایسے الفاظ استعمال کئے جو صرف جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں اس مطالبے کو رد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہوں تو چاہے طلاق کی نیت نہ کی ہو تب بھی قضاء طلاق واقع ہو جائے گی۔ جیسے خلیۃ، بریۃ، بائن، بتۃ، حرام، اعتدی، امرک بیدک، اختاری، یہ آٹھ الفاظ ایسے ہیں جو جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں مطالبے کو رد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لئے ان کے استعمال سے بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔ [۳] اور تیسری حالت غصے کی ہے، جو الفاظ رد کی یا گالی کا احتمال رکھتے ہوں ان میں یہ کہے کہ طلاق کی نیت نہیں کی ہے تو مان لی جائے گی، کیوں کہ ہو سکتا ہو کہ رد کرنے کے لئے یا گالی دینے کے لئے یہ الفاظ کہے ہوں، وہ الفاظ یہ ہیں اعتدی، اختاری، امرک بیدک۔

ترجمہ: ۳ اور الفاظ کنایات کی بھی تین قسمیں ہیں[۱] جو جواب دینے کا اور رد کی صلاحیت رکھتا ہو[۲] جو جواب کی صلاحیت رکھتا ہو رد کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو[۳] جو جواب کی صلاحیت، اور گالی گلوج کی صلاحیت رکھتا ہو۔

تشریح : الفاظ کنایات کی بھی تین قسمیں ہیں[۱] ایک وہ الفاظ جو طلاق کا جواب بھی بن سکتے ہیں اور طلاق کے مطالبے کے لئے انکار بھی بن سکتے ہیں۔ [۲] دوسرے وہ الفاظ ہیں جو جواب بن سکتے ہیں طلاق کے مطالبے کے لئے رد اور انکار نہیں بن سکتے۔ [۳] اور تیسرے وہ الفاظ ہیں جو جواب بھی بن سکتے ہیں اور گالی دینا بھی بن سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۴ پس رضامندی کی حالت میں طلاق نہیں ہوگی مگر نیت کے ذریعہ اور نیت کے انکار کے بارے میں قسم کے ساتھ اسی کی بات مانی جائے گی اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح : اگر رضامندی کی حالت ہو تو الفاظ کنایہ میں نیت کے بغیر طلاق نہیں ہوگی، اور چونکہ یہ الفاظ طلاق کے علاوہ کا بھی احتمال رکھتے ہیں اس لئے قسم کے ساتھ کہہ دے کہ طلاق کی نیت نہیں تھی تو اس کی بات مان لی جائے گی۔

۵ وفی حالة مذاکرة الطلاق لم یصدق فیما یصلح جوابا ولا یصلح ردا فی القضاء مثل قوله خلیلة وبریة بائن بتةٌ حرام اعتدی امرک بیدک اختاری، لان الظاهر ان مراده الطلاق عند سوال الطلاق ٦ ویصدق فیمایصلح جوابا وردا مثل قوله اذهبی اخرجی قومی تقنعی تخمری وما یجری هذاالمجری لانه یحتمل الرد وهو الادنی فحمل علیه ٧ وفی حالة الغضب یصدق فی جمیع ذلک لاحتمال الرد اوالسب الا فیما یصلح للطلاق ولا یصلح للرد والشتم کقوله اعتدی واختاری وامرک بیدک فانه لا یصدق فیها لان الغضب یدل علی ارادة الطلاق

ترجمه: ۵ اورطلاق کے تذکرے کی حالت میں تصدیق نہیں کی جائے گی ان الفاظ میں جو جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور رد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے قضا کے طور پر، مثلا۔ خلیۃ، بریۃ، بائن، بتۃ، حرام، اعتدی، امرک بیدک، اختاری، اس لئے کہ ظاہری طور پر طلاق کے سوال کے وقت میں اس کی مراد طلاق دینا ہے۔

تشریح: طلاق کا تذکرہ چل رہا ہو یعنی عورت طلاق مانگ رہی ہو تو اس موقع پر ایسے الفاظ استعمال کرنا جو جواب بن سکتے ہوں اور رد اور انکار نہیں بن سکتے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ طلاق ہی دینا چاہتا ہے اس لئے اس سے قضاء طلاق واقع ہو جائے گی چاہے نیت نہ کی ہو، بلکہ شوہر کہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی ہے تب بھی اس کی بات نہیں مانی جائے گی، اور یہ الفاظ اوپر خلیۃ وغیرہ گزر چکے ہیں۔

ترجمه: ٦ نیت نہ کرنے کی تصدیق کی جائے گی ان الفاظ میں جو جواب اور رد دونوں کی صلاحیت رکھتے ہوں جیسے: اذھی، اخرجی، قومی، تقنعی، تخمری، یا جو اس کے قائم مقام ہو اس لئے یہ الفاظ رد کا احتمال رکھتے ہیں اور یہ ادنی درجہ ہے اس لئے اس پر حمل کیا جائے گا۔

تشریح: طلاق مانگ رہی ہو ایسے وقت میں ایسے الفاظ استعمال کئے جو جواب بن سکتے ہوں یعنی میں نے تم کو طلاق دیا، اور رد بھی ہو سکتا ہو، یعنی میں تم کو طلاق نہیں دیتا، تو ایسی صورت میں کم سے کم درجہ رد کا ہے کیونکہ اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی اس لئے رد پر محمول کر کے طلاق واقع نہیں کی جائے گی۔ یہ الفاظ اوپر گزر چکے۔

ترجمه: ٧ اور غصے کی حالت میں ان تمام میں نیت نہ کرنے کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ رد کرنے کا اور گالی دینے کا احتمال رکھتے ہیں۔ مگر تین الفاظ جو صرف طلاق دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور رد کرنے یا گالی دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اور وہ اس کا قول اعتدی، اختاری، اور امرک بیدک ہے۔

تشریح: اگر غصے کی حالت ہو تو تین الفاظ کے علاوہ تمام الفاظ کنایہ میں اس بات کی تصدیق کی جائے گی کہ اس نے طلاق کی

۸ؚ وعن ابی یوسفؒ فی قولہ لا ملک لی علیک ولا سبیل لی علیک وخلیک سبیلک وفارقتک انہ یصدق فی حالۃ الغضب لما فیھا من احتمال معنی السب

نیت کی ہے، اس لئے کہ غصے کی حالت ہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ شوہر نے گالی دینے کی یا رد کرنے کی کوشش کی ہو اس لئے اگر شوہر کہتا ہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو اس کی تصدیق کی جائے گی، البتہ تین الفاظ: اعتدی، اختاری، اور امرک بیدک، میں گالی دینے اور رد کا احتمال نہیں ہے اور غصے کی حالت ہے اس لئے یہی کہا جائے گا طلاق دینے کے ارادے سے یہ الفاظ کہے ہیں اس لئے اگر شوہر کہے کہ طلاق کی نیت نہیں تھی تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

نوٹ: [۱] یہ آٹھ الفاظ، جواب دینے کی صلاحیت ہے رد کی صلاحیت نہیں ہے:۔خلیۃ، بریۃ، بائن، بتۃ، حرام، اعتدی، امرک بیدک، اختاری۔

[۲] یہ پانچ الفاظ جواب اور رد دونوں کی صلاحیت رکھتے ہیں: اذھبی، اخرجی، قومی، تقنعی تخمری،

[۳] یہ تین الفاظ طلاق کی صلاحیت ہے، رد اور گالی کی صلاحیت نہیں ہے: اعتدی، اختاری، امرک بیدک۔

ترجمہ : ۸ؚ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس کا قول، لا ملک لی علیک، لا سبیل لی علیک، خلیت سبیلک، اور فارقتک، غصے کی حالت میں بھی تصدیق کی جائے گی اس لئے کہ اس میں گالی کے معنی کا احتمال ہے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ چار الفاظ، لا ملک لی علیک، لا سبیل لی علیک، خلیت سبیلک، اور فارقتک، گالی کا احتمال بھی ہے اس لئے غصے کی حالت میں یہ الفاظ کہے اور شوہر کہے کہ میں نے ان سے طلاق دینے کی نیت نہیں کی ہے بلکہ گالی کی نیت کی ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔مثلا [۱] لا ملک لی علیک، کا ایک ترجمہ ہے کہ تم پر ملکیت نہیں ہے یعنی میں نے طلاق دے دی، اور دوسرا مطلب ہے کہ تیرے اندر اتنی شرارت ہے یا تم اتنا نافرمان ہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میری ملکیت تیرے اوپر ہے، اور اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔[۲] لا سبیل لی علیک، کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ میرا تجھ پر راستہ نہیں ہے، اس لئے کہ میں نے تم کو طلاق دے دی ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم اتنا نافرمان ہو کہ میرا تم پر کوئی بس نہیں چلتا، اور اس مطلب سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔[۳] خلیت سبیلک، کا ایک مطلب یہ ہے کہ میں نے تیرا راستہ چھوڑ دیا ہے، یعنی طلاق دیدی ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تیری نافرمانی کی وجہ سے تیرا راستہ چھوڑ دیا ہے یعنی تم کو کسی بات میں روکتا نہیں ہوں، اور یہ مطلب لینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔[۴] فارقتک، ایک مطلب ہے کہ تیری نافرمانی کی وجہ سے تم کو اپنے بستر سے الگ کر دیا، اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں تم کو جدا کر دیا، یعنی طلاق دے دی۔اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

اصول:۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جن الفاظ سے یا حالات سے طلاق کا اندازہ ہوتا ہو اس سے طلاق واقع ہوگی۔

۹ ثم وقوع البائن بما سوى الثلثة الاول مذهبنا وقال الشافعيؒ يقع بها رجعي لان الواقع بها طلاق لانها كنايات عن الطلاق ولهذا تشترط النية وينتقص بها العدد والطلاق معقب للرجعة كالصريح

لغت السب : گالی، الشتیمۃ : گالی دینا۔

ترجمہ : **۹** پھر تین پہلے الفاظ کے علاوہ طلاق بائنہ کا واقع ہونا ہمارا مذہب ہے، اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ان تمام الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی، اس لئے کہ ان سے جو واقع ہوتی ہے وہ طلاق ہے، اس لئے کہ وہ طلاق سے کنایہ ہے، اسی لئے نیت کی شرط لگائی جاتی ہے، اور اس سے ایک عدد کم ہو جاتی ہے، اور طلاق کے بعد رجعت ہوتی ہے، جس طرح صریح طلاق دو تو رجعت ہوتی ہے [تو کنایہ سے بھی رجعت ہوگی]۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ کنایات کے پہلے تین الفاظ اعتدی، استبرای رحمک، انت واحدۃ، میں تو طلاق رجعی واقع ہوگی اور باقی الفاظ سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی، اس کے دلائل گزر گئے، اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ کنایات کے تمام الفاظ سے ایک طلاق رجعی ہی واقع ہوگی۔ مسئلہ نمبر (۱۷۹۴) میں گزر چکا ہے کہ امام شافعیؒ تمام الفاظ میں طلاق رجعی ہی واقع کرنے کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ طلاق ضرورت کی وجہ سے دی جاتی ہے ورنہ یہ مذموم ہے، اور ایک طلاق رجعی سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے اس لئے طلاق بائنہ واقع کرنے کی قطعا ضرورت نہیں ہے، اس کے لئے انہوں نے یہ حدیث بھی پیش کی تھی۔ (۱) **عن عبد الله بن على بن السائب عن نافع بن عجير بن عبد يزيد بن ركانة ان ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمية البتة فاخبر النبي ﷺ بذالك و قال والله ! ما اردت بها الا واحدة فقال رسول الله ﷺ و الله ! ما اردت الا واحدة فقال ركانة و الله ما اردت الا واحدة فردها اليه رسول الله ﷺ فطلقها الثانية فى زمان عمر و الثالثة فى زمان عثمان** (ابو داود شریف، باب فی البتۃ، ص ۳۱۹، نمبر ۲۲۰۶) اس حدیث کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ بائن یا البتۃ جیسے الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ (۲) اس اثر میں ہے۔ **عن ابراهيم عن عمر و عبد الله فى البائن تطليقة و هو املك برجعتها** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی البائن، ج رابع، ص ۹۷، نمبر ۱۸۱۶۱/ مصنف عبد الرزاق، باب البتۃ والخلیۃ، ج سادس، ص ۲۷۹، نمبر ۱۱۲۲۰) اس اثر میں ہے کہ لفظ بائن میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

لغت : (۱) لان الواقع بها الطلاق: ان الفاظ کنایہ سے جو واقع ہوگی وہ طلاق ہوگی، اور طلاق کا لفظ صریح ہو تو اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس لئے جب طلاق کی طرف کنایہ ہو تو اس سے بھی طلاق رجعی واقع ہونی چاہئے۔ (۲) لانها كنايات عن الطلاق: اسی وجہ سے ان الفاظ سے طلاق کی طرف کنایہ ہوتا ہے، یعنی اسکے دو معانی ہوتے ہیں، لیکن ایک معانی سے طلاق کی طرف اشارہ ہوتا ہے جسکی بنا پر طلاق واقع ہوتی ہے (۳) ولهذا تشترط النية: طلاق کی طرف کنایہ ہوتا ہے اسی لئے طلاق کی نیت کرے گا تب طلاق

۱۰ ولنا ان تصرف الابانة صدر من اهله مضافا الی محله عن ولایة شرعیة ولا خفاء فی الاهلیة والمحلیة والدلالة علی الولایة ان الحاجة ماسة الی اثباتها کیلا ینسد علیه باب التدارک ولا یقع فی عهدتها بالمراجعة من غیر قصد

واقع ہوگی اور نیت نہیں کرے گا تو طلاق واقع نہیں ہوگی ۔(۴) ینتقص بھا العدد: شوہر پہلے تین طلاق کا مالک تھا، کنایہ کے ذریعہ ایک طلاق دے دی تو اب دو طلاق دینے کا مالک رہا، اب تین میں سے ایک کم ہوگئی ۔(۵) والطلاق معقب للرجعۃ: اس سے استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ طلاق صریح کے بعد رجعت ہوتی ہے، اس لئے اس طلاق کنایہ کے بعد بھی رجعت ہونی چاہئے ۔(۶) کالصریح: جس طرح صریح طلاق دے تو اس سے رجعت ہوتی ہے اسی طرح کنایہ طلاق ہو تو اس سے رجعت ہوگی۔

تشریح: پوری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ، الفاظ کنایہ سے طلاق رجعی واقع ہوگی، کیونکہ ان الفاظ کنایہ سے طلاق کی طرف کنایہ ہے، یہی وجہ ہے کہ طلاق واقع کرنے کے لئے اس میں نیت کی شرط ہے، اور الفاظ کنایہ سے طلاق واقع ہونے کے بعد تین طلاق میں سے ایک طلاق کم ہو جائے گی، اور جب طلاق سے کنایہ ہے تو طلاق کے بعد رجعت ہوتی ہے اس لئے اس کے بعد بھی رجعت ہوگی، جیسے صریح طلاق کے بعد رجعت کرنے کا حق ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۱۰ ہماری دلیل یہ ہے کہ بائن کرنے کا تصرف اہل سے صادر ہوا ہے اور محل کی طرف منسوب ہے، اور تصرف کرنے والے کو شرعی ولایت بھی حاصل ہے، اہل ہونے میں اور محل ہونے میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے، اور ولایت پر دلالت یہ ہے کہ بائنہ کو ثابت کرنے کی دلیل موجود ہے تا کہ اس پر تدارک کا دروازہ نہ بند ہو جائے، اور تا کہ بغیر ارادے کے رجعت کر کے عورت کے ذمے میں نہ پڑ جائے۔

لغت: اس عبارت میں چھ جملے محاوری ہیں، پہلے اس کو سمجھنا ضروری ہے۔[۱] صدر من اہلہ: یہ محاورہ ہے اور بار بار آتا ہے۔ آدمی عاقل ہو، بالغ ہو اور تصرف کے قابل ہو اس کو، اہل، کہتے ہیں۔ اور اس سے جو حکم صادر ہو اس کو، صدر من اہلہ، کہتے ہیں، یہاں شوہر عاقل اور بالغ ہے اور طلاق بائنہ دینے کا اہل ہے۔[۲] مضافا الی محلّہ: عورت بیوی ہے، اور شوہر کے طلاق دینے کا محل ہے اس لئے بیوی کی طرف طلاق بائنہ منسوب کرنا مضافا الی محلّہ ہوا۔[۳] ولایۃ شرعیہ: بیوی کو طلاق دینے کا شوہر کو حق ہے اس کو، ولایت شرعیہ، کہتے ہیں۔[۴] الحاجۃ ماسۃ الی اثباتھا: یہ بھی ایک محاورہ ہے جو بار بار آتا ہے، مطلب یہ ہے کہ طلاق بائنہ ثابت کرنے کی حاجت ہے۔ کیونکہ اگر تین طلاق دے تو بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہوگی، اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عورت حلالے کے لئے تیار نہ ہو، یا کوئی مرد حلالے کے لئے نہ ملے، اس لئے تین طلاق دینا ایک مشکل کام ہے۔ اور طلاق رجعی دینے میں نقصان یہ ہے کہ عورت کی نافرمانی کی وجہ سے شوہر رجعت نہیں کرنا چاہتا ہے لیکن عورت نے شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لے لیا تو رجعت ہو جائے گی، اور شوہر

۱۱ ولیست بکنایات علی التحقیق لانها عوامل فی حقائقها ۱۲ والشرط تعین احد نوعی البینونة دون الطلاق ۱۳ وانتقاص العدد لثبوت الطلاق بناء علی زوال الوصلة

کو بلا وجہ عورت کے حوالے ہونا ہوگا، اس لئے درمیان کا راستہ یہ ہے کہ طلاق بائنہ دے دے جس سے نکاح کے بعد عورت واپس آسکتی ہے اور حلالہ کرانے کی بھی ضرورت نہیں ہے اس لئے طلاق بائنہ کی ضرورت ہے، اس لئے امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ طلاق رجعی سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے، صحیح نہیں ہے۔ اسی کو ,الحاجۃ ماسۃ الی اثباتھا، کہتے ہیں۔ [۵] ینسد علیہ باب التدارک: تین طلاق دے کر اپنے اوپر تدارک کا دروازہ نہ بند کر لے۔ [۶] لایقع فی عھدتھا بالمراجعۃ من غیر قصد: شوہر نہیں چاہتا ہے کہ، عورت کے بوسہ لینے کی وجہ سے بغیر ارادے کے رجعت ہو جائے اور دوبارہ عورت کے ذمے لگ جائے، طلاق رجعی دینے میں یہ نقصان ہے۔

تشریح: پوری عبارت کی تشریح یہ ہے کہ، شوہر جو اہل ہے اس نے عورت کو طلاق دی جو طلاق کا محل ہے، اور اس کو طلاق دینے کی ولایت شرعیہ بھی حاصل ہے، اور طلاق بائنہ دینے کی ضرورت بھی ہے، تاکہ تین طلاق دے کر اپنے اوپر تدارک کا دروازہ نہ بند کر دے، اور طلاق رجعی دینے سے بغیر ارادے کے رجعت ہو کر دوبارہ عورت کے حوالے نہ ہو جائے، اس لئے الفاظ کنایات سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

ترجمہ: ۱۱ تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ الفاظ کنایہ کی نہیں ہے اس لئے کہ اپنی حقیقت پر عمل کرنے والے ہیں۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ یہ الفاظ طلاق کی طرف کنایہ ہیں، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ الفاظ طلاق کی طرف کنایہ نہیں ہے، بلکہ ان الفاظ کے دو معانی ہیں، [۱] ایک معنی کے اعتبار سے طلاق ہوتی ہے [۲] اور دوسرے معنی کے اعتبار سے طلاق نہیں ہوتی ہے، ان میں سے ایک معنی کو متعین کیا جس سے طلاق ہوئی، تو یہ اس لفظ ہی کا معنی طلاق ہے، اس لئے طلاق کی طرف کنایہ نہیں ہے، طلاق کی طرف کنایہ اس کو کہتے ہیں کہ اس لفظ کا معنی کسی اعتبار سے طلاق نہ ہو، پھر بھی اس لفظ سے طلاق کی طرف اشارہ کرے تو اس کو طلاق کی طرف کنایہ کہتے ہیں۔ یہاں تو اپنی حقیقی معنی پر عمل ہے۔

ترجمہ: ۱۲ اور شرط بینونت کی دو قسموں میں سے ایک کو تعین کرنا ہے طلاق دینا نہیں ہے۔

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ الفاظ کنایہ میں طلاق صریح کی نیت کرنی پڑتی ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اس میں طلاق کی نیت نہیں کرتے، بلکہ بینونت کی دو قسمیں ہیں [۱] ایک بینونت غلیظہ یعنی تین طلاق، [۲] اور دوسرا بینونت خفیفہ ایک طلاق، اور نیت کر کے دو بینونت میں سے ایک کا تعین کرتے ہیں، اس لئے یہ دلیل پکڑنا کہ طلاق صریح کی نیت کرتے ہیں اس لئے اس سے رجعی واقع ہوگی صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱۳ اور عدد کا کم ہونا طلاق بائنہ ثابت ہونے کی وجہ سے ہے۔

۱۴ وانما یصح نیة الثلث فیها لتنوع البینونة الی غلیظة و خفیفة وعند انعدام النیة یثبت الادنی (۱۸۱۸) ولا تصح نیة الثنتین عندنا ﴾ ۱ خلافالزفرؒ لانه عدد وقد بیناه من قبل

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ کنایہ سے عدد کم ہو جاتا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ طلاق رجعی ہو، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ عدد تو کم ہوتا ہے، لیکن طلاق بائنہ ہو کر عدد کم ہوتا ہے، طلاق رجعی ہو کر نہیں۔ اس عبارت میں زوال الوصلۃ: کا ترجمہ ہے نکاح کا تعلق مکمل ختم ہونا، یعنی طلاق بائنہ واقع ہونا۔

ترجمہ: ۱۴ اور اس میں تین کی نیت صحیح ہے اس لئے کہ بینونت کی دو قسمیں ہیں [۱] بینونت غلیظہ [۲] اور بینونت خفیفہ، اور نیت نہ ہوتے وقت ادنی ثابت ہوگا۔

تشریح: یہ بھی ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ کنایہ کے الفاظ اگر اصلی معنی میں استعمال ہوئے ہیں، تو جس طرح طلاق کے صریح الفاظ میں ایک طلاق کی نیت ہوتی ہے تین کی نہیں ہوتی ہے اسی طرح کنایہ کے الفاظ میں بھی ایک ہی کی نیت ہونی چاہئے، تو اس کا جواب ہے کہ تین کی نیت ایک اور تین کے عدد کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ ایک فرد اور مجموعی فرد کے اعتبار سے ہے، کیونکہ بینونت کی دو قسمیں ہیں ایک خفیفہ بینونت یعنی ایک طلاق بائنہ، اور دوسری غلیظہ بینونت یعنی مجموعی طلاق، اس لئے الفاظ کنایہ سے تین کی نیت مجموعی طلاق کی وجہ سے اور غلیظہ بینونت کی وجہ سے ہے، اور اگر تین کی نیت نہ کرے تو ادنی درجہ کی بینونت ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

ترجمہ: (۱۸۱۸) اور ہمارے نزدیک دو کی نیت صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ خلاف امام زفرؒ کے، اس لئے کہ دو عدد محض ہے، اور اس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے

تشریح: الفاظ کنایہ میں ایک اور تین طلاق بائنہ کی نیت کر سکتا ہے، لیکن دو طلاق کی نیت نہیں کر سکتا، اس کی وجہ ابھی بیان کیا ہے کہ دو طلاق نہ فرد واحد ہے اور نہ فرد مجموعی ہے، بلکہ وہ عدد محض ہے اس لئے اس کی نیت نہیں کر سکتا، البتہ امام زفرؒ کے یہاں الفاظ کنایہ سے دو کی نیت بھی کر سکتا ہے، انکی دلیل یہ ہے کہ جب تین طلاق کی نیت کر سکتا ہے تو دو اس سے کم ہے اس کی بھی نیت کر سکتا ہے۔

وجہ: عن الثوری فی قوله اذهبی ، و الحقی و اخرجی و نحو هذا قال نیته ، ان نوی ثلاثا فثلاث ، و ان نوی واحدة فواحدة بائنة و ان لم شیئا فلا شیء ، و لا یکن اثنین ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب ازھی فانکحی، ج سادس، ص ۲۸۶، نمبر ۱۱۲۶۱) اس اثر میں ہے کہ ایک کی نیت جائز ہے اور تین کی نیت جائز ہے، البتہ دو کی نیت جائز نہیں ہے۔

(۱۸۱۹) وان قال لها اعتدى اعتدى وقال نويت بالاولیٰ طلاقاً وبالباقی حيضاً دين فی القضاء
لے لانہ نوی حقیقة کلامه ولانه يامر امرأته فی العادة بالاعتداد بعد الطلاق فكان الظاهر شاهداً له
(۱۸۲۰) وان قال لم انوبالباقيان شيئا فهى ثلث ﴾ لے لانه لما نوى بالاولى الطلاق صار الحال حال مذاكرة الطلاق فتعين الباقيان للطلاق بهذه الدلالة فلا يصدق فى نفى النية

ترجمہ : (۱۸۱۹) اگر عورت سے کہا اعتدی، اعتدی، اعتدی اور کہا کہ پہلے سے طلاق کی نیت کی اور باقی سے حیض کی تو قضا کے طور پر تصدیق کی جائے گی۔

ترجمہ : لے اس لئے کلام کی حقیقت کی نیت کی، اور اس لئے کہ عادۃ طلاق کے بعد عورت کو عدت گزارنے کا حکم دیتے ہیں، اس لئے ظاہر اس کے واسطے شاہد ہے۔

تشریح : بیوی کو تین مرتبہ اعتدی کہا، کہا کہ میں پہلے اعتدی سے طلاق کی نیت کی ہے، اور باقی دو اعتدی سے عورت کو کہا کہ عدت گزار لو تو قضا کے طور پر بھی بات مان لی جائے گی۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ عموما آدمی طلاق دینے کے بعد بیوی کو عدت گزارنے کے لئے کہتا ہے اس لئے یہ ممکن ہے کہ پہلے اعتدی سے طلاق دی ہو اور دوسرے اور تیسرے اعتدی سے عدت گزارنے کے لئے کہا ہو، اور چونکہ اعتدی کا معنی ہی ہے عدت گزار لو اس لئے یہ اس کے حقیقی معنی پر محمول ہے، اس لئے قضا کے طور پر اس کی بات مان لی جائے گی۔ (۲) اس اثر میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ عن قتادة فی رجل قال لامراته : اعتدى ، اعتدى ، اعتدى ، هى ثلاث الا ان يقول كنت اقيمها الاول فهو على ما قال ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب قولہ اعتدی، ج سادس، ص ۲۸۴، نمبر ۱۱۲۴۸) اس اثر میں ہے کہ تین مرتبہ اعتدی کہا ہو اور کچھ نیت نہ کی ہو تو تین طلاق ہوگی، اور اگر پہلی سے طلاق کی نیت کی ہو اور باقی کو واقع نہیں کرنا چاہتا ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ (۳) اور نیت کرنے سے اعتدی سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله قال لسودة بنت زمعه اعتدى فجعلها تطليقة واحدة وهو املک بها. (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی کنایات الطلاق التی لا یقع الطلاق بھا الا ان یرید بمخرج الکلام منہ الطلاق ج سابع ص ۵۶۱، نمبر ۱۵۰۰۶ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۴ فی الرجل یقول لامرأتہ اعتدی ما یکونَ، ج رابع، ص ۷۲، نمبر ۱۷۸۹۱) اس حدیث میں ہے کہ اعتدی کہنے سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

ترجمہ: (۱۸۲۰) اور اگر کہا کہ باقی سے کسی چیز کی نیت نہیں کی تو تین واقع ہوگی۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ جب پہلے اعتدی سے طلاق کی نیت کی تو مذاکرہ طلاق کی حالت ہوگئی، اس لئے دلالت کی وجہ سے

۲ بخلاف ما اذاقال لم انوبا لکل الطلاق حیث لا یقع شئ لانه لا ظاهر یکذبه ۳ وبخلاف ما اذاقال نویت بالثالثة الطلاق دون الاولین حیث لا یقع الا واحدة لان الحال عندالاولین لم تکن حال مذاكرة الطلاق

باقی دو بھی طلاق کے لئے متعین ہو گیا اس لئے نیت کی نفی میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح : یہ دوسری صورت ہے۔ پہلے اعتدی سے طلاق کی نیت کی اور دوسرے اور تیسرے اعتدی سے کچھ نیت نہیں کی تو تین طلاق ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے اعتدی سے طلاق دی تو مذاکرہ طلاق کی حالت ہوگئی، اور کنایہ کے الفاظ میں طلاق کے مذاکرہ سے طلاق ہوتی ہے اس لئے دوسرے اور تیسرے اعتدی سے تین طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور یہ کہنا کہ میں دوسرے اور تیسرے سے کچھ نیت نہیں کی ہے اس کو نہیں مانا جائے گا۔

ترجمہ : ۲ بخلاف جبکہ کہا کہ پورے سے کچھ نیت نہیں کی ہے تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگی اس لئے کہ ظاہر اس کی تکذیب کرتی ہے۔

تشریح : تین مرتبہ اعتدی کہنے کے بعد کچھ بھی نیت نہیں کی تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگی، کیونکہ یہ الفاظ کنایہ ہے اور اس کے دو معانی ہیں اس لئے جب طلاق کے معنی کی نیت نہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، بلکہ دوسرا معنی کہ تم حیض گن لو مراد لیا جائے گا، تا کہ میں بعد میں طلاق دے سکوں اور طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۳ بخلاف جبکہ کہا، میں نے تیسرے اعتدی سے طلاق کی نیت کی نہ کہ دو پہلے سے اس طرح کہ ایک ہی طلاق واقع ہو گی، اس لئے کہ دو پہلے کے وقت مذاکرہ طلاق نہیں ہے۔

تشریح : پہلے اور دوسرے اعتدی کے وقت طلاق کی نیت نہیں تھی، اور تیسرے اعتدی کے وقت طلاق کی نیت کی تو تیسری طلاق ہوگی اور پہلی اور دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ پہلی اور دوسری کے وقت مذاکرہ طلاق نہیں ہے، مذاکرہ طلاق تو بعد میں ہے، اور پہلی اور دوسری کے وقت طلاق کی نیت بھی نہیں ہے۔ اس لئے صرف تیسری اعتدی سے طلاق واقع ہوگی۔

وجہ : اعتدی میں طلاق کی نیت کرے گا تو ایک طلاق واقع ہوگی اس کے لئے یہ اثر ہے۔ عن ابراهيم في الرجل قال لامرأته اعتدى قال هي تطليقة اذا عنى الطلاق۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۴ فی الرجل یقول لامرأتہ اعتدی ما یکون، ج رابع، ص ۲۷، نمبر ۱۷۸۹۱) اس اثر میں ہے کہ اعتدی سے طلاق کی نیت کرے گا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

۴ وفي كل موضع يصدق الزوج على نفي النية انما يصدق مع اليمين لانه امين في الاخبار عما في ضميره والقول قول الامين مع اليمين.

﴿اعتدی طلاق کی نیت ایک نظر میں﴾

	تین مرتبہ اعتدی میں نیت کا اعتبار	طلاق کا حکم
۱	پہلے سے طلاق کی نیت کی، اور باقی دو سے عدت گزارنے کی نیت کی	ایک طلاق ہوگی
۲	پہلے سے طلاق کی نیت کی، اور باقی دو سے کچھ نیت نہیں کی	تین طلاق ہوگی
۳	تینوں سے کچھ بھی نیت نہیں کی	کچھ واقع نہیں ہوگی
۴	پہلے اور دوسرے سے کچھ نیت نہیں کی، اور تیسرے سے طلاق کی نیت کی	ایک طلاق ہوگی

ترجمہ : ۴ ہر وہ جگہ جہاں نیت کی نفی میں شوہر کی تصدیق کی جائے گی تو وہ قسم کے ساتھ کی جائے گی، اس لئے کہ دل کے خبر دینے میں وہ امین ہے، اور امین کے قول کا اعتبار قسم کے ساتھ ہے۔

تشریح: ایک قاعدہ بتا رہے ہیں کہ جہاں جہاں شوہر کی بات کی تصدیق کی جاتی ہے وہاں قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی، کیونکہ وہ دل کی بات کی خبر دینے میں امین ہے اور امین کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے، اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔